ایم اے راحت
اپسرا

ساری حویلی خود پرستوں سے بھری ہوئی تھی۔ ہر ایک اپنی فکر میں غلطاں، ایک دوسرے سے بے نیاز اپنی ذات میں کھویا ہوا۔ سب عیش و عشرت میں ڈوبے ہوئے تھے۔ کسی کو کسی سے غرض نہیں تھی۔ ان سب کی بس ایک ہی ڈیوٹی تھی۔ ملک صاحب کی ہاں میں ہاں ملانا۔ ان کے لیے۔ دن کو رات اور رات کو دن سمجھنا۔ ملک صاحب خوش تو خدا خوش۔ ملک خداداد ہی اس حویلی کے خدا تھے۔ ان کی ذات پوری حویلی پر مسلط تھی۔ مجال کسی کی کہ ان کی آواز پر آواز نکالے جس نے آواز بلند کی راندۂ درگاہ ہوا۔ اس کے لیے حویلی ہی میں کیا، ملک صاحب کے آٹھوں گاؤں میں کوئی جگہ نہیں تھی۔ ملک صاحب کی خوشنودی عزت بخشتی تھی اور ان کی ناراضگی ذلت و رسوائی۔

آٹھ جوان بیٹوں کے باپ تھے —— لیکن آٹھوں بیٹوں سے زیادہ جوان، قد آور اور صحت مند۔ بیٹوں کی بہو بیٹیوں پر تو خیر آنچ نہیں آتی تھی لیکن باہر سے حسین عورتیں اور لڑکیاں آتی رہتی تھیں۔ رقص و سرود کی محفلیں آئے دن بھی رہتی تھیں۔ حویلی کے ایک مخصوص حصے میں یہ رنگ رلیاں ہوتی تھیں۔ لیکن بُرائی کہیں محصور نہیں ہوتی۔ بیٹے بھی باپ کے نقشِ قدم پر تھے سوائے میرے۔ جانے کیوں اور کہاں سے یہ بھولی بھٹکی شرافت میرے سینے میں آسمائی تھی اور مجھے پریشان کرتی رہتی تھی۔ ورنہ

اس حویلی میں اس کی کیا گنجائش تھی۔ جہاں کے دن اور راتیں ہارمونیم اور طبلے کی آوازوں سے مرتعش ہوں۔ جہاں کے چپے چپے میں گھنگھروؤں کی جھنکار بسی ہو۔ جہاں کا قانون ملک خداداد خان کا بنایا ہوا ہو۔ وہ قانون جو کتابوں میں نہیں تھا۔ کتابوں کا اس حویلی میں کوئی گزر نہیں تھا۔ کتابیں پڑھ کر وقت ضائع کرنے کے بجائے یہاں زراعت کی عملی تعلیم مناسب سمجھی جاتی تھی۔ زرخیز اور بانجھ زمینوں کی شناخت، فصلوں کی بوائی اور کٹائی کے طریقے۔ کسانوں کے خون پسینے سے کیا کچھ حاصل کیا جا سکتا ہے۔ مزدوروں کو آدھے پیٹ روٹی دے کر کس طرح زندہ رکھا جا سکتا ہے۔ کس طرح انہیں ان کی اوقات بتائی جاتی ہے۔ خود کو اُونچا رکھنے کے لیے دوسروں کو نیچے رکھنے کا طریقہ۔ تعلیم تھی تو بس یہ تھی اور یہی تعلیم اس حویلی میں رائج تھی۔

جو ملک خداداد صاحب سے بڑا تھا۔ [illegible] ایک
دوسرے سے ایک سال بڑے لگے۔ دولت کی ریل پیل
[illegible] تھا اور ملک صاحب کو [illegible] کی عورت
[illegible] وہ [illegible] کو خدا نے انہیں
[illegible] تھی۔ [illegible] کوئی تصور
[illegible] کے بعد [illegible] کے بعد میری
[illegible] ملک صاحب [illegible] کے
[illegible] ملک صاحب نے ایک بار کہہ دیا تھا
[illegible] پھر سے وراثت تھی کہ وہ اکثر
[illegible] لیکن مجھے اس بات سے اختلاف تھا
[illegible] اس سے کہا تو انہوں نے میرے
سر پر ہاتھ [illegible]
"کیوں [illegible] ہو گئے۔ تمہارے باپ نے بھی [illegible] لیا تو
[illegible] زندگی اور دولت تو خدا کے
[illegible] بھی [illegible] ہوتے ہیں؟
بہرحال آپ لوگوں کا خیال ہے۔ یہاں کسی کو آپ کی
[illegible] اگر سب [illegible] تو؟"
"ہماری زندگی بھی [illegible] ہوتے ہیں ہوں گے۔"
میں [illegible] نہیں [illegible] اور میں خاموش
رہا۔ لیکن مجھے یہ سب کچھ پسند نہیں تھا۔
لوگوں کا خیال تھا [illegible] کے دوسرے لوگوں سے
مختلف ہوں۔ میری فطرت سب سے الگ ہے۔ [illegible]
ہو۔ لیکن [illegible]
محسوس کرتا تھا۔
وقت گزرتا رہا۔ ایک مخصوص سمت بہتا رہا۔ لیکن پھر
اچانک حالات نے [illegible] بدلا۔ اس رات نہ جانے کس [illegible] ملک
صاحب کو فرصت مل گئی۔ یہ رات ایک [illegible] رات تھی۔ ملک صاحب
کے ملازم [illegible] نے ملک صاحب کا پیغام دیا۔
"ملک جی آپ کو بلا رہے ہیں۔"
[illegible] آیا۔ بہرحال ملک صاحب کے حضور حاضری
دی۔ [illegible] ملک صاحب کے علاوہ کوئی نہ تھا۔
"بیٹھ جاؤ کیسے ہو؟" بھاری آواز ابھری۔ اور میں بیٹھ
گیا۔ "ایک ضروری کام سے بلایا ہے تمہیں۔"
"جی ابا جی۔ فرمائیے۔"
"غلام علی کو جانتے ہو؟"
"خالو غلام علی۔"

"ہاں۔ خالو غلام علی۔" ملک صاحب کی آواز میں بے پناہ
زہر ابھر آیا۔
"کیوں نہیں۔"
"اس کی بیٹی جمیلہ کو دیکھا ہے؟"
"نہیں ابا جی۔ ہمارا ان سے ملنا جلنا ہی کب ہے؟"
"میں نے دیکھا ہے۔ میں۔۔۔ اپنے حالات سے کبھی غافل
نہیں رہتا۔ میں نے اسے اچھی طرح دیکھا ہے۔ گلاب کی کلی کو کبھی
کھلتے ہوئے دیکھا ہے۔ شبنم کے قطرے شرمسار ہو جاتے ہیں اس
کے حسن کے سامنے۔ ابھی اس کی جوانی ہے۔ بالکل حسینہ کی طرح ویسی
کی ویسی۔ دیکھو گے تو تڑپ اٹھو گے۔"
"جی!" میرے منہ سے بمشکل نکلا۔ بات کچھ سمجھ میں نہیں
آئی تھی۔
"تم حسینہ کو جانتے ہو۔ حق ہے تمہارا ان لوگوں پر اور
خاص طور سے جمیلہ پر۔ کیا سمجھے؟"
"جی۔" میں اسی انداز میں بولا۔
"تمہاری ماں کبھی نہیں گئی ان لوگوں کے پاس۔ لیکن اب
جائے گی تمہارے ساتھ۔ تھوڑے دن رہو وہاں۔ پرانے
شکوے دور کر دو۔ جمیلہ کو شیشے میں اتار لو۔ تمہارے لیے
یہ کام مشکل نہ ہوگا۔ جوان بیٹے ہو خوبصورت ہو اور پھر ملک کے
بیٹے ہو۔ جمیلہ کو خراب کر دو۔ اسے مجبور کر دو کہ وہ تمہارے ساتھ
بھاگ جائے۔ اگر وہ تیار ہو جائے تو اپنی ماں کو چھوڑ دو وہ خود
آجائے گی۔ قادر خان تمہارے پیچھے ہوگا۔ وہ سارا بندوبست کر
دے گا تمہارے فرار ہونے کا۔ آرام سے رہو کچھ دن اور اس کے
بعد تم واپس آجاؤ۔ جمیلہ کو پولیس کے حوالے کر دیا جائے گا اور
پولیس اسے خود غلام علی کے پاس پہنچائے گی۔ اپنی فکر مت کرنا۔
تمہارے بچاؤ کا سارا بندوبست ہو جائے گا۔"
ملک صاحب کی آواز ابھر رہی تھی اور میرے بدن میں
تھرتھری ہو رہی تھی۔ یہ عجیب منصوبہ میری سمجھ میں نہیں آیا تھا۔
ملک صاحب حقے کے کش لگا رہے تھے۔ ان کی آنکھوں میں
ایک خوفناک چمک لہرا رہی تھی۔ میں خود کو سنبھالنے کی کوشش
کرنے لگا۔ دفعتاً انہوں نے حقے کی نے چھوڑ دی، اور میری طرف
دیکھنے لگے۔
"خاموش کیوں ہو؟"
"آپ کی باتوں پر غور کر رہا ہوں ابا جی۔"
"کیوں غور کر رہے ہو؟"
"آپ ایسا کیوں کرنا چاہتے ہیں؟"
"یہ غور کرنا ضروری ہے۔ کیا اس کے لیے اتنا ہی کافی

نہیں ہے کہ میں نے تمہیں یہ حکم دیا ہے۔"
"معافی چاہتا ہوں۔ لیکن کوئی کام کرتے ہوئے اگر اس کے بارے
میں کچھ معلومات بھی ہوں تو کام میں آسانی ہو جاتی ہے۔" میں نے
جواب دیا۔ میری یہ بات شاید ان کے دل کو لگی تھی۔ حقے کے
کش لینے لگے پھر گردن اٹھا کر بولے۔
"غلام علی سے میری پرانی دشمنی ہے۔ پچیس سال پرانی
دشمنی ہے لیکن میرے سینے میں آج بھی الاؤ روشن ہے۔ حسینہ
میری مانگ تھی۔ میری بیوی بننا تھا اسے۔ وہ تمہاری ماں سے
بہت خوبصورت تھی۔ بہت حسین تھی وہ۔ اور میں اسے پسند
کرتا تھا۔ لیکن غلام علی مجھ سے پہلے اسے پسند کر چکا تھا۔ وہ بھی
بہت بڑے تعلقہ دار کا بیٹا تھا۔ جو بیس گاؤں تھے اس کے جو
اب کم ہوتے ہوتے چار رہ گئے ہیں۔ آٹھ گاؤں میرے پاس
ہیں اور وہ وقت دور نہیں جب اس کے بیچارے گاؤں بھی بک
جائیں گے۔ ابھی تو عمر باقی ہے۔ لاگ چل رہی تھی اس کی سینے سے۔ زبان
دے دی تھی تمہارے نانا نے اس کے باپ کو۔ لیکن حسینہ مجھے پسند تھی۔
میں نے کوششیں شروع کر دیں۔ ہر طرح کے جال
ڈالے۔ اور کسی نہ کسی طرح تمہارے نانا کو تیار کر لیا لیکن جب
میں بارات لے کر پہنچا تو غلام علی بھی اپنا کام کر چکا تھا۔ حسینہ
اٹھارہ سال کی ہو چکی تھی۔ بالغ ہو گئی تھی وہ۔ اس نے عدالت
میں نکاح پڑھوا لیا حسینہ سے اور اب کوئی ترکیب نہیں تھی۔ میرا
سینہ جہنم بن گیا۔ تمہارے نانا نے پگڑی ڈال دی میرے باپ
کے قدموں میں اور میرا نکاح حسینہ کی بڑی بہن سے ہو گیا۔ میں دل
میں طوفان چھپائے آ گیا۔ اور یہ طوفان آج بھی میرے سینے میں
موجزن ہے۔ غلام علی کی بیٹی اٹھارہ سال کی ہو چکی ہے۔ وہی کھیل
دوبارہ ہوگا۔ مگر غلام علی کی بیٹی کا نکاح نہیں ہوگا کسی عدالت میں
وہ تو آوارہ گردی کے الزام میں تھانے میں پکڑی جائے گی۔ اخباروں
میں تصویریں چھپیں گی اس کی پھر غلام علی اپنی بیٹی کو عدالت سے
چھڑوائے گا لیکن کوئی کارروائی نہیں کر سکے گا وہ ہمارے خلاف۔
کیونکہ اب وہ صرف چار گاؤں کا تعلقہ دار ہے۔ ہمارے پاس آٹھ
گاؤں ہیں۔ اور ہزاروں بیگھہ زمین بھی ہے۔" ملک صاحب
کے لہجے میں تکبر تھا۔ "سنا تم نے بابر داد خان؟"
"ہاں ابا جی۔"
"یہ تو مردوں کے لہجے میں بول رہے ہو بابر۔ ایسا ہوتا
ہے مردوں کا لہجہ۔ صاف الفاظ میں بول۔ یہ کام کر سکتا ہے یا نہیں؟
میرے دوسرے بیٹے بھی ہیں۔ لیکن باپ کے کاندھوں کا
بوجھ پہلا بیٹا ہی سنبھالتا ہے۔ اس لیے میں یہ کام تیرے سپرد
کرتا ہوں۔"

"ٹھیک ہے ابا جی۔ میں یہ کام کروں گا۔" اس بار میری آواز میں
لکنت نہیں تھی۔ میرے دل و دماغ کی کشمکش ایک نقطے پر پہنچ
گئی تھی۔
"شاباش۔ بڑے لوگوں کے یہی کھیل ہوتے ہیں اور تو
بڑے باپ کا بیٹا ہے۔ بڑا بننے کے لیے بڑے کام کرنے ہوتے
ہیں۔ اس بات کو یاد رکھنا اور یہ دیکھ۔ تیرا باپ تجھے کیا تحفہ
پیش کر رہا ہے۔" ملک صاحب نے اپنی جیب سے ایک تصویر نکال
کر مجھے دے دی۔ میں نے تصویر دیکھی اور میرے ذہن کو ایک جھٹکا
سا لگا۔
تیکھے نقوش، حسین آنکھیں، بھرا بھرا بدن۔ وہ مسکرا رہی تھی
لیکن ان خطوط میں میری ماں کے نقوش اور خدوخال کی جھلک تھی۔

O

وہ خدوخال سب نظر آتے رہے۔ لیکن یہ نقوش شاداب تھے۔ بلاشبہ
وہ حسین تھی لیکن جس چہرے میں ماں کی جھلک ہو وہ مقدس ہوتا
ہے۔ میں نے میلی آنکھوں سے اسے نہیں دیکھا۔ اور تصویر اپنے پاس
رکھ لی۔
"آج میں نے تیرے لیے اپنے سارے پروگرام ملتوی کر دیے
ہیں۔ اور ایک بے کیف رات گزارنے جا رہا ہوں۔ تیاریاں کر
لے اور سن اپنی ماں کو کچھ نہ بتانا۔ عورت ضرورت کی چیز ہوتی ہے۔
مردوں کے راز جب بھی عورت کے پاس جاتے ہیں۔ وہ ذلیل و
خوار ہوتا ہے۔ میں خود اسے ہدایات دے دوں گا۔ تو اپنی تیاریاں
کر لے۔"
"جی بابا جی۔"
"بس جاؤ۔ جوان ہونے کے بعد میں یہ پہلا کام تمہیں سپرد
کر رہا ہوں۔ اسے انجام دے کر میری آنکھوں میں اپنے لیے جگہ بناؤ۔
اس دور کا ہر رشتہ کاروباری ہے۔ منافع نہ ہو تو کوئی رشتہ رشتہ
نہیں رہتا۔"
واپسی پر میں سوچ رہا تھا۔ "ہاں ابا جی یہ تو ٹھیک ہے بعض
اوقات رشتہ رشتہ نہیں رہتا۔ سارے رشتے کاروباری ہو جاتے
ہیں۔"
میرے دل و دماغ میں ہلچل مچی ہوئی تھی آج بہت سی باتوں
کا انکشاف ہو رہا تھا۔ ماں کی یہ حالت بلاوجہ نہیں ہوئی تھی۔
اسے اس حال کو پہنچایا گیا ہے۔ میرے نانا نانی مر چکے تھے۔ یوں
بھی وہ درمیانہ درجے کے لوگ تھے۔ ایک خالہ تھیں جن کے تذکرے
سنتا آیا تھا۔ آج تک انہیں دیکھنے کا اتفاق نہیں ہوا تھا۔ خالو
کو بھی ایک بار دوسرے گاؤں میں دیکھا تھا کسی نے بتایا تھا کہ

"یہ بات ہے جیسے کوئی پریشانی ہے تو بتاؤ۔" غلام علی
نے کہا۔
"ابھی بس چند منٹ کے بعد میرے منہ سے نکلے ہوئے
منحوس الفاظ آپ کے ہونٹوں کی مسکراہٹ چھین لیں گے۔ میں
نہیں جانتا کہ میری والدہ کا کیا حال ہوگا لیکن میرا ابھی مجھے
ان سے پامال نہیں کرنا ضروری ہے۔ میں یہاں بلا وجہ نہیں آیا۔ مجھے
ایک سازش کے تحت یہاں بھیجا گیا ہے۔"
"سازش؟ کس کے خلاف؟" غلام علی بھی چونک کر بولے۔
"آپ کے خلاف۔ اس گھر کے خلاف۔ اس کی عزت کے
خلاف۔"
"کس نے بھیجا ہے؟"
"میرے باپ خداداد خان نے۔"
"باپ۔ تو ہوش میں ہے۔" میری ماں نے غصے سے کہا۔
"ہوش ہی میں تو ہوں اماں۔ اسی لیے یہ سب کچھ کہہ رہا ہوں۔
اگر مدہوش ہوتا تو اب تک ہوش میں نہ آتا۔"
"بات کیا ہے بیٹے۔" خالو بولے۔
"بات یہ ہے خالو جی۔ کہ آپ نے حسینہ خالہ سے
شادی کی تھی جبکہ خداداد خان ان سے شادی کرنا چاہتے تھے۔"
"ہاں۔ کی تھی۔"
"خالہ حسینہ اس وقت اٹھارہ سال کی تھیں۔"
"ہاں یہ سچ ہے۔"
"اور یہ بھی سچ ہے کہ زلیخا اب اٹھارہ سال کی ہو چکی ہے۔
سنیے خالو۔ میرے باپ کو ساری زندگی میری ماں کی صحت کا خیال
دکھ اور عذاب کیا آتا۔ انہوں نے آپ کو تباہ کر دیا۔ اس سے پہلے انہوں
نے آپ کے بارے میں کبھی نہیں سوچا تو اب کیا سوچتے۔ آپ سے
انتقام کا ایک طویل منصوبہ ان کے ذہن میں تھا اور وہ رفتہ رفتہ
اسی منصوبے پر عمل کر رہے ہیں۔ مجھے یہاں اسی لیے بھیجا گیا ہے۔
خالو جی کہ میں اٹھارہ سالہ زلیخا کو تباہ کر دوں۔ اسے پہلے اپنے جال
میں پھانسوں۔ پھر اسے اغوا کر کے یہاں سے لے جاؤں۔ ان کے
پروگرام میں مزید کچھ ہے جو یہاں موجود ہیں۔ اس کے بعد جب
جمیلہ بیراہی پر جائے تو اسے گھونٹ دوں اور خداداد خان کا تماشا
اپنے ارادوں سے پولیس اسٹیشن پہنچا دوں اور اس کے بعد آپ
کو اطلاع دی جائے۔ اس پروگرام کی تکمیل کے لیے ایک زخمی
حکیم کی کہانی زرینہ بیگم کو سنائی تھی اور ابا جان کو اچانک ان کے
علاج کا خیال آیا۔ انہیں حقیقت حال نہیں معلوم لیکن یہ جرم پروگرام
ولی عہد یعنی سب سے بڑے بیٹے یعنی مجھے بتا دیا گیا ہے کیونکہ
اس سلسلے میں مجھے ہی کام کرنا ہے۔"
میرے الفاظ کے دھماکے سب کے ذہن چھلنی کیے ہوئے
تھے۔ ان کے چہرے سے اس کا احساس ہو رہا تھا۔ میرے خاموش
ہونے کے بعد بھی کافی دیر تک خاموشی چھائی رہی پھر دفعتاً والدہ
کی ایک دلخراش چیخ نکلی۔
"نہیں۔ نہیں ایسا نہیں ہو سکتا۔ ایسا کبھی نہیں ہو سکتا
میں نے زندگی بھر غم اٹھائے ہیں۔ سکون کا ایک لمحہ بھی میسر نہیں
ہوا میں نے کبھی اف نہیں کی۔ لیکن خداداد خان۔ خداداد خان
میں یہ نہیں ہونے دوں گی۔ میں تیرے بیٹوں کو ہلاک کر دوں گی
سانپ مار دوں گی۔ مار دوں گی میں۔" والدہ صاحبہ کے
دانت بھنچ گئے۔ وہ بے ہوش ہو گئیں۔
خالو غلام علی خاموش تھے۔ ان کے چہرے پر گہرا سکوت
چھایا ہوا تھا۔ پھر انہوں نے آہستہ سے کہا۔ حسینہ بہن کو سنبھالو۔
آؤ باہر میرے ساتھ آؤ۔"
ہم دونوں خاموشی سے باہر نکل گئے۔ خالو مجھے اپنے کمرے
میں لے آئے تھے۔ "بیٹھ جاؤ۔" انہوں نے کہا۔ اور میں پُر
اطمینان انداز میں بیٹھ گیا۔ "ایک سوال کرنا چاہتا ہوں تم سے۔"
"جی خالو جی۔"
"تم نے یہ سب کچھ ہمیں کیوں بتایا ہے؟"
"اس لیے خالو جان کہ میں شاید خداداد خان کی اولاد ہی
نہیں ہوں۔ اگر میری ماں پاکباز نہ ہوتی تو میں خود کو حلالی کیا سمجھتا اگر
یوں نہیں ہے تو میری ذہنی کیفیت اس حویلی کے وحشیوں سے مختلف
کیوں ہے۔ خدا کا شکر ہے۔ خالو جان۔ اس سلسلے میں میرے وحشی
باپ نے مجھ پر اعتماد کیا۔ خدا کا شکر ہے کہ میری پیشانی پر بدنامی کا
کلنک ہے۔ مجھے اپنے اس بڑے پن کا ایک ہی صلہ چاہیے کہ میں
اپنے خاندان کی پیشانی کا داغ نہ بن سکا۔ آپ لوگ میرے اپنے ہیں
خالو جان۔ میں نے زندگی میں پہلی بار آپ لوگوں کو دیکھا ہے اور
میں آپ کے لیے اس انکشاف کا تحفہ لایا ہوں۔ مجھے اس حویلی
سے شدید نفرت ہے۔ وہ گناہ کا گھر ہے خالو جان اور میں اس
گناہ کے گھر سے نکل آیا ہوں۔ جس وقت تک خداداد مجھے بتا رہے
تھے، میرے ذہن میں منصوبے بن رہے تھے۔ میں یہاں اس لیے
آیا ہوں خالو جان کہ آپ لوگوں کو اس گھناؤنی سازش سے آگاہ
کر دوں۔ یہ بتا دوں کہ میرے جانے کے بعد اگر کوئی خداداد خان
کا کوئی بیٹا یہاں آئے تو آپ اس کے جال میں نہ پھنس جائیں۔

آپ محتاط رہیں۔ اس ایک ہفتے میں میں اس لیے خاموش رہا ہوں
کہ میں خود ہی آپ کی خوشیاں نہیں چھیننا چاہتا تھا۔ میرا دل دکھ رہا
تھا یہ انکشاف کرتے ہوئے۔ میں نے اپنا فرض پورا کر دیا ہے۔ اب
میں اپنی ماں کو لے کر چلا جاؤں گا۔ اس کا علاج کراؤں گا۔ میری ماں
اب وہاں کبھی واپس نہیں جائے گی۔ ہم دونوں ایک الگ دنیا
بسائیں گے اور میں ایک نئی زندگی کا آغاز کر دوں گا۔"
خالو غلام علی خاموش بیٹھے رہے۔ پھر وہ آہستہ سے بولے۔
"اس ایک ہفتے میں خداداد خان کے کسی آدمی سے تم نے رابطہ
قائم کیا ہے؟"
"ہاں۔"
"کون ہے وہ؟"
"قادر خان۔ سرائے دل پناہ میں ٹھہرا ہوا ہے۔"
"اُفوہ۔" خالو نے کہا اور میں کھڑا ہو گیا۔ تب خالو نے آگے
بڑھ کر مجھے سینے سے لپٹا لیا۔ کاش تم خداداد کی اولاد نہ ہوتے کاش۔
کاش۔ میں تیرے اس احسان کو کبھی نہ بھول سکوں گا بیٹا۔ خدا تجھے
میری آبرو بچانے کا اجر دے۔ کہاں جاؤ گے تم اپنی ماں کو لے کر؟"
"اس سلسلے میں کسی کو کچھ نہیں بتاؤں گا خالو جان۔"
"مجھ پر اعتماد نہیں کرو گے بیٹے؟"
"یہ بات نہیں خالو جان۔ آپ مجھ سے یہ سوال کیوں کر رہے
ہیں؟"
"میں خود ان کا علاج کرانا چاہتا ہوں۔ وہ تمہاری ماں ہیں
میرے محسن کی ماں اور میری بیوی کی بہن۔"
"نہ بتانے کی صرف یہی وجہ ہے خالو جان۔ میں اپنی اس
کاوش کا کوئی صلہ نہیں چاہتا۔"
"میں تمہیں کوئی صلہ نہیں دوں گا۔ یہ میرا بھی فرض ہے۔"
"مجھے آپ کے خلوص کا علم ہے۔ اگر مجھے کوئی ضرورت
پڑی تو وعدہ کرتا ہوں آپ کو تکلیف دوں گا۔ فی الحال مجھے میرا فرض
پورا کرنے دیں۔ میں پورا انتظام کر کے چلا ہوں اور پھر جوان ہوں۔
اپنی ماں کا سب سے بڑا بیٹا اس کا بوجھ میں خود اٹھا سکتا ہوں۔"
"خدا تمہیں استقامت دے۔ زرینہ بہن کو شدید صدمہ
پہنچا ہے۔ انہیں سنبھالنا ضروری ہے۔ آؤ۔"
امی کی حالت واقعی خراب ہو چکی تھی۔ ان کے بدن کا سارا لہو
خشک ہو گیا تھا۔ حسینہ خالہ بھی رو رہی تھی۔ بہرحال اس کے
بعد طرح طرح کے حقائق ہوئے۔ حسینہ خالہ نے خود میرے ساتھ چلنے
کی فرمائش کی تھی۔ لیکن میں نے کوئی پیشکش قبول نہ کی۔ مزید دو دن
میں نے وہاں قیام کیا۔ اس دوران قادر خان نہیں ملا تھا مجھے
کوئی خیال آیا اور میں نے اس سلسلے میں خالو غلام علی سے بات
کی۔ "آپ نے اس کے بارے میں پوچھا تھا خالو جان۔"
"ہاں۔" وہ سرد لہجے میں بولے۔
"ملاقات تو نہیں ہوئی اس سے؟"
"اس کی لاش خداداد کے پاس بھجوا دی گئی ہے۔" غلام علی
خالو نے جواب دیا۔ اور میں ساکت رہ گیا۔
"یہ کب کی بات ہے خالو؟"
"کل رات۔"
"تب مجھے آج روانہ ہو جانا چاہیے۔ آپ کو یقین ہونا چاہیے
کہ میں ڈرتا نہیں ہوں کسی سے۔ لیکن معاملہ میری بیمار ماں کا ہے۔"
"بار بیٹے۔ غلام علی نے بھی دنیا دیکھی ہے۔ اس طرف
کا رخ کرنے والے کو عبرتناک سزا دی جائے گی۔"
"اس کے باوجود میری روانگی ضروری ہے۔" میں نے
فیصلہ کن لہجے میں کہا۔ پھر میں نے کسی کی نہیں سنی۔ خاموشی سے
والدہ کو لے کر چل پڑا۔ لاکھ انکار کے باوجود خالو غلام علی نے
ایک بڑی رقم والدہ کے سپرد کر دی تھی۔
میں درحقیقت اس سارے ماحول کو بھلا دینا چاہتا
تھا۔ رقم میں خود بھی کافی لایا تھا۔ اور خالو غلام علی نے بھی اچھی
خاصی دی تھی۔ میں نے ٹرین کا ٹکٹ کہیں اور کا لیا تھا لیکن سفر
کہیں اور کا کیا۔ راستے میں ٹکٹ بدلا لیا تھا۔ اس طرح میں نے
اس بڑے شہر میں آکر زندگی کا نئے سرے سے آغاز کیا۔ جہاں
زندگی کی رفتار بہت تیز تھی۔ اتنی تیز کہ ہوش اڑے جاتے
تھے۔ میں زمانے سے ناواقف تھا۔ میں نے صرف حویلی کے ہنگامے
دیکھے تھے۔ اس شہر کے ماحول نے مجھے حواس باختہ کر دیا۔
لیکن سنبھالنا تھا خود کو۔ ماں کو سینی ٹوریم میں داخل کرا
دیا۔ ڈاکٹروں نے ان کی حالت بڑی مایوس کن بتائی تھی۔ میں جانتا
تھا کہ بیماری تو تھی ہی لیکن اس کے حالات نے انہیں مزید بدحال
کر دیا تھا۔ میں ان کی دیکھ بھال کرتا رہا۔ پہلے میں نے ایک گھٹیا
سے ہوٹل میں ایک کمرہ کرائے پر لیا تھا۔ لیکن اس کے بعد ایک
چھوٹے سے محلے میں ایک جھونپڑی میں جگہ مل گئی۔
ماں کے پاس جانے کے اوقات مقرر تھے۔ ان اوقات
کے بعد جو وقت ملتا۔ وہ میں اس بڑے شہر میں اپنی جگہ تلاش کرنے
میں گزار دیتا۔ میں کسی نوکری کی کوشش کر رہا تھا۔ جھونپڑی کے
پاس پڑوس میں رہنے والوں سے میں نے علیک سلیک کی ابتدا کی

"پر اس سے دل نہیں لگتا تھا۔"
"اور تم نے چھوڑ دیا۔"

"ہاں۔"
"تعلیم یافتہ نہیں ہو؟"
"نہیں جناب۔"
میں نے جواب دیا اور کپتان ہنسنے لگا۔ پھر بولا۔
"آئندہ کیا پروگرام ہے؟"
"جب تک آپ اس جہاز پر رہنے دیں گے رہوں گا اور جب آپ کو میری ضرورت نہیں رہے گی کہیں اتر جاؤں گا۔"
"میری طرف سے اجازت ہے جس ملک میں اترنا چاہو میں وہاں تمہارا بندوبست کر دوں گا۔ اگر جہاز پر رہنا پسند کرو گے تو میں جب تک یہ نوکری کر رہا ہوں۔ اس وقت تک تو تمہیں کوئی تکلیف نہیں ہوگی۔"
"میں شکر گزار ہوں کیپٹن۔"
"شکریہ کا تبادلہ ہمارے درمیان نہیں ہوگا۔" کپتان نے ہنستے ہوئے کہا اور پھر بولا۔ "آج سے تم کیبن اسٹیورڈ کی ڈیوٹی انجام دو گے۔ خلاصی کا کام ختم۔ مسافروں کے آرام کا خیال تمہاری ڈیوٹی ہوگی۔ ان کے کیبنوں کو ضرورت کی چیزیں فراہم کرو گے۔ دس آدمی تمہارے ماتحت کام کریں گے۔"
"اوہ۔ میں شکریہ ادا نہیں کروں گا جناب۔" میں نے مسرت سے کہا۔
"ہمارے درمیان معاہدہ ہے۔" کپتان نے میرے گلاس میں دوبارہ وسکی انڈیل دی۔
نئی ڈیوٹی زیادہ دلکش تھی۔ یہ ٹوٹی پھوٹی انگلش اس قدر کام آ رہی تھی کہ میں بیان نہیں کر سکتا۔ میں مسافروں کے ساتھ گفتگو کر کے اس میں مہارت حاصل کرتا جا رہا تھا۔
جہاز فلپائن پہنچ گیا۔ اب میری تنخواہ بھی بڑھ گئی تھی اور ویسے بھی اب میں جذبات کے طوفان سے گزر چکا تھا۔ اس لیے میں نے فلپائن میں اپنے دوسرے ساتھیوں کا ساتھ دیا۔ اور یہاں کی عیش گاہوں سے لطف اندوز ہوا۔ فلپائن میں ہمارا قیام ایک ماہ دس دن رہا۔ یہاں سے مصر کا پروگرام تھا۔ چنانچہ جہاز کا کام شروع ہو گیا۔ یہ جہاز کارگو اور مسافر بردار دونوں حیثیتوں کا حامل تھا۔ فلپائن سے اترنے والے اتر گئے تھے اور نئی بکنگ شروع ہوئی تھی۔ بکنگ کارڈ میرے پاس ہی تھے اور میں مسافروں کو معلومات فراہم کر رہا تھا۔ سارہ نائل نامی ایک خاتون کے کاغذات میں گڑبڑ تھی اور وہ بے چاری بہت گھبرائی ہوئی تھی۔ مصر کے روایتی لباس میں ملبوس یہ عورت یا لڑکی عمر کی جو سترہ یا بیس برس میں ہوگی۔ بدن [illegible] کا حامل تھا۔ قد و قامت متناسب اور بے حد حسین تھا۔ سیاہ نقاب کے پیچھے اس کی پریشان آنکھیں عجیب پرکشش تھیں۔ میں ایک لمحے کے لیے ان آنکھوں میں کھو کر رہ گیا۔
"مجھے بتایا گیا ہے کہ میرے کاغذات درست نہیں۔ وقت بالکل نہیں ہے اگر میں اس جہاز سے روانہ نہ ہو سکی تو میرے لیے بڑی مشکلات کھڑی ہو جائیں گی۔" اس نے عاجزی سے کہا۔
"ٹھیک ہے۔ آپ جائیے۔ کاغذات درست ہو جائیں گے۔" میں نے جواب دیا اور وہ اچنبھے میں رہ گئی۔ پھر اس کی آنکھوں سے ممنونیت کے جذبات جھلکنے لگے۔ اس نے ان حسین آنکھوں سے میرا شکریہ ادا کیا۔ اور اندر چلی گئی۔ میں نے اپنے ماتحتوں کو حکم دیا کہ اس کے کاغذات کی خرابی درست کرائی جائے۔
تھوڑی دیر کے بعد میں اپنی مصروفیات میں گم ہو گیا اور اسے بھول گیا۔ تمام مصروفیتوں سے فراغت حاصل کرنے کے بعد جہاز نے لنگر اٹھایا۔ کیبن انچارج کی حیثیت سے میں نے جہاز کی روانگی کے بعد کیبنوں کی چیکنگ شروع کر دی۔
فرسٹ کلاس کے ایک کیبن پر میں نے دستک دی تو اندر سے ایک ترنم بار آواز سنائی دی۔
"آ جاؤ۔" اور میں کیبن کا دروازہ دھکیل دیا اور اندر داخل ہو گیا۔ حسین نائٹی میں ملبوس ایک خاتون کسی عربی رسالے کی ورق گردانی میں مصروف تھی۔ مجھے دیکھ کر انہوں نے نگاہیں اٹھائیں اور میرے ذہن کو ایک جھٹکا سا لگا۔ خدوخال تو میں نہیں پہچان سکا تھا۔ لیکن یہ آنکھیں سرزمین مصر کی پراسرار داستانیں ان آنکھوں میں بسی ہوئی تھیں۔ میں بھلا ان آنکھوں کو بھول سکتا تھا۔ یہ وہی خاتون تھیں جن کے کاغذات میں نے درست کرائے تھے۔
انہوں نے بھی مجھے پہچان لیا تھا۔ "ارے آپ۔" وہ جلدی سے رسالہ رکھ کر بولیں۔ "تشریف لائیے۔"
میں بھی سنبھل گیا۔ مجھے اپنی ڈیوٹی یاد آ گئی۔
"آئیے نا۔ آپ رک کیوں گئے؟"
"معاف کیجیے گا میں —"
"معاف کر دیا۔ تشریف لائیے۔" اس نے شوخ لہجے میں میری بات کاٹ دی۔
"کیبنوں کی دیکھ بھال میری ذمہ داری ہے۔ مجھے تو علم بھی نہیں تھا کہ آپ اس کیبن میں موجود ہیں۔"

"پہلے میں یقین ہوں کہ آپ مجھے تلاش کرتے ہوئے یہاں تک نہیں آئے لیکن تشریف تو لائیے۔"
"جی شکریہ۔ آپ کو یہاں کوئی تکلیف تو نہیں ہے؟" میں نے کاروباری انداز میں پوچھا۔ وہ خوش مزاجی کا مظاہرہ کر رہی تھی۔ لیکن مجھے اپنی اوقات یاد رکھنی تھی۔ اور پھر کسی دوم یا سوم کلاس کی مسافر نہیں بلکہ فرسٹ کلاس کی مسافر تھی وہ۔ یقیناً صاحب حیثیت ہوگی۔ اس کے کاغذات کی درستگی میں نے کسی خاص مقصد کے تحت نہیں کرائی تھی۔ البتہ اس بات کا اعتراف کیے بغیر نہ رہوں گا کہ اس کی سحر خیز آنکھوں نے مجھ سے ایک لمحے میں سب کچھ کرا لیا تھا۔ بہرطور میں آگے بڑھا۔ اس نے مجھے بیٹھنے کے لیے کہا اور میں بیٹھ گیا۔ وہ مسکراتی نگاہوں سے مجھے دیکھ رہی تھی۔ پھر میں نے کہا۔
"میں اپنا سوال پھر دہراؤں گا خاتون، کوئی تکلیف تو نہیں ہے آپ کو؟"
"ہے۔" اس نے شوخ مسکراہٹ کے ساتھ جواب دیا۔
"جی فرمائیے۔ میں ہر خدمت کے لیے حاضر ہوں۔"
"سوچ لیں آپ، میری تکلیف ذرا مختلف قسم کی ہے۔" وہ شرارت آمیز انداز میں ہنس پڑی۔ میں نے ابھی تک خود کو سنجیدہ ہی رکھا تھا۔ لیکن ایک ہلکی سی مسکراہٹ میرے ہونٹوں پر بھی آ گئی۔
"ہم آپ کی تمام تکلیفوں کو دور کرنے کے ذمہ دار ہیں۔"
"میں تنہائی کی تکلیف کا شکار ہوں، سمجھے آپ۔ بوریت ہو رہی ہے مجھے۔ یہ چند رسالے ہیں میرے پاس جو میرا ساتھ دے رہے ہیں۔ ورنہ —"
"آپ انہیں پڑھ لیں تو میں آپ کو اور رسالے مہیا کر دوں گا۔ جہاز کی لائبریری میں ہر طرح کے رسالے موجود ہیں۔"
"رسائل بور کرتے ہیں۔" اس نے مجھے دیکھتے ہوئے کہا۔
"جی ہاں۔ یہ کمی تو ہے ان میں۔"
"کیا آپ یہ کمی پوری نہیں کر سکتے؟"
"میں کیا عرض کروں خاتون۔ ملازم آدمی ہوں۔ ویسے آپ مجھے جب بھی طلب فرمائیں گی میں حاضر ہو جاؤں گا۔"
"ابھی آپ کی طلب تو اس وقت بھی ہے مجھے۔ سوچ رہی تھی کہ کافی پیوں۔ لیکن تنہا کافی پینے میں کوئی مزا نہیں۔ اب بتائیے آپ میری مشکل کس طرح حل کریں گے؟"
"کیبن میں آپ کے پائے کے لوگ موجود ہیں۔ شام کو ہی کلب کی تفریحات شروع ہو جاتی ہیں۔ آپ کو ان تفریحات میں لطف آئے گا۔" میں نے کہا اور وہ ایک دم سنجیدہ ہو گئی۔
اس کے چہرے کی شوخ مسکراہٹ غائب ہو گئی تھی۔ پھر اس نے سنجیدگی سے کہا۔
"بہت بہت شکریہ۔ اس وقت تمام ضروریات موجود ہیں۔ اگر کوئی تکلیف ہوئی تو آپ کو اطلاع کرا دی جائے گی۔" یہ کہہ کر اس نے پھر رسالہ اٹھا لیا۔ میں ایک لمحے کے لیے ساکت رہ گیا تھا۔ یہ ناراضگی کا انداز تھا لیکن میں کیا کرتا۔ اس انداز کی پذیرائی کیسے کی جا سکتی تھی۔ نہ جانے کیوں وہ مجھے اس قدر گھاس ڈال رہی تھی۔ کیا صرف اس لیے کہ میں نے اس کا ایک چھوٹا سا کام کرا دیا۔ ایک لمحے کے لیے میں تذبذب کا شکار رہا۔ اس نے دوبارہ میری طرف رخ بھی نہیں کیا تھا۔ بس رسالے میں مصروف رہی اور میں آہستہ قدموں سے باہر آ گیا۔
دوسرے کیبن میں داخل ہوا اور پھر تیسرے اور چوتھے میں اور پھر چند لمحات کے بعد میں اس کی ان کیفیات کو بھول چکا تھا۔ مسافر ہوتے ہیں طرح طرح کے مسافر ہوتے ہیں۔ ہر چند کہ وہ حسین تھی۔ ذہن کو ڈانواڈول کرنے والی تھی۔ لیکن مجھے یہ نہیں بھولنا چاہیے تھا کہ چند دن پہلے میں صرف ایک خلاصی تھا۔ جہاز کا فرش صاف کرنے والا اور اس کے دوسرے کاموں کی نگرانی کرنے والا۔ لیکن کپتان کی مہربانی نے مجھے یہ حیثیت بخش دی تھی۔ اور میں اس حیثیت سے کوئی ناجائز فائدہ نہیں اٹھانا چاہتا تھا۔ اگر کسی مسافر نے میری بدتمیزی کی شکایت کر دی تو مجھے کپتان کے سامنے شرمندہ ہونا پڑے گا۔ جب کہ وہ مجھ پر بے حد بھروسہ کرنے لگا تھا۔ ٹھیک ہے اس کی ناراضگی مناسب ہے۔ کوئی ایسی بات نہیں ہونی چاہیے جو میرے لیے پریشان کن ہو۔
میں اپنے کاموں میں مصروف رہا۔ شام ہو گئی۔ رات کو میری ڈیوٹی ختم ہو جاتی تھی اور یہ ذمہ داری ایک دوسرے آدمی کو سونپ دی جاتی تھی کہ وہ کیبنوں کی نگرانی کرے۔ میں نے اپنے کیبن میں آ کر لباس وغیرہ تبدیل کیا اور پھر کلب کے لیے نکل آیا۔ زندگی کی تفریحات میں اب مجھے دلچسپی محسوس ہونے لگی تھی۔ ذہن سے وہ تکدر اور خرابیاں دور ہو گئی تھیں جو اسے پراگندہ کیے رہتی تھیں۔ چنانچہ اب میں نے بھی کچھ دوست بنا لیے تھے اور ان کے ساتھ بیٹھ کر تھوڑی بہت پی پلا لیا کرتا تھا۔ اس وقت بھی میں اپنے اچھے خاصے لباس میں ملبوس کلب کے ہال میں داخل ہوا۔ میرے بہت سے ساتھی وہاں موجود تھے اور شاید میرا انتظار بھی کر رہے تھے۔ ان میں سے دو ایک نے ہاتھ ہلائے اور میں ان کی جانب

تھا، لیکن دوپہر کے کھانے کے بعد وہ میرے پاس پہنچ گئی۔
"کہیے، خانساماں جی! مجھے..." اس نے بڑی اپنائیت سے کہا۔
"بس سی سارہ۔ میری مصروفیات آپ کے علم میں ہیں۔"
"ایسی بھی کیا مصروفیات۔ آپ تو کیبن بیرر والے ہیں اور دوسروں کی ضروریات پر نگاہ رکھتے ہیں۔ میری بھی پوچھی آپ نے؟"
"اوہ! معافی چاہتا ہوں۔ کیا کوئی الجھن تھی؟"
"جی۔" اس نے جواب دیا۔
"کیا الجھن تھی؟"
"میں آپ سے ملنا چاہتی تھی۔ یہی الجھن تو تھی میری۔" اس نے کہا اور آہستہ سے ہنس پڑی۔
شام تک وہ میرے ساتھ رہی اور جب میری چھٹی ہو گئی تو اس نے بڑے اعتماد سے کہا۔
"بس آپ میرے ساتھ میرے کیبن میں چلئے۔ وہاں تبدیلی آ گئی ہے۔ رات کا کھانا ساتھ کھائیں گے۔ بیٹھیں گے، باتیں ہوں گی۔" میں اسے ایک لمحے تک دیکھتا رہا۔ یہ آخر کیا چاہتی ہے۔ اس قدر اپنائیت کسی خاص مقصد کے تحت ہے۔ یا پھر جیسا کہ اس نے کہا کہ وہ تنہائی کا شکار ہے اور اس کی تنہائی نے اس بات پر آمادہ کر دیا ہے کہ وہ مجھ پر ضرورت سے زیادہ اعتماد کرے۔ بہر طور میں انکار نہ کر سکا۔ خود میرے اپنے ذہن میں بھی تجسس تھا۔ میں نے لباس تبدیل کیا اور اس کے کیبن میں پہنچ گیا۔ وہ ایک خوبصورت سلیپنگ گاؤن میں ملبوس آرام کرسی پر دراز تھی۔ مجھے دیکھ کر وہ مسکرائی اور سامنے اشارہ کیا۔ میں ایک کرسی پر بیٹھ گیا۔
"جناب عالی۔ اب آپ کی ڈیوٹی تو ختم ہو چکی ہے۔ اب جہاز پر آپ کی کیا حیثیت ہے؟"
"اس جہاز پر میری حیثیت ایک ملازم کی ہوتی ہے۔"
"اچھا۔ اچھا۔ آپ کی حیثیت جو بھی ہو اس وقت آپ چائے منگوا لیجئے۔" اس نے کہا اور میں نے گردن ہلا دی۔
پھر میں خود ہی چائے کے لیے کہہ آیا ___ اور تھوڑی دیر کے بعد چائے آ گئی۔ اس نے اپنے ہاتھوں سے دو پیالیاں چائے تیار کی اور پھر ایک پیالی میرے آگے رکھ کر ایک خود لے کر بیٹھ گئی۔
"بابر صاحب، جب بھی کوئی اجنبی شخص اتنی بے تکلفی سے کسی سے ملتا ہے تو ذہن میں لاتعداد خیال پیدا ہو جاتے ہیں۔ سوچ نجانے کیسی کیسی صورتیں نگاہوں میں لے آتی ہے۔ اور آپ نے بھی یقیناً میرے بارے میں سوچا ہو گا۔"
"ہاں۔ میں اس سے انکار نہیں کر سکتا۔"
"فطری عمل ہے۔ انکار کا کیا سوال ہے۔" وہ مسکرا کر بولی۔ "کیا سوچا آپ نے میرے بارے میں۔ میں جان سکتی ہوں؟"
"کچھ نہیں۔ بس یہی کہ آپ کی شخصیت کافی پُراسرار ہے۔ لیکن میں نے خود کو یہ کہہ کر سمجھا لیا کہ آپ سرزمین مصر سے تعلق رکھتی ہیں۔ جو خود اسرار و رموز کی سرزمین ہے۔" وہ ہنس پڑی اور آہستہ سے بولی۔
"نہیں اب ایسی بھی کوئی بات نہیں ہے۔ یہ حقیقت ہے کہ میری زندگی سے کچھ اسرار اور واقعات وابستہ ہیں لیکن بذات خود میں ٹھیک ٹھاک ہوں۔ یہ پُراسرار واقعات میرے پیدا کردہ نہیں ہیں۔ میں آپ کو پہلے بتا چکی ہوں۔ میں نہیں جانتی وہ کون لوگ تھے۔ آج تک نہیں جان سکی۔ لیکن اتنا معلوم تھا کہ وہ میری موت کے خواہاں تھے۔ اگر میں ان کے ہاتھ لگ جاتی تو وہ مجھے یقیناً قتل کر دیتے۔ موت کا خوف انسان کی فطرت سے گہرا تعلق رکھتا ہے۔ بابر صاحب یقین کریں۔ اس سے قبل کبھی میرے ذہن میں کسی ایسے ساتھی کی خواہش نہیں ابھری جو میری زندگی میں داخل ہو جسے میری تنہائیاں میسر ہوں۔ جو میرا محافظ ہو لیکن ملازم نہ ہو۔ بابر صاحب یہ خواہش شدت اختیار کر چکی ہے۔" وہ خاموش ہو گئی۔
"آپ نے شادی نہیں کی۔"
"نہیں۔"
"کیوں۔"
"بس نہیں کی۔ اس کا کوئی جواز نہیں ہے میرے پاس۔"
"آپ کے والدین یا سرپرست۔"
"کوئی نہیں ہے میرا۔"
"اوہ۔ مجھے افسوس ہے۔"
"صرف افسوس۔ ایک کاروباری افسوس، رسمی الفاظ کیا یہ رسمی الفاظ ہی میرا مقدر ہیں کوئی نہیں ہے اس دنیا میں جو رسموں کے سہارے چھوڑ کر میرا ہمدرد بنے۔ میرا ساتھی بن جائے۔"
"میں نہیں سمجھا۔"
"میں تمہیں اپنی زندگی میں شامل کرنا چاہتی ہوں بابر۔" اس نے جذباتی لہجے میں کہا اور میں چونک پڑا۔

"مجھے ___ ایک معمولی سے انسان کو؟"
"ہاں۔ تمہیں، ایک معمولی سے انسان کو بلکہ تم ___ میں تمہیں اپنی زندگی کا ساتھی بنانا چاہتی ہوں۔ اپنی ساری پریشانیاں تمہیں سونپ کر خود کو نکھارنا چاہتی ہوں۔ مسٹر بابر! جہاز کی ملازمت چھوڑ دو۔ مصر میں میرے ساتھ رہو۔ میں ساری زندگی تمہاری خدمت کروں گی۔ تمہیں کوئی پریشانی نہیں ہو گی۔ میرا وعدہ۔ میری یہ پیشکش قبول کر لو۔ بابر! خدا کی قسم ___ میں نے زندگی میں پہلی بار یہ پیشکش کی ہے اس کو شہوت پر... میں ایسی ویسی نہیں ہوں۔ میں تمہیں کسی مالی مشکلات میں پھنسنے نہیں دوں گی۔ تم میرے ساتھی بن جاؤ۔ اس بارے میں غور کر لینا۔ میں ___ میں کل تم سے ملاقات کروں گی۔ بابر پلیز!" وہ نجابت سے بولی۔ اور اٹھ کر چلی گئی۔ میں دنگ رہ گیا تھا۔
سارہ شمائل کی پیشکش میرے لیے بڑی انوکھی تھی۔ میں نے کبھی خواب میں بھی نہیں سوچا تھا کہ سرزمین مصر میں سکونت اختیار کروں گا۔ کسی اتنی حسین عورت کو زندگی کا ساتھی بنانے کا تصور بھی کبھی میرے ذہن میں نہیں ابھرا تھا۔ لیکن سارہ شمائل ___ مجھے یوں لگتا تھا جیسے یہ سحر خیز مصری حسینہ میرے حواس پر چھا گئی ہو اور میں اس کے وجود سے علیحدگی کا تصور بھی نہیں کر سکتا ہوں۔ پھر کیا کروں۔ کیا ایک عورت کے سہارے زندگی بسر کرنے کا فیصلہ کر لوں۔
ساری رات اسی مخمصے میں پھنسا رہا۔ رات کے آخری پہر میں نے خود کو حالات کے حوالے پر چھوڑنے کا فیصلہ کر لیا۔ میں نے سوچا کہ میں نے انتہائی ناگزیر حالات میں اپنے وطن کو خیر باد کہا ہے۔ وطن واپسی کا اب کوئی تصور میرے ذہن میں نہیں ہے۔ جو لوگ کسی بھی ناطے سے میرے اپنے تھے۔ وہ اب اتنی دور تھے کہ اپنائیت کا کوئی تصور ان کے خیال کے ساتھ نہیں رہتا تھا۔ پھر ان کے لیے سوچنا بے معنی تھا۔ باقی رہا اس جہاز کا معاملہ ___ تو کپتان بے شک میرے ساتھ مہربان ہے۔ لیکن کسی کی ان مہربانیوں سے کب تک استفادہ کر سکوں گا۔ بالآخر ایک دن اس سے علیحدہ ہونا پڑے گا۔ اگر تقدیر میں اس اجنبی سرزمین پر بود و باش لکھی ہوئی ہے تو یوں ہی سہی۔ مجھے سارہ شمائل کی رفاقت قبول کر لینی چاہئے۔
اور اس آخری فیصلے کے بعد میں مطمئن ہو گیا۔ سارہ شمائل بے چین تھی۔ صبح ہوتے ہی میری تلاش میں نکل کھڑی ہوئی۔ میں خود بھی اس کے پاس پہنچنے والا تھا۔ اس کی حسین آنکھوں میں فکر مندی دیکھی اور میرے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔
"میں رات بھر نہیں سو سکی۔" وہ بولی۔
"تمہاری حسین آنکھوں کا خمار اس کا مظہر ہے۔"
"کیا فیصلہ کیا تم نے؟"
"یہی کہ ایک دولت مند عورت کی دولت پر عیش و عشرت سے زندگی بسر کروں گا۔" میں نے جواب دیا۔
"گویا ___ گویا ___ تم نے میرے حق میں فیصلہ کیا ہے؟"
"ہاں سارہ۔"
"لیکن بابر ___ تم اس انداز سے کیوں سوچتے ہو؟ تم نے جو الفاظ کہے ہیں وہ مناسب نہیں ہیں۔ زندگی کے ساتھی اس طرح نہیں سوچتے۔ جو کچھ میرے پاس ہے وہ تمہارا ہے۔ اس میں دوئی کا کیا تصور ___؟"
"کاش سرزمین مصر میرے لیے سکون بخش ہو۔ کاش میں اپنی عورت کو اپنے بازوؤں کی کمائی کھلا سکوں۔" میں نے کہا۔
"جو کچھ میرے پاس ہے تمہارا ہے بابر۔ براہ کرم اس انداز میں نہ سوچو۔ مجھے تمہارا سہارا مل جانے ہی میرے لیے کافی ہے۔ میں اپنی مسرت کا اظہار نہیں کر سکتی۔ میں تمہیں بتا نہیں سکتی بابر کہ تمہارے اس فیصلے سے میں کس قدر خوش ہوں۔" اس کی آواز چہکار رہی تھی۔
میں نے کوئی جواب نہیں دیا۔ میرے پاس سوچنے کے لیے بہت کچھ تھا۔ جوں جوں سرزمین مصر قریب آتی جا رہی تھی میرے دل کی دھڑکنیں تیز ہوتی جاتی تھیں۔ کپتان سے بھی اس سلسلے میں بات کرنی تھی۔
چنانچہ اس رات میں اس کے پاس پہنچ گیا۔
"آؤ بابر! کیا کوئی خاص بات ہے؟"
"جی۔" میں نے آہستہ سے کہا۔
"کیا بات ہے؟"
"میں آپ سے ایک اجازت لینے آیا ہوں۔"
"ضرور ضرور۔ کہو۔"
"میں مصر میں اترنا چاہتا ہوں۔"
"کیا مطلب؟"
"میں سرزمین مصر کو اپنا وطن بناؤں گا۔"
"اوہ! کوئی خاص خیال ذہن میں ہے۔ جہاز سے اکتا گئے ہو۔ ویسے یہ حقیقت ہے کہ سمندر کی زندگی ابتدا میں تو دلکش لگتی ہے۔ لیکن اس کے بعد تھپیڑے کھاتی موجوں کی اس زندگی سے اکتاہٹ ہونے لگتی ہے۔ بہر حال ٹھیک ہے۔ میں نے تم سے وعدہ کیا تھا

میں اسے پرواز کرنے کے لیے تیار ہوں۔ یہ میں بھی جہاز کے شناخت کاروں سے ساتھ آ رہا ہوں گا۔ اس کے بعد تم خود یہاں کے معاملات سنبھال لینا۔"

"بہت مضحکہ خیز جواب" میں نے جواب دیا۔ کپتان سے زیادہ باتیں کرنے کے بعد میں مطمئن ہو گیا تھا۔ اور اس کے بعد بقیہ وقت میں نے مستقبل کے بارے میں سوچتے ہوئے گزارا۔ انہیں ہوئی دو دن گزر گئے۔

جوں ہی جہاز مصر کی سرزمین کے قریب ہوتا جا رہا تھا میرے دل میں ہلچل ہونے لگی۔ بالآخر ہماری منزل آ گئی۔ شام کے پانچ بجے تھے جب جہاز ساحل سے لگا تھا۔ ابھی لوگ باہر نہیں نکلے تھے۔ ساری رات جہاز پر ہی رہنا تھا۔ دوسری صبح وہ ساحل پر اترنے والے تھے۔

میں بہت مصروف تھا لیکن رات کو دس بجے کپتان نے مجھے بلایا اور بہ صحبت مجھ سے بغل گیر ہو کر کہنے لگا۔

"دوست! تم نے میری زندگی بچائی ہے۔ اس بار میں اپنے بچوں میں ہوں گا اس میں تمہارا احسان شامل ہو گا۔ مجھے افسوس ہے کہ اس احسان کا میں کوئی صلہ نہ دے سکا۔ تم نے مصر کے ساحل پر اترنے کا فیصلہ کر لیا ہے اس میں کوئی مزاحمت تسلیم نہیں کروں گا لیکن یہ کچھ رقم قبول کر لو۔ اس اجنبی زمین پر تمہارے کام آئے گی۔" اس نے مجھے ایک بڑی رقم حوالے کر دی۔

"اس کی ضرورت؟"

"نہیں۔ اس کی ضرورت ہوگی نہیں۔ انکار کر دو گے تو مجھے افسوس ہو گا۔" وہ ایسے متاثر کن لہجے میں بولا۔ اب انکار کی گنجائش نہیں تھی۔

کپتان نے مجھے بہت سارے کاغذات وغیرہ دیئے۔ اس سے رخصت ہو کر میں سارہ شامل کے کیبن پہنچ گیا۔ وہ میرا انتظار کر رہی تھی۔ مجھے دیکھ کر کھل اٹھی۔

"کپتان کے کیبن میں تھے۔"

"ہاں۔"

"اسے صورت حال تو معلوم ہوگی۔"

"نہیں۔"

"بہتر ہے اچھا کیا۔ میں خود بھی یہی چاہتی تھی کہ تم کسی کو کچھ نہ بتاؤ۔ بہر حال میں تمہارے فیصلے سے خوش ہوں، کیا تم بھی ہو؟"

"خوش ہوں۔"

"واقعی۔"

"ہاں اگر ایسا نہ ہوتا تو اتنا بڑا فیصلہ کیسے کر لیتا۔"

"نہیں اس فیصلے پر کبھی شرمندگی نہ ہو گی۔" اس نے جواب دیا میں خاموش رہا تھا۔ دوسری صبح جہاز کو بندرگاہ پر لگا دیا گیا۔ مسافر نیچے اترنے لگے۔ ان کے عزیز و اقارب انہیں لینے آئے تھے۔ میں بھی جہاز سے نیچے اتر آیا۔ یہاں سے میں سارہ کے ساتھ جانے والا تھا۔ دیکھی جہاز کے دوسرے لوگوں کو میرے بارے میں کچھ علم تھا کیونکہ کپتان نے اس سلسلے میں مجھے ہدایت کر دی تھی۔

گودی سے دور نکل کر سارہ میرے ساتھ ہو گئی اور ہم ایک ٹیکسی میں بیٹھ کر چل پڑے۔ سارہ کے چہرے سے مسلسل مسرت کے آثار پیدا ہو رہے تھے۔ وہ بہت خوش تھی۔

بہر حال ہم قاہرہ کے ایک پررونق اور متمول لوگوں کے رہائشی علاقے میں پہنچ گئے جس عظیم الشان کوٹھی کے احاطے میں ٹیکسی رکی تھی، وہ معمولی نہیں تھی۔ جس کا دل ہی کتنا عظیم الشان تھا کہ جو مجھ سے تعلق رکھتا تھا۔ اس کے بیچوں بیچ ایک وسیع و عریض خوبصورت بنگلہ تھا۔ ملازم قسم کے لوگ ادھر ادھر آ جا رہے تھے۔ سارہ کے پہنچتے ہی ان میں ہلچل مچ گئی۔ سامان وغیرہ ٹیکسی سے اتار لیا گیا۔ اور سارہ مجھے ساتھ لیے اندر داخل ہو گئی۔ اس عمارت میں ملازموں کی پوری فوج موجود تھی۔ اور سارہ کے علاوہ یہاں کوئی اور نہیں تھا۔

میں یہ سب کچھ دیکھ کر دنگ رہ گیا تھا۔ سارہ اتنی دولت مند ہوگی۔ میں نے تصور بھی نہیں کیا تھا۔ اور اس دولت مند عورت نے مجھے اپنی زندگی کا ساتھی منتخب کیا تھا۔ مجھے یہی اندازہ ہو رہا تھا سارہ کی گفتگو سے۔ وہ میرا زندگی بھر کا ساتھ چاہتی تھی۔

ہم ایک طویل راہداری سے گزر رہے تھے جس میں سرخ قیمتی قالین بچھا ہوا تھا۔ دیواریں بھی سرخ پتھر سے بنی ہوئی تھیں عمارت مصری طرز تعمیر کا ایک حسین شاہکار تھی اور اس میں مصر کی قدیم و جدید ثقافت جھلک رہی تھی۔

میں اس کوٹھی کے ماحول سے بے حد متاثر ہوا۔ ایک عجیب سا احساس میرے ذہن پر طاری ہو گیا تھا۔ سارہ مجھے لیے ہوئے ایک کمرے میں آ گئی۔ یہ کمرہ بھی قابل دید تھا۔ خواب گاہ کی حیثیت رکھتا تھا۔ بہت وسیع تھا۔ اور نہایت حسین فرنیچر سے آراستہ تھا۔

"یہ تمہارے لیے ہے۔"

"تمہارے علاوہ اس عمارت میں اور کوئی نہیں رہتا۔"

"ملازمین ہیں۔"

"میرا مطلب ہے ان کے علاوہ۔"

"نہیں۔ ان کے علاوہ کوئی نہیں ہے۔ میں اس سے جواب دیا۔"

"تمہاری خواب گاہ کون سی ہے؟" میں نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔

"اس کمرے کے برابر والی۔ لیکن اب وہ عارضی ہے اس کے بعد۔" وہ مسکرا دی۔ میں بھی خاموش ہو گیا۔ میں نے اسے پکڑ دکھا تھا۔ وہ مسکراتی نگاہوں سے مجھے دیکھتی رہی۔ پھر بولی

"کوئی تبصرہ نہیں کیا تم نے؟"

"احساس کمتری کا شکار ہو گیا ہوں۔"

"کیوں۔"

"بس تم میری توقع سے زیادہ دولت مند ہو۔"

"نہیں۔ یہ سب کچھ میرا نہیں ہے۔ میں تو بس اس کی متولی ہوں۔"

"کیا مطلب؟"

"ہاں میں اس عمارت اور لاکھوں کیا کروڑوں روپے کی جائداد کی متولی ہوں۔"

"اور اس کا مالک؟"

"کوئی اور ہے۔ بتا دوں گی تمہیں۔" اس نے کہا میں نے اس سلسلے میں کوئی دلچسپی نہیں لی تھی۔ لیکن میرے ذہن میں الجھنیں ضرور تھیں۔ اگر غور کیا جاتا تو اب میں ایک عورت سارہ کے رحم و کرم پر تھا۔ میرا قانونی طور پر یہاں آیا تھا۔ اور غیر قانونی طور پر اس کے ساتھ مقیم تھا۔ ہر چند کہ وہ مجھ پر مہربان تھی۔ لیکن اگر کبھی نامہربان ہو جاتی تو میری مصیبت آ جاتی۔ اس لیے مجھے اس کے ساتھ تعاون کرنا تھا۔

لیکن ایسی کوئی نوبت نہیں آئی۔ سارہ بہت اچھی ثابت ہوئی۔ اس نے میرے آرام کا پوری طرح خیال رکھا۔ کبھی کوئی ایسی بات نہ کی جو میری مرضی کے خلاف ہوتی۔ میرے لیے لباس وغیرہ تیار کرائے گئے۔ میری شخصیت ہی بدل گئی۔ وہ مجھے عربی سکھا رہی تھی۔ انگریزی تو ہاتھ میں نے تجھے اچھی طرح سکھا دی تھی۔ لیکن میں اپنی پوری عمر عمل کرتا جا رہا تھا۔ ابھی تک میں نے سارہ سے کوئی تقاضا نہیں کیا تھا۔ دیکھی اس نے کسی معمول میں دخل دیا تھا۔ زیادہ وقت وہ میرے ساتھ گزارتی۔ اہرام مصر، ابو الہول، اسکندریہ اور مصر کے تمام قابل ذکر جگہوں کی سیر کرائی تھی۔ اس نے مجھے دریائے نیل میں کشتیوں کا سفر کرایا تھا ہم نے بس کبھی کبھی وہ کہیں چلی جاتی تھی۔ اور دوسرے دن واپس آ جاتی۔ میں نے اس سلسلے میں بھی کبھی نہ پوچھا تھا۔ پھر ایک شام اس نے چائے پیتے ہوئے مجھ سے کہا۔

"بابر ایک بات کہوں برا تو نہ مانو گے؟"

"نہیں۔" میں نے فیصلہ کن لہجے میں کہا۔

"خواہ کیسی بھی بات ہو۔"

"ہاں۔"

"میں آتے دوست تمہاری فطرت کو پرکھ رہی تھی تمہیں جانچ رہی تھی میں۔"

"اس میں برا ماننے کی کیا بات تھی؟" میں نے کہا۔

"تم بہت کشادہ ذہن اور فراخ دل انسان ہو۔ میں تمہارے ساتھ زندگی گزارنے میں فخر محسوس کروں۔" وہ بولی۔

"حالانکہ میں کسی طور خود کو تمہارے قابل نہیں سمجھتا سارہ۔ تم مجھ کچھ بھی ہو میں تمہارا مقابل نہیں۔"

"اس خیال کو ذہن سے نکال دو بابر۔ تم بہت اچھے انسان ہو۔ میں چاہتی ہوں بابر کہ اب ہم ایک دوسرے سے وابستہ ہو جائیں۔ اگر تم اجازت دو تو۔ تو میں قاضی کو بلا کر اس کا کام کروں میں بیاہ کی تقریب کروں گی۔"

"تم نے اچھی طرح غور کر لیا ہے سارہ؟"

"ہاں۔"

"تب ٹھیک ہے۔ جیسی تمہاری مرضی۔" میں نے آہستہ سے کہا۔

ہماری شادی ہو گئی۔ نہایت سادگی سے قاضی نے ہمارا نکاح پڑھا دیا۔ بہت سے ملازموں کی فوج ہماری شادی میں شریک تھی۔ سارہ شمائل میری بیوی بن گئی۔ اس کا قاضی اب بھی میری نگاہوں میں تھا کیونکہ میں نے اس موضوع پر سوچنا چھوڑ دیا تھا۔ اس سے کچھ حاصل نہیں تھا۔ میرا حلقہ احباب پیدا ہو گیا تھا جس پر سارہ نے کبھی اعتراض نہیں کیا تھا۔ بلکہ وہ خود مجھے اکساتی تھی کہ میں اس کے وجود میں نہ الجھا رہوں بلکہ اپنی زندگی میں دوسری تفریحات بھی تلاش کروں۔ دولت کی کمی نہیں تھی۔ میرا حلقہ احباب وسیع ہو گیا۔ اس کے علاوہ بھی میں نے بہت سے مشاغل اپنا لئے تھے۔ معریات سے متعلق بہت سی کتابیں میں نے حاصل کر لی تھیں عربی پر بھی عبور ہو چکا تھا۔ اور قدیم معریات میرا بہترین موضوع تھا۔ غرض زندگی کے چند سال بڑے پرسکون گزر گئے۔ لیکن زندگی کبھی یکساں نہیں ہوتی۔ اگر اس میں کوئی تبدیلی نہ ہو تو اسے زندگی کہنا محال ہوں۔ شاداب عرفی میرا دوست تھا۔ لاابالی انسان

والد بیوی کی دولت پر عیش کرنے والا۔
ایک دن وہ شراب پیتے ہوئے اس نے مستی کے عالم میں کہا۔ "تم خوش نصیب انسان ہو بابر۔"
"کیوں؟"
"ایک دولت مند عورت کی دولت پر عیش کر رہے ہو۔"
"وہ میری بیوی ہے۔" میں نے کہا۔
"ہاں۔ ہے تو تمہاری بیوی ہی لیکن ——"
"لیکن کیا؟"
"تم سے مخلص نہیں ہے شاید۔"
"کیا بکواس کر رہے ہو؟" میں نے غصیلے انداز میں کہا۔
"میں نے اسے البیرو میں دیکھا ہے۔ تعجب ہے۔ ہوسکتا ہے۔ مگر میں نے اسے پہچان لیا تھا۔"
"البیرو؟"
"نہیں اس بارے میں کچھ نہیں معلوم؟" وہ متعجب ہوا۔
"نہیں۔"
"تب اپنی آنکھوں سے دیکھ لینا کسی دن۔ البیرو ہی کے علاقے میں میری ایک محبوبہ بھی رہتی ہے۔ ایک بے حد خوبصورت بنگلے میں۔ میں نے بارہا تمہاری بیوی کو دیکھا ہے۔"
"اور اگر یہ غلط نکلا تو ——؟" میں نے اسے خونخوار نظروں سے دیکھتے ہوئے پوچھا۔
"جو چور کی سزا وہ میری۔" شاداب نے کہا۔ میں ذہن میں خلش لیے واپس آگیا۔ سارہ پر میں نے کوئی اظہار نہیں کیا لیکن اب میں اس پر نگاہ رکھنے لگا۔ اس کے معمولات اب بھی وہی تھے۔ اکثر وہ ایک دن کے لیے غائب ہو جاتی تھی۔ میں نے کبھی اس کے بارے میں نہیں پوچھا تھا۔ لیکن اب میں ہوشیار ہوگیا تھا۔ کئی بار میں نے اس کا تعاقب کیا۔ لیکن اس کے معمولات عام تھے۔ خریداری کرتی واپس آجاتی تھی۔
اس شام وہ تیار ہو کر نکلی جس دن اسے غائب ہونا ہوتا وہ مجھ سے کہہ جاتی تھی۔ اس شام جاتے ہوئے بولی۔
"میں رات کو واپس نہیں آؤں گی بابر۔"
"اوکے ڈارلنگ۔" میں نے پرسکون لہجے میں کہا۔ لیکن اس کے باہر نکلتے ہی میں بھی باہر نکلا۔ آج میں نے اس کا تعاقب کیا تھا۔ شاداب کی اطلاع کے مطابق وہ البیرو کے علاقے میں ہی گئی تھی۔ شاداب کی بات درست نکلی تھی۔ وہ ایک خوبصورت بنگلے میں داخل ہوگئی تھی۔ میں سخت پریشان ہوگیا۔ کون ہے اس مکان میں۔ کیا سارہ بے وفا ہے۔ کیا وہ دھوکہ دے رہی ہے۔ لیکن کیوں۔ اور مجھے کیا کرنا چاہیے؟
میں نے حالات کا جائزہ لیا۔ میرا اپنا کردار کچھ بھی نہیں تھا۔ درحقیقت ایک دولت مند عورت کا شوہر۔ بس اور کچھ نہیں۔ مجھے اس سے کچھ کہنے کا حق بھی نہیں ہے۔ اور اگر میں اس کے خلاف کارروائی کی تو۔ وہ مجھے برباد کر سکتی ہے۔ کچھ بھی تھا۔ لیکن سماج میں میری حیثیت غیر قانونی تھی۔ لیکن یہ بھی تو برداشت نہیں کر سکتا تھا۔ وہ میری منکوحہ تھی اب۔ اور میں بے غیرت نہیں تھا۔
میں کافی دیر البیرو میں رہا۔ اور پھر واپس آگیا۔ ذہنی پیچیدگیاں عروج پر تھیں۔ بیوی کی حیثیت سے سارہ شمائل میرے لیے کبھی بری ثابت نہیں ہوئی تھی۔ وہ مجھے بے حد چاہتی تھی۔ حالانکہ میری پوزیشن عجیب تھی۔ لیکن اس نے کبھی اس بات کا احساس نہیں ہونے دیا تھا کہ میں اس کا دست نگر ہوں۔ اس کے معمولات پر میں نے کبھی کوئی اعتراض نہیں کیا تھا۔ لیکن اب اس حد تک بھی برداشت کرنا ممکن نہیں تھا۔ میں کوئی فیصلہ نہیں کر پایا تھا۔
دوسرے دن وہ واپس آگئی۔ معمول کے مطابق ہی لیکن میرے اندر اس نے تبدیلی محسوس کر لی۔ چونک کر بولی۔
"بابر! طبیعت کیسی ہے؟"
"ٹھیک ہوں۔"
"ٹھیک نظر نہیں آرہے۔"
"کوئی خاص بات نہیں۔"
"عام بات بھی مجھے بتاؤ۔"
"کیوں؟" میں نے تیکھے انداز میں کہا۔ اور وہ چونک پڑی۔ مجھے دیکھتی رہی پھر بولی۔
"اس لیے کہ میں تمہاری بیوی ہوں۔"
"صرف بیوی نہیں، سرپرست اور محافظ بھی ہو۔ تمہارا ایک اشارہ مجھے جیل کی سلاخوں کے پیچھے پہنچا سکتا ہے۔" میں نے کہا اور شدت حیرت سے اس کی آنکھیں ابل پڑیں۔
"کیا بات ہے میرے محبوب۔ کیوں ناراض ہو رہے ہو؟"
"میں نے یہ بات غلط کہی ہے کیا؟"

"یہ تمہارے ذہن میں کس طرح آئی؟"
"اس لیے کہ یہ حقیقت ہے۔"
"مگر کیا میں کبھی ایسا کروں گی؟"
"شاید کر ڈالو۔ اگر تمہارے خلاف بات کروں۔"
"بابر! پہلے مجھے اس ناراضگی کی وجہ بتا دو۔ اس کے بعد اس سے بھی سخت باتیں کر لینا کوئی وجہ بتائے بغیر تمہارے یہ الفاظ میرا دل دکھا رہے ہیں۔"
"سارہ۔ آج میں تمہیں اپنے بارے میں کچھ بتاؤں گا۔ میرا نام بابر داد خان ہے۔ میرا باپ آٹھ گاؤں کا مالک ہے۔ دولت عام تھی گھر کی لیکن ——" میں نے اسے پوری کہانی سنائی۔ وہ آنکھوں میں پیار کے جذبات لیے مجھے دیکھتی رہی اور پھر اس نے آگے بڑھ کر میری گردن میں بانہیں ڈالتے ہوئے کہا۔
"مجھے پہلے ہی یقین تھا۔ خود کو چھپانے میں تم کامیاب نہیں ہو سکے بابر۔ تمہاری ایک ایک ادا سے بڑائی جھلکتی تھی۔"
"میں بے غیرت نہیں ہوں سارہ اور میں نے تم سے تمہاری دولت کے لیے شادی نہیں کی۔"
"میرا بیان ہے کہ ایسی بات نہیں ہے۔"
"پھر مجھے ایک شوہر کا درجہ کیوں حاصل نہیں ہے؟"
"کیوں کوتاہی ہوئی ہے مجھ سے؟"
"ہاں تمہارے بارے میں سب کچھ جانتا ہوں۔"
"اوہ!" وہ آہستہ سے بولی۔ اس کے چہرے پر عجیب سے تاثرات ابھر آئے تھے۔ "یہ خیال تمہیں کیوں آیا؟"
"تم ایک رات کے لیے کہاں جاتی ہو؟ کیا یہ ایک عزت مند شخص کے لیے تازیانہ نہیں ہے کہ اس کی بیوی ہفتے میں ایک رات گھر سے غائب رہے۔" اس نے آہستہ سے کہا۔ "میں اپنی غلطی تسلیم کرتی ہوں۔ اٹھو بابر۔ براہ کرم لباس تبدیل کر لو۔"
"کیا مطلب؟"
"پلیز بابر۔ لباس تبدیل کر لو۔" اس نے لجاجت سے کہا۔ اور میں مجبور ہوگیا۔ لباس تبدیل کر کے میں اس کے ساتھ باہر نکل آیا۔ اس نے بڑے احترام سے میرے لیے دروازہ کھولا۔ اور میں بیٹھ گیا۔ صورت حال کسی حد تک میرے علم میں تھی۔ میں جانتا تھا کہ کم از کم کسی کے معاملے میں وہ مجھے دھوکہ نہیں دے سکے گی لیکن اس وقت مجھے سنبھلنا پڑا جب کار البیرو کے اسی بنگلے میں داخل ہو کر رکی۔ دو ملازم جلدی سے اس طرف لپکے۔
"سلمان کہاں ہے؟" سارہ نے پوچھا۔
"اندر موجود ہیں میڈم۔" ملازم نے جواب دیا اور سارہ میرے ساتھ اندر داخل ہوگئی۔ یہ بنگلہ بھی بے حد خوبصورت تھا۔ ایک کشادہ اور خوبصورت کمرے میں بارہ تیرہ سال کا ایک لڑکا موجود تھا۔ لیکن یہ لڑکا۔ حسن و جمال کی ایسی تصویر میں نے تمام زندگی نہیں دیکھی تھی۔ اس زمین کی مخلوق ہی نہیں معلوم ہوتا تھا۔ سرخ و سفید رنگ۔ بھرا بھرا سیوا چہرہ۔ بڑی بڑی نیلی آنکھیں۔ کشادہ پیشانی جس پر سنہرے گھنگھریالے بالوں کے جھنڈ نظر آرہے تھے۔ یونانی سنگتراشوں کا کمال لگتا تھا وہ ایک بار نظر پڑنے تو ہٹائے نہ بنے۔
میں اسے دیکھ کر ساکت رہ گیا۔ بچہ سارہ کو دیکھتے ہی کھڑا ہو گیا۔ "ارے۔ باجی آپ۔ کوئی چیز بھول گئی تھیں کیا؟"
"سلمان۔ یہ کون ہیں؟" سارہ نے سنجیدگی سے کہا۔
"یہ ——" سلمان نے مجھے دیکھا۔ اور پھر ایک دلکش مسکراہٹ اس کے ہونٹوں پر پھیل گئی۔
"شاید بابر داد خان۔" اس نے مسکراتے ہوئے کہا۔
"تمہیں ان کے بارے میں کیا معلوم ہے؟"
"یہ بابر داد خان ہی ہو سکتے ہیں۔ کیونکہ اس بے تکلفی سے آج تک کسی اور کو آپ کے ساتھ یہاں آتے نہیں دیکھا۔"
"اگر یہ بابر داد خان ہیں تو میرے لیے ان کی کیا حیثیت ہے؟"
"ہمارے خدا کی۔ آپ نے ہمیشہ یہی کہا ہے۔ مگر بات کیا ہے؟"
"میں تمہارے پاس ہفتے میں کتنی بار آتی ہوں؟"
"صرف ایک بار۔"
"کس وقت آتی ہوں؟"
"عموماً دوپہر کو۔"
"کب جاتی ہوں؟"
"دوسرے دن۔"
"یہاں کیا کرتی ہوں میں؟"
"میری دیکھ بھال۔ میرے لباس کی درستگی اور پھر ہم ٹینس کھیلتے ہیں۔"
"تم میرے کون ہو سلمان؟"
"بھائی۔ آپ میری پیاری بہن ہیں باجی۔ مگر براہ کرم بات کیا ہے۔ مجھے معلوم نہیں ہوگی؟"
"میں بابر داد خان کو تم سے ملوانا چاہتی تھی۔ بابر کو یقین نہیں

"شاید تم جیسا کوئی خوبصورت بیرا بھائی بھی ہو سکتا ہے۔"

"نہیں ابھی ... اتنی خوبصورت جتنی پیاری ہیں۔ میں تو کچھ بھی نہیں ہوں۔" بچے نے کہا۔

میں سخت شرمندہ ہو گیا تھا اور لوگوں پر پانی پڑ گیا تھا۔ میں نے کنکھیوں سے سارہ کو دیکھا۔ وہ مجھے دیکھ رہی تھی۔ بہرحال میں نے خود کو سنبھالا۔ اور بچے کو پیار کرتے ہوئے بولا۔

"جی سلمان میاں۔ مجھے افسوس ہے کہ ہم اس سے قبل آپ سے کیوں نہ ملے۔ پڑھتے ہیں آپ؟"

"جی ہاں۔"

"کون سے اسکول میں؟"

"اسکول تو خود ہمیں پڑھانے آتا ہے۔" سلمان نے جواب دیا اور سارہ بول پڑی۔

"سلمان پڑھنے نہیں جاتے۔ یہ دنیا کی بیس زبانوں کے ماہر ہیں۔ فنون سپہ گری۔ قدیم مصری زبانوں اور ایسے ہی دوسرے فنون سے آراستہ ہیں۔ قابل ترین استاد انہیں تعلیم دینے کے لیے یہیں آتے ہیں اور یہ اپنی تعلیم مکمل کر چکے ہیں۔ ہم نے انہیں کبھی کسی اسکول میں نہیں پڑھایا۔"

"اوہ اچھا۔" میں نے آہستہ سے کہا۔ خود بھی میں نے سارہ سے اس کی وجہ نہیں پوچھی تھی۔ بہرطور سارہ کی جانب سے میرا ذہن اب صاف ہو گیا تھا بلکہ میں عجیب طرح کی شرمندگی محسوس کر رہا تھا۔ تب میں نے کہا۔ "سارہ! مجھے سلمان سے مل کر بہت مسرت ہوئی ہے اور میرا ذہن ایک آئینے کی طرح شفاف ہو گیا ہے۔"

"آؤ واپس چلیں۔" وہ اٹھ گئی۔ اس کا چہرہ سنجیدہ تھا۔ بہرطور واپسی میں میں کافی خیالات محسوس کر رہا تھا۔ تھوڑی دیر خاموش رہنے کے بعد میں نے کہا۔

"سارہ اگر کوئی کسی سے شکوہ کرتا ہے تو اس شکوے میں اس کی محبت پوشیدہ ہوتی ہے۔ مجھے نہیں علم تھا کہ تم یہاں آتی ہو لیکن میں جاننا چاہتا تھا کہ تم نے اپنی زندگی میں مجھے اتنا بڑا وہم دیا ہے۔ سارہ! میں اس حد تک بے چین ہو گیا ہوں کہ میرا دل چاہتا ہے کہ تمہارے بارے میں ایک ایک لفظ جان لوں۔ یہ سب کچھ کیا ہے تم کون ہو، تمہارا کیا مقصد ہے۔ اور مشکوک باتیں کیا ہیں۔ بس اسی خدشے نے مجھے تمہارا راستہ روکنے پر مجبور کیا تھا۔ اگر میری ان باتوں سے تمہارا دل دکھا ہے تو میں تم سے معافی چاہتا ہوں۔" اس نے گردن گھما کر مجھے دیکھا۔ اور پھر بچوں جیسے اپنی گردن میرے شانے پر ٹکا دی۔

"سنجیدہ سارہ! تم ڈرائیونگ کر رہی ہو۔" میں بولا اور وہ آہستہ سے ہنس دی۔ "میں آنکھیں بند کر کے بھی ڈرائیونگ کر سکتی ہوں۔" اس نے فخریہ انداز میں کہا۔

"اب میں تسلیم کیے لیتا ہوں۔ کیونکہ تم بلاشبہ بہترین صلاحیتوں کی مالک ہو لیکن سارہ اپنے بھائی کو تم نے خود سے اس قدر دور کیوں رکھا ہے؟ میں اس بارے میں کچھ جان سکتا ہوں؟"

"ہاں کیوں نہیں۔ وہ میرا بھائی نہیں ہے۔" سارہ نے جواب دیا۔ اور میں چونک کر اسے دیکھنے لگا۔

"کیا مطلب؟"

"ہاں۔ وہ میرا بھائی نہیں ہے۔ لیکن تم پھر کسی خیال میں مت ڈوب جانا۔ وہ میرا آقازادہ ہے۔"

"اوہ!" میں ہونٹ سکوڑ کر رہ گیا۔

"وہ بچپن سے میرے والد کی کفالت میں تھا اور میرے والد نے اس کے سلسلے میں مجھے ایک کہانی سنائی تھی۔ اس وقت اس کی عمر صرف پانچ سال تھی۔ جب میرے والد اسے لیے ہوئے گھر آئے تھے۔ اس وقت ہماری حالت بہت زیادہ اچھی نہیں تھی بلکہ درمیانی درجے کے لوگ تھے ہم۔ میرے والد کسی بہت دولت مند شخص کے پرسنل سیکرٹری تھے۔ اس دولت مند شخص کے بارے میں انہوں نے یہ بتایا تھا کہ وہ فراعنہ کی نسل سے تعلق رکھتا ہے اور قدیم ترین نسل کا پیروکار ہے۔ وہ ایک بہت بڑی شخصیت کا مالک تھا۔ موت کے وقت اس نے اپنے بیٹے کو میرے والد کی تحویل میں دیتے ہوئے کچھ ہدایات دی تھیں۔ جن کے بارے میں یقین کرو ابھی مجھے بھی نہیں معلوم۔ ہاں میرے والد جب اس بچے کے ساتھ آئے تھے تو ان کے پاس ایک قدیم طرز کا چوبی صندوق بھی تھا۔ یہ صندوق بے حد وزنی ہے اور اس عمارت کے تہ خانے میں محفوظ ہے جس میں ہم لوگ رہتے ہیں۔ یہ صندوق تہ خانے میں رکھ دیا گیا اور والد صاحب نے اس بچے کو اس عمارت میں منتقل کر دیا۔ اس کی کیفیت بڑی عجیب تھی۔

والد صاحب ہمیشہ اس بچے کے ساتھ بڑی عزت و احترام کے ساتھ پیش آتے تھے اور اکثر و بیشتر اس کی دلجوئی کرتے تھے۔

یہ پانچ سالہ بچہ بڑا عجیب سا تھا۔ لیکن ہماری محبتوں نے بالآخر اسے سنبھال لیا۔ اور ہمارے درمیان مطمئن ہوتا چلا گیا۔

وہاں زندگی گزرتی چلی گئی۔ اس وقت جب یہ تقریباً نو سال کا تھا میرے والد صاحب پر نمونیے کا شدید حملہ ہوا اور ان

کی زندگی کی کوئی امید نہ رہی۔ جب انہیں اپنی بیماری سے تھوڑی سی مہلت ملی تو انہوں نے سلمان کے بارے میں مجھے راز دار بنا لیا اور کہنے لگے۔

"سارہ! سلمان ہمارے پاس کسی کی امانت ہے۔ جانے جیسے بھی حالات ہوں سلمان ہمیشہ کے رہین منت ہیں۔ یہ تمام دولت اور ثروت سلمان ہی کی ہے۔ لیکن یقین کرو میں نے اپنے آقا کی یہ دولت اس کی مرضی کے بغیر استعمال نہیں کی۔ میرے آقا نے مرتے وقت مجھے وصیت کی تھی کہ میں اس بچے کو اپنی تحویل میں لے لوں اور اسی کی پرورش کروں۔ جب وہ پچیس سال کا ہو جائے تو یہ چوبی صندوق اس کے حوالے کر دوں۔ اور وقت کا انتظار کروں۔

لیکن موت مجھے مہلت نہیں دے رہی کہ میں اپنے ہاتھوں سے اپنے آقا کا حکم بجا لاؤں۔ تم میری بیٹی ہو کاش! میرا کوئی بیٹا ہوتا تو مجھے اتنا دکھ نہیں ہوتا۔ یہ امانت میں تمہارے سپرد کیے جا رہا ہوں۔ صندوق تہ خانے میں موجود ہے اور اس کی چابی بھی اس کی پشت میں رکھی ہوئی ہے۔ جب سلیمان پچیس سال کا ہو جائے تو یہ چابی اس کے حوالے کر دی جائے۔ لیکن سارہ خدا کے لیے اس سے قبل اس صندوق کو مت کھولنا۔ یہ میری وصیت ہے اور مجھے یقین ہے کہ تم اپنے باپ کی وصیت کا احترام کرو گی۔ اس صندوق میں سلمان کی زندگی سے متعلق اہم ترین راز چھپے ہیں۔ اور ان کا قبل از وقت افشا ہو جانا خود تمہاری زندگی کے لیے بھی خطرناک ہو سکتا ہے۔"

میرے والد صاحب مجھے نصیحت کرتے رہے اور بالآخر انہوں نے دم توڑ دیا۔

میں اس وقت بھرپور تھی۔ یوں بھی میری عمر بھی خاصی ہو چکی تھی اور اتفاق تھا کہ میری شادی ابھی تک نہیں ہوئی تھی۔

والد صاحب نے جو فرض میرے سپرد کیا تھا۔ اس کی انجام دہی کے لیے میں نے ذہن سے شادی کا خیال ہی نکال دیا تھا۔ اور میں نے اپنی زندگی سلمان کے لیے وقف کر دی۔ اس کا سارا کاروبار بھی مجھے ہی دیکھنا پڑتا ہے ۔۔۔۔ اس کی پرورش کی ذمہ داری بھی مجھ پر ہی عائد ہے۔ میں خلیانی بھی اسی سلسلے میں گئی تھی۔ اور یہاں مجھے کچھ پراسرار دشمنوں سے واسطہ پڑا۔ جانے وہ مجھ سے کیا چاہتے تھے۔ لیکن بہت پہلے سے میں تھکن محسوس کر رہی تھی بلکہ میرا دل چاہتا تھا کہ میں بھی سکون کے لمحات گزاروں۔ خلیانی سے واپسی آتے ہوئے تو میں بہت ہی نروس تھی اور پھر تم مجھے نظر آ گئے۔ پہلی ہی نگاہ میں تم مجھے پسند آ گئے تھے یا اور میں نے اپنے دلی اظہار میں کوئی تعرض نہیں کیا۔ میں تمہاری وفادار ہوں اور میں تمہیں پیار کرتی ہوں۔ تم میری زندگی کا محور ہو اور بس۔"

اس کی آنکھوں میں نمی آ گئی۔ میں نے گمبھیر لہجے میں کہا۔

"مجھ سے پہلی اور آخری غلطی ہو گئی ہے سارہ۔ معاف کر دو۔ آئندہ بھی تمہیں مجھ سے کوئی شکایت نہیں ہو گی۔"

"مجھے اب کوئی شکایت نہیں ہے تم سے۔" اس نے جواب دیا اور پھر معمول پر آ گئی۔ اسی رات وہ مجھے لے کر اس تہ خانے میں گئی اور میں نے اس پراسرار چوبی صندوق کو دیکھا جس میں جانے کیا کیا اسرار و رموز پوشیدہ تھے۔ بہرحال میں نے اس سلسلے میں سارہ کے مشن کی تکمیل کی ذمہ داری قبول کر لی۔ اب ہمارے درمیان کوئی دیوار نہیں رہی تھی۔

سلمان کی تربیت جاری تھی ۔۔۔ گھڑ سواری، تلوار بازی نیزہ بازی اور اس کے بعد آتشیں اسلحے کا استعمال سلمان نے اسی طرح سیکھ لیا۔ جس طرح اس نے بارہ سال کی عمر میں بیس زبانوں پر عبور حاصل کر لیا تھا۔ میں اس کا نگران تھا اور سارہ کی ساری الجھنیں میں نے دور کر دی تھیں۔ میرے ایما پر سارہ سلمان کو اب اسی عمارت میں لے آئی۔ میں نے اس سے کہہ دیا تھا وہ سلمان کے لیے کوئی تردد نہ کرے اور میں نے اس کی سخت حفاظت کی۔ سلمان اب جوان ہوتا جا رہا تھا۔ اٹھارہ سال کی عمر میں ہی وہ قد آور نوجوان نکل آیا تھا۔ اور اپنی عمر سے کافی بڑا معلوم ہوتا تھا۔ حسن و جمال تھا کہ اس پر ختم۔ ہماری رہائش گاہ کے گرد حسین لڑکیاں چکراتی رہتی تھی۔ روز کوئی نہ کوئی ہنگامہ ہوتا رہتا تھا۔ سیکڑوں رشتے آ چکے تھے۔ ایک سے ایک بڑھ کر لیکن خود سلمان کی فطرت میں آوارگی نہیں تھی۔ اور اس کی یہ کیفیت ہمارے لیے باعث اطمینان تھی۔

سارہ کے بطن سے کوئی بچہ نہیں ہوا تھا لیکن ہمیں اس کی حاجت نہیں تھی ۔۔۔ ہماری تمام توجہ سلمان پر مرکوز تھی۔ اور ہم اسے اپنی اولاد کی مانند چاہتے تھے۔

لیکن پھر سارہ کی زندگی نے دغا کی اور خود بھی وہ اپنے والد کی مانند شدید نمونیے کا شکار ہو گئی۔ بہتیرا علاج ہوا لیکن قضا مہلت نہیں دے رہی تھی۔ آٹھ دن کی مسلسل بے ہوشی کے بعد اسے ہوش آیا تو اس نے آنکھیں کھول کر سلمان کو پوچھا۔ سلمان نزدیک ہی تھا۔

سارہ نے اس کا ہاتھ میرے ہاتھ میں دیتے ہوئے نحیف آواز میں کہا۔ "تقدیر کے کھیل نرالے ہوتے ہیں۔ تم میری زندگی

سرزمین مصر میں تمہارا قیام ایک طویل ترین قیام کے طور پر ہے، تمہاری نسلیں یہیں آباد تھیں اور شاید تمہیں اس بات پر حیرت ہو کہ تم دنیا بھر کی قدیم ترین نسلوں میں سے ایک کے جانشین ہو۔ تمہیں یقین دلاتے ہیں کہ سلاطین کے تمہارے مورث اعلیٰ تقریباً سترہویں پشت میں مصر کے مذہبی مقتدا اور یونانی النسل تھے۔ یہ نسل بنسل درنسل چلتی رہی اور تاریخ میں اس کی کہانیاں درج ہیں۔ ستائیسویں فرعون راعموس کے دور کا واقعہ ہے جس کو میں بجنسہ درج کروں گا تاکہ تمہیں اپنی ذات کی شناخت ہو سکے، یہ واقعہ میں نے قدیم مصری زبان سے ترجمہ کیا ہے جو اس دور میں رائج نہیں ہے، لیکن اگر میرے خاص دوست یعنی تمہارے اتالیق نے تمہیں دینی تعلیم دلائی ہے جو میری خواہش کے مطابق ہے تو شاید تم یہ تحریر ان بوسیدہ اوراق میں پڑھ لو جو اس صندوقچے میں ہماری قدیم ترین روایات کے مطابق محفوظ ہے۔ مصر کی تاریخ بہت قدیم ہے پندرھویں اور سولھویں خاندان کے ماتحت سولہ سو اسی سنہ ۱۶۸۰ قبل مسیح میں مصر اجنبی فاتحوں کے قبضے میں رہا، جنہیں ہکسوس کہا جاتا ہے، یہ غالباً فلسطین اور ایشیائے کوچک سے آئے ہوئے لوگ تھے۔ سترھواں خاندان مصری تھا جس نے ہکسوس کو باہر نکالا اور نئی حکومت قائم کی۔ یہ حکومت سنہ ۱۵۸۰ سے ۱۰۹۰ قبل مسیح تک قائم رہی۔ تھوتمس ثالث اٹھارہویں خاندان کا بادشاہ تھا۔ اس نے خلفیہ، فلسطین اور شام فتح کر لئے۔ لیکن بعد کے فراعنہ ایشیائی مقبوضات کھو بیٹھے اور ایک بار پھر مصر پر اجنبیوں کا تسلط ہو گیا۔ ہمارا دور چھبیسویں فرعون ثالث سے شروع ہوا اور اس کے بعد طویل عرصے تک فرعون کا اقتدار قائم رہا۔ قدیم مصری تہذیب کے مطابق فرعون کو لامحدود اختیارات حاصل تھے۔ حیات بعد الموت کا تصور مقدم رہتا تھا، عالیشان مقبرے اور حنوط شدہ بدن محفوظ کر دیئے جاتے تھے جنہیں اہرام کہا جاتا ہے۔ جسم و روح کا ایک تصور تھا ہمارے سامنے، عقیدہ یہ تھا کہ جسم ایک "مثنہ" ہے جسے "کا" کہتے ہیں زندگی مرنے کے بعد بھی قائم رہتی ہے اور "کا" غیر فانی ہے۔

کاہن معبدوں کے منتظم تھے لیکن فرعون کی حکومت سے ان کا براہ راست تعلق ہوتا تھا۔ اور انہیں بادشاہ وقت کی مانند اختیارات حاصل ہوتے تھے۔ راعموس چھبیسویں فرعون کا بیٹا تھا ایک شوخ اور لاابالی نوجوان جسے گو بچپن سے شہنشاہیت اور مذہب کے تقدس کا احساس دلا دیا گیا تھا لیکن اس کا دل حسن و عشق کی چاشنی سے لبریز تھا۔ محل کی لاتعداد کنیزیں اس کی لذت کے لئے حاضر رہتی تھیں اور وہ ان کے درمیان خوشی اور مسرت محسوس کرتا تھا۔ لیکن یوں ہوا کہ اس نے ایک بار عبادت کے دوران کاہن اعظم تباسا کی بیٹی زلیخا کو دیکھا کہ حسن و جمال میں یکتا اور آسمانوں سے اتری ہوئی کوئی دیوی محسوس ہوتی تھی، یوں راعموس اس سے دل ہار گیا۔ کاہن اعظم کی مقدس بیٹی معبد کی ان خاص پجارنوں میں سے ایک تھی جن کی شادی کسی سے نہیں ہوتی اور جو تقدس کی بلندیوں کو چھوتی ہیں۔ یہ تقدس کاہنوں کی ملکیت تھا اول تو ان کے خاندانوں میں شادیاں ہی بہت کم ہوتی تھیں لیکن اگر کوئی لڑکی پیدا ہوتی تو اسے کبھی کسی سے منسوب نہیں کیا جاتا تھا وہ کنواری ہی رہتی اور کنواری ہی مر جاتی تھی، اس کی روح کو آسمانی بلندیوں پر صاف دیکھا جا سکتا تھا، سو کاہن اعظم تباسا کی یہ بیٹی بھی تقدیس کے انہی مراحل سے گذر رہی تھی کہ راعموس کی نگاہ پڑ گئی۔

سرکش اور ضدی راعموس اس کی خلوتوں میں جانے کی کوششیں کرنے لگا، سو یہی ہوا کہ ایک بار اسے عبادت کے بعد اس کا موقع مل گیا، کیونکہ وہ عام لباس میں اور عام عبادت کرنے والوں کی مانند معبد میں پہنچا تھا۔ اور قطعی ان لوگوں میں جنہیں شامل ہوا تھا جو شہزادگان یا عظیم المرتبت لوگوں میں شامل ہوتے تھے، یوں اس کی جانب توجہ نہ ہوئی کسی کی اور جب عبادت ختم ہوئی تو وہ ایک ایسی چٹان کی آڑ میں ہو گیا، جہاں سے واپسی پر اسے کوئی نہ دیکھ سکے، لیکن اس کا مقصد یہی تھا کہ جب ماحول سنسان ہو جائے تو وہ نزدیک سے زلیخا کی زیارت کرے۔

حسین زلیخا معبد کی پہلی سرنگ کے آخری کمرے میں قیام پذیر تھی اور اس طرف کسی ذی روح کو داخلے کی اجازت نہ تھی سوائے ان خادماؤں کے جو زلیخا کے لئے مخصوص تھیں۔

زلیخا کا دیوانہ راعموس ان رکاوٹوں کی پرواہ نہ کرتے ہوئے سرنگ میں داخل ہو کر زلیخا کے روبرو پہنچ گیا۔

نوجوان لڑکی جو عمر کے اٹھارہویں سال سے گذر رہی تھی ششدر رہ گئی، اسے جو تعلیمات دی گئی تھیں ان کے تحت کسی مرد کا سایہ تک اس کے لئے ناجائز تھا، لیکن راعموس کی مردانہ وجاہت اس کے بلند و بالا قد اور اس کی شربتی آنکھوں نے زلیخا کو مسحور کر دیا، اس نے خادماؤں کو حکم دیا کہ سرنگ کے آخری حصے پر ٹھہریں اور یہ کسی کو نہ ظاہر ہونے دیں کہ وہ ہو رہا ہے جو نہ ہوتا تھا۔

یوں پذیرائی ہوئی راعموس کے عشق کی اور اس کے بعد مختصر ملاقاتیں ہونے لگیں۔

زلیخا کے سینے میں محبت کا جو لاوا ابل رہا تھا پھوٹ پڑا اور دونوں تنہائیوں میں ایک دوسرے کے ساتھی بن گئے اور ان کے درمیان حسن و عشق کے مدارج طے ہونے لگے۔

حسین زلیخا حسن و جمال کا نمونہ تھی تو راعموس کا بلند و بالا قد۔ اس کی مردانہ وجاہت پورے مصر میں یکتا تھی اور خیال تھا یہ عام لوگوں کا کہ دور فرعون میں اس سے خوبصورت نوجوان اس سے قبل نہیں پیدا ہوا۔

زلیخا کو بھی جواب ملا اس محبت کا جو اس کے سینے میں تھا، لیکن دونوں ہی جانتے تھے کہ فرعون کے مقدس مذہب کی روایات انہیں کبھی یکجا نہ ہونے دیں گی۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ ان کا یہ عشق کاہنوں اور بادشاہوں کے درمیان چپقلش کی بنیاد نہ بن جائے۔

سو پھر یوں طے کیا انہوں نے کہ بہتر ہے کوئی رات مقرر کر لی جائے، جب وہ اس کمین گاہ سے نکلیں اور طویل و عریض زمین کے کسی ایسے گوشے میں پناہ گزین ہو جائیں جہاں یہ روایات ان کا تعاقب نہ کر سکیں۔

راعموس حکومت چھوڑنے کو تیار تھا اور زلیخا اپنا تقدس سو پھر یہی ہوا کہ وہ موقع کی تاک میں رہنے لگے اور راعموس نے معلوم کر لیا کہ ایک تجارتی جہاز بہت جلد بندرگاہ سے روانہ ہونے والا ہے، اس نے اپنے کچھ خاص غلاموں کی مدد سے دو ایسے افراد کا بندوبست اس جہاز میں کیا، جو خاموشی سے مصر سے نکل جانا چاہتے تھے، لیکن کوئی نہیں جانتا تھا کہ یہ دونوں کون ہیں، اور یوں ہوا کہ جب جہاز کی روانگی کی رات آئی تو زلیخا نے اپنی کنیزوں کو کسی کام سے بھیجا اور خود سرنگ سے باہر نکل کر اس جگہ پہنچ گئی جہاں راعموس اس کا انتظار کر رہا تھا۔

پھر یوں ہوا کہ دونوں جہاز پر پہنچے اور جہاز نے اپنے لنگر اٹھا دیئے، وہ ایک طویل سفر پر روانہ ہو گیا۔

چالاک راعموس نے ایسے انتظامات کئے تھے کہ جب تک جہاز کھلے سمندروں میں دور تک نہ پہنچ جائے کسی کو شبہ نہ ہو سکے کہ وہ اس جہاز سے فرار ہوا ہے۔

اور یہی ہوا۔۔!

فرعون وقت کو پتہ بھی نہ چل سکا کہ راعموس محل سے غیر حاضر ہے۔ یہی کیفیت زلیخا کی بھی ہوئی تھی اکثر وہ تنہائیوں میں جی بہلانے کے لئے دور تک نکل جاتی تھی چنانچہ ان دونوں کو مصر سے دور نکلنے کا موقع مل گیا اور کوئی دشواری پیش نہ آئی انہیں اس سفر میں۔ لیکن اس وقت تک جب تک ایک مہیب سمندری طوفان نے انہیں نہ آ لیا۔

وہ پورا جہاز جس میں بے شمار افراد سوار تھے۔ طوفانی لہروں کی لپیٹ میں آ گیا۔ اس کے بادبان پھٹنے لگے، مستول ٹوٹنے لگے اور عملے کے افراد زندگی اور موت کی کشمکش کا شکار ہونے لگے۔ ان کی ذمہ داری جہاز کو بچانا تھی، لیکن تقدیر اس کی تباہی متعین کر چکی تھی، ہواؤں کا طوفان، گہرا گاڑھا کہر جہاز کو اس کی منزل سے نجانے کتنی دور لے گیا اور یہ اندازہ بھی نہ ہو سکا کہ وہ خوفناک چٹانیں کب جہاز کے نزدیک آ گئیں، جو سیاہ سمندر میں سر ابھارے کھڑی خونی نگاہوں سے اس جہاز کو دیکھ رہی تھیں۔

جہاز کسی کنکر کی مانند ان چٹانوں سے ٹکرایا اور پاش پاش ہو گیا۔

انسانی شور ہواؤں کی آوازوں میں دب گیا، کسی کی آہ تک سنائی نہ دی، سمندر کی مہیب لہروں نے انسانی جانوں کو ڈس لیا تھا لیکن قدرت کو ان دونوں کو بچانا مقصود تھا کہ ایک چوڑے تختے نے انہیں خشکی سے جا لگایا۔

تفصیل اس جگہ کی یوں تھی کہ ریتلے ساحل دور دور تک پھیلے ہوئے تھے اور گھنے درختوں کے جھنڈ آپس میں اس طرح دست و گریباں کھڑے تھے جیسے کان سے کان ملائے سرگوشیاں کر رہے ہوں، ان کے درمیان فٹ فٹ بھر لمبی مکڑیوں نے جالے تان رکھے تھے اور ایسے زبردست تھے یہ جالے کہ اڑنے والے حشرات الارض کا تو ذکر ہی کیا، چڑیاں، فاختائیں اور دوسرے پرندے بھی ان جالوں میں پھنس کر اپنی جان نہیں بچا سکتے تھے۔ اور یہ خونی مکڑیاں آن کی آن میں اپنے شکار کو اس طرح چٹ کر جاتیں جیسے کبھی اس کا وجود ہی نہ رہا ہو، ہاں چند چھوٹی چھوٹی ہڈیاں ان جالوں میں اٹکی رہ جاتیں اور اپنے وجود کی کہانیاں سناتی رہتیں۔ اس خوفناک ماحول میں وہ دونوں ایک دوسرے کی قربت میں آگے بڑھتے رہے اور پھر وہاں کے سیاہ فام ننگ دھڑنگ لوگوں کے ہاتھ لگ گئے۔ جنہوں نے انہیں قید کر کے اپنی ملکہ کے پاس پہنچا دیا۔

وحشیوں کی اس ملکہ کے بارے میں وحشیوں کے درمیان

طرح طرح کی کہانیاں مشہور تھیں۔ ان کا کہنا تھا کہ ان کی یہ ملکہ ہزاروں سال سے زندہ ہے اور ہزاروں سال زندہ رہے گی۔ ہر چند کہ وہ سیاہ فام وحشیوں کے درمیان تھی، لیکن اس کے حسن و جمال کے بارے میں کاہن اعظم تپاسا کی بیٹی زیتھا نے جو کچھ لکھا ہے ان الفاظ کا صحیح ترجمہ ممکن نہیں۔ کہنا اس کا یہ تھا کہ یہ ملکہ عام طور سے لوگوں کے سامنے نہیں آتی تھی کہ وحشیوں میں اسے دیکھنے کی تاب نہ تھی۔

لیکن جب چاند پورا ہوتا اور گیارہ چاند گزر چکے ہوتے تو ایک رات وہ زیارت گاہ کی چٹان پر اپنا چہرہ دکھانے آتی اور وحشی اس کے حسن و جمال کی تاب نہ لا کر ہلاک ہو جاتے۔ اس کا سارا وجود سیاہ رنگ کی جالی میں لپٹا ہوتا تھا لیکن کیفیت یہ ہوتی کہ سیاہ جالی سے چمکدار دودھیا رنگ چھلک چھلک کر تمام عالم کو منور کر دیتا یا پھر ایسا محسوس ہوتا جیسے روشن چاند پر تاریک قبا ڈال دی گئی ہو۔ اس حسین عورت کو اپسرا کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ اور زمین کے اس خطے میں جہاں انسانی قدم شاذ ہی پہنچتے ہیں، وہ آج بھی اپنے اسی جاہ و جلال کے ساتھ حکمراں ہے۔ آسمانوں سے [illegible] ہوئی یہ اپسرا لاتعداد کہانیوں کا مجموعہ ہے۔ کہانیاں صرف [illegible] ذرائع سے نہیں بکھری ہیں جو زیتھا کے فراہم کردہ تھے بلکہ بعض اور طریقوں سے بھی اپسرا کے وجود کا [illegible]، ہوائے جس کی تفصیل تمہیں آئندہ کبھی معلوم ہو جائے گی۔

حسن و [illegible] اس [illegible] بے مثال کہ انسانی نگاہ اس پر ٹھہر نہ سکے۔ ایک ایک نقش یہی جگہ مکمل، یاقوت سے تراشیدہ ہونٹ اتنے سرخ کہ یاقوت کی چمک ان کے آگے ماند پڑ جائے۔ رخسار ایسے کہ ان کے لئے کوئی تشبیہ ہی ممکن نہ ہو، رنگ یوں، جیسے چاند پر موم جامہ کر دیا گیا ہو، بدن اتنا سڈول اتنا حسین کہ سنگ مرمر کے مجسمے اس کی چکناہٹ اور تراش کے آگے سرنگوں ہو جائیں۔ یہ حسن و جمال تو یوں تھا کہ اسے دیکھ کر مر جایا جائے۔ اپسرا کے سامنے جینے کا تصور بھی بے مقصد ہو جاتا تھا۔ اور خاص طور سے کسی مرد کے لئے۔

لیکن راعبوس پر اس کا اثر نہ ہوا، کیونکہ وہ زیتھا کا گھائل تھا اور ان کے درمیان روحانی رشتے قائم ہو چکے تھے۔

ملکہ نے راعبوس کو اپنا حسن و جمال دکھایا۔ اور شاید اس بات پر حیران رہ گئی کہ یہ حسین نوجوان اپنے حواس کیوں نہ کھو بیٹھا۔ اسے راعبوس کی یہی ادا بھا گئی اور اس نے راعبوس کو حاصل کرنے کا منصوبہ کیا، لیکن جفاکار نوجوان اپنی محبت میں مستحکم تھا۔ زیتھا کو اس نے تمام روایات کو توڑ کر حاصل کیا تھا اور یہ بھی جانتا تھا کہ اس کے اس اقدام کی وجہ سے حکومت مصر اتھل پتھل ہو سکتی ہے۔ کاہنوں اور شاہوں کے درمیان ایسی چپقلش پیدا ہو سکتی ہے جو شاید تاریخ بن جائے، سو ان تمام باتوں کو مد نگاہ رکھتے ہوئے وہ اپنے عہد پر قائم رہا اور جب ملکہ نے اپنی پرفسوں مسکراہٹ کے ساتھ اسے دیکھتے ہوئے کہا۔

"اے نوجوان، پہاڑوں کی یہ ملکہ تیرا خیر مقدم کرتی ہے اور تیری زندگی کی ضمانت دیتے ہوئے تجھے یقین دلاتی ہے کہ تو ابدیت حاصل کرے گا۔ تجھے موت نہ ہوگی اور تو میرے ساتھ صدیاں گزارے گا۔ لیکن شرط یہی ہے کہ اس لڑکی کو اپنے ہاتھ سے قتل کر دے جو تیری لاعلمی کی بنا پر تیری مالک بنی رہی ہے، ہاں یہی سزا ہے اس کے لئے کہ تو اسے موت کے گھاٹ اتار دے اور میرا بن جا۔"

راعبوس نے نہایت متانت سے ملکہ کو دیکھا اور ادب سے بولا۔

"ویران علاقوں کی حکمران۔ بے شک تیرا حسن و جمال [illegible] روزگار ہے، تیرے جیسی اپسرا کا تصور انسانی ذہن میں کبھی نہ آیا ہوگا اور میں تاب نہیں رکھتا کہ تیرے چہرے پر نگاہ جما سکوں لیکن زیتھا میری آخری محبت ہے۔ [illegible] پہلی بھی۔ میں نے اس سے پہلے کسی کو چاہا اور [illegible] کے بعد کسی کو چاہوں گا۔ یہ ازل اور ابد کے سلسلے ہیں جو ٹوٹ نہیں سکتے۔ سو بہتر ہے کہ تو ہمیں آزاد کر کے [illegible] منظور [illegible] زندگی بسر کرنے کی اجازت دے۔ یہی تیری [illegible] ہوگی۔"

حسن و جمال کی یہ تمثیل اپنے حسن کی توہین برداشت نہ کر سکی۔ یہی کیا کم تھا اس کے لئے کہ راعبوس نے اس کے حسن و جمال کو دیکھ کر ہوش و حواس نہ کھو دیئے تھے، بلکہ وہ تو اس کی خود سپردگی کی... چیلنج کو بھی ٹھکرا رہا تھا چنانچہ اس کا ذہن طیش کا شکار ہو گیا۔ پھر اس نے سرد لہجے میں کہا۔

"باہر کی دنیا سے آنے والے نوجوان تو نے آج تاریخ کی توہین کی ہے، شاید ہی کبھی ہم نے کسی انسان کی آرزو کی ہو لیکن جب یہ الفاظ ہماری زبان سے نکل گئے تو وہ تاریخ بن جانے چاہئیں تھے۔ ہم نے تو سوچا تھا کہ نئی زندگی کا آغاز کر کے تجھے اپنے درمیان جگہ دیں۔ لیکن یوں لگتا ہے کہ تیری روشن پیشانی کی گہرائیوں میں تاریکیاں چھپی ہوئی ہیں جو تیری تقدیر ہے، اور ان الفاظ کے بعد تیری زندگی بھلا کیونکر ممکن ہو سکتی ہے؟"

اس کے ساتھ ہی اس نے سیاہ رو نیزہ برداروں کو طلب کیا اور ان سے کہا کہ اس نوجوان کے بدن کے مسامات میں نیزے اتار دیئے جائیں، اس طرح نیزے کی انیوں سے اس کے بدن کو ڈھکا جائے کہ اس کا کوئی عضو نظر نہ آئے۔

اور یہی ہوا، اپسرا کے حکم کی بھرپور تعمیل کی گئی۔ زیتھا کے سامنے اس کے محبوب کو قتل کر دیا گیا اور زیتھا کی دلخراش چیخیں آسمان کو چھونے لگیں۔

وحشیوں نے راعبوس کے بدن کو نیزوں سے اس طرح ڈھکا کہ درحقیقت اس کے خون کے قطرے بھی نمایاں نہ ہو سکے اور اس کے بدن پر نیزوں کا شہر آباد ہو گیا۔

وحشی ملکہ کو اس کی موت سے بھی سیری نہ ہوئی تو اس نے زیتھا کی جانب دیکھا اور نفرت زدہ لہجے میں بولی۔

"آہ اے عورت تو ہی ہماری محبت کی توہین بنی ہے اور یہ تو ہی تھی جس کی وجہ سے یہ حسین نوجوان موت کا شکار ہوا ہے، تو کیا تیری زندگی کسی طور ممکن ہے؟ نہیں، کبھی نہیں، تجھے اس سے بدترین موت کا شکار ہونا پڑے گا۔"

اس نے اپنے آدمیوں کو اشارہ کیا اور سیاہ وحشی زیتھا کو پکڑ کر ایک آتش کدے کے نزدیک لے گئے جو نجانے کب سے روشن تھا۔ آگ کے شعلوں نے قرب و جوار کے تمام ماحول کو بھسم کر ڈالا تھا۔ اور زمین دور دور تک گرم تھی کہ اس پر پاؤں نہ رکھے جا سکیں لیکن پھر ایک سیاہ فام بوڑھے نے جو شیطانی قوتوں کا مالک تھا، ان لوگوں کو روک دیا اور ان سے کچھ کہا جسے سن کر تمام وحشی بھاگ گئے اور زیتھا وہیں کھڑی رہ گئی۔

سوکھا مریل بوڑھا جس کی آنکھوں میں شیطان جاگزیں تھا زیتھا کا ہاتھ پکڑ کر ایک بار پھر ملکہ کے روبرو لے آیا اور اس نے ملکہ سے کہا۔

"عظیم المرتبت، ہمیشہ زندہ رہنے والی تیری زندگی قائم رہے تیرا اقبال بلند ہو، تیرا حسن یونہی چاند اور سورج کی طرح دمکتا رہے، یہ لڑکی حاملہ ہے اور یہ ایک ایسی روایت کو توڑنے کا باعث بنی ہے جو خونریزی کی بنیاد ہے۔ اگر ہم نے اس سرزمین پر اس کا خون بہا دیا تو وہ روایت یہاں بھی قائم ہو جائے گی اور ہمیشہ یہاں خون بہتا رہے گا میرا علم یہی کہتا ہے اور یقیناً تو اس سے ناواقف نہ ہوگی، کسی حاملہ عورت کو اس سرزمین پر قتل کرنے کا مقصد یہ ہے کہ صدیوں تک عورتوں کے ہاں مردہ بچے پیدا ہوں اور یوں ہماری نسل گھٹتی چلی جائے یہ ایک بیماری ہے بہت بڑی عظیم ملکہ اور اس بیماری کے لئے بہتر یہ ہے کہ اسے یہاں سے نکال دیا جائے۔ سو یوں کیا جائے کہ درختوں کے تنوں سے کاٹی ہوئی ایک لکڑی کے درمیان خول کر کے اسے اس خول میں بٹھایا جائے اور پھر اس خول کو سمندر کے حوالے کر دیا جائے کہ تیز ہوائیں لے دوڑے جائیں اور کسی مناسب جگہ غرق کر دی جائے یوں تیرا انتقام بھی پورا ہو جائے گا اور ہماری سرزمین نحوست سے پاک ہو جائے گی۔"

یہ بوڑھا شخص شاید حسین اپسرا کے لئے کوئی بڑی حیثیت رکھتا تھا اس نے بوڑھے کی بات مان لی اور حکم دیا کہ اس لڑکی کو کسی ایسی جگہ قید کر دیا جائے جہاں سے یہ نکل نہ سکے، اس کے بعد درخت کے تنے کا خول بنا کے اسے اس میں بٹھا کر روانہ کر دیا جائے۔

سو یہی ہوا۔

زیتھا جو اپنے محبوب کی جدائی کے بعد زندگی کو خود پر گراں سمجھ رہی تھی، درخت کے تنے کے خول کی کشتی بنا کر اس میں بٹھا کر سمندر برد کر دی گئی، لیکن سمندر نے بھی اس کی موت قبول نہیں کی تھی لہریں اسے ایک تاریخ کی ترتیب کے لئے لئے جا رہی تھیں۔ بھوکی پیاسی عورت کو کچھ پتا نہیں تھا کہ کتنے دن اور کتنی راتیں وہ سمندر کے سینے پر گزار چکی ہے۔ اور کب درخت کا وہ تنا کسی خشکی پر جا پڑا۔

اسے جب ہوش آیا تو اس کے پہلو میں غلاظت میں لپٹا ہوا ایک حسین بچہ موجود تھا، زیتھا نے اسے دیکھا اور اس کے دل میں نئی زندگی جنم لینے لگی، اس نے زچہ گیری کے تمام لوازمات سے فارغ ہو کر بچے کو اپنی آغوش میں لے لیا۔ ایک حسین لڑکا جو اس کے محبوب کی شکل تھا، اس کی ہوبہو تصویر، اس کا ہم شکل۔ اس تصویر کو دیکھ کر زیتھا کے دل میں نجانے کیا کیا خیالات پروان چڑھنے لگے، اس کا ذہن انتقام کی آگ میں پھنک رہا تھا، وہ بے سہارا تھی، اگر اسے کسی کا سہارا حاصل ہوتا اور وہ وحشیوں کی ملکہ کو زندگی سے محروم کر سکتی تو اپنی جان کی قیمت پر اپنے محبوب کا انتقام لیتی لیکن جہاں اس کی نگاہوں میں تاریک تھا، کوئی کچی دیوار بھی نہ تھی جس سے سہارا لے کر وہ کھڑی ہو سکتی۔

اس نے مصر کی روایات کو توڑا تھا، کاہن اعظم کی عظمت کو داغدار کر دیا تھا، فرعون کی تقدیس بھری روایات کو پامال کر دیا تھا سو مصر میں اس کے لئے کون سی جگہ تھی۔ لیکن اب یہ ننھا سا وجود اسے احساس دلا رہا تھا کہ اس کے انتقام کی کہانی آگے بڑھے گی۔ اور اس نے اس وجود کو اپنا خون جگر پلا کر پروان چڑھانا شروع کر دیا کہ وہ اس کی آرزوؤں کا درخت تھا۔

اور یہ درخت بڑھتا چلا گیا۔ لیکن ابھی وہ عمر کی تیسری منزل میں تھا کہ ایک دخانی جہاز اس خشکی کے کنارے آ لگا اور لوگوں نے دیکھ لیا۔

ان میں دو بھی تھے جو زیتھا کے واقف کار تھے یعنی اسے کاہن اعظم کی بیٹی کی حیثیت سے جانتے تھے، انہوں نے زیتھا کو مقدس جانا، اس کے بچے کو اپنی تحویل میں لیا اور ان کا رخ مصر کی جانب ہو گیا۔

دی۔ لیکن وہ اس سے عشق کرنے لگی تھی، سو وہ اس کے لئے موئی اور پھر اس نے میری موت کا فیصلہ کیا۔ لیکن میں بچ گئی اور وہ اس لئے مجھے قتل نہ کر سکی کہ تو میرے شکم میں تھا، اور کاہن اعظم کا تقدس، میرے وجود کا محافظ، انہوں نے مجھے درخت کے ایک کھوکھلے تنے میں بٹھا کر دریا برد کر دیا، اور اس کے بعد میں عمر پہنچی تو مجھے علم ہوا کہ وہاں کے حالات بدل چکے ہیں۔ یوں مجھ پر جینے اور مصیبتوں کے درمیان پلنا آنا پڑا۔ اور اب میرے بیٹے میں تجھ سے درخواست کرتی ہوں کہ تو اس عورت کو تلاش کر اور اگر تجھے وہاں کا راستہ معلوم ہو جائے تو، تو جا اور جا کر اپنے باپ کے خون کے بدلے میں اس کو قتل کر دے۔ اور اگر تو ڈر جائے یا اپنی اس کوشش میں کامیاب نہ ہو سکے تو یہ لازم ہے تجھ پر کہ اپنی اولاد کو اس انتقام کی وصیت کر جا، اور اگر اس کی اولاد بھی یہ کام نہ کرے تو پھر اسے چاہیئے کہ وہ اپنی اولاد کو وصیت کر جائے یہاں تک کہ تیری نسل سے کوئی ایسا پیدا ہو جو میری روح کو سکون بخش دے۔ اور اس حیات ابدی کا پرچار کرنے والی عورت کو موت کی نیند سلا دے۔ ممکن ہے کہ تجھے ان باتوں پر یقین نہ آئے۔ مگر یہ سارے واقعات مجھ پر گزرے ہیں اور یہ سب میری آنکھوں دیکھی باتیں ہیں کہ میں نے جھوٹ نہیں بولا تجھ سے اور تو ذمہ دار ہے میری اس سچائی کا۔"

سلمان رکا اور پھر وہ دستخطوں والے حصے کو پڑھنے لگا۔

سب سے پہلے زیتھا کے دستخط تھے، اور اس کے نیچے چھوٹی سی تحریر تھی "دیوتاؤں کی مرضی دیکھ کر میں جاؤں، اب اپنے بیٹے کے سپرد کرتا ہوں" اس کے بعد دوسرے لوگوں کے دستخط اور چھوٹی چھوٹی تحریریں تھیں۔ جن کا ماحصل یہی تھا کہ وہ جو کام انجام نہ دے سکے، ان کا بیٹا اسے انجام دے۔ قدیم انگلستانی زبان میں، اور دوسری مختلف زبانوں میں یہ تحریریں لکھی ہوئی تھیں، اور ان کا مقصد یہی تھا سب نے اپنے اپنے بیٹوں کو نصیحتیں کی تھیں کہ وہ انتقام لیں، اور یہ آخری خط کاشان کا تھا، جو سلمان کے نام تھا۔ یہ تحریر بھی ختم ہو گئی، اور ہم نے اپنے اردگرد بے تعداد روحوں کو گرداں پایا۔ یوں لگتا تھا جیسے تمام روحیں اب ہمارے درمیان آ موجود ہوئی ہیں جو اس انتقام کو پورا نہ کر سکی تھیں۔ فضاؤں میں عجیب عجیب سی سرگوشیاں بکھر رہی تھیں اور ماحول اتنا تلخ ہو گیا تھا کہ ہمارے بدن میں سردی سے کپکپاہٹ ہونے لگی۔ لیکن پھر آہستہ آہستہ سلمان کی حالت بہتر ہونے لگی۔ شاید اس پر ان روحوں کا سایہ ہو گیا تھا وہ اٹھا اور پھر میری جانب دیکھ کر بولا۔

"اٹھیئے چچا جان، ہم اپنا مقصد پورا کر چکے ہیں۔" میں نے چونک کر اسے دیکھا۔ سلمان کی آنکھوں میں ایک عجیب سا جذبہ تھا رہا تھا۔ اس کا چہرہ سرخ تھا۔ اور یوں لگتا تھا۔ جیسے اب وہ تمام اثرات سے آزاد ہو گیا ہو۔

"بیٹو۔ مجھے بتاؤ کہ اس سلسلے میں تم نے کیا فیصلہ کیا ہے؟"

"میں نہیں کہہ سکتا چچا جان۔ کہ میری زندگی مجھے یہ مہلت دے سکے گی یا نہیں کہ میں اپنے اجداد کے اس فرض کو پورا کر سکوں لیکن جیسا کہ میرے اجداد کرتے چلے آئے ہیں میں اس سے منہ نہ موڑوں گا۔ یہ مقدس امانت صدیوں کے بعد مجھ تک پہنچی ہے تو میرا فرض بنتا ہے کہ میں اس سلسلے میں جدوجہد کروں، میں فیصلہ کر چکا ہوں کہ میں اس سفر پر روانہ ہوں گا۔ اور وہ سب کچھ کرنے کی کوشش کروں گا جو میرے اجداد کرتے چلے آئے ہیں اگر ناکام رہا تو جو ہدایت آپ دیں گے۔ اس پر عمل کروں گا اور اگر اس جدوجہد میں موت آگئی تو بھی میرے لئے بری نہ ہوگی۔ ہاں اس کے لئے چچا جان میرے ان الفاظ کو گستاخی پر محمول نہ کریں۔ میں آپ کو کھلی اجازت دیتا ہوں کہ اگر آپ کا دل چاہے تو میرے ساتھ شریک رہیں ورنہ انکار کر دیں۔ یہ سب کچھ میں آپ کے سپرد کر رہا ہوں، یہ ہر طرح سے آپ کی اپنی ملکیت ہے۔ آپ اسے جس طرح چاہیں استعمال کریں۔ چونکہ بہر طور اس کا کوئی تعلق براہ راست مجھ سے ظاہر نہیں ہو سکا ہے۔ آپ اپنے طور پر زندگی گزاریں اور مجھے اپنے طور پر دیوانگی میں مصروف ہو جانے دیں۔"

"گویا تم یہ فیصلہ کر چکے ہو۔ کہ تم اس تحریر کے مطابق عمل کرو گے۔"

"ہاں چچا جان، میرے اردگرد وہ تمام لوگ موجود ہیں، جو اس سلسلے میں کوششیں کرتے رہے ہیں اور اس میں ناکام رہے ہیں۔ یہ ایک مقدس فریضہ ہے جو میرے سپرد کیا گیا ہے۔ میں بھی اسے پورا کرنے کی کوشش کروں گا۔ ناکام رہا تو میری تقدیر۔"

"گویا تم اس تحریر پر مکمل اعتماد کر چکے ہو۔؟"

"ہاں۔ میرے اندر سے جو آوازیں نکل رہی ہیں، وہ اس بات کا اظہار کر رہی ہیں کہ یہ تحریر غلط نہیں ہے۔ میں اسے کسی طور جھٹلا نہیں سکتا۔ یہ سب کچھ حقیقت ہے اور میں حقیقتوں سے گریز کرنا نہیں چاہتا۔"

"تو پھر برخوردار یہ کیسے ممکن ہے کہ میں نے جو تمہیں اپنی اولاد کی مانند پروان چڑھایا ہے، ان لمحات میں تمہارا ساتھ چھوڑ دوں ٹھیک ہے، میں خود بھی تمہارے ساتھ اس سفر کے لئے آمادہ ہوں۔ لیکن اس صندوق کا کیا کرو گے۔؟"

"اسے اس تہہ خانے میں دفن کر دیا جائے، ممکن ہے ہم اپنا

کام پورا نہ کر سکیں۔ ان حالات میں کچھ اور لوگ اس تک پہنچیں گے اور شاید ان میں وہ ہو جو میرے اجداد کی روح کی تسکین کا باعث بنے۔"

"ٹھیک ہے۔ لیکن ابھی اس صندوق میں اور بھی تو چیزیں موجود ہیں، انہیں بھی دیکھ ڈالو۔"

"ہاں۔ اس سفر کے مقاصد کے لئے اگر ہم انہیں دیکھ لیں تو کوئی حرج نہیں ہے۔ ورنہ میرا فرض مجھ تک پہنچ چکا ہے۔"

"پھر بھی تم ان کا جائزہ لو۔" میں نے کہا اور سلمان میری ہدایت پر عمل کرنے لگا۔ یہ ایک نقشہ تھا جس میں جگہ جگہ قدیم اور مختلف انداز کے نشانات بنے ہوئے تھے اور یہ بھی صحرائے اعظم افریقہ کی نشاندہی کرتے تھے، وہ بلند و بالا مینار جو پہاڑی چٹانوں کے تراشے ہوئے تھے نقشے میں واضح تھے۔ گویا ان تک پہنچنا اولیت رکھتا تھا۔ اور اس کے بعد اس ملکہ کی تلاش، ہم نے یہ نقشہ ایک اور کاغذ پر اتار لیا تاکہ یہ ہمارے پاس محفوظ رہے اصل ہم نے وہیں چھوڑ دی تھی۔ اور پھر ہم تہہ خانے سے باہر نکل آئے۔ سلمان پر عجیب سی کیفیت طاری تھی۔ وہ کھویا کھویا سا نظر آ رہا تھا۔ اس کے ذہن پر اس کا جوش طاری ہو گیا تھا۔ اور اب میں بھی فیصلہ کر چکا تھا کہ چلو اگر اب زندگی ان لمحات میں ایک اور تبدیلی چاہتی ہے تو یہی سہی۔ اگر صحرائے اعظم افریقہ میں موت لکھی ہے تو موت کو کون ٹال سکتا ہے۔ میں بھی اس دوران اپنے طور پر سوچتا رہا تھا مجھے اپنے آباؤ اجداد یاد آ رہے تھے جن سے بچھڑے ہوئے اتنا عرصہ گزر گیا تھا کہ اب تو ان کی شکلیں بھی ذہن سے محو ہو گئی تھیں۔ نہ جانے کیا کیا تبدیلیاں ہو گئی تھیں، وہاں نہ جانے کون کون ہو گا، اور کون نہ ہو گا۔ لیکن جن سے واسطہ ہی ختم ہو چکا، انہیں یاد کرنے سے کیا فائدہ۔

دوسرے دن سلمان پرسکون تھا۔ اس نے مسکراتے ہوئے مجھ سے کہا۔

"میں چاہتا ہوں چچا جان کہ اب ہم اس معاملے میں دیر نہ کریں۔ سب سے پہلے ہمیں ایک لائحہ عمل متعین کرنا ہو گا۔ کہ کس طرح ہم ان علاقوں کا سفر کریں گے" اس کے علاوہ میں نے ایک اور کام کیا ہے، اس نقشے کی میں نے کئی کاپیاں تیار کرا لی ہیں، تاکہ اگر ان میں سے کوئی ایک گم ہو جائے تو دوسری ہمارے پاس موجود رہے۔"

"یہ تم نے بہت اچھا کیا۔ رہی اس سلسلے میں لائحہ عمل کی بات، تو میں خود بھی یہی چاہتا ہوں کہ اس سلسلے میں ہم غور و خوض کر کے پہلے اقدامات کا تعین کریں اور پھر روانگی کا فیصلہ، ہم ان لوگوں کی طرح اندھے اقدامات نہیں کریں گے کیونکہ ہم جدید دور میں سانس لے رہے ہیں۔ ہم نہایت مخصوص بنیادوں پر وہاں تک کا سفر کریں گے۔"

"میں بھی یہی چاہتا ہوں۔" سلمان نے کہا۔

"تو پھر ٹھیک ہے۔ میز کے گرد بیٹھ جاؤ، اور ایک ڈائری ترتیب دو جس میں ہم سلسلے وار اپنے اقدامات کا فیصلہ کریں گے۔"

سلمان نے میری ہدایت پر عمل کیا، اور ہم کافی دیر تک اس سلسلے میں غور و خوض کرتے رہے۔ تقریباً تمام دن ہی بیت گیا تھا، لیکن اس دن نے ہمیں ایک لائحہ عمل دیا تھا۔ اور اب ہم اس پر بتدریج عمل کر سکتے تھے۔

عمل کے پہلے دور میں ہمیں چند سر پھرے لوگوں کا بندوبست کرنا تھا جو ہماری مانند ہوں۔ لیکن یہ فیصلہ بھی کیا تھا ہم نے کہ انہیں حقیقت حال نہ بتائی جائے گی۔ ہم جو حضرات جس قسم کی مہمات پسند کرتے ہیں انہیں ان کی پسند کے مطابق ہی مطمئن کرنا تھا۔ اگر انہیں صحیح صورت حال بتا دی جاتی تو چند استہزائیہ قہقہوں کے علاوہ ہمارے ہاتھ اور کچھ نہ آتا۔ ظاہر ہے وہ لوگ فراعنہ کے دور کے ایک شہزادے کے لئے اپنی زندگیاں کس حساب میں خطرے میں ڈالتے جسے اپنے آباؤ اجداد کا انتقام لینا تھا۔ یہی سمجھتے سب کہ اس نوجوان اور اس بوڑھے شخص کا دماغ چل گیا ہے۔ اور کسی خواب پریشاں نے انہیں آلیا ہے۔ اور اس طرح کہ ان کی عقلیں سلب ہو گئی ہیں۔ چنانچہ یہ خود کو تو ہلاکت میں ڈالتے ہیں۔ دوسروں کی زندگی کے گاہک بھی بنتے ہیں۔ لیکن ہم نے جو بندوبست کیا تھا، وہ خوب تھا اور ہمیں یقین تھا کہ اس طرح ہم ان لوگوں کو اپنے مقصد کے لئے آمادہ کر سکتے ہیں۔ اور اس عمل پر آہستہ آہستہ ہی کام کیا جا سکتا تھا جس کے لئے میں اور سلمان مصروف تھے۔ ضمیر کے سکون کے لئے بھی ہم نے چند فیصلے کئے تھے۔ اس پر جو بحث ہوئی تھی کچھ یوں تھی، سلمان نے کہا۔

"چچا جان۔ ہم نے جو فیصلہ کیا ہے۔ وہ ان لوگوں کے ساتھ ناانصافی تو نہیں ہے۔؟"

"ہے تو سہی۔ لیکن یہ لوگ کسی بھی مفروضے پر عمل کرنے کے لئے زندگی داؤ پر لگانے والے ہوتے ہیں۔"

"تقدیر نے اگر یاوری کی اور میں اپنے مشن میں کامیاب ہو گیا تو ان بے چاروں کے ہاتھ کیا آئے گا۔؟"

"صرف تکلیف اور پریشانی۔" میں نے جواب دیا۔

"کیا اصولی طور پر یہ درست ہو گا چچا جان۔!"

"ہرگز نہیں، کسی کو دھوکہ دے کر اس سفر پر آمادہ کرنا، اور وہ بھی صرف اپنے مقصد کے لئے ایک غیر شریفانہ حرکت ہے، اس کے عوض ہم ان کے لئے صرف ایک ہی عمل کر سکتے ہیں۔؟"

"وہ کیا۔؟"

"وہ یہ، کہ یہ جو کچھ ہمارے پاس بے کار پڑا ہے۔ اور اتنا ہے کہ

اگر ہم دونوں مل کر اسے ساری زندگی خرچ کریں تو اس کا پچاسواں حصہ بھی استعمال نہ کر پائیں۔ کیوں نہ اسے ہم ان لوگوں کے لئے وقف کر دیں۔ خواہ وہ وقت سے پہلے اسے وصول کر لیں یا بعد میں۔"
"اوہ۔ تجویز تو بہتر ہے۔ لیکن اگر وقت سے پہلے ہم نے یہ سب کچھ ان کے حوالے کر دیا تو کہیں وہ ہماری نیت پر شک نہ کریں۔؟"
"وہ ٹھیک ہے۔ ہم یوں کرتے ہیں، کہ جن لوگوں کو ہم اپنے ساتھ شامل کریں گے، ان کے لئے کچھ رقومات وقف کر دیں گے، اور یہاں اپنی ایک وصیت تیار کر کے رکھ دیں کہ ان میں سے جو شخص زندہ سلامت واپس آ گئے اسے یہ ادائیگی کر دی جائے، جو مر جائے اس کا نصف ادا، اور اگر ہم خود واپس آ گئے تو پھر انہیں ان کی محنتوں کا صلہ اپنے ہاتھ سے ادا کر دیں گے۔"
"یہ تجویز بھی مجھے پسند آئی، اس کے علاوہ اور کوئی صورت سامنے نہیں ہے۔" سلمان نے کہا۔
"ہاں صحرائے اعظم افریقہ ان قدرتی دولتوں سے مالا مال ہے جو انسان کی زندگی میں بڑی اہمیت رکھتی ہیں، لیکن پہاڑوں اور جنگلوں میں ان کا وجود بے معنی ہے۔ اگر ہمیں واقعی کوئی ایسی چیز مل جاتی ہے، تو پھر وہ بڑی خوشی سے ان لوگوں میں برابر تقسیم کر دی جائے گی۔"
"چلئے یہ ٹھیک ہے اس طرح سے کم از کم ہمارے ذہن کو تھوڑا سا سکون ملتا ہے کہ ہم نے انہیں غلط ذرائع سے اپنے مقصد کے لئے آمادہ تو کیا، لیکن ان کے ساتھ مکمل نا انصافی نہ ہوئی۔"
سلمان نے جواب دیا۔ میں خاموش رہا تھا۔ بہر طور ہمارے کام کا آغاز ہو گیا۔ قاہرہ کے چھوٹے چھوٹے قہوہ خانوں میں ایسے لوگوں کی تعداد بہت مل جاتی تھی جو فراعون کے سنہرے دور کے خزانوں کی فکر میں غلطاں رہتے تھے۔ وہ ریگستانوں کی خاک چھانتے، زمین میں دفن شدہ مقبرے تلاش کرتے، بعض لوگوں کی تو زندگی اسی طرح گزر جاتی تھی۔ کسی کام کے نہ کاج کے، بس قہوہ خانے میں قہوے کی پیالیاں اڑاتے رہتے تھے۔ مفلوک الحال تھے، اور اس وقت کے منتظر جب ان کی زندگی میں کوئی سنہرا دور آ جائے گا۔ چنانچہ میں نے اور سلمان نے ان قہوہ خانوں کی الگ الگ سیر شروع کر دی میری ملاقات سب سے پہلے قطبی سے ہوئی گٹھے ہوئے بدن کا خشخشی داڑھی والا یہ شخص، اپنے جبڑوں کی بناوٹ اور آنکھوں کی چمک سے انتہائی مضبوط قوت ارادی کا مالک معلوم ہوتا تھا۔ میں نے اسے اپنے مقصد کا پایا تو اس سے راہ و رسم بڑھائی۔ دو یا تین دن کی نشستوں میں، میں نے اس پر یہ ظاہر کیا کہ میں ایک مہم جو ہوں اور دفینوں کی تلاش میرا محبوب مشغلہ۔ قطبی میری اس شخصیت سے بے پناہ متاثر نظر آیا تھا۔
اس نے بتایا کہ وہ خود بھی ایک اچھا ملاح رہ چکا ہے، اور اکثر بادبانی جہازوں پر طویل سفر کر چکا ہے۔ لیکن اس کی بدقسمتی کہ کبھی اسے کوئی بڑی کامیابی حاصل نہ ہوئی، سوائے اس کے کہ ایک بار صحرائے اعظم کے سمندر کے کنارے اسے ایک سنہرے سکوں سے بھری تھیلی مل گئی تھی۔ جس نے اس کی زندگی کو کچھ دن کے لئے دلچسپیاں بخش دی تھیں۔ وہ بڑی حسرت سے کہنے لگا۔
"کاش، میری تقدیر میں بھی کوئی دفینہ ہوتا۔ لوگ دفینوں کی تلاش میں جاتے ہیں اور مالا مال ہو کر آ جاتے ہیں، خود میں نے مصر میں کئی ایسے آدمیوں کو دیکھا ہے جو کبھی کچھ نہ تھے، لیکن جہاز راں تھے، وہ ایسے تاریک خطوں میں نکل گئے، جہاں انسانی قدم کم ہی پہنچتے تھے۔ لیکن جب وہ لوگ واپس آئے تو ان کی شخصیتیں ہی بدل گئیں۔ اور آج وہ یا تو قاہرہ کے متمول افراد میں شمار ہوتے ہیں، یا پھر باہر کے ملکوں میں نکل گئے ہیں اور وہاں اپنی امارات کا رعب جمائے ہوئے ہیں۔"
"تم جہاز رانی کے بارے میں کیا جانتے ہو قطبی۔؟" میں نے سوال کیا۔
"یہ کہ ایک چھوٹی سی کشتی سے میں ہزاروں میل کا سفر کر سکتا ہوں۔ کشتی رانی بھی دراصل ایک فن ہے۔ سمندر کے سینے پر انسانی زندگی کس طرح گزاری جا سکتی ہے، ایک عام انسان یہ سوچ بھی نہیں سکتا۔ لیکن میں جانتا ہوں کہ ایک کامیاب سفر کے لئے جو بے وسائل ہو، انسان کو کیا کیا کرنا پڑتا ہے۔ لیکن وہی بات ہے کہ اس چیز کا کوئی مقصد ہو۔ بے مقصد سفر یورپ کے سرپھرے کیا کرتے ہیں۔ ہم لوگ ذرا اس بارے میں مختلف ہیں۔"
قطبی نے اپنی دانست میں ان مہم جوؤں کا مذاق اڑایا جو صرف دنیا کو دکھانے کے لئے طویل و عریض سمندری سفر کیا کرتے تھے اور جن کے بارے میں تفصیلات اخبارات میں آتی رہتی ہیں۔ میرے چہرے پر سنجیدگی کے آثار دیکھ کر اس نے مسکراتے ہوئے کہا۔
"تم کس سوچ میں پڑ گئے دوست۔ کیا تمہارے ذہن میں کوئی خاص بات ہے۔"
"ہاں قطبی، ایک ایسی بات جس کا تم تصور بھی نہیں کر سکتے۔"
"کیا۔؟" قطبی کی چمکدار آنکھوں میں اور بھی چمک پیدا ہو گئی۔

اور میں نے پہلے سے طے شدہ پروگرام کے تحت اپنے کوٹ کی اندرونی جیب سے وہ سکے نکالے جنہیں میں نے بمشکل مہیا کیا تھا، ایسے بہت سے سکے سلمان کے پاس بھی تھے، اور وہ الگ اپنی مہم پر نکلا ہوا تھا۔
سونے کے ٹیڑھے میڑھے سکوں پر عجیب و غریب نشانات تھے، جو ہم نے ہی کندہ کئے تھے، اور پھر انہیں اس طرح دھندلا دیا تھا، کہ وہ قدیم ترین محسوس ہوں، یہ سکے کسی خاص دور سے تعلق نہیں رکھتے تھے۔ بس ان کی حیثیت پراسرار قسم کی تھی۔ قطبی نے پھٹی پھٹی آنکھوں سے ان سکوں کو دیکھا، اور پھر ان میں سے ایک سکہ ہاتھ پر اٹھایا اور اپنا رومال میز پر رکھ کر سکے کو اس پر رگڑ کر یہ اندازہ لگایا کہ یہ خالص سونے کا ہے یا اس میں کوئی ملاوٹ ہے، لیکن سکے خالص سونے کے تھے، اور انہیں، انہیں لوگوں کو پھانسنے کے لئے تیار کرایا گیا تھا۔ اس نے متحیرانہ انداز میں میری جانب دیکھا اور حریصانہ انداز میں بولا۔
"اوہ یہ تو خالص سونے کے ہیں۔ اور اتنے سکوں کی قیمت اچھی خاصی ہو جاتی ہے۔ اور اس کا مطلب ہے کہ تم اچھے خاصے مالدار آدمی ہو دوست۔"
"ہاں قطبی۔ تمہارا خیال درست ہے لیکن تم بھی میری طرح دولت مند ہو سکتے ہو، بشرطیکہ تم دل و جان سے ایک مہم کے لئے تیار ہو جاؤ۔"
"اوہ۔ اوہ۔ ان سکوں کا کیا راز ہے مجھے بتاؤ۔؟" قطبی نے کہا۔ اور میں نے پہلے سے تیار شدہ کہانی اسے سنا دی۔ جس کا لب لباب یہ تھا کہ میرے جد امجد صحرائے اعظم افریقہ کے ایک ایسے گوشے میں جا نکلے تھے، جو انسانی علم سے باہر ہے اور وہاں انہیں کافی مشکلات پیش آئیں اور وہاں سے وہ عظیم خزانہ نہ لا سکے جو اگر آبادیوں تک پہنچ جاتا، تو کسی بھی انسان کو متمول ترین بنا سکتا تھا۔ البتہ ان کے لباس میں ایسے چند سکے پوشیدہ رہ گئے۔ جو انہوں نے بس یونہی جیبوں میں بھر لئے تھے۔ میں نے قطبی کو وہ نقشہ بھی دکھایا جس کے تحت ہم تھوڑی سی جدوجہد کے بعد اس مقام تک پہنچ سکتے ہیں۔ اور قطبی اتنا پرجوش ہو گیا کہ اس کا چہرہ دیکھنے کے قابل تھا۔ اس کی آنکھیں ابلی پڑ رہی تھیں، اس نے اپنا لرزتا ہوا ہاتھ میرے بازو پر رکھتے ہوئے کہا۔
"آہ دوست! اگر یہ بات ہے تو تم قطبی کو اپنا غلام سمجھو یوں جانو کہ قطبی تمہارے ساتھ اس مہم میں شریک ہے، ہمیں یہ دولت حاصل کرنے کے لئے زندگی کی بازی لگا دینی چاہیئے دیکھو نا اگر دولت ہے تو انسان کی زندگی بھی خوبصورت ہو جاتی ہے۔ ورنہ کیا رکھا ہے ان قہوہ خانوں میں، قہوے کی پیالیاں پیتے ہوئے اور بعض اوقات تو ان پیالیوں کی ادائیگی کے لئے بھی پیسے نہیں ہوتے ہمارے پاس۔ اگر ہم ایک بھرپور کوشش کر ڈالیں، تو ممکن ہے ہماری قسمت یاوری کر جائے۔"
"میں بھی یہی چاہتا ہوں قطبی، لیکن تم جانتے ہو کہ اس قسم کی کارروائیاں آسانی سے نہیں ہوتیں۔ ان کے لئے طویل جدوجہد کرنا ہوتی ہے۔ اور کچھ اور افراد کو بھی اپنے ساتھ رکھنا پڑتا

8,50,000

ساڑھے آٹھ لاکھ اقسام — ارشد مصطفیٰ

اپنے آس پاس حشرات ارض کی تعداد اس قدر زیادہ ہے کہ اگر یہ بے زبان، بے وقعت کیڑے مکوڑے پوری زمین کی ملکیت کا دعویٰ کریں تو بے جا نہ ہوگا کیوں کہ جمہوریت کا دور ہے، کیڑوں کو گنا کرتے ہیں، تولا نہیں کرتے۔
زمین پر ایک انسان کی نسبت سے کروڑ حشرات ارض ہیں اور یہ تناسب روز بروز بڑھ رہا ہے۔ یہ انکشاف ایک امریکی جریدے "انسان اور ماحول" نے کیا ہے۔ جریدے کا اندازہ ہے کہ کیڑے مکوڑے دنیا بھر کی فصل کا ایک تہائی حصہ برباد کر دیتے ہیں۔ انسان قدیم زمانوں سے کیڑے مار دوائیں ایجاد کرنے کی تگ و دو میں ہے۔ سب سے پہلے گندھک اور سنکھیا وغیرہ کا استعمال کیا گیا لیکن اب تک جدید دور کی مہلک ترین دوائیں بھی اس مخلوق پر قابو نہیں پا سکی ہیں۔ حشرات ہر دوا کے خلاف اپنا مدافعتی نظام وضع کر لیتے ہیں اور بڑھتے ہی چلے جاتے ہیں۔ ایک اندازے کے مطابق دنیا بھر کے جانداروں کا اسی فیصد حصہ کیڑوں مکوڑوں پر مشتمل ہے۔ ماہرین اب تک آٹھ لاکھ پچاس ہزار قسموں کے کیڑے دریافت کر چکے ہیں اور یہ سلسلہ جاری ہے۔ ہر روز کیڑوں کی دو سو نئی اقسام دیکھنے میں آتی ہیں۔ ان اقسام میں سب سے زیادہ تعداد چیونٹیوں کی ہے۔ روئے زمین کے چھوٹے بڑے تمام جانداروں کے وزن کا پچیس فی صد وزن چیونٹیوں پر مشتمل بتایا جاتا ہے۔ حیاتیات کے ماہرین کہتے ہیں اس مسئلے کا بہتر حل یہ ہے کہ دوبارہ ویسے حالات پیدا کر دیئے جائیں کہ زمین پر کیڑوں کے قدرتی دشمن بھی پرورش پا سکیں۔

ہے۔ اگر میں یہ کام اکیلے سرانجام دے سکتا تو یقیناً یہ کوشش کرتا۔ لیکن میں نے یہ حماقت نہ کی، بلکہ میری آنکھ نے ایسے لوگوں کی تلاش شروع کر دی جو میرا بھرپور ساتھ دے سکیں۔"
"قطبی کو اپنے ساتھ شامل سمجھو، ویسے میں صحیح طور پر تمہارا تعارف حاصل نہیں کر سکا۔"
"میرے دوست، میرا نام بابر زاد خان ہے۔ ایشیا کے ایک علاقے کا باشندہ ہوں لیکن پوری زندگی قاہرہ ہی میں گزاری ہے اور اب اپنے آپ کو مصری کہلانے میں فخر محسوس کرتا ہوں۔ میرے ساتھ میرے ایک دوست کا بچہ بھی قیام پذیر ہے، جس کا نام سلمان ہے اور جو اس مہم کے لئے مجھ سے زیادہ بے چین ہے کہ نوجوان ہے اور زندگی کو حسین ترین دیکھنے کا خواہاں۔ ہر چند کہ ہم ایک بہترین زندگی گزار رہے ہیں۔ اور ہمارے پاس دولت کی کمی نہیں ہے لیکن خزانوں کی بات ہی اور ہے۔ اول تو ہمیں اس سے دلچسپی ہے، اور اس کے بعد یہ خواہش بھی ہے کہ ہم دولت مند ترین ہوں۔"
"ہر شخص کی یہی خواہش ہوتی ہے بابر، لیکن براہ کرم تم مجھے اس مہم کے لئے نظر انداز مت کر دینا۔"
"قطعی نہیں۔ مجھے تمہارے جیسے ساتھیوں کی ضرورت ہے بلکہ ابھی کچھ اور افراد کی بھی ضرورت ہوگی، جس کے لئے میں تم سے تفصیلی بات کروں گا، اس پتے پر آج رات کو پہنچ جانا، اور رات کا کھانا میرے ساتھ ہی کھانا۔"
جس وقت قطبی رات کے کھانے پر پہنچا تو سلمان کے ساتھ فیکان نامی ایک شخص بھی موجود تھا، یہ ایک عمدہ ڈاکٹر تھا اور سلمان نے کیا خوب انتخاب کیا تھا، چوڑے چکلے بدن، بلند و بالا قامت کا مالک یہ شخص بھی ایک مہم جو معلوم ہوتا تھا۔ سلمان نے اسے بھی اسی انداز میں اپنے شکنجے میں پھانسا تھا، جس طرح میں نے قطبی کو، اور رات کے کھانے پر مدعو کر دیا تھا۔

یہاں ہم لوگ سر جوڑ کر بیٹھے اور کھانا کھانے کے بعد اس مہم کے بارے میں گفتگو کرنے لگے۔ میں نے اپنے دونوں ساتھیوں سے کہا کہ دوستو! کسی بھی مہم کو راز رکھنے کے لئے ضروری ہوتا ہے کہ اسے اپنی زبان پر نہ لایا جائے۔ ہم لوگ جو کچھ کریں گے، اس پر نہایت رازداری سے عمل کریں گے۔ ہر چند کہ ہمیں مزید کچھ لوگوں کی ضرورت ہوگی۔ لیکن بہتر یہی ہے کہ ایسے لوگوں کا انتخاب کیا جائے جو مضبوط قوت ارادی کے مالک، جنگجو اور بہادر ہوں، اور بہادر وہی ہوتا ہے، جو اپنے راز کو سینے میں چھپا کر رکھے۔ ہمارے دونوں ساتھیوں نے اس بات سے اتفاق کیا تھا۔

بہرحال مزید چند دنوں کی کوشش کے بعد ہم نے فرازی نامی ایک شخص کو بھی تیار کر لیا۔ جو فنون حرب کا ماہر تھا اور جنگلات کی زندگی کے بارے میں بہت کچھ جانتا تھا۔ اس طرح ہمارے علاوہ یہ تین افراد ایسے شریک ہو گئے تھے جو اس مہم میں ہمارے بہترین ساتھی ہو سکتے تھے۔ سلمان کا خیال تھا کہ لوگوں کی زیادہ بھیڑ نہ جمع کی جائے۔ ہر چند کہ یہ معاملہ ایک مہم کا ہے۔ لیکن کوشش یہ کی جائے کہ کم سے کم افراد اس میں شریک ہوں۔ ان تین آدمیوں کے علاوہ ہم نے طے کیا تھا کہ آٹھ مزدوروں کا انتخاب کیا جائے جو بہترین معاوضے کے عوض ہمارے ساتھ اس مہم میں شریک ہو جائیں۔ اور ایسے مزدوروں کی فراہمی بھی قطبی نے اپنے ذمے لی تھی۔ اس کے بعد ہمارے درمیان آخری بات چیت ہوئی۔

میں نے پیشکش کی ان سب کو کہ اگر ہم خزانے کے حصول میں کامیاب ہو گئے۔ تو خزانے کے چھ برابر حصے ہوں گے جن میں پانچ حصے ہم لوگوں میں تقسیم ہو جائیں گے، اور ایک حصہ ان مزدوروں میں تقسیم کر دیا جائے گا۔ جو ہمارے ساتھ اس مہم میں شریک ہوں گے۔ غریب لوگ بھی زندگی کی لطافتوں سے لطف اندوز ہو جائیں تو کیا حرج ہے۔ پھر میں نے انہیں اس پیشکش کا دوسرا حصہ سنایا۔ میں نے ان سے کہا کہ اگر ہم کسی طرح بھی اس مہم میں ناکام رہتے ہیں، تو چونکہ میں نے اور سلمان نے آپ لوگوں کو اس کام پر آمادہ کیا ہے، اس لئے یہاں قاہرہ واپس آنے کے بعد آپ لوگوں کو آپ کے وقت کے زیاں کا معاوضہ تیس تیس ہزار دینار کی شکل میں ادا کیا جائے گا۔ اور یہ تیس تیس ہزار دینار ہم نے آپ لوگوں کے لئے مخصوص کر رکھے ہیں۔ لیکن یہ اسی شکل میں کہ ہم لوگ ناکام لوٹیں۔ اگر خزانہ ہمارے ہاتھ لگ جاتا ہے تو پھر یہ معاوضہ نہیں دیا جائے گا کیونکہ یقینی طور پر اس کی مالیت اس سے زیادہ ہوگی۔"

تینوں افراد کا چہرہ خوشی سے چمک اٹھا تھا۔ فرازی نے مجھ سے سوال کیا۔
"یہ یقین کیسے کر لیا جائے کہ اگر ہمیں ناکامی ہوئی ہے تو واپسی میں یہ سب کچھ ہمیں مل جائے گا۔؟"
"اس کے لئے ہم مطلوبہ دینار کسی بینک میں جمع کرا دیتے ہیں۔ اور کسی وکیل کو مقرر کر کے یہ وصیت اس کے سپرد کر دیتے

ہیں۔ کہ زندہ سلامت لوٹنے والے کو یہ دینار ادا کر دیئے جائیں۔ فرض کرو، اگر خدانخواستہ، فیکان اور قطبی واپس نہ آئیں۔ تو تیس ہزار دینار مسٹر فرازی کو مل جائیں گے اور باقی ساٹھ ہزار واپس ہو جائیں گے۔ میں یہ بھی اعلان کر سکتا تھا کہ نوے ہزار ایک شخص کو مل جائیں لیکن اس شکل میں خرابی پیدا ہو سکتی ہے ممکن ہے لالچ کسی کے ذہن میں در آئے اور ہم ایک دوسرے کے ہی دشمن بن جائیں۔ تاکہ واپس آ کر نوے ہزار دینار مل جائیں۔" میری اس تجویز کو سب ہی نے پسند کیا تھا۔ اور پھر ان لوگوں نے بڑے پرجوش انداز میں اس بات کو قبول کر لیا کہ اگر ناکامی بھی رہے۔ تب بھی وہ خسارے میں نہ رہیں گے۔ میں نے ان کی تسلی کے لئے ضرورت کے مطابق سب انتظام کر دیئے۔ ایک ایڈووکیٹ کو اس سلسلے میں مقرر کر دیا گیا۔ اور یوں ہمارا یہ مرحلہ بھی طے ہو گیا تھا۔ قطبی نے ان آٹھ قوی ہیکل مزدوروں کا بندوبست کر دیا تھا جو مقامی ہی تھے۔ اور مہم جوئی سے بھی دلچسپی رکھتے تھے۔ یہ مزدور فنون حرب کے بھی ماہر تھے، آتشی اسلحہ بھی استعمال کر سکتے تھے اور ضرورت کے وقت بہترین لڑاکے ثابت ہو سکتے تھے، نہ صرف لڑاکے بلکہ اس کے ساتھ ہی وہ کشتی رانی میں بھی ہماری مدد کر سکتے تھے۔ گویا اس طرح اب وہ پورا گروہ بن گیا تھا جس میں آٹھ افراد مزدور کی حیثیت سے تھے۔ تین وہ جن میں ایک ڈاکٹر ایک جہازران اور ایک جنگلات کا ماہر، باقی ہم دو۔ گویا کل تعداد یہ تھی جو وحشیوں کی اس ملکہ سے انتقام لینے کے لئے ایک خوفناک مہم پر نکلنے والے تھے، اس مرحلے سے فارغ ہونے کے بعد مہم کے دوسرے مرحلے کا آغاز ہو گیا۔ یعنی کسی ایسے جہاز کا انتخاب جو ہمیں ہماری منزل تک پہنچانے کا انتظام کر سکے۔ ایک اور میٹنگ ہوئی اس سلسلے میں۔ قطبی نے کہا۔

"میں اس سلسلے میں بندرگاہ جا کر معلومات حاصل کروں گا لیکن صورت حال کیا ہوگی۔؟"
"تمہیں کافی کام کرنا ہوگا مسٹر قطبی۔ ہمیں ایک موٹر لانچ درکار ہوگی۔ ایسی لانچ جو ہمیں ہماری منزل تک پہنچا دے اور ہم اسی سے واپسی کا سفر بھی کر سکیں۔" میں نے کہا۔
"لانچ سے سفر کریں گے تو پھر جہاز کی کیا ضرورت۔۔؟"
"آپ سمجھے نہیں۔ ہم ابتدا ہی سے لانچ کا سفر نہیں کریں گے۔ بلکہ لانچ کسی جہاز پر بار کریں گے جس کا رخ کسی افریقی ساحل کی طرف ہوگا۔ یہ جہاز ہمیں راس العدیہ کے پاس اتار دے گا اور وہاں سے ہم لانچ کے ذریعہ سفر کریں گے۔ واپسی پر اللہ مالک ہے۔ کوئی دوسرا جہاز ہمیں مل جائے گا، نہ ملا تو لانچ سے ہی کوشش کریں گے۔"
"اوہ۔ یہ خیال اچھا ہے۔ لیکن کسی جہاز کے کپتان کو اس کے لئے آمادہ کرنا بھی مشکل ہوگا۔"
"اسے منہ مانگا معاوضہ ادا کیا جا سکتا ہے۔"
"ٹھیک ہے، میں کوشش کرتا ہوں۔ اس کے ساتھ ہی لانچ کا بھی بندوبست کرنا ہوگا۔ اگر میں اس میں ناکام رہا تو پھر آپ لوگوں کو بتاؤں گا۔"

قطبی درحقیقت ایک بہترین منتظم تھا۔ دوسرے دن اس نے فون کر کے بتایا کہ موٹر لانچ کا بندوبست ہو گیا ہے۔ شام کو اسے دیکھ لیا جائے۔ اور اسی شام ہم چاروں اکٹھے ہوئے اور پھر سب مل کر لانچ دیکھنے چل پڑے۔ بیالیس فٹ لمبی جدید ترین لانچ ہمیں پسند آئی تھی۔ ابھی مکمل نہیں ہوئی تھی۔ سودا ہوا اور بھاری قیمت پر لانچ خرید لی گئی۔ ہم نے اس میں کچھ تبدیلیوں کا آرڈر دے دیا۔ مثلاً کیبن کی جگہ اس کے درمیان ایک سائبان بنوایا گیا۔ اس کے علاوہ ڈبل انجن اور بادبان کا انتظام بھی قائم کر دیا گیا۔ ہم نے لانچنگ کمپنی کو ہدایت کی کہ دن رات کام کر کے ہمیں پندرہ دن کے اندر اندر اس کی ڈلیوری دے دی جائے۔

دوسری تیاریاں بھی ہو رہی تھیں۔ تقریباً ایک ہفتے کے بعد ایک شام قطبی خوش خوش واپس آیا۔ "حالات ہر طرح ہمارا ساتھ دے رہے ہیں بابر صاحب! ایک بہت بڑا مسئلہ حل ہو گیا ہے۔"
"کیا۔؟"
"ڈی گلارشیا نامی ایک پرتگالی جہاز ساحل سے لگا ہے۔ اس کا کپتان ڈان سوالو ہے۔ میرا گہرا دوست، اور لطف کی بات یہ ہے کہ وہ پچیس دن کے قیام کے بعد زنجبار جائے گا۔"
"اوہ۔ خوب۔ سوالو سے ملاقات ہوئی۔"
"ہاں! دوپہر کا کھانا میں نے اسی کے ساتھ کھایا تھا۔"
"کوئی بات ہوئی۔؟"
"ڈان سوالو سے بات کرنے کی ضرورت نہیں۔ ہمارے درمیان گہری دوستی ہے، تاہم میں نے اسے تمام صورتحال سے آگاہ کر دیا ہے۔"
"کیا جواب دیا اس نے۔؟"
"تیار ہے۔ راس العدیہ کے پاس وہ ہمیں سمندر میں اتار دے گا۔"
"اتنی بڑی لانچ کو وہ جہاز پر بار کرے گا۔؟"

"ہاں۔ البتہ میں نے اسے ایک پیشکش ضرور کر دی ہے وہ یہ کہ اس سلسلے میں وہ جو معاوضہ چاہے گا اسے ادا کر دیا جائے گا۔"

"اس نے اس انوکھے سفر کی وجہ نہیں پوچھی؟"

"اوہ۔ وہ مجھے ایک مہم جو کی حیثیت سے جانتا ہے۔" قطبی نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔

"بہت خوب۔ پھر اس سے کب ملاقات ہو رہی ہے؟"

"کل۔" قطبی نے جواب دیا۔

پانچ ہزار امریکن ڈالر بات طے ہو گئی۔ ڈان سوالوز، مخلص آدمی تھا۔ اس نے ہر ممکن تعاون کا یقین دلایا۔ کشتی وقت مقررہ پر مل گئی۔ ہماری توقع کے عین مطابق تھی۔ اسے جہاز پر پہنچا دیا گیا۔ اور دوسرے تمام انتظامات بھی حسب خواہ مکمل ہو گئے۔ چنانچہ ہم اس پُراسرار سفر کے لئے تیار تھے۔

•

بالآخر ڈی گارشیا نے ساحل چھوڑ دیا۔ آٹھوں چاک و چوبند ملاح یا مزدور خوش تھے۔ ابھی کچھ وقت ان کی مصروفیت کا نہیں تھا۔ اس کے بعد انہیں اپنی ذمہ داریاں سنبھالنی تھیں۔ قاہرہ کی چہل پہل، پُررونق قہوہ خانے، پراسرار سرزمین طویل عرصے کے بعد مجھ سے جدا ہوئی تھی۔ میں عرشے پر کھڑا نجانے کب تک افق کی گہرائیوں میں جھانکتا رہا تھا۔ اب آنکھوں کے سامنے دُور دُور تک سمندر پھیلا ہوا تھا۔ پانی کی عظیم چادر جو کائنات پر مسلط محسوس ہو رہی تھی اور جس کی چھت پر آسمان کا شامیانہ تنا ہوا تھا رات کے وقت چاند کی شعاعیں پانی سے کھیلتی ہوئی ایسی حسین لگیں کہ نگاہ اٹھانے کو جی نہ چاہے۔ جہاز کی برق رفتاری چاندنی رات میں کھلے ہوئے ستارے یوں محسوس ہوتا تھا جیسے اس حسین راج ہنس کو سمندر پر تیرتے دیکھ کر حیران ہوں۔

ہلکی ہلکی ہوا کے تھپیڑے ذہن کو کائنات کے نجانے کون کون سے سربستہ رازوں سے آگاہ کر رہے تھے۔ صندوق کا راز میرے ذہن میں تھا اور میں اس پراسرار زمین کے بارے میں سوچ رہا تھا جس کی کہانیاں مصر [illegible] تھا۔ جس کے بارے میں ہم جو طرح طرح کی داستانیں گھڑتے تھے اور مزے لے لے کر ایک دوسرے کو سناتے تھے جس کے بارے میں کہا جاتا تھا کہ وہ سونے کی سرزمین ہے اور آرزوئی [illegible] [illegible] جائے تو اس کی تقدیر میں اسی طرح ستارے [illegible] [illegible] کی چمک دمک آسمان کو منور کرتی ہے۔ خوفناک وحشی جانوروں اور بھیانک دلدلوں کی یہ سرزمین کچھ ہی عرصے کے بعد میرے قدموں میں ہو گی۔

سلمان چونکہ نوجوان تھا اور جہاز کی دلچسپیوں نے اسے اپنی جانب گھسیٹ لیا تھا، جوان ہو چکا تھا اور عمر کی پچیسویں منزل سے گزر رہا تھا اس لئے اب میں نے اس پر سے پابندیاں اٹھالی تھیں یوں بھی مضبوط کردار کا نوجوان تھا اور یہ خدشات میرے ذہن سے نکل چکے تھے کہ وہ کسی بُری راہ پر پڑ سکتا ہے۔ حسین اتنا تھا کہ جہاز پر بھی میں نے اس کے بارے میں چہ میگوئیاں سنی تھیں مسافر لڑکیاں دن کی روشنی میں ہی مجھے اس کی جانب مائل نظر آئی تھیں خاص طور سے میں نے دو لڑکیوں کو ایک گوشے میں کھڑے اس کی طرف اشارے کرتے دیکھا۔

لیکن یہ کوئی نئی بات نہیں تھی۔ سرزمین قاہرہ بھی حسن و عشق کی سرزمین تھی اور وہاں سلمان کے لئے کیا کچھ کھیل نہ ہوئے تھے۔ لیکن میں نے اس کھیل میں سلمان کا کوئی کردار نہیں دیکھا تھا اس لئے آج بھی اس کی جانب سے مطمئن تھا۔

رات آہستہ آہستہ گزرتی رہی اور میں گزرتی رات کی رعنائیوں سے محظوظ ہوتا رہا۔ سمندر کی مترنم لہروں کا منظر کچھ اتنا دلکش تھا کہ میں عرشے پر ہی کھڑا رہا۔ پھر سلمان ہی نے عقب سے مجھے آواز دی اور میں چونک کر اسے دیکھنے لگا۔ اس ایک لمحے میں مجھے سلمان کی آواز بے حد پُرفسوں لگی۔ بہر حال میں نے اس سے پوچھا۔

"کیا بات ہے سلمان؟"

"ساڑھے بارہ بج چکے ہیں چچا جان۔ کیا واپس نہیں چلیں گے؟"

"میں چونک پڑا۔ "کیا کہا، ساڑھے بارہ؟" میں نے کلائی پر بندھی گھڑی دیکھ کر کہا۔

"ہاں۔ کیا آپ بہت دیر سے یہاں کھڑے ہوئے ہیں؟"

"وقت گزرنے کا احساس ہی نہ ہو سکا۔"

"کچھ سوچ رہے ہوں گے۔" سلمان نے مسکرا کر کہا۔ اور میرے ہونٹوں پر بھی مسکراہٹ پھیل گئی۔

"سوچ تنہائیوں کی رفیق ہوتی ہے۔ ایک غیر مرئی ساتھی جو ہر انسان کے ساتھ ہوتا ہے۔"

"کیا خیال تھا ذہن میں؟ پوچھ سکتا ہوں؟"

"کوئی ایک نہیں۔ بس ماضی ہر انسان کا شریک ہوتا ہے۔ مستقبل کی کوئی شکل نہیں ہوتی۔"

"ہاں۔ مستقبل سنگ مرمر کے اس مجسمے کی مانند ہوتا ہے۔ جس کے خدوخال نہ تراشے گئے ہوں۔ ویسے آپ نے

آنے والے وقت کے بارے میں ضرور سوچا ہو گا۔"

"کیوں نہیں۔ خیالات پر کسے قابو ہے۔"

"آپ کا ان معاملات کے بارے میں کیا خیال ہے، کیا ہم اپنی اس مہم میں کامیاب رہیں گے؟"

"میں پیش گو نہیں ہوں۔"

"اندازہ تو لگا سکتے ہیں۔" سلمان اس وقت بہت خوش معلوم ہوتا تھا۔ اپنی فطرت کے خلاف گفتگو کر رہا تھا۔ ورنہ کم گوئی اس کی سرشت تھی۔ حجتی نہیں تھا۔ کسی بھی سلسلے میں بحث اسے ناپسند تھی۔ لیکن اس وقت اس کا بچپن عود کر آیا تھا۔

"اندازہ بھی لگانا مشکل ہے نورِ چشم۔ تم کسی ایسی اجنبی دنیا میں پیش آنے والے واقعات کے بارے میں کیا کہہ سکتے ہو جس سے ہم ناواقف ہیں۔"

"میں آپ کو اپنے احساسات بتاؤں۔"

"اگر مناسب سمجھو تو۔"

"مجھے یوں لگتا ہے چچا جان۔ جیسے کچھ انجانی آنکھیں میری نگراں ہیں۔ بہت سے لوگ میرے ساتھ ہوں۔ ان کی آوازوں کی بھنبھناہٹ میرے کانوں میں گونجتی رہتی ہے۔"

"یہ آوازیں تم سے کچھ کہتی ہیں؟" میں نے پوچھا۔

"کچھ سمجھ میں نہیں آتا۔ مختلف زبانیں ہوتی ہیں۔ مسلسل بولی جاتی ہیں۔ ایک دوسرے میں گڈمڈ ہو جاتی ہیں۔ میں کچھ سمجھ نہیں پاتا۔" سلمان نے الجھے ہوئے لہجے میں کہا۔

میں تھوڑی دیر تک اس کی شکل دیکھتا رہا۔ پھر میں نے گہری سانس لے کر کہا۔ "سلمان، میرے دوست، ہر چند کہ میری زندگی سادہ ہے اور میں نے اس کے نشیب و فراز واضح نہیں دیکھے۔ عمر ایک ہی انداز میں گزری ہے۔ اور سوائے عمر کے ابتدائی حصے کے میرے ساتھ کوئی الجھن نہیں پیش آئی۔ لیکن عمر تجربے کا نام ہے۔ میں تمہیں اور کچھ نہیں دے سکتا لیکن اپنا تجربہ ضرور تمہاری نذر کر سکتا ہوں۔"

"یہ میرے لئے بڑی اہمیت رکھتا ہے، چچا جان۔" سلمان نے بڑی سنجیدگی سے کہا۔

"تم نے اپنے اجداد کے مشن کو لبیک کہا ہے۔ وہ کوششیں جو صدیوں سے کی جا رہی ہیں اور ان میں ناکامی ہوئی ہے جاری رکھنے کا تصور خاص طور سے موجودہ دور میں مشکل ہے۔ عیش و عشرت کی زندگی کو چھوڑ کر خود کو ایک تصوراتی مہم کے لئے تیار کرنا معمولی بات نہیں۔ لیکن تم نے ان آوازوں کو نظر انداز نہیں کیا۔ میں نے تمہارے اس جذبے سے انحراف نہیں کیا۔ اور خود بھی تمہارے ساتھ ہوں۔ میں تم سے صرف یہ کہنا چاہتا ہوں کہ زندگی بہت ہلکی پھلکی شے ہے۔ خود کو وسوسوں سے آزاد رکھو اور یہی کامیابی کی دلیل ہوتی ہے۔ وسوسے تمہارے سامنے مختلف شکلیں پیش کریں گے، اگر تم ان کے جال میں پھنس گئے تو نہ جانے کیا کیا عمل تیار کرو گے۔ وقت کا انتظار کرو۔ جو وقت کی کہانی ہو گی وہی پہلی۔ اس سے پہلے ذہن کو آزاد چھوڑ دو۔"

سلمان میرے الفاظ پر غور کرتا رہا۔ اور آہستہ آہستہ اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ ابھر آئی۔ اس نے مجھے دیکھتے ہوئے کہا۔

"بزرگ دانا ہوتے ہیں۔ آپ کا مشورہ نہایت اطمینان بخش ہے۔ بلاشبہ آپ درست کہتے ہیں۔ میں کوشش کروں گا کہ خود کو الجھن میں نہ پھنساؤں۔ اور اس سفر کو ایک تفریحی شکل دے دوں۔ آپ تو مطمئن ہیں۔"

"ہاں، مجھے کوئی تردد نہیں ہے۔ حالات ہمارے پروگرام کے مطابق پرسکون ہیں۔" میں نے جواب دیا۔ سلمان کی آنکھوں میں اطمینان کے آثار نظر آ رہے تھے۔ اس کے بعد ہم دونوں اپنے کیبن میں آ گئے۔ جو مشترک تھا۔ کپتان نے ہم پر خصوصی عنایت کی تھی اور یہ کیبن جہاز کے بہترین کیبنوں میں شمار ہوتا تھا۔

رات گزر گئی۔ دوسرے دن ابر چھایا ہوا تھا۔ موسم بھیگا بھیگا اور دلخوش کن تھا۔ ہم ناشتے وغیرہ سے فارغ ہو کر قطبی اور دوسرے لوگوں کے پاس پہنچ گئے۔ وہ تینوں سر جوڑے بیٹھے ہوئے تھے۔ ہمیں دیکھ کر مسکرائے۔

"کیا گفتگو ہو رہی ہے بھئی۔" میں نے بھی مسکراتے ہوئے پوچھا۔

"سنہری دولت کی حشر سامانیاں زیر بحث ہیں۔ یہ انسان کو کس طرح دربدر کرتی ہے۔ نظام کائنات اس سنہری مورت کے زیر اثر چل رہا ہے۔ ہم اس موضوع پر بات کر رہے تھے۔"

"اوہ۔ اس میں کوئی شک نہیں۔" میں نے کہا۔ اور پھر ہم دونوں بھی ان کے ساتھ بیٹھ گئے۔ قطبی نے کہا۔

"میں نے کپتان سے بات کی ہے۔ ہم رات کو تقریباً تین بجے راس العدیہ کے پاس سے گزریں گے۔ یہی وہ جگہ ہے جہاں سے ہمیں لانچ میں سوار ہو کر سفر کرنا ہے۔ کپتان سے اور بھی گفتگو ہوئی تھی۔"

"کب؟" میں نے سوال کیا۔

"اس کا خیال ہے کہ ہم نے جس راستے کا انتخاب کیا ہے وہ بہت پر خطر ہے۔ سمندری جانور اس راستے میں بہت زیادہ ہیں۔ کپتان نے بتایا کہ ایک بار سمندری طوفان کی وجہ سے اسے راستہ بدلنا پڑا تھا۔ اور وہ راس العید کے مشرق کی طرف پلٹ کر سفر کرنے پر مجبور ہو گیا تھا۔ تب اس نے اس پر خطر راستے پر غور کیا۔ اس طرف بڑی شارک مچھلیوں کے لاتعداد قبائل آباد ہیں۔"

"اور کوئی راستہ اس طرف جانے کا نہیں ہے؟"

"نہیں۔ اور اگر ہے تو بہت ہی عجیب۔ یعنی ہمیں تقریباً دو سو سمندری میل کا چکر کاٹ کر اپنی منزل کی طرف جانا پڑے گا۔"

"اوہ۔ گویا کئی دن کا سفر۔"

"ہاں۔ سفر بھی اس کے علاوہ ہم اس طرف سے اپنی منزل کا صحیح نشان نہیں پا سکتے۔"

"ہوں۔ پھر کیا سوچا تم نے؟"

"کوئی خاص بات نہیں۔ انتظام کر کے چلیں گے۔" قطبی نے جواب دیا۔

"وہاں کے لئے کوئی انتظام ہو سکتا ہے؟" میں نے پوچھا اور قطبی مسکرا کر بولا۔

"یہ آپ کا خادم بہت معمولی سا انسان ہے۔ لیکن کوشش کرے گا کہ خود کو آپ کے اعتماد کا اہل ثابت کر سکے۔" اس نے کہا۔

"میں تم لوگوں کی طرف سے بہت مطمئن ہوں۔" میں نے کہا۔ کافی دیر تک ہم لوگ بیٹھے مختلف موضوعات پر گفتگو کرتے رہے۔ پھر سلمان اٹھ کر باہر چلا گیا۔ میں اپنے کیبن میں چلا گیا تھا۔

رات کو نو بجے سب لوگ کھانے وغیرہ سے فارغ ہو گئے سلمان میری اجازت سے جہاز کے کلب کی طرف چلا گیا۔ میں اس جگہ پہنچا جہاں ہماری لانچ رکھی ہوئی تھی۔ لیکن یہاں قطبی فرازی، اور فیکان آٹھوں مصریوں کے ساتھ موجود تھے۔ لانچ نیچے اتاری گئی تھی، روشنیاں چیک کر لی گئی تھیں اور وہ لوگ لانچ میں مصروف تھے۔ سامان بار بار ہو رہا تھا جو ہم اپنے ساتھ لائے تھے۔ اس سامان میں کچھ اضافہ بھی کیا گیا تھا۔ جس پر میں نے توجہ نہیں دی۔ البتہ مجھے ان لوگوں کی مستعدی سے خوشی ہوئی۔ ذمہ دار لوگ تھے اور خود بھی اپنی ذمہ داریاں پوری کرنا جانتے تھے۔ میں ان کے ساتھ کام کی نگرانی کرنے لگا۔ بارہ بجے تک ہم لوگ یہاں رہے اور تمام تیاریاں مکمل ہو گئیں۔ پھر چند مزدوروں کو لانچ کے پاس چھوڑ کر ہم یہاں سے چل پڑے۔ "میرے خیال میں اب تھوڑی دیر آرام کریں گے تاکہ رات کے آخری پہر ہم چاق و چوبند ہوں۔" قطبی بولا۔

"بالکل ٹھیک۔ رات کے لئے کیا بندوبست کیا گیا ہے۔ کپتان بذاتِ خود ہمیں جگائے گا؟"

"نہیں، مسٹر فرازی جاگیں گے اور مقررہ وقت سے کچھ قبل ہمیں جگا دیں گے۔ پھر یہ اپنی نیند کشتی میں پوری کر لیں گے۔" قطبی نے جواب دیا۔ اور میں نے مطمئن انداز میں گردن ہلا دی۔ میں کیبن میں واپس آ گیا اور میرے پہنچنے کے تھوڑی دیر کے بعد سلمان بھی کلب سے واپس آ گئے۔

"میں لانچ کے پاس دیکھ کر آیا ہوں۔ ہمارے دو ساتھی وہاں موجود ہیں۔" سلمان نے کہا۔

"ہاں اس میں تمام تیاریاں مکمل کر لی گئی ہیں۔ اب تم بھی آرام کرو، ہمیں دو بجے جاگنا ہے۔ دو گھنٹے کی نیند کسی قدر سکون بخش ہو گی۔ کیونکہ بقیہ رات جاگ کر گذارنی ہے۔"

سلمان نے جلدی جلدی لباس تبدیل کیا اور سونے کے لئے لیٹ گیا۔ وہ تو تھوڑی دیر کے بعد ہی خراٹے لینے لگا لیکن میں کروٹیں بدلتا رہا۔ لاکھ سونے کی کوشش کی لیکن نیند نہیں آئی ذہن کو بار بار جھٹکا لیکن خیالات تھے کہ امڈے چلے آ رہے تھے۔ میں نیند سے مایوس ہو گیا، سونا کسی طور ممکن نہ ہوا، اور دو گھنٹے گذر گئے فرازی نے کیبن کے دروازے پر دستک دی تو میں نے دروازہ کھول دیا

"دو بج گئے ہیں۔" اس نے کہا۔

"ہاں، میں تیار ہوں۔" میں نے کہا اور فرازی کے ساتھ باہر نکل آیا۔ سلمان کو ابھی جگانے کی ضرورت نہیں تھی۔ فرازی دوسرے لوگوں کو جگا آیا تھا۔ بہر حال ہم لانچ کے پاس آ گئے۔ اور تھوڑی دیر کے بعد کپتان بھی وہاں پہنچ گیا۔ اس نے اپنے ماتحت کو بلایا اور اسے ہدایات جاری کرنے لگا۔

تھوڑی دیر کے بعد جہاز کے اس حصے میں اچھی خاصی رونق ہو گئی۔ تیز لائٹیں جلائی گئیں تاکہ تمام کام بہتر طور پر ہو سکیں۔ ایک بڑی کرین اسٹارٹ ہو کر وہاں پہنچ گئی۔ اور لانچ کو کرین کے ہک میں اس طرح پھنسایا گیا کہ وہ کسی بھی طرف جھک نہ سکے بہت بڑی لانچ تھی جسے اٹھا کر سمندر میں اتارنا خاصا مشکل اور مہارت کا کام تھا۔ لیکن کپتان بذاتِ خود اس کام کی نگرانی کر رہا تھا۔ میں نے کپتان سے پوچھا۔

"جہاز مقررہ جگہ کس وقت تک پہنچے گا؟"

"ہم اس کے آس پاس ہیں! میں سوچ رہا ہوں تھوڑا سا اور

آگے بڑھ جائیں، اس کے بعد لانچ کو سمندر میں اتارا جائے۔ میرے خیال میں ہمیں اس کے لئے پون گھنٹہ اور صرف کرنا ہوگا۔" کپتان نے جواب دیا۔

"موسم بھی میرے خیال میں مناسب ہے۔"

"ہاں، کوئی خاص بات نہیں ہے، ہوائیں پُرسکون ہیں میرا خیال ہے آپ کو کوئی دقت پیش نہیں آئے گی۔" کپتان نے جواب دیا میں واپس اپنے کیبن کی طرف چل پڑا۔ دوسرے لوگ بھی اپنا اپنا سامان سمیٹنے کے لئے کیبنوں میں واپس آ گئے تھے، سلمان کے خراٹے کیبن میں گونج رہے تھے۔ میں اسے جگانے لگا لیکن جوانی کی منہ زور نیند بھلا کسے خاطر میں لاتی ہے۔ میں نے سلمان کو جھنجوڑا بمشکل تمام اس کی آنکھ کھلی وہ اپنی خوبصورت آنکھوں سے مجھے دیکھنے لگا۔ ان آنکھوں میں حیرانی تھی۔

"اٹھو گے نہیں سلمان! وقت ہو گیا ہے۔" میں نے کہا۔

"کیسا وقت؟" سلمان نے متحیرانہ انداز میں پوچھا۔ اور میرے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔

"بھئی تم ایک اہم مشن پر نکلے ہو، ذہن کو حاضر رکھنا ضروری ہوتا ہے، اترو گے نہیں جہاز سے؟" میں نے کہا اور سلمان کھوئی کھوئی نگاہوں سے مجھے دیکھتا رہا۔ پھر اس کی آنکھوں سے نیند چھٹنے لگی۔ اور وہ مسکراتا ہوا اٹھ بیٹھا۔

"اوہ۔ معاف کیجئے گا چچا جان! کیا آپ مجھے بہت دیر سے جگا رہے ہیں؟"

"ہاں، ایسی ہی بات ہے۔" میں نے جواب دیا۔ بہر حال سلمان اٹھ گیا۔ اور میری ہدایت پر جلدی جلدی سامان سمیٹ کر تیار ہو گیا۔ ہم لوگ جہاز کو خیرباد کہہ کر اب اپنی مہم کے لئے تیار تھے۔ ڈیک پر کام ہو رہا تھا۔ سب مستعد تھے۔ قطبی درحقیقت ایک اچھا منتظم تھا۔ چونکہ سمندری امور کی ذمہ داری اس پر عائد ہوتی تھی اس لئے اس وقت اس نے ساری کمان سنبھال رکھی تھی۔

دوسری طرف کپتان قطبی سے تعلقات اور مناسب معاوضہ کی وجہ سے ہمیں جلد از جلد ہر طرح کی سہولتیں بہم پہنچا رہا تھا۔ جہاز کی رفتار سست ہونے لگی۔ ہمیں سمندر میں اتارنے کے لئے رُکنا تھا۔ اس لئے اس نے رفتار سست کر دی تھی۔

وقت گذرتا رہا اور پھر وہ وقت آ گیا جب لانچ کو سمندر میں اُتارا جانا تھا۔ کرین آپریٹر نے سیٹ سنبھال لی۔ اور پھر کرین حرکت میں آ گئی۔ اس کا انجن بلند ہونے لگا اور تھوڑی دیر کے بعد لانچ میں بندھے ہوئے مضبوط تار بندھ گئے۔ پھر لانچ اپنی جگہ چھوڑنے لگی۔ دیو ہیکل کرین نے اسے اٹھایا اور ایک مخصوص بلندی تک لے گئی۔ اس کے بعد اس کا رُخ تبدیل ہونے لگا۔ اب وہ سمندر کی جانب رُخ کر رہی تھی۔ اور آہستہ آہستہ آگے بڑھتی جا رہی تھی ڈیک کے بالکل نزدیک پہنچنے کے بعد وہ رک گئی اور اس کا اوپری حصہ گھوم کر سمندر کے اوپر پہنچ گیا۔ اس کے بعد تار آہستہ آہستہ نیچے اترنے لگے۔ لانچ اب سمندر میں اتر رہی تھی۔ دوسری جانب جہاز سے ایک سیڑھی لگا دی گئی تھی۔ وہ جہازی لانچ میں سوار تھے تاکہ اسے نیچے پہنچنے کے بعد اسٹارٹ کر کے اپنی مطلوبہ جگہ لے آئیں۔ ہم سب ڈیک کے نزدیک کھڑے ہوئے لانچ کو سمندر میں اترتے ہوئے دیکھ رہے تھے۔ بالآخر لانچ کی نچلی سطح نے پانی کو چھو لیا۔ اور اس کے بعد وہ سمندر میں پہنچ گئی۔

جہازیوں نے نیچے سے ہک کھولے اور کرین تار سمیٹنے لگی تھوڑی دیر کے بعد کرین ڈرائیور کرین کو پیچھے لے گیا تھا۔ ہم نے کپتان سے ہاتھ ملایا، اور کپتان نے ہمیں خوش بختی کی دعاؤں کے ساتھ رخصت کیا۔ ایک ایک کر کے ہم سیڑھیوں کے ذریعے نیچے پہنچ گئے۔ جہازی لانچ اسٹارٹ کر کے اس جگہ لے آئے تھے جہاں سیڑھیاں لگی ہوئی تھیں۔ ہمارا آخری آدمی قطبی تھا جو کپتان سے ہاتھ ملانے کے بعد نیچے اترا تھا۔ اور اس کے بعد ہم سب لانچ پر پہنچ گئے۔ اوپر کپتان اور اس کے ساتھی کھڑے ہمیں الوداع کہہ رہے تھے، جہاز بالکل رک گیا تھا۔ مسافر اگر سو نہ رہے ہوتے تو یقیناً صورتحال معلوم کرنے کے لئے دوڑ پڑتے، ممکن ہے اب بھی کچھ لوگ اس بات پر حیرت زدہ ہوں کہ جہاز کیوں رک گیا۔

بہر حال قطبی نے لانچ کا اسٹیرنگ سنبھال لیا۔ لانچ پہلے ہی اسٹارٹ تھی، جہازی اسے اسٹارٹ کر کے چھوڑ گئے تھے۔ لانچ جہاز سے آگے بڑھ گئی۔ کپتان اور دوسرے لوگ کھڑے ہاتھ ہلا رہے تھے۔ رات کی تاریکی میں ان کے ہیولے نمایاں تھے۔ اور ہم جہاز کی روشنیوں کو دُور ہوتے دیکھ رہے تھے۔ یہاں تک کہ لانچ کافی دُور تک پہنچ گئی۔ تب جہاز نے اپنی جگہ سے جنبش کی اور مخالف سمت بڑھنے لگا۔ ایک عظیم الشان سمندری سفر کا آغاز ہو گیا تھا۔ اور ہمارے ذہنوں میں عجیب عجیب تاثرات تھے۔ شہروں کی رونق چھوڑ کر ہمیں اب ایک طویل و عریض سمندر سے نبرد آزمائی کرنی تھی۔ اور ہم اس کے لئے خود کو مستعد پا رہے تھے۔ تمام لوگ ہنس بول رہے تھے، آٹھوں مصری مزدوروں نے اپنی ذمہ داریاں سنبھال لی تھیں۔ قطبی ہر چند کہ اسٹیرنگ سنبھالے ہوئے تھا۔ لیکن اس کے ساتھ ساتھ ہی وہ انہیں ہدایت بھی دیتا جا رہا تھا۔ جس سمت وزن زیادہ تھا۔ اس سمت وزن کم کیا جا رہا تھا اور چیزوں کو مختلف طریقوں سے رکھا جا رہا تھا۔

لانچ کا چھوٹا سا سائبان ہم سب کی پناہ گاہ تھا۔ اور اس میں آرام دہ نشستیں لگی ہوئی تھیں۔ یوں بہترین سفر کا بندوبست کر دیا گیا تھا۔ لیکن آسمان بدستور تاریک تھا۔ قطبی نے آسمان کی طرف دیکھا اور ہونٹ سکوڑ کر رہ گیا۔

"کیوں، کیا بات ہے؟" میں نے پوچھا۔

"کوئی خاص بات نہیں، میں ہواؤں پر غور کر رہا ہوں۔"

"کیا مطلب؟"

"بادل چھائے ہوئے ہیں، ممکن ہے بارش ہو جائے۔"

"مگر کپتان کا خیال تھا کہ بارش نہیں ہو گی۔" میں نے کہا اور قطبی مسکرانے لگا۔

"سمندر کسی کے تابع نہیں ہوتا۔ بابر صاحب، آسمان ایک لمحے میں رخ بدل لیتا ہے۔"

"کیا طوفان کا خطرہ ہے؟"

"اوہ نہیں۔ یہ طوفانوں کا موسم نہیں ہے۔ سمندر کی پریشانیاں میرے سپرد ہیں۔ آپ بھی کوئی فکر نہ کریں۔"

"اوہ نہیں، مسٹر قطبی پریشان ہونے کی کوئی گنجائش ہی نہیں ہے۔ ظاہر ہے ہمیں بے شمار الجھنوں سے دوچار ہونا پڑے گا۔"

سلمان اور دوسرے لوگ بہت خوش تھے۔ سمندری سفر تو پہلے بھی ہو رہا تھا۔ لیکن یہ خود مختار سفر زیادہ دلچسپ تھا۔ سلمان قطبی کے پاس پہنچ گیا۔

"لائیے، اب میں ڈرائیو کروں۔"

"ضرور، لیکن یہ کار ڈرائیونگ نہیں ہے سلمان میاں۔"

"آپ مجھے سکھا دیں، میں چند گھنٹوں میں سیکھ جاؤں گا۔" سلمان نے کہا اور قطبی نے اپنی جگہ چھوڑ دی۔ وہ سلمان کو لانچ کے انجن کے بارے میں بتانے لگا۔ سلمان بڑے اطمینان سے ڈرائیونگ کر رہا تھا۔

"اس طرح تو مجھے بڑی آسانی حاصل ہو جائے گی۔ میرے خیال میں دوسرے لوگوں کو بھی سلمان کی طرح تھوڑی تھوڑی دیر ڈرائیونگ کی مشق کرنی چاہئے۔" قطبی نے کہا۔

"ہم سب تیار ہیں۔" فرازی بولا اور یوں ہنستے مسکراتے یہ سفر جاری رہا۔ اس وقت کافی نے وہ مزہ دیا کہ بیان نہیں کیا جا سکتا۔ دودھیا بادلیاں سی لگی تھیں۔ پھر بہت دور مشرق سے سویرا جھانکنے لگا۔ اور آہستہ آہستہ سمندر کا نیلا پانی روشن ہونے لگا۔ [illegible] کی گھڑی میں ناشتے کا بندوبست کیا جانے لگا۔ ناشتہ کپتان [illegible] ساڑھے سات بجے ناشتہ کیا گیا۔ اور اب سلمان

ہو گئے تھے۔ اور آسمان شفاف نظر آ رہا تھا۔ سلمان نے آگے بڑھ کر لانچ کا اسٹیئرنگ سنبھال لیا۔ انہیں لانچ چلانے میں بہت لطف آ رہا تھا۔ قطبی انجن کی دیکھ بھال کرنے لگا۔ ڈیزل چیک کیا۔ کچھ نئے ڈبے کھول کر ٹنکی پوری بھر دی گئی۔ پھر قطبی بادبان کے مستولوں کی طرف چل پڑا۔ بادبان لپٹے ہوئے تھے اور مستول ٹھیک ٹھاک کر سیدھے تھے۔

سارے کاموں سے فارغ ہو کر قطبی نے اجازت چاہی کہ تھوڑی دیر آرام کر لے۔ میں سلمان کے پاس آ کھڑا ہوا۔ باقی لوگ سونے لیٹ گئے تھے۔ مزدوروں میں سے بھی چار مزدوروں کو سونے کی ہدایت کر دی گئی تاکہ وہ چاک و چوبند رہیں۔ سورج خوب چمک رہا تھا اور سمندر روشن تھا۔ پانی کو چھوتی ہوئی نم ہوائیں سورج کی تیزی کا احساس نہ ہونے دے رہی تھیں۔ سلمان یکایک مسکرانے لگا۔

"خیریت، کیا خیال آ گیا ذہن میں؟"

"ان بے چاروں کے بارے میں سوچ رہا ہوں۔"

"کون بے چارے؟"

"یہی جو سکون کی نیند سو رہے ہیں۔ ممکن ہے ان کی آنکھوں میں سونے کے خواب گردش کر رہے ہوں۔"

"آہستہ سلمان۔ الفاظ پر قابو رکھنا ہو گا ورنہ یہ دوستی اور بھائی چارے کی فضا دشمنی میں بھی بدل سکتی ہے۔"

"سو رہے ہیں سب۔"

"پھر بھی احتیاط رکھو۔"

"انسان دولت کا اتنا لالچی کیوں ہوتا ہے چچا جان۔"

"نوجوانی بول رہی ہے اور ایسی نوجوانی جو بچپن سے لے کر اب تک کسی مالی مشکل کا شکار نہیں ہوئی۔"

"کیا دولت مل جانے سے انسان مطمئن ہو جاتا ہے؟"

"کسی حد تک۔"

"پھر یہ دولت مند لوگ مسلسل دولت حاصل کرنے کے لئے کیوں جدوجہد کرتے رہتے ہیں؟"

"یہ انسانی عمل ہے۔ اس کی ہوس کبھی کم نہیں ہوتی۔"

سلمان میری یہ بات سن کر مسکرا دیا۔ اور پھر آہستہ سے بولا۔

"یقین کریں چچا جان۔ میں تو یہ ہوس بالکل محسوس نہیں کرتا۔"

"تمہاری بات اور ہے سلمان۔"

"کیوں چچا جان! میری بات کیوں اور ہے؟"

"اس لئے کہ تم ایک قدیم نسل کے شہزادے ہو۔ یہ داستان جو میں نے اس تحریر میں پڑھی، درحقیقت سلمان، میرے ذہن میں ابھی مشکوک ہے۔ ہر چند کہ وہ تمہارے اجداد کی تحریر ہے

اور تم اس سے بہت متاثر ہو۔ لیکن میں نے صرف اس لئے اپنے کسی شک کا اظہار نہیں کیا کہ کہیں تمہارے جذبات کو ٹھیس نہ پہنچے بہرطور اگر اس میں صداقت ہے تو تمہیں سیر چشم ہونا ہی چاہئے۔"

سلمان نے میری بات کا کوئی جواب نہیں دیا۔ اور اس کے بعد ہم نے یہ موضوع ختم کر دیا۔ کیونکہ خطرہ تھا کہ کوئی اور ہماری یہ گفتگو سن لے جو ہر چند کہ دھیمی آوازوں میں کی جا رہی تھی۔ لیکن بہرطور ہمارے لئے نقصان دہ ہو سکتی تھی۔ سفر جاری رہا اور پھر دفعتاً سلمان چیخ پڑا۔

"چچا جان۔ وہ۔ وہ۔ وہ دیکھئے۔" میں نے اس کے اشارے کی سمت نگاہیں دوڑائیں۔ تو ایک عجیب سی شے نظر آئی ——— سیاہ اونٹ نما کوہان بے شمار تعداد میں نظر آ رہے تھے۔ ان کا رخ اسی موٹر بوٹ کی جانب تھا۔

"شارک۔" میرے حلق سے آواز نکلی، اور سلمان دلچسپی کی نگاہوں سے انہیں دیکھنے لگا۔

"یہ شارک مچھلیاں ہیں، ان کے بارے میں تو بڑی بڑی خوفناک داستانیں سنی ہیں۔ بلکہ کچھ فلمیں بھی دیکھی ہیں۔ کیا یہ اتنی ہی خطرناک ہوتی ہیں جتنی انہیں کہا جاتا ہے۔"

"اس سے کہیں زیادہ خوفناک۔ میں نے بھی اب تک شارک مچھلیوں کے بارے میں جو کچھ سنا ہے، وہ یہی ہے کہ سمندر میں ایک خوفناک عفریت کی حیثیت رکھتی ہیں۔"

"اوہ۔ یہ کشتی ہی کی طرف آ رہی ہیں، کہیں اسے نقصان تو نہیں پہنچائیں گی؟" سلمان نے کہا۔

"ہوشیار ہو جاؤ۔ میرا خیال ہے تھوڑا سا رخ تبدیل کر دیں۔" میں نے اسٹیئرنگ پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔ اور سلمان نے موٹر بوٹ کا رخ بدل دیا۔ مچھلیوں کا غول اس طرح دوڑتا ہوا اچھلا آ رہا تھا جیسے موٹر بوٹ کو نگل جائے گا، اور پھر وہ آن کی آن میں ہمارے قریب پہنچ گیا۔ پھر موٹر بوٹ کو شدید جھٹکے لگے۔ اور ان جھٹکوں سے سوئے ہوئے لوگ بھی جاگ پڑے۔ قطبی جلدی سے ہمارے قریب آ گیا۔

"یہ کیا ہوا — کیا ہوا؟"

"میرا خیال ہے شارک۔ شارک مچھلیوں نے ہم پر حملہ کر دیا ہے۔" میں نے جواب دیا اور قطبی ایک اونچی جگہ کھڑے ہو کر سمندر میں دیکھنے لگا۔ ایک سیاہ فام مزدور موٹر بوٹ کے کنارے پہنچا ہی تھا کہ قطبی زور سے دھاڑا۔

"خبردار۔ پیچھے ہٹ جاؤ۔ پیچھے ہٹ جاؤ بے وقوف آدمی۔ کیوں زندگی کو موت سے ہمکنار کر رہے ہو۔" اور وہ شخص گھبرا کر پیچھے ہٹ گیا۔ مچھلیاں موٹر بوٹ کے نیچے سے گذر رہی تھیں۔ اور وہ اتنی طاقتور تھیں کہ موٹر بوٹ کو جھٹکے لگ رہے تھے کوئی کوئی مچھلی موٹر بوٹ سے ٹکرا بھی رہی تھی۔ اور اس وقت یوں لگتا جیسے موٹر بوٹ ایک جانب کو اٹھ رہی ہو۔"

"کیا کیا جائے قطبی؟" میں نے قطبی سے پوچھا۔ اور قطبی نے آگے بڑھ کر رائفل اٹھا لی۔ تمام رائفلیں تیار تھیں۔ اس نے دوسرے تمام لوگوں کو بھی اشارے کئے۔ اور تمام مصری جوان رائفلیں تان کر کھڑے ہو گئے۔

پھر قطبی نے پہلا فائر کیا، اور ایک شارک مچھلی کا کوہان زخمی ہو گیا۔ وہ تڑپ کر نیچے گئی، اور دوسرے لمحے پھر ابھری، اس بار اس کا ہولناک منہ ہماری طرف تھا۔

یہ مچھلی تھی، یقین نہیں آتا تھا۔ اتنا بڑا منہ پھیلایا تھا کہ ایک آدمی کا سر اس کے منہ میں چلا جاتا۔ اس نے پانی میں غوطہ مارا، اور آ کر موٹر بوٹ سے ٹکرائی۔ موٹر بوٹ زور سے ہلی اور سلمان کی گرفت اسٹیئرنگ پر مضبوط ہو گئی۔ یہ زخمی مچھلی کے خون کی بو تھی یا پھر ان کا انتقام کہ دور دور سے اور بھی مچھلیاں اس سمت آنے لگیں۔ شارک کا پورا خاندان ہمارے گرد جمع ہو گیا تھا۔ جس طرف نگاہ اٹھتی کوہان ہی کوہان نظر آتے، قطبی عجیب سی نگاہوں سے انہیں دیکھ رہا تھا پھر اس نے پُر تشویش لہجے میں کہا۔

"یہ صورت حال میرے لئے نئی ہے۔"

"کیا مطلب؟"

"مطلب یہ کہ شارک مچھلیاں عموماً زخمی ہو کر بھاگ جاتی ہیں لیکن ان کا یہ غیظ و غضب بڑا عجیب ہے۔ ویسے میں آپ کو بتاؤں بابر صاحب۔ کہ ان مچھلیوں کے خاندان سمندر کے مختلف حصوں میں آباد ہوتے ہیں اور جہاں ان کے قبیلے ہوتے ہیں وہ جگہ بے حد خوفناک ہوتی ہے۔ کپتان نے مجھ سے کہا تھا کہ اس سمت شارک مچھلیاں بہت زیادہ پائی جاتی ہیں۔ موٹر بوٹ چونکہ چھوٹی ہے، جہاز کی بات دوسری ہوتی ہے اور آپ دیکھ رہے ہیں کہ موٹر بوٹ کو کیسے جھٹکے لگ رہے ہیں۔ کہیں کوئی اور مچھلی اسے الٹ نہ دے۔" قطبی نے کہا۔

ہم سب کے چہروں پر تشویش کے آثار نمودار ہو گئے سوائے سلمان کے۔ اس کے چہرے پر بچوں کی سی شوخی اور چمک تھی جیسے وہ اپنا پسندیدہ کھیل دیکھ رہا ہو۔

دفعتاً ایک شارک مچھلی نے لانچ کے بالکل کنارے پر سر ابھارا۔ اور تقریباً چار فٹ اونچی بلند ہو گئی۔ خوش قسمتی تھی ہم لوگوں کی کہ کوئی کنارے پر موجود نہیں تھا۔ ورنہ اس وقت تک کوئی خوفناک حادثہ پیش آ چکا ہوتا۔ مچھلی کا منہ کنارے پر پھنس گیا تھا اور لانچ اتنی ٹیڑھی ہو گئی تھی کہ اگر کوئی دوسری مچھلی

آنا چاہیے تو بآسانی آسکتی تھی۔ اس کا کنارہ پانی کو چھونے لگا تھا۔
قطبی نے اندھا دھند مچھلی کے فائرنگ شروع کر دی تھی
چار گولیاں کھانے کے بعد وہ پیچھے اور سمندر میں الٹ گئی۔
لانچ کو شدید جھٹکا لگا۔ اور دوسری جانب تمام لوگ
لڑھک گئے۔ مچھلیاں اتنی تعداد میں جمع ہو گئی تھیں۔ کہ اب یہ خطرہ
پیدا ہو گیا تھا کہ وہ یقینی طور پر لانچ کو تباہ کر دیں گی۔ تب قطبی نے
گردن ہلا دی۔ اور اپنی رائفل ایک جانب رکھ دی۔ پھر وہ مجھ سے
کہنے لگا۔

"اب میں دوسرا کھیل کھیلنے جا رہا ہوں۔ شکر ہے کپتان
نے ہمیں اس صورت حال سے آگاہ کر دیا تھا۔"

"دوسرا کھیل ـــ؟" میں نے سوالیہ نگاہوں سے قطبی کو دیکھا۔

"وہاں میں اس کا بندوبست کر کے چلا تھا۔" قطبی نے جواب
دیا۔ اور تیزی سے دوڑتا ہوا لانچ کے پچھلے حصے میں پہنچ گیا۔ اس نے
لانچ میں رکھے ہوئے چھوٹے چھوٹے ٹن اٹھائے جن میں پٹرول بھرا
ہوا تھا، پھر وہ ان ٹینوں کے کارک کھولنے لگا۔ اس کے بعد اس نے
پٹرول کو زور سے پانی میں اچھال دیا۔ ٹن الٹے گرے تھے اور پٹرول
پانی کی سطح پر پھیل گیا۔

قطبی نے لانچ کو تھوڑا سا پیچھے کرنے کے لئے کہا۔ اور
سلمان لانچ کو موڑ کر پیچھے لے آیا۔ اس کے بعد قطبی نے پٹرول کا
ایک اور ٹن پانی پر خالی کر دیا۔ اس کام کے لئے اسے بڑی مہارت
سے کام لینا پڑا تھا۔

کنارے پر جانا بے حد مشکل تھا، پٹرول کو چھوٹے سے ٹن
کے ذریعے پانی پر پھینکنا تھا۔ اگر کنارے پر جایا جاتا تو یقینی طور
پر کسی نہ کسی شارک مچھلی کا شکار ہو جاتا، اور اگر ٹن ذرا بھی بے
احتیاطی سے اٹھایا جاتا تو پٹرول لانچ کے کناروں پر بھی
پڑ سکتا تھا۔

چنانچہ قطبی نے لانچ کو بچانے کی کوشش کی اور تین چار
ٹن پھینکنے کے بعد پیچھے ہٹ کر لانچ کا اسٹیئرنگ سنبھال لیا۔ اس کی
یہ حرکت میری سمجھ میں نہیں آئی تھی۔ لیکن اسٹیئرنگ سنبھال کر اس
نے لانچ کو تھوڑا سا پیچھے کیا اور اسے ایک مخصوص زاویے پر لا کر لانچ
کا اسٹیئرنگ سلمان کے حوالے کر دیا۔ پھر اس نے جلدی سے کپڑا اٹھایا
سے بھگویا اور اس کا گولا سا بنا کر ہاتھ میں لے لیا۔ پھر اس نے
فرزی کو ہدایت کی کہ اس کپڑے میں آگ لگا دی جائے۔

فرزی نے اس کی ہدایت پر عمل کیا اور اب یہ صورتحال میری
سمجھ میں بھی آگئی تھی۔

جلتا ہوا گولا سمندر میں پھینک دیا گیا اور اب پانی کی سطح پر ایک
عجیب و غریب نظارہ پیدا ہو گیا۔ پٹرول نے آگ پکڑ لی تھی۔
مچھلیوں کا غول چونکہ بہت زیادہ تعداد میں تھا۔ اس لئے وہ
اس آگ کی لپیٹ میں آ گئیں اور ان میں افراتفری پھیل گئی۔ اس
واقعے سے شاید وہ ڈر گئی تھیں۔ لانچ کو اس مہارت سے پیچھے ہٹا
لیا گیا تھا کہ سمندر پر پڑا ہوا پٹرول اسے کوئی نقصان نہ پہنچا سکے اور
پھر قطبی کے کہنے پر لانچ کی رفتار تیز کر دی گئی۔ کچھ مچھلیاں لانچ کے
پیچھے لپکیں، لیکن پھر جب انہیں یہ احساس ہوا کہ ان کا خاندان
بہت پیچھے رہ گیا ہے تو وہ خود بھی اپنی جگہ تبدیل کرنے لگیں۔

سمندر پر شعلے ابھر رہے تھے۔ اور دلچسپ نظارہ نگاہوں کے
سامنے تھا، لانچ ان شعلوں سے کافی دور نکل آئی تھی۔ اور اس طرح
ان مچھلیوں سے پیچھا چھوٹ گیا تھا۔

میں نے تحسین آمیز نگاہوں سے قطبی کو دیکھا اور قطبی مسکرانے لگا

"جب مجھے کپتان نے یہ بات بتائی تھی کہ اس طرف شارک
مچھلیوں کے غول بہت زیادہ نظر آتے ہیں، تب میں نے اس پٹرول
کا بندوبست کیا تھا، اس کے علاوہ اس وقت اور کوئی چارہ نہیں تھا
یہ غول بے حد خطرناک ہوتے ہیں۔ میں نے ایک بار کسی سیاح کے سفر
نامے میں ان کے بارے میں پڑھا تھا۔ بعض اوقات تو یہ غول چھوٹے
چھوٹے جہازوں پر بھی حملہ کر دیتے ہیں۔ اور ان کی تعداد جوں جوں
بڑھتی جاتی ہے یہ زیادہ خطرناک ہوتے جاتے ہیں، مسئلہ صرف یہ
تھا کہ ان میں سے کوئی ایک مچھلی ڈر جائے۔ گولیوں کے زخم تو انہیں
نہیں ڈرا سکے تھے، لیکن آگ کے شعلوں نے انہیں بدحواس کر دیا۔"

"قطبی، شکریہ ـــ" میں نے آہستہ سے کہا اور قطبی ہنسنے لگا۔

"نہیں بابر، یہ تو میرا فرض تھا، میں بلاوجہ ہی تم لوگوں کے
ساتھ نہیں آ گیا تھا۔ میں نے تم سے کہا تھا کہ سمندری امور کی ذمہ
داری میرے سپرد کر دی جائے۔ باقی معاملات خدا کے ہاتھ میں
ہیں۔" اس نے جواب دیا۔

فرزی اور فیکان بھی قطبی کی اس کوشش سے متاثر نظر آ
رہے تھے۔ بہرصورت ہم میں سے کوئی شخص اگر سب سے زیادہ
بے فکر تھا تو وہ تھا سلمان۔ اور میں جانتا تھا کہ نوجوانی کی عمر ایسی
ہی ہوتی ہے۔ دنیا کا کوئی خطرہ، خطرہ نہیں محسوس ہوتا۔

لانچ اب کافی دور نکل آئی تھی۔ تب میں نے قطبی سے کہا
"قطبی کوئی سمندری حادثہ ہمیں راستہ نہ بھٹکا دے، اس بات کا
بھی خاص طور سے خیال رکھنا ہے۔"

"یقیناً ـــ جو نقشہ ہم نے ترتیب دیا ہے اس کے تحت
ہم ابھی راستے سے نہیں بھٹکے، سوائے اس کے کہ تھوڑی دور جانے کے
بعد ہم رخ سیدھا کر دیں گے ـــ اگر ہم یہیں سے اپنا رخ بدلیں تو

مچھلیوں کا یہ غول پھر سے ہمارے قریب پہنچ سکتا ہے۔"

"نہیں قطبی، اسی طرح چلتے رہو، آگے چل کر راستہ تبدیل
لینا۔"

تقریباً ایک سمندری میل چلنے کے بعد ہم نے پھر
لانچ کا رخ اسی سمت کر دیا جدھر ہمیں سفر کرنا تھا اور اس کے بعد
شام تک کوئی قابل ذکر واقعہ نہیں ہوا۔ ہم سب شارک مچھلیوں کے
اس حادثے کو بھول گئے تھے، کئی جگہ ہمیں شارک مچھلیاں نظر آئیں
لیکن تنہا تھیں، وہ تھوڑی دور تک موٹر بوٹ کے پیچھے دوڑتی ہیں۔
اور اس کے بعد رخ بدل کر چلی گئیں۔ غالباً ایک یا دو مچھلیاں کبھی کسی
ایسی چیز پر حملہ نہیں کرتی تھیں جن سے انہیں خطرہ درپیش ہو سکے۔
میں اس سمندری مخلوق کے بارے میں سوچنے لگا۔ ہر جانور ہر جگہ
ایک باقاعدہ ذہنی نظام رکھتا ہے۔ اس کی اپنی سوچ ہوتی ہے،
اور وہ اپنے اندازے کے مطابق عمل بھی کرتا ہے۔

سورج ڈھل چکا تھا۔ شام ہو گئی۔ آسمان پر ایک بار پھر
بادل امڈ آئے اور پھر تقریباً ساڑھے آٹھ یا نو بجے کا وقت ہو گا کہ
بوندیں پڑنے لگیں۔

قطبی نے جلدی سے لانچ پر دوسرے انتظامات کئے۔
یوں تو ہم نے لانچ پر ایک سائبان جیسی جگہ بنائی ہوئی تھی۔ کیبن اس
لئے نہیں بنائے گئے تھے کہ ان کیبنوں کی تعداد کتنی ہو سکتی تھی؟
ظاہر ہے تمام افراد کیبنوں میں نہیں آ سکتے تھے۔ اس لئے لانچ
پر ایک سائبان ترتیب دے دیا گیا تھا۔ جس کے نیچے سورج سے
پناہ لی جا سکے۔ بہرحال قطبی کی وجہ سے درحقیقت سمندری سفر
میں بے حد آسانیاں ہو گئی تھیں۔ اس نے شارک مچھلیوں کو جس
طرح بھگایا تھا وہ قابل تحسین کارنامہ تھا۔ بارش باقاعدہ ہونے لگی،
اور چاروں طرف تاریکی پھیل گئی۔ قطبی کسی قدر سوچ میں ڈوبا ہوا
تھا۔ لیکن اس نے کسی تشویش کا اظہار نہیں کیا۔

اس وقت رات کے تقریباً بارہ بجے ہوں گے کہ دفعتاً تیز
ہواؤں کے جھکڑ چلنے لگے۔ اور کشتی ہچکولے کھانے لگی۔ قطبی نے
ایک لمحے آرام نہیں کیا تھا۔ وہ جیسے اس وقت کا منتظر تھا۔ اس نے
مجھے قریب بلایا اور سرگوشی کے انداز میں بولا۔ "مسٹر بابر، صورتحال
پریشان کن ہو گئی ہے۔ یہ تیز ہوائیں سمندری طوفان بھی ہو سکتی
ہیں۔ ہر چند کہ یہ طوفانوں کا موسم نہیں ہے۔ لیکن ـــ سمندر کا کیا بھروسہ؟"

"کیا طوفان خوفناک ہو سکتا ہے؟" میں نے پوچھا۔

"آثار ایسے ہی ہیں۔" قطبی کے جواب نے مجھے بھی پریشان
کر دیا تھا۔

اگر سمندری طوفان آ گیا تو کیا ہو گا۔ یہ چھوٹی سی لانچ
اس طوفان کا کیا مقابلہ کر سکے گی۔ سب لوگ قطبی کے انکشاف
آگاہ ہو گئے تھے۔ سب کے سب بے سکون تھے سوائے سلمان کے،
وہ کشتی کے ایک سرے پر کھڑا آسمان کی طرف منہ اٹھائے کچھ بڑبڑا رہا
تھا، نہ جانے کیا ہو گیا تھا اسے۔ میں اسے اس کیفیت میں دیکھ کر اس کے
قریب پہنچ گیا۔ "سلمان ـــ" میں نے اسے آواز دی تو اس نے
گردن گھما کر میری طرف دیکھا۔ "کیا بات ہے اوپر کیا دیکھ رہے ہو ـــ؟"
میرے سوال پر اس نے گہری سانس لی اور مسکرانے لگا۔ "کچھ
نہیں چچا جان، کوئی خاص بات نہیں ہے۔"

"طوفان کا خطرہ ہے۔" میں نے کہا۔

"یہاں بہت لوگ پریشان ہیں۔"

"تم نہیں ہو ـــ؟"

"طوفان ہمارا کچھ نہیں بگاڑ سکے گا۔" سلمان نے جواب دیا اور
میں تعجب سے اسے دیکھنے لگا۔ اس وقت سوال جواب کا موقع نہیں
تھا میں نے اس کے شانے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔

"درحقیقت جوانی سے بڑا طوفان کوئی نہیں ہوتا لیکن اس
کے باوجود احتیاط ضروری ہے، تم نادانی کی باتیں نہ کرو خود کو تیار کر لو۔"

"میں تیار ہوں چچا جان ـــ!" سلمان یکدم سنبھل گیا۔ قطبی
نے لانچ کے انجن بند کرا دیئے تھے اور بڑی تندہی سے ایسی تمام چیزوں
کو رسیوں اور لوہے کی موٹی زنجیروں کے ذریعہ بندھوا رہا تھا جن
کے سمندر میں گر جانے کا خطرہ تھا۔

"یہ شخص درحقیقت ہمارے لئے بے حد کارآمد ہے اُسے
جہاز رانی کا پورا تجربہ ہے۔"

"اس میں کوئی شک نہیں۔" سلمان نے اعتراف کیا۔ ہوائیں تیز ہونے
لگی تھیں اور سمندر کا رنگ بدل رہا تھا۔ اونچی اونچی موجیں کشتی کی طرف
دوڑنے لگیں۔ طوفان آ گیا۔ موجیں کشتی سے ٹکراتیں تو پانی اچھل کر
پوری کشتی کو شرابور کرتا، دوسری طرف جا پڑتا۔ کشتی اب سمندر کے رحم و
کرم پر تھی۔ عمل ختم ہو چکا تھا اور اب خاموشی سے اپنے بچاؤ کرنے کی
کوششیں کی جا رہی تھیں۔ آٹھوں مزدوروں نے ایک موٹے رسّے
کو اپنی کمروں سے کس کر گرہیں لگائی تھیں۔ یہ رسّہ ایک ستون سے بندھا
ہوا تھا۔ کشتی بری طرح لہروں میں ڈول رہی تھی۔ کبھی ایک طرف جھک
جاتی اور یوں لگتا جیسے کہ اب ڈوبی، اب ڈوبی۔ کبھی کوئی شدید موج اس کا
ایک سرا اٹھا لیتی۔ میں نے سلمان کو مضبوطی سے ایک رسّے سے کس لیا
تھا۔ مجھے اس سے اپنے بچوں ہی کی مانند پیار تھا اور درحقیقت اس
وقت مجھے اپنے آپ سے زیادہ اس کے بچاؤ کی فکر تھی۔ پانی کے تھپیڑے
بڑھ گئے تھے اور کبھی کبھی کشتی چکر کھانے لگتی تھی۔ خطرہ تھا کہ وہ ٹوٹ نہ
جائے۔ وزنی چیزیں بھی بے وزن ہو گئی تھیں اور آپس میں ٹکرا کر

صاف کرکے دوبارہ لگانے پر بھی انجن اسٹارٹ نہیں ہوا۔
قطبی مایوسی سے سر ہلانے لگا پھر اس نے کہا۔
"ایک غلطی اور ہو گئی ہم سے کاش ہم کسی لانچ انجینئر کو بھی ساتھ لے لیتے۔"
"کیا خیال ہے قطبی صورتحال بہتر ہونے کے امکانات نظر نہیں آتے؟" میں نے سوال کیا۔
"بس کیا بتاؤں کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا۔ ممکن ہے کچھ اور دھوپ پڑ جائے۔ تو انجن اسٹارٹ ہو سکے" قطبی نے جواب دیا اور ہم سب خاموش ہو گئے۔ ڈھلتا سورج آہستہ آہستہ ڈھلتا رہا اور پھر شام ہو گئی۔

شام کو ہوا کا رُخ بدل گیا اور وہ کسی قدر تیز ہو گئی۔ تیز ہوائیں اتنی تیز نہیں تھیں کہ سمندر میں طوفان کا خطرہ پیدا ہو جاتا۔ لیکن وہ کشتی کو اچھی خاصی رفتار سے لے کر بھاگ رہی تھیں۔ اور کشتی اب تیزی سے ایک سمت بڑھ رہی تھی۔ بڑی الجھنوں کا شکار ہو گئے تھے ہم سب کے سب کسی کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کیا کیا جائے۔ مجھے سب سے زیادہ حیرت سلمان کے پرسکون چہرے کو دیکھ کر ہو رہی تھی کشتی اپنی منزل کی جانب رواں دواں تھی ہواؤں نے اس کے لئے راستے کا تعین کیا تھا اور ہم اس راستے کو تبدیل نہیں کر سکتے تھے۔

کشتی کے آخری گوشے میں کھڑے ہوئے سلمان کے نزدیک پہنچ کر میں نے کہا۔
"صورتحال تو بڑی پریشان کن ہو گئی ہے سلمان"
"کیوں؟" اس نے متعجبانہ انداز میں پوچھا۔
"تمہاری باتیں میری سمجھ میں نہیں آ رہی ہیں۔ جب طوفان آ رہا تھا۔ تب بھی تم اتنے ہی پرسکون تھے اور اب بھی میں تمہارے انداز میں کوئی تبدیلی نہیں دیکھ رہا ہوں۔"
"کیا آپ میری بات پر یقین کریں گے چچا جان۔ میرا مطلب ہے جو کچھ میں کہوں گا۔ اسے میرے دماغ کی خرابی تو نہیں تصور کریں گے۔"
"کہو کیا کہنا چاہتے ہو؟ کہو۔" میں نے اسے دیکھتے ہوئے کہا۔
"ہم جس منزل کی جانب بڑھ رہے ہیں۔ وہی ہماری مطلوبہ منزل ہے ہم وہاں تک ضرور پہنچیں گے آپ اس بات پر یقین کر لیں۔ حالات کیسی بھی شکلیں اختیار کریں۔ لیکن بہرطور ہمیں وہاں پہنچنا ہے۔"

"یہ بات تم اتنے وثوق سے کیسے کہہ سکتے ہو؟" میں نے سوال کیا۔ اور سلمان کے ہونٹوں پر ایک پُراسرار سی مسکراہٹ پھیل گئی۔
"میں اس سلسلے میں کوئی خاص بات نہیں کہوں گا بس یوں سمجھ لیجئے کہ کچھ دور سنائی دینے والی آوازیں میرے کانوں میں سرگوشیاں کر رہی تھیں۔ ان کا کہنا ہے کہ ہم اپنی منزل کی طرف بڑھ رہے ہیں۔ یہ طوفان اور یہ راستے کی رکاوٹیں کوئی حیثیت نہیں رکھتیں، ہمیں منزل تک پہنچنا ہے۔" میں عجیب سی نگاہوں سے اسے دیکھنے لگا۔ مجھے گمان گزرا کہ کہیں سلمان کی ذہنی حالت تو متاثر نہیں ہوئی ہے۔ لیکن وہ ہر طرح سے مطمئن نظر آ رہا تھا۔ بہرطور میں نے اس سلسلے میں اس سے کوئی بات نہیں کی۔ کم از کم اس بات کا تو مجھے بھی اندازہ تھا کہ حالات پُراسرار ہیں اور سلمان کو جو مشن اس کے آباؤ اجداد نے سونپا ہے۔ اس میں وہ سب اسی کی امداد بھی کر رہے ہیں۔ سلمان کی اس بات کو سن کر مجھے یک گونہ سکون محسوس ہوا تھا۔ بہرطور کشتی بڑھتی رہی۔

ستارے نکل آئے چاند روپوش تھا ستاروں کی مدھم چھاؤں میں ہم سمندر کی جھلکتی ہوئی موجوں کو دیکھتے رہے ساری رات کوئی سکون سے نہیں سو سکا تھا۔ کسی کو اگر اونگھ آ بھی جاتی تو وہ چونک کر آنکھیں پھاڑنے لگتا۔ بے یار و مددگار سمندر کے سینے پر وقت گزارنے کا تصور سب ہی کے لئے ہولناک تھا خاص طور سے قطبی جو کہ جہازراں رہ بھی چکا تھا اس سلسلے میں سب سے زیادہ پریشان تھا۔ کیوں کہ سمندر کی پُراسرار زندگی کے بارے میں وہی سب سے زیادہ جانتا تھا اسے یقیناً علم تھا کہ اگر کشتی اسی طرح بے یار و مددگار سمندر کے سینے پر بھٹکتی رہی تو بالآخر ایک دن وہ آ جائے گا جب خوراک ختم ہو جائے گی اور پھر وہ تمام سلسلہ شروع ہو جائے گا جسے قصے کہانیوں کی باتیں کہا جاتا ہے۔ لیکن جس کی حقیقت سے کوئی بھی انکار نہیں کر سکتا۔ یا کم از کم وہ تو قطعی نہیں جو کسی نہ کسی طرح سمندر میں کسی ہولناک حادثے کا شکار ہو چکا ہو اور تقدیر نے اسے بچا کر دوبارہ زندگی کی طرف لوٹا دیا ہو۔

رات گزر گئی۔ لیکن دوسری صبح جو ابھی پوری طرح اُبھرنے بھی نہیں پائی تھی ہمارے لئے خوشیوں کا پیغام لائی تھی وہ افق کے سرے پر ہم نے ایک سیاہ لکیر دیکھی تھی اور یہ سیاہ لکیر کوئی جزیرہ ہی ہو سکتی تھی ہم سب ایک جگہ

جمع ہو گئے اور جزیرے کی جانب دیکھنے لگے۔ منڈورو تو شور مچانے لگے وہ عربی زبان میں جزیرہ۔ جزیرہ پکار رہے تھے اور قطبی کے کہنے پر ایک بار پھر انہوں نے چپو سنبھال لئے۔ کم از کم ایک منزل نظر آئی تھی اور اب اس منزل کی جانب سفر کیا جا سکتا تھا۔

چنانچہ کشتی کا رُخ اس طرف ہو گیا۔ آہستہ آہستہ واضح ہوتا جا رہا تھا۔ لکیر نمایاں ہو گئی تھی اور ہم سب اب مسرت سے سرشار ہو رہے تھے۔ کہ بالآخر وہ مشکل حل ہو گئی۔ جو ہم سب کو وسوسوں کا شکار کئے ہوئے تھی۔ ہم سب بے حد خوش ہو گئے تھے۔ جزیرہ آہستہ آہستہ قریب آتا جا رہا تھا۔ اور کشتی اسی کی جانب بڑھ رہی تھی لیکن جب ہم جزیرے کے کچھ اور قریب پہنچے تو یہ دیکھ کر ہم سب پر ہیبت طاری ہو گئی کہ جزیرے کے گرد چاروں طرف بڑی بڑی چٹانیں ہیں اور وہاں بڑی پُرشور سی شوریدہ سر لہریں اٹھ رہی ہیں۔ جو ان چٹانوں سے ٹکراتیں تو ایک مہیب شور پیدا ہوتا۔ اگر کشتی ان موجوں کی لپیٹ میں آ کر چٹانوں سے ٹکرا گئی تو چند لمحات کے اندر اندر ہمارے اعضاء فضا میں بکھر جائیں گے ہم نے آپس میں مشورہ کیا قطبی نے کہا کہ کشتی کو زیادہ نزدیک نہ لے جایا جائے۔ بلکہ کسی ایک جگہ رُک کر تیر کے ہم جزیرے تک پہنچا جائے۔ اس تجویز سے فرازی اور فیکان کو تھوڑا سا اختلاف ہوا۔ فیکان نے کہا۔
"لیکن کشتی کو اس طرح سمندر میں بھی تو نہیں چھوڑا جا سکتا۔ جس میں ہمارا ساز و سامان ہے اسے ہم کس طرح وہاں تک لے جائیں گے؟"
"آپ کا کہنا درست ہے۔ مسٹر فیکان۔ لیکن یہ تو دیکھئے کہ سمندر میں اس طرح ہم بے یار و مددگار ہو گئے ہیں کہ اگر ہم اس جزیرے میں نہ اترے تو ہماری زندگیاں بھی خطرے میں پڑ جائیں گی جس طرح جزیرے کے گرد چٹانیں بکھری ہوئی ہیں اور جس طرح موجیں اس کے پاس سر اُبھار رہی ہیں۔ اگر کشتی بھی موجوں کی لپیٹ میں آ کر کسی چٹان سے ٹکرا جائے تو ہماری زندگی ہی محال ہو جائے گی۔ ان حالات میں ہم سامان کی فکر کریں یا اپنی۔"
"وہ تو ٹھیک ہے لیکن پھر ہمارے کھانے پینے کا کیا ہو گا؟"
"اس کے لئے میرے ذہن میں ایک تجویز ہے۔ جو ساز و سامان ہم کسی بھی طرح ان واٹر پروف تھیلیوں میں بھر کر لے جا سکتے ہیں۔ وہ ہم اپنی پشت پر لاد کر چلیں اور کشتی کو اسی

طاقت کے اشتہار

کہتے ہیں تیرہ سے اٹھارہ سال تک کی عمر بڑی خطرناک ہوتی ہے انسان کے جسم میں اسی عمر میں بڑے انقلاب برپا ہوتے ہیں۔ عموماً نوجوان لڑکے اسی عمر میں بے راہ روی کا شکار ہو جاتے ہیں اور جنسی تسکین کے غیر فطری طریقے اپنا لیتے ہیں اور کچھ عرصہ بعد خود کو کمزور سمجھنے لگتے ہیں۔ دیواروں پر "کھوئی ہوئی طاقت حاصل کرنے" کے اشتہار دیکھتے ہیں نیم حکیموں سے رجوع کرتے ہیں، ان کا لٹریچر پڑھتے اور یقین کر لیتے ہیں کہ ہم اپنی جوانی تباہ کر چکے ہیں۔ جبکہ ایسا نہیں ہوتا ہے۔ نوجوان لاعلمی کے سبب پریشان رہتے ہیں، ایسے لوگوں کو چاہئے کہ اپنا علاج کرانے سے پہلے جنسیات پر لکھی گئی کتابوں کا مطالعہ کریں۔ ایسی بہت سی کتابیں بازار میں دستیاب ہیں جن میں "جنسی خفیہ راز" اور "جنسی صلاحیت بڑھائیے" بہت مقبول ہیں۔ یہ کتابیں ہر لحاظ سے کارآمد ہیں ان کے پڑھنے سے ذہن میں پڑا ہوا خوف نکل جاتا ہے۔ جو غلط فہمی نیم حکیموں کے اشتہاروں نے پیدا کی ہے، دُور ہو جاتی ہے۔ ان کتابوں میں قابلِ اعتماد دیسی نسخے بھی موجود ہیں، نسخوں کی دوائیں بہت معمولی رقم خرچ کر کے بازار سے حاصل کی جا سکتی ہیں۔ اس طرح وہ نوجوان جو جوانی کے جوش میں بہک گئے تھے ان کتابوں کی مدد سے خود کو سنبھال سکتے ہیں۔

(ڈاکٹر اسلم علی)

مشہور ادیب بنرجی نے ایک مرتبہ پیرس میں سیب کا رس پیا، گلاس لوٹاتے ہوئے اس نے دکان والے سے پوچھا: "تم دن بھر کتنے سیبوں کا رس بیچ لیتے ہو؟"
"تقریباً ایک من سیبوں کا۔" دکان دار نے بتایا۔
"میں تمہیں ایک مشورہ دیتا ہوں جس پر عمل کر کے تم تقریباً دو من سیبوں کا رس بیچ سکتے ہو۔" بنرجی نے کہا۔
"کیسے؟" دکان دار بے قرار ہو گیا۔
"گلاس پورا بھر دیا کرو۔"

جگہ چھوڑ دیا جائے۔"

"اوہ۔ اور اگر اسی جزیرے سے واپسی کا فیصلہ کرنا پڑا تو۔۔؟"

"جو کچھ بھی ہوگا دیکھا جائے گا۔ تقدیر ہمیں جو کچھ دکھانا چاہتی ہے، ہم وہی کچھ تو دیکھ سکتے ہیں۔ یہ تو ممکن نہیں کہ ہم سمندر کے بیچ پر زندہ رہیں۔ اس سے بہتر ہے، کہ خشکی پر زندگی کی تلاش کریں اور موت ہی آنی ہے تو سمندر کے بیچ پر بھی آئے گی اور خشکی پر بھی آ سکتی ہے۔" قطبی نے جواب دیا۔

بہر طور سب تیار ہو گئے۔ درحقیقت اس کے سوا اور کوئی چارہ کار بھی نہیں تھا۔ لیکن اس کے لئے کچھ حفاظتی انتظامات بھی کئے گئے تھے۔

کنٹوپس کے تھیلے اپنی پشت پر باندھ کر ہم نے اپنی کمر میں رسیوں کے پھندے ڈالے رسی کا ایک سرا سب سے آگے قطبی کی کمر میں تھا اور سب سے پیچھے میری کمر میں درمیان میں تمام افراد اسی ایک ہی پھندے سے منسلک تھے۔ اس طرح کہ اگر کسی ایک کی جان کے زیاں کا خوف نہیں رہا تھا ہم نے بالآخر کشتی چھوڑ دی۔ سب سے پہلے قطبی نیچے اتر گیا اور اس کے بعد ایک ایک کر کے ہم سب۔ قطبی تیرتا ہوا آگے بڑھ رہا تھا۔ وہ کسی ایسے راستے کی تلاش میں تھا۔ جہاں سے سمندر کی دیو ہیکل موجیں انہیں سمندر کی چٹانوں سے ٹکرانے سے روک سکیں اور قطبی کی زیرک آنکھوں نے ایسی جگہ تلاش کر لی۔ وہ نسبتاً بہتر جگہ پہنچ گیا۔ اور سب سے پہلے وہی خشکی پر اترا تھا۔ اس کے بعد ہم سب۔

چاروں طرف اونچی اونچی اور ویران چٹانیں پھیلی ہوئی تھیں ان کے گرد ریتلی زمین تھی۔ کافی دور دور تک کوئی پودا یا پانی کا چشمہ نظر نہیں آ رہا تھا۔ بالکل ویران اور بے آب و گیاہ علاقہ تھا جہاں بے ہنگم اور بدصورت چٹانوں کے علاوہ کچھ نظر نہیں آ رہا تھا۔ ان چٹانوں کا رنگ ہزار ہا سال کی گردش لیل و نہار کے باعث گہرا سیاہ پڑ گیا تھا اور انہیں دیکھ کر ہیبت طاری ہوتی تھی۔ یوں لگتا تھا۔ جیسے یہ چٹانیں ان کی بے بسی کو دیکھ کر قہقہے لگا رہی ہوں۔

پرندے یا کیڑے وغیرہ بھی نظر نہیں آ رہے تھے۔ البتہ چند مقامات پر گہرے گہرے گڑھوں میں بارش کا پانی بھرا ہوا تھا۔ لیکن اس میں سے ناقابل برداشت بدبو اٹھ رہی تھی اور اسی میں اس میں ریت کی اتنی آمیزش تھی کہ اگر شدید ترین پیاس بھی لگ رہی ہو تب بھی یہ پانی حلق تک نہیں جا سکتا تھا۔

ہم سب نے کمر سے بندھی ہوئی رسیوں سے خود کو آزاد کرا لیا۔ ان رسیوں کے لچھے بنا کر کندھے پر ڈال لئے گئے تھے درمیان سے ٹکڑے کر کے یہ لچھے بنائے گئے۔ کیونکہ ایک آدمی یہ ساری رسی لے کر نہیں چل سکتا تھا۔ نہ جانے آگے ہمیں کن مشکلات کا سامنا کرنا پڑے۔ بہر طور سمندر میں تیر کر یہاں تک پہنچ گئے تھے اور تھکن سے چور چور تھے لیکن بھی اس وقت سے جب سے طوفان نازل ہوا تھا ہم سب مسلسل جدوجہد میں مصروف تھے۔ چنانچہ نیکلان کے مشورے پر سب سے پہلے یہی فیصلہ کیا گیا کہ کوئی سطح جگہ دیکھ کر آرام کی ٹھانی جائے۔ اور اس وقت تک سوتے رہیں۔ جب تک نیند پوری نہ ہو جائے۔ سب ہی نے اس بات سے اتفاق کیا کیونکہ سب ہی کے بدن تھکن سے چور تھے۔ ایسی جگہ تلاش کرنے میں کوئی زیادہ وقت نہیں ہوئی۔ بس ہم سمندر سے کافی دور ہٹ گئے تھے۔ تاکہ پانی کا شدید شور ہماری نیند میں رکاوٹ نہ بن سکے۔ لیکن نیند میں تو اس وقت صور اسرافیل بھی کوئی رکاوٹ پیدا نہیں کر سکتا تھا ہم سب گہری نیند سو گئے۔

پھر ہم اس وقت جاگے جب سورج ڈوب چکا تھا شام کے ہولناک سائے پہاڑی چٹانوں پر اتر آئے تھے۔ اور چٹانیں ان میں روپوش ہو کر رہ گئیں۔ اتنی گہری تاریکی چھائی جا رہی تھی کہ چند لمحات کے بعد ہاتھ کو ہاتھ بھی نہ سجھائی دے۔ ہمارے پاس روشنی کا انتظام تھا لیکن اسے محفوظ رکھا گیا۔ ضرورت نہ تھی۔ روشنی جلانے کی کیڑے مکوڑے تو یہاں پہلے بھی نہیں نظر آئے تھے۔ اس لئے یہ خطرہ بھی نہیں تھا۔ کہ زمین پر کوئی ایسی چیز نظر آ جائے گی۔ جس کی وجہ سے ہمیں جان کا خطرہ لاحق ہو جائے۔

دن گزر گیا تھا۔ چنانچہ اب بھوک بھی لگ رہی تھی قطبی کے مشورے پر سب نے اپنے اپنے کنٹوپس کے تھیلے کھولے اور تھوڑی تھوڑی سی خشک غذائیں نکال کر معدے میں اتار لیں گئیں لیکن ان کی مقدار بہت کم رکھی گئی تھی۔ یہ غالباً اس وجہ سے کہ ہم چاق و چوبند رہیں۔

رات تو پرسکون ہی گزارنی تھی۔ تاکہ دوسری صبح ہم کچھ کر سکیں اور درحقیقت رات کی پرسکون نیند نے دوسری صبح ہمیں پوری طرح چاق و چوبند کر دیا۔ سمندر کی نم ہوائوں

نے ہمارے بدن نم کر دیئے تھے، لیکن یہ نمی اس وقت بری نہیں لگ رہی تھی۔

صبح کو جب ہم جاگے تو سورج بلند ہو چکا تھا اور فضا میں دھوپ پھیلی ہوئی تھی۔ سیاہ چٹانیں بھی اس دھوپ میں چمک سی گئی تھیں۔ دور بہت دور بہت کافی دور ہمیں کوئی سرخ سی شے نظر آئی۔ یہ شے ایک بلند جگہ نظر آ رہی تھی۔ قطبی اسے دیکھنے لگا۔ اور پھر تھوڑی دیر تک دیکھتے رہنے کے بعد اس نے مجھے متوجہ کیا۔

"مسٹر بابر۔ براہ کرم دیکھئے میرا خیال ہے یہاں انسانی وجود موجود ہے۔" اس نے کہا کہ میں اس کے اشارے کی جانب دیکھنے لگا۔ وہ سرخ شے مجھے بھی نظر آ گئی تھی۔ لیکن یہ اندازہ نہیں ہو سکا تھا کہ وہ کیا ہے۔ میں نے قطبی سے پوچھا۔ تو قطبی کہنے لگا۔

"یقیناً کوئی سرخ کپڑا ہے۔ جو فضا میں لہرا رہا ہے۔"

"اوہ۔" میرے ہونٹ سکڑ گئے۔

"کیوں؟"

"تم اس سرخ کپڑے کے بارے میں کیا اندازہ لگا سکتے ہو قطبی۔"

"میں نہیں کہہ سکتا لیکن جو خیال آپ کے ذہن میں آیا ہے، مسٹر بابر، وہ میرے ذہن میں بھی آیا ہے۔"

"مثلاً۔" میں نے سوال کیا۔

"یہ کپڑا کسی ایسے سیاح کا بھی ہو سکتا ہے۔ جو یہاں تک پہنچا ہو۔ لیکن یہاں پھنس کر رہ گیا ہو۔"

"ہاں۔ یہی خیال میرے ذہن میں بھی تھا۔ اس نے ممکن ہے امداد طلب کرنے کے لئے یہ کپڑا کسی بلند جگہ باندھ دیا ہو۔"

"ہاں۔ ہو سکتا ہے۔ تو پھر کیا خیال ہے؟" قطبی نے پوچھا۔

"کیا کہا جا سکتا ہے۔ اب تو کشتی بھی ہم سے چھن چکی ہے۔"

"یقیناً لیکن زندگی کم از کم ابھی تک محفوظ ہے۔ یہاں رہ کر ہم زندگی بچانے کی کوئی ترکیب بھی سوچ سکتے ہیں اگر کشتی ہی میں پڑے رہتے تو آپ یقین کیجئے۔ بہت جلد ہماری زندگیوں کا خاتمہ ہو جاتا۔"

"میں متفق ہوں تم سے۔ اور جانتا ہوں۔ کہ تم سمندری زندگی سے بہت اچھی طرح واقف ہو۔" میں نے جواب دیا۔

"بہرحال آؤ ان لوگوں سے بھی بات کر لیں اور انہیں بھی یہ سرخ کپڑا دکھا دیں۔ ممکن ہے۔ ان میں سے اور کوئی بھی صحیح رائے دے سکے۔" قطبی نے گردن ہلا دی۔ اور تھوڑی دیر بعد ہم نے ان سب کو وہیں جمع کر لیا۔ وہ سب اس سرخ کپڑے کے بارے میں اپنی اپنی رائے دینے لگے۔ لیکن ان سب کی رائے ایک دوسرے سے اختلاف نہیں رکھتی تھی۔ سب کا یہی خیال تھا کہ کسی مصیبت زدہ انسان نے اپنی امداد کے لئے یہ سرخ کپڑا باندھا ہے۔"

"تو پھر اس کی طرف بڑھا جائے۔" قطبی نے پوچھا۔

"ظاہر ہے۔ یہاں ان چٹانوں میں زندگی تو نہیں گزاری جا سکتی اب اور کوئی سہارا تو رہ نہیں گیا۔" میں نے کہا اور سب مجھ سے متفق ہو گئے۔ ابھی تک کسی نے کوئی شکایت کا لفظ نہیں کہا تھا۔ کہتا بھی کوئی کیا۔ حالات کچھ اس طرح تبدیل ہوئے تھے کہ اس سلسلے میں کسی کو ذمہ دار ٹھہرایا نہیں جا سکتا تھا۔ سمندری موجوں نے ہمارا رُخ بدل دیا تھا۔ اور ہم اس جزیرے پر آ پڑے تھے۔ ویسے یہاں آنے کے سلسلے میں سب ہی نے اس بات کو اچھی طرح سمجھ لیا تھا۔ کہ ہماری زندگیاں خطرے میں پڑ سکتی ہیں۔ اگر واپس آ سکے تو ایک عالیشان خزانہ لے کر آئیں گے اور اگر زندگیاں ویران علاقے میں ہی ختم ہونا ہیں۔ تو پھر ہو جائیں اس کی پرواہ ابھی تک کسی کو نہ تھی۔ چنانچہ آپس میں ہم سب میں ابھی تک مکمل اتحاد و اتفاق تھا۔ اور یہ اتحاد و اتفاق ہی ہماری زندگیوں کا ضامن بن سکتا تھا۔

چنانچہ ہم صبر و سکون کے ساتھ کہیں پھسلواں اور کہیں کھردری چٹانوں پر سفر کرنے لگے۔ یہ چٹانیں کہیں کہیں سے درمیان میں رخنہ بھی رکھتی تھیں۔ جنہیں عبور کرنا مشکل نہ ہوا۔ اور یوں ہم طویل سفر طے کر کے سمندر سے فاصلے دور ہو گئے۔ اس کے بعد ہم چٹانوں کے سلسلے کے آخری حصے تک پہنچ گئے۔ جہاں سے پھر ریتلی زمین کا سفر شروع ہوتا تھا۔ جو کھردری اور کہیں کہیں چٹانوں سے بھری ہوئی تھی۔ لیکن چٹانوں کے بالکل دامن میں ہم نے جو کچھ دیکھا اسے دیکھ کر ہم ششدر رہ گئے۔

یہاں کئی ٹوٹی پھوٹی کشتیاں بکھری ہوئی تھیں۔ ان کے تختے ادھر ادھر بکھرے ہوئے تھے۔ اور ان کشتیوں کے درمیان کہیں کہیں انسانی پنجر بھی نظر آ رہے تھے۔ ہم

"اوہ۔ بڑی ہولناک کہانی ہے تمہاری۔ خاص طور سے تمہاری تنہائی۔ یقینی طور پر تنہا ان ویرانوں میں زندگی گزارنا موت سے بھی بدتر ہوگا۔ لیکن تم نے یہاں سے نکلنے کی کوئی اور کوشش نہیں کی؟"

"میں نے کہا نا، تین اطراف میں ایک سمت سمندر کی اور دوسری سمت جنگلوں کی اور ڈھیری دلدلوں کی ہر طرف موت ہی موت ہے بس اس کا منتظر تھا کہ اگر زندگی باقی ہے اور مہذب دنیا دیکھنا نصیب میں لکھا ہوا ہے تو ممکن ہے کوئی بھولا بھٹکا جہاز اس طرف آجائے۔"

"یہ بانس اور اس میں سرخ کپڑا تم ہی نے لگایا ہے؟"

"ہاں۔ یہ میری ہی کوشش تھی۔ پہلے یہ بانس اور یہ کپڑا سمندر کے کنارے لگا ہوا تھا۔ لیکن تیز ہوائیں اُسے کئی بار سمندر میں لے جا چکی ہیں۔ چنانچہ میں نے اُسے وہاں سے ہٹا کر یہاں اس جگہ لگایا ہے۔ مجھے امید نہیں تھی۔ کہ کوئی کبھی اس طرف آجائے گا۔ لیکن تم یہ بتاؤ کہ تم زندہ سلامت یہاں تک کیسے پہنچ گئے۔ یہ چٹانیں تو بہت ہولناک ہیں۔ بہت سی کشتیاں جو سمندری جہازوں سے بچ کر یہاں پہنچیں۔ ان چٹانوں سے ٹکرا کر پاش پاش ہو گئیں سمندری طوفان ان کشتیوں کو نجانے کہاں کہاں لے جاتا ہے۔ اور اس میں سوار آدمی زندہ نہیں بچتے ہیں۔"

"ہم نے چند کشتیاں ان چٹانوں کے اس طرف دیکھی ہیں یہ آخر کس طرح؟"

"تم کیا سمجھتے ہو۔ سمندر کا پانی مخصوص دنوں میں ان چٹانوں کو عبور کر لیتا ہے۔ اور اس ریتیلی زمین تک پہنچ جاتا ہے۔ کشتیاں بہ آسانی ان چٹانوں کے اوپر سے گزر کر یہاں تک آجاتی ہیں۔"

"خدا کی پناہ۔ اتنی بلندیاں؟"

"ہاں بہت دور دور تک سمندری پانی ہوتا ہے یہ جگہ جہاں تم اس وقت بیٹھے ہو۔ بعض اوقات پانی سے بھر جاتی ہے۔" اس نے جواب دیا اور ہمارے رونگٹے کھڑے ہو گئے۔ سمندری لہروں کا یہ خوفناک کارنامہ ہمارے لئے بہت تعجب خیز تھا۔ کیونکہ وہ چٹانیں بہت ہی بلند تھیں۔ بہرطور یہ شخص تو یہاں رہ چکا ہے۔ اس لئے جھوٹ نہ بول رہا ہوگا ہمیں اس سے کافی ہمدردی ہوئی۔ پھر قطبی نے کہا۔

بہرطور یہ شخص تو یہاں رہ چکا ہے۔ اس لئے جھوٹ نہ بول رہا ہوگا۔ ہمیں اس سے کافی ہمدردی محسوس ہوئی پھر قطبی نے کہا۔

"میرا خیال ہے مسٹر فرازی۔ آپ کا لباس ان صاحب کے بدن پر آسکتا ہے۔ آپ انہیں کوئی لباس دے دیں۔"

"ضرور۔" فرازی نے جواب دیا اور لباس نکالنے کے لئے چل پڑا پھر سلیمان نے اس سے سوال کیا۔

"ویسے آپ کا تعلق کہاں سے ہے؟"

"پرتگال سے۔ میرا نام ڈیگارو ہے۔" اس نے جواب دیا۔

"ہوں۔" سلیمان پُرخیال انداز میں اُسے دیکھ کر گردن ہلانے لگا۔ فرازی نے اپنا ایک لباس اُسے پیش کر دیا۔

"تم یہ لباس پہن لو۔" فرازی نے کہا۔ وہ لباس کو دیکھ کر ہنسا اور پھر کہنے لگا۔

"مجھے صرف ذیلی بدن کے لئے کوئی کپڑا درکار ہے۔ یقین کرو لباس پہننے کی عادت ہی ختم ہو گئی ہے۔"

"تو یہ پتلون پہن لو اور اوپری بدن برہنہ رہنے دو۔" فرازی نے جواب دیا اور اس نے ان کی ہدایت پر عمل کیا۔ بڑی بے تکلفی سے وہ سب کے سامنے ننگا کھڑا ہوا تھا۔ صرف ٹانگ کے زخم کی وجہ سے تھوڑی سی لنگڑاہٹ کا شکار تھا۔ ورنہ اس کے بدن میں اور کوئی کمزوری نظر نہیں آتی تھی۔ تھوڑی دیر پہلے اس کی جو کیفیت تھی۔ وہ اب دور ہو گئی تھی۔

پتلون کا پائنچہ اس کے زخم پر سے ہٹا دیا گیا تھا۔ اس نے اپنے اعضاء کو متحرک کرتے ہوئے کہا۔

"تم نے بتایا نہیں کہ تم لوگ یہاں تک کس طرح پہنچے؟"

"وہی کہانی ہماری بھی ہے جو تمہاری ہے۔ ہمارا جہاز بھی تباہ ہو گیا تھا۔ ایک بڑی سی لانچ سے ہم سمندر میں سفر کرنے لگے۔ لیکن سمندری طوفان نے ہماری لانچ کو ان علاقوں میں لا پھینکا اور وہ بہرطور ان چٹانوں تک پہنچ گئی ہم نے لانچ کافی دور چھوڑ دی اور تیر کر ان چٹانوں تک پہنچے ورنہ لانچ چٹانوں سے ٹکرا بھی سکتی تھی۔"

"سو فیصدی۔ اور اس کے بعد تمہارے اعضاء فضا میں بکھرے پڑے ہوتے۔ میں اپنی آنکھوں سے ایسے کچھ مناظر دیکھ چکا ہوں۔" ڈیگارو نے بتایا۔

"مسٹر ڈیگارو کیا آپ ہمیں ان جنگلوں تک لے جا سکتے ہیں جہاں سے آگے گزرنے کا راستہ ہے۔ دلدلوں کی سمت تو آگے سفر نہیں کیا جاسکتا۔ لیکن اب چونکہ ہم کافی تعداد میں ہیں۔ اس لئے یکجا ہو کر ان جنگلوں سے گزر سکتے ہیں۔" ڈیگارو پُرخیال نگاہوں سے دیکھتا رہا۔ پھر بولا۔

"ہاں تم لوگ کم از کم مسلح ہو اور کسی خطرے سے نمٹ سکتے ہو۔ لیکن یہ بات میری سمجھ میں نہیں آئی کہ جہاز کی تباہی کے بعد فرار ہوتے ہوئے بھی تم اچھا خاصا ایمونیشن ساتھ لے آئے ہو؟" اس نے ایک چبھتا ہوا سوال کیا۔

درحقیقت اس سوال کا ہمارے پاس کوئی موزوں جواب نہیں تھا۔ لیکن قطبی جلدی سے بولا۔

"ہم افریقہ کے اندرونی علاقوں میں ایک مہم کے لئے نکلے تھے۔ اور پوری طرح چاق و چوبند تھے۔ ہمارا پروگرام یہی تھا کہ افریقہ کے کسی ساحل پر نکلیں اور پھر وہاں سے اندرونی علاقوں میں داخل ہوں۔ ہمارے پاس اسی مقصد کے لئے یہ ایمونیشن موجود تھا جو ہم نے جان بچاتے ہوئے بھی جان سے زیادہ قیمتی رکھا اور اُسے لئے ہوئے ہی لانچ پر اتر گئے۔" ڈیگارو عجیب سی نگاہوں سے ہمیں دیکھتا رہا۔ صاف ظاہر تھا کہ اُسے ہماری بات پر یقین نہیں آیا۔ پھر اس نے ایک ٹھنڈی سانس لے کر کہا۔

"ظاہر ہے کہ افریقہ میں داخل ہونے کی وجہ یہاں کی روایات ہی ہوں گی۔ مجھے اس سے کوئی غرض نہیں ہے ہاں اگر تم لوگ میرا بوجھ برداشت کرنا پسند کرو۔ تو میں تمہیں ان جنگلوں کی سمت لے جاؤں گا۔ اور اگر تم زندہ بچ کر نکل گئے تو شاید میری بھی جان بچ جائے۔ ورنہ میں تو یہاں ان چٹانوں میں، پہاڑوں میں موت کا انتظار کر رہا تھا؟"

"بالکل بے فکر رہو۔ ہم تمہارا پورا پورا خیال رکھیں گے۔" میں نے کہا اور وہ مطمئن نظر آنے لگا۔ پھر بولا۔

"تمہارا بہت بہت شکریہ۔ کتنے عرصے کے بعد میں نے اپنے جیسے انسانوں کو دیکھا ہے۔ کیسی عجیب بات ہے ورنہ یقین کرو۔ میں تو اپنی زبان بھی بھولتا جا رہا تھا۔" ہمیں اس کی کیفیت کا احساس تھا بہرطور ہم نے اُسے سونے کے لئے کہا اور پھر ہم خود بھی لیٹ گئے۔ اس شخص کے مل جانے سے وہ مسئلہ حل ہو گیا تھا۔ جو ہمارے ذہن میں کھٹک رہا تھا۔ لیکن اس کے بعد یہ بھی معلوم ہوا تھا کہ یہاں سے افریقہ کے اندرونی علاقوں میں داخلہ بہت ہی مشکل ہے۔ تاہم مشکلات سے نمٹنے کے لئے ہی تو ہم نے یہ سفر کیا تھا۔

سب لوگ نیم غنودہ ہو گئے تھے لیکن سلمان جاگ رہا تھا۔ دوسرے وہ جوان تھا۔ اب ڈلاس سنبھال لیتی ہو تو کر جہاں اس آدمی کی موجودگی اور اس کی سنائی ہوئی کہانی کے بعد پہرے کی ضرورت نہیں تھی لیکن یہ بات پہلے ہی طے ہو چکی تھی کہ پہرہ دیا جائے گا اس لئے پہلے دو مزدوروں کی ڈیوٹی ختم ہونے کے بعد دوسرے دو مزدوروں نے خود ہی اپنی ڈیوٹی سنبھال لی تھی۔

سلمان کھسکتا ہوا بالکل میرے نزدیک پہنچ گیا اور بولا۔

"میں محسوس کر رہا ہوں چچا جان کہ آپ جاگ رہے ہیں۔" اس نے آہستہ سے کہا۔

"ہاں۔ ظاہر ہے ان حالات میں پرسکون نیند تو مشکل ہی سے آ سکتی ہے یا پھر اس وقت جب ہم تھکن سے چور ہو گئے ہوں۔"

"اس میں کوئی شک نہیں ہے۔" سلمان نے جواب دیا۔

"خود تمہاری کیا کیفیت ہے؟" میں نے پوچھا

"چچا جان میں بہت مطمئن ہوں، کوئی الجھن یا پریشانی کی بات نہیں، ویسے ایک بات عرض کروں آپ سے؟" سلمان بولا۔

"ہاں، ہاں کہو۔"

"یہ شخص مجھے مشکوک نظر آتا ہے۔" اس نے آہستہ سے کہا۔

"کون؟" میں نے چونک کر پوچھا۔

"یہی ڈیگارو۔"

"کیوں؟"

"اس کی وہ کیفیت نہیں ہے جو ہونی چاہئے آپ کیا سمجھتے ہیں۔ اگر خوراک بھی ملتی رہے تو کیا اس ویرانے میں ذہنی قوتیں بحال رہ سکتی ہیں۔ آدمی تنہائی سے پاگل ہو جائے۔ لیکن یہ شخص ہوش و حواس میں ہے۔"

"ممکن ہے وہ بہت زیادہ مضبوط قوت ارادی کا مالک ہو۔ ممکن ہے وہ اپنے آپ پر قابو پا جاتا ہو۔" میں نے کہا۔

"ٹھیک ہے۔ میں اس بات کو تسلیم کرتا ہوں کہ کچھ لوگ زبردست قوت ارادی کو قائم رکھتے ہیں بے حد مشکل ہے۔ تاہم جب تک یہ ہمارے لئے خطرناک ثابت نہ ہو، ہم بلاوجہ اس کے چکر میں کیوں پڑیں۔" سلمان نے خود ہی بات ختم کر دی۔

"خدا جانے کس طرح ثابت ہوگا۔ سلمان! ایک تن تنہا آدمی ہمارا کیا بگاڑ سکتا ہے؟" میں نے کہا اور سلمان نے کوئی جواب نہیں دیا۔ وہ خاموشی سے لیٹا ہوا آسمان کو گھورتا رہا۔

"اس کے علاوہ اگر تمہارے ذہن میں کوئی بات ہے تو مجھے بتاؤ۔" میں نے اسے مخاطب کیا۔ لیکن اس نے کروٹ بدل لی تھی۔ اس نے مجھے کوئی جواب نہ دیا تو میں بھی خاموش ہو گیا۔ بہر طور وہ نوجوان تھا۔ اس کے ذہن میں بہت ساری باتیں آ سکتی تھیں۔ ٹھیک بھی تھا جو کچھ اس نے سوچا تھا۔ ایک طرح سے مناسب تھا۔ لیکن بظاہر مجھے کوئی ایسی بات نظر نہیں آ رہی تھی۔ میں بھی سو گیا۔

اور دوسری صبح جب ہم جاگے تو سورج ہمارے سروں پر چڑھ چکا تھا۔ کافی دیر ہو گئی تھی۔ ڈیگارو بھی جاگ رہا تھا اور ایک چٹان سے ٹیک لگائے بیٹھا، خلاؤں میں گھور رہا تھا۔ ہم سب اپنے معمولات میں مصروف ہو گئے۔ میں نے اس سے خیریت پوچھی تو وہ مسکرا کر بولا۔

"تمہارا بہت بہت شکریہ۔ میں بالکل ٹھیک ہوں۔" وہ آہستہ سے بولا۔

"سفر کے لئے تیار ہو؟" میں نے سوال کیا۔

"ہاں۔ میں ایک مضبوط آدمی ہوں۔ خاص طور سے ان چٹانوں کے درمیان زندگی بسر کرتے کرتے تکلیف کا احساس میرے ذہن سے نکل چکا ہے۔ اگر تم لوگ تھوڑی سی حمایت کرو، تو بیساکھی قسم کی چیز مجھے دے دو۔ تاکہ میں اس کے سہارے چل سکوں۔"

"اگر تمہیں کوئی دقت ہے چلنے میں تو ہم تمہیں ایک اسٹریچر پر ڈال لیں گے۔ ہمارے پاس اس کا بندوبست بھی موجود ہے۔"

"ارے نہیں نہیں اب میں اتنا نکما بھی نہیں ہوں۔" اس نے ہنستے ہوئے کہا۔ شکل و صورت سے وہ خاصا وحشی نظر آتا تھا۔ لیکن اس کا انداز گفتگو خاصا نرم تھا۔ اس کے وحشی نظر آنے کی وجہ یہ بھی ہو سکتی تھی کہ وہ ایک طویل عرصہ ان چٹانوں میں زندگی گزار رہا تھا۔ اور اس کے اندر سے انسانی صفات ختم ہو گئی تھیں۔ لیکن اپنے جیسے انسانوں کے درمیان آ کر اس نے پھر سے اپنی یاد داشتیں بحال کر لی تھیں۔ ہلکا پھلکا سا ناشتہ ہوا اور اس کے بعد سفر شروع ہو گیا۔ ڈیگارو کو علی نے سہارا دیا ہوا تھا۔ ویسے اسے ایک بیساکھی بھی مہیا کر دی گئی تھی۔ لیکن وہ بڑے اطمینان سے سینہ تانے چل رہا تھا۔

بیساکھی سے چلتے ہوئے ایک ہلکی سی لنگڑاہٹ اس کے اندر پیدا ہو گئی تھی۔ لیکن اس کی چال میں کسی قسم کی کمزوری یا تھکن کے آثار نہیں تھے اور وہ ہماری ہی رفتار سے ہمارا ساتھ دے رہا تھا۔

سفر جاری رہا۔ راستے میں ڈیگارو نے بتایا کہ یہ جگہ بلندی پر ہے۔ لیکن یہ بلندی کچھ اس طرح کی ہے کہ محسوس نہیں ہوتی۔ یوں لگتا ہے کہ سیدھا راستہ دور تک چلا گیا ہے لیکن تھوڑی دور جانے کے بعد ڈھلان شروع ہو جاتے ہیں اور ان ڈھلانوں میں ہی دلدلیں اور جنگل بکھرے ہوئے ہیں۔

سورج کے ساتھ ساتھ ہمارا سفر جاری رہا ہم میں سے کوئی بھی یہ سفر ختم کرنے کے لئے تیار نہ تھا جب تک کہ شام نہ ہو جائے اور یہی ہوا بھی۔

سفر کی رفتار زیادہ تیز نہیں تھی لیکن ہم اتنی دور نکل آئے تھے۔ کہ اب سمندر کا نام و نشان بھی نہیں معلوم ہوتا تھا۔ کوئی آواز بھی ہمارے کانوں تک نہیں پہنچ رہی تھی۔ غالباً ہم نے آٹھ یا دس میل کا فاصلہ طے کر لیا تھا۔ پھر جس وقت شام ہوئی تو ہم نے ان بلندیوں کے ڈھلان دیکھے۔

یہ ڈھلان ناقابل عبور نہیں تھے اور ان کی دوسری جانب جنگل پھیلا ہوا نظر آ رہا تھا۔ بائیں سمت کافی دور ہٹنے کے بعد سپاٹ سے میدان تھے۔ جہاں ہلکا ہلکا دھواں اٹھ رہا تھا۔

یقیناً یہ دلدلیں تھیں اور دھواں چھوڑتی ہوئی دلدلیں جس قدر خوفناک ہوتی ہیں، ان کا تصور بھی انسان کے لئے بہت مشکل ہے۔ ان دلدلوں کے نیچے آتش فشاں ہوتے ہیں اور بعض جگہ یہ اس قدر کھولتی ہوئی ہوتی ہیں۔ کہ کوئی بھی جاندار اگر اس میں گر پڑے تو جھلس کر رہ جائے۔ بہرطور ہمیں دلدلوں کا رخ اختیار کرنے کی ضرورت کیا تھی۔

جنگل گھنے ضرور تھے۔ لیکن ہماری تعداد اتنی تھی کہ ان گھنے جنگلوں میں ہم اپنے بچاؤ کا انتظام کرتے ہوئے سفر کر سکتے تھے۔ چنانچہ یہ سفر ہمیں مشکل نہ محسوس ہوا۔ البتہ ہم نے یہ فیصلہ کر لیا کہ رات کو ہم یہیں قیام کریں گے اور کل دن کی روشنی میں ان ڈھلانوں کو عبور کر کے جنگلوں میں داخل ہوں گے چنانچہ بہتر جگہ کا انتخاب ہونے لگا۔

یہاں دور دور تک ویسی ہی چٹانیں بکھری ہوئی تھیں۔ جیسی ہم پیچھے چھوڑ آئے تھے۔ ان چٹانوں میں زیادہ غار تو نظر نہیں آ رہے تھے۔ لیکن بہرصورت کہیں کہیں کھوکھلی جگہیں محسوس ہوتی تھیں۔

ہم نے ایک مسطح سا گول میدان منتخب کر لیا اور اس میں پڑاؤ ڈال دیا۔ آج ہمارے پاس جلانے کے لئے کوئی چیز نہیں تھی۔ لیکن اس کی ضرورت بھی محسوس نہیں ہوتی تھی۔ البتہ یہ احساس دل میں ضرور تھا کہ جنگل کی سمت سے جنگلی جانور اس طرف آ سکتے ہیں۔ ڈیگارو سے اس سلسلے میں سوال کیا گیا۔ تو اس نے گردن ہلاتے ہوئے کہا۔

"اس جنگل میں درندے موجود ہیں۔ لیکن وہ ان ڈھلانوں کو عبور کر کے کبھی چٹانوں تک نہیں آتے۔ آج تک میں نے کسی بھی درندے کو اوپر آتے نہیں دیکھا۔"

"اس کی وجہ؟"

"خدا جانے، میں نہیں کہہ سکتا۔ لیکن کوئی درندہ جنگل کو عبور کر کے اوپر تک نہیں آیا۔ غالباً اس کی وجہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ یہاں اسے کسی جاندار کی موجودگی کا شبہ بھی نہیں ہو سکتا۔" ڈیگارو نے جواب دیا۔

"شاید یہی بات تمہیں بھی محفوظ رکھے ہوئے ہے۔" میں نے مسکراتے ہوئے کہا اور ڈیگارو بھی مسکرانے لگا۔

"پتہ نہیں کون سی بات مجھے محفوظ رکھے ہوئے ہے۔" اس نے آہستہ سے کہا۔

ہم لوگ آرام کرنے لگے۔ پہرے پر موجود دونوں مزدور مستعد تھے۔ حسب معمول یہی طے کیا گیا تھا کہ دو گھنٹے کے بعد ان کی ڈیوٹی بدل جائے گی۔ پھر وہ رات کا نجانے کون سا پہر تھا۔ جب ایک تیز چیخ فضا میں لہرائی۔ اور میری آنکھ کھل گئی۔

آخری رات کا چاند آسمان پر کھلا ہوا تھا اور اس کی مدھم روشنی نے ماحول کو منور کر رکھا تھا۔ چند لمحات تو چیخ کی وجہ میری سمجھ میں نہ آ سکی۔ لیکن اس کے بعد یہ احساس بھی میرے ذہن سے زائل نہ ہوا۔ کہ میں نے کوئی آواز سنی ہے۔ دونوں کہنیاں زمین پر ٹکا کر میں نے ادھر ادھر نگاہیں دوڑائیں، لیکن ماحول میں کوئی تبدیلی مجھے نظر نہ آئی۔ سب سو رہے تھے۔ ممکن ہے۔ یہ میری سماعت کا واہمہ ہو۔ میں نے سوچا اور کروٹ بدل کر لیٹ گیا۔

لیکن لیٹے ہوئے ابھی زیادہ دیر نہیں گزری تھی۔ اور دوبارہ ذہن نیند کی آغوش میں پہنچا بھی نہیں تھا۔ کہ دفعتاً بہت سے قدموں کی آوازیں سنائی دیں۔ اور پھر عجیب وحشیانہ سی چیخیں ابھرنے لگیں۔ اب شک و شبہ کی کوئی گنجائش نہیں تھی۔ میں اچھل   گیا۔ لیکن اس وقت

میری گدی سے ایک ٹھنڈی سی چیز آ لگی۔ میں نے وحشت زدہ انداز میں پلٹ کر دیکھا اور جو کچھ دیکھا اسے دیکھ کر ششدر رہ گیا۔ ڈیگارو تھا جس کی بغل میں اس وقت بیساکھی نہیں تھی۔ وہ بڑے اطمینان سے تنا ہوا کھڑا تھا۔ یوں لگتا تھا جیسے اس کی ٹانگ کا زخم اچانک ٹھیک ہو گیا ہے۔ اس کے ہاتھ میں دبی ہوئی رائفل کی نال میری گردن پر ٹکی ہوئی تھی۔

میں نے ہوش و حواس قائم کرنے کی کوشش کی۔ یہ منظر ناقابلِ یقین تھا۔ لیکن اطراف میں دوسرے ناقابلِ یقین منظر بھی بکھرے ہوئے تھے۔

وہ تقریباً بارہ تیرہ افراد تھے، جو ڈیگارو ہی کی طرح بالکل تنہا تھے۔ اور ان کے ہاتھوں میں رائفل دبی ہوئی تھیں۔ سب کے سب سوتے ہوئے لوگوں پر رائفلیں تانے ہوئے تھے اور سونے والے غالباً ان کی ٹھوکروں سے آہستہ آہستہ جاگ رہے تھے۔ در حقیقت یہ منظر خواب سا محسوس ہوتا تھا۔ یہاں ان لوگوں کی موجودگی کیسے ممکن تھی۔ اس ویرانے میں ڈیگارو کے سوا کوئی نہیں تھا۔ میں نے غور سے دیکھا تو وہ مجھے ڈیگارو ہی کی نسل کے آدمی معلوم ہوئے۔ میرے عین سامنے جو شخص رائفل تانے کھڑا ہوا تھا، اسے دیکھ کر ایک لمحے کے لئے میری پلکیں جھپک گئیں۔

یہ کوئی عورت تھی۔ لباس سے بے نیاز، اپنے آپ سے بے نیاز وحشت خیزی کا جیتا جاگتا نمونہ۔ بڑے عجیب سے انداز میں وہ کھڑی ہوئی تھی جسے دیکھ کر ذہن پر قابو پانا خاصا مشکل ہو جائے۔ لیکن اسے اپنی کوئی فکر نہیں تھی، وہ تو رائفل کی نال سے فرازی کے سینے کو کھٹکھٹا رہی تھی۔ فرازی بھی خوفزدہ سا ہو کر اٹھ کر بیٹھ گیا۔

پھر منزوور بھی ان کی رائفلوں کا نشانہ بنے ہوئے تھے اور وہ دو، جو پہرہ دے رہے تھے بے ہوش پڑے ہوئے تھے۔ یقیناً ان پر حملہ کر کے انہیں یا تو ہلاک یا پھر بے ہوش کر دیا گیا تھا۔ اوہ، وہ چیخ کی آواز ممکن ہے ان ہی میں سے کسی کی ہو۔ اور یہ رائفلیں، یہ ہمارے علاوہ کسی اور کی نہیں تھیں۔ ہمارے پستول بھی ان لوگوں نے اپنے قبضے میں کر لئے تھے۔ گویا وہ ہم سب پر قابو پا چکے تھے۔ لیکن کیسے؟ آخر کیسے؟ اس ناقابلِ یقین منظر پر کیسے یقین کیا جا سکتا تھا۔ تنہا ڈیگارو، اور پھر اس کی کہانی اور اس کے بعد یہ سب کے سب۔

ہوش و حواس پوری طرح جاگ اُٹھے تھے۔ میں نے دیکھا کہ ان میں کافی تعداد عورتوں کی بھی تھی۔ تقریباً دس گیارہ مرد تھے اور سات آٹھ عورتیں۔ مرد ان چٹانوں کے پیچھے سے نکل کر آگے آ گئے تھے۔ لیکن اب بھی منظر پر یقین کرنے کو جی نہیں چاہتا تھا۔

"کھڑے ہو جاؤ دوست، کھڑے ہو جاؤ۔" ڈیگارو کی آواز ابھری اس نے میری گردن پر بندوق سے ٹھوکا دیا تھا۔ میں نے دونوں ہاتھ زمین پر ٹکائے اور کھڑا ہو گیا۔

ڈیگارو ایک قدم پیچھے ہٹ گیا تھا۔ اس کے ہونٹوں پر شیطانی مسکراہٹ بکھری ہوئی تھی۔

"یہ سب کیا ہے؟ اس کے بارے میں تمہیں تفصیل خود بخود معلوم ہو جائے گی۔ بہتر یہ ہے کہ اپنے ساتھیوں کو حکم دو کہ اگر زندگی کھونا نہ چاہیں تو کوئی جدوجہد کرنے کی کوشش نہ کریں۔" میں خشک ہونٹوں پر زبان پھیر کر رہ گیا تھا۔ ڈیگارو کی بات سب ہی نے سن لی تھی۔ اور مجھے اسے دہرانے کی ضرورت نہیں تھی۔ سب ہی میری طرح حیرت کا شکار تھے۔ یہاں تک کہ اس وقت سلمان بھی متحیر نظر آ رہا تھا۔ ہر چند کہ اس کے چہرے پر خوف کا شائبہ تک نہ تھا۔ لیکن حیرت تو بہرحال اسے بھی تھی۔ جب ان لوگوں نے پوری طرح سے ہم پر قابو پا لیا تو انہوں نے دوسرا عمل کیا۔

یعنی رسیوں کے وہ ٹکڑے جو ہمارے پاس موجود تھے لے کر ہمارے ہاتھ پشت پر کس دئے گئے۔ ہاتھوں کی بندشیں اتنی سخت اور وحشیانہ سی تھیں کہ ہم جنبش بھی نہ کر سکتے اور ہمیں ہاتھوں کی ہڈیاں ٹوٹتی ہوئی محسوس ہونے لگیں۔ ان کے پاس لمبے لمبے خنجر تھے جن سے انہوں نے رسیاں کاٹ لیں اور اس طرح ہم سب کو قید کر دیا گیا۔ وہ ان دونوں منزووروں کو بھی گھسیٹ کر اس جگہ لے آئے تھے جو تھوڑے فاصلے پر بے ہوش پڑے ہوئے تھے۔ ان کے سر زخمی تھے، جس سے اندازہ ہوتا تھا کہ ان کے سروں کی پشت پر کوئی وزنی شے مار کر انہیں بے ہوش کیا گیا ہے۔ بہر طور ہم سب کسی آفت کا شکار ہو چکے تھے۔ اور یہ آفت کس طرح سمجھ میں نہیں آئی تھی۔ اس کا کوئی سرا ذہن میں آ ہی نہیں رہا تھا۔

ڈیگارو کی کہانی تو بڑی دلدوز تھی۔ لیکن یہ اس کے ساتھی کہاں سے آ گئے۔ اس کا مقصد تھا کہ وہ جھوٹ

بول رہا تھا۔ لیکن اس علاقے میں یہ مہذب وحشی کہاں سے آ گئے۔ ننگ دھڑنگ مرد اور ننگ دھڑنگ عورتوں کو دیکھ کر یقین نہیں آتا تھا۔ اگر ڈیگارو نے باقاعدہ انگریزی زبان میں گفتگو نہ کی ہوتی تو مجھے یہ یقین نہ آتا کہ ان کا تعلق کسی طور مہذب دنیا سے ہے۔ ممکن ہے اس کے دوسرے ساتھی بھی انگریزی زبان سے واقف ہوں۔ لیکن یہ کون تھے آخر یہ کون تھے؟

میں سوچ رہا تھا۔ ان سب نے ہمیں ایک جگہ بٹھا دیا۔ اور ہمارے گرد رائفلیں لئے ہوئے پہرہ دیتے رہے۔ سلمان میرے قریب تھا۔ میں نے اس کے چہرے کی طرف غور سے دیکھا اب اس کے چہرے پر حیرت کے نقوش نہیں تھے۔ وہ مسکرا رہا تھا۔

"تم مسکرا رہے ہو سلمان؟" میں نے متحیرانہ انداز میں کہا۔

"ہاں چچا جان۔" سلمان بدستور اطمینان بھرے لہجے میں بولا۔

"کیوں آخر کیوں؟" میں نے متعجب انداز میں پوچھا۔

"میں نے آپ سے کہا تھا ناکہ مجھے یہ شخص مشکوک نظر آتا ہے۔" سلمان نے کہا۔

"ہاں تم نے کہا تھا۔" میں نے اعتراف کیا۔

"بس چچا جان مجھے یقین نہیں آ رہا تھا۔ اس کی کہانی پر، یا پھر آپ یوں سمجھ لیں کہ وہ قوتیں جو میری رہنمائی کر رہی تھیں، مجھے بار بار ہوشیار کر رہی تھیں کہ اس شخص سے ہوشیار رہو لیکن آپ سے انحراف بھی نہیں کر سکتا تھا۔"

میں نے کوئی جواب نہ دیا۔ میں یہ بھی نہ کہہ سکا کہ سلمان، اگر اس قسم کے شک و شبہات کا شکار تھا تو وہ مجھ سے اس کا اظہار ہی نہ کرتا۔ بلکہ اس سلسلے میں کوئی عمل کر لیتا۔ ممکن تھا کہ سلمان کے اس عمل کو ہم کوئی احمقانہ اقدام تصور کرتے۔

رات زیادہ باقی نہ تھی، تھوڑی ہی دیر کے بعد دن کی روشنی نمودار ہونے لگی۔ روشنی کی کرنیں نمودار ہوئیں تو ماحول ایک دم جاگ پڑا۔

وحشی عورتوں کے بال لمبے لمبے تھے۔ اور ان کی کمر تک پہنچ رہے تھے باقی بدن پر لباس نام کی ایک دھجی بھی نہیں تھی۔ ان کے جسم گرد آلود تھے، وہ اس طرح آزادانہ طور پر چل پھر رہی تھیں۔ جیسے انہیں احساس ہی نہ ہو کہ وہ عورت ہیں۔ ان کے چہروں پر بھی وحشت برس رہی تھی دن کی روشنی میں یہ چہرے کچھ اور وحشیانہ محسوس ہونے لگے تھے۔ پھر ڈیگارو نے آگے بڑھ کر کہا۔

"اٹھو، تمہیں ڈھلانوں کا سفر کرنا ہے۔"

"جو کچھ تم کہو گے ہم اس سے انحراف نہیں کریں گے ڈیگارو لیکن ہم نے تمہارے ساتھ بہتر سلوک کیا تھا، کیا اس کے عوض تم اپنے بارے میں ہمیں تفصیل بھی نہیں بتاؤ گے؟"

"بہت بے چین ہو تفصیل جاننے کے لئے۔ تھوڑا سا سفر طے کر لو اس کے بعد تمہیں تمام تفصیلات پتہ چل جائیں گی۔" ڈیگارو نے ہنستے ہوئے کہا، اور رائفل سے ہمیں اشارہ کیا۔

اس کے سوا کوئی چارہ کار نہیں تھا کہ ہم نیچے کی طرف سفر کریں۔ ان سب نے ہمارا سامان اٹھا لیا تھا، ہمیں ایک ہی جگہ رکھ لیا گیا تھا اور وہ سب ہمارے گرد گھیرا ڈالے چل رہے تھے یوں ہم ان ڈھلانوں پر سفر کرنے لگے۔ جن کے بارے میں ہم نے سوچا تھا کہ دن کی روشنی میں انہیں عبور کریں گے، اور پھر جنگلوں میں داخل ہوں گے۔

ڈھلانوں کو عبور کرنے میں کوئی زیادہ دقت پیش نہیں آئی وہ ایسے تھے کہ ان پر قدم جما کر چلا جا سکتا تھا۔ اور ہم چلتے رہے۔ یہاں تک کہ ہم ان کے اختتام تک جا پہنچے۔

یہ ڈھلان کہیں کہیں کٹاؤ کی شکل میں بھی تھے۔ ایسے ہی ایک کٹاؤ کے سامنے ہم نے ایک بہت بڑا سا چوکور سوراخ دیکھا، جو یقیناً انسانی ہاتھوں سے تراشا گیا تھا۔

اس سوراخ کے سامنے ڈیگارو نے ہمیں رکنے کا اشارہ کیا اور ہم رک گئے۔ ڈیگارو مسکرا کر اندر کی جانب اشارہ کرتے ہوئے بولا۔

"یہ ہماری پناہ گاہ ہے۔ اس سوراخ کے دوسری طرف ایک کشادہ غار ہے اور ہم لوگ اسی غار میں محفوظ رہتے ہیں۔ تم لوگ بیٹھ جاؤ، چونکہ غار میں تمہارے لئے گنجائش نہیں نکل سکے گی۔" اس نے کہا اور ہمیں وہیں چھوٹی چھوٹی چٹانوں کے پاس بٹھا دیا گیا۔ پھر ان میں سے کچھ لوگ غار میں داخل ہوئے اور لمبے لمبے کھونٹے نکال لائے۔ جو لوہے کے بنے ہوئے تھے۔ انہوں نے یہ کھونٹے زمین میں گاڑ دیے۔ ان لوگوں کے پاس اس قسم کا خاصا سازوسامان معلوم ہوتا تھا۔

کھونٹے گاڑنے کے بعد انہوں نے ہمارے ہاتھوں میں بندھی ہوئی رسیاں ان کھونٹوں سے باندھ دیں۔ گویا ہم جانوروں کی طرح باندھ دیے گئے تھے۔

کوئی ضرورت نہیں تھی، ہم سمندر کے راستے فرار نہیں ہو سکتے تھے کیونکہ اس طرف سمندری جہاز کبھی نہیں آتے، ہم جنگلوں کی سمت جا نہیں سکتے تھے کیونکہ اس طرف بھی ہمیں راستہ نہیں ملتا۔ اور دلدل تو ویسے ہی ہماری زندگی کی خواہاں تھی۔ جب ہم ایسی وحشیانہ زندگی بسر کرنے کے مجبور ہو گئے تھے تو پھر ہم انسانی اقدار کے پابند کیوں رہتے۔ ہمارے ہاں ہر عورت سب کی عورت ہے۔ ہر مرد ہر عورت کا مرد ہے۔ یہ عورتیں بچے جنتی ہیں، بچے بڑے ہو جاتے ہیں لیکن وہ کسی کی ملکیت نہیں ہوتے، ہاں وہ ضرور ہمیں پوری کی جاتی ہیں جوان ہونے تک ہوتی ہیں اور اس طرح ہم یہاں زندگی بسر کر رہے ہیں۔ خوراک کے لئے ہم بہت زیادہ پریشان تھے، چنانچہ جب ہم نے اپنے کاندھوں سے انسانی اقدار کا جھولا اتار کر پھینکا تو پھر کچھ اور تبدیلیاں بھی ہم نے اپنے اندر پیدا کیں۔

مثلاً سب سے پہلی کارروائی ان تین سیاہ فام وحشیوں کی تھی جو جنگلوں سے بھاگ کر یہاں پناہ گزین ہو گئے تھے، ہم نے سب سے پہلے سیاہ فاموں کا گوشت کھایا اور ہمیں اپنے بدن میں ایک انوکھی توانائی محسوس ہوئی اور اس کے بعد سے ہمیں انسانی گوشت اور گوشت کا چسکا لگ گیا۔ چنانچہ اکثر یوں ہوتا ہے کہ کبھی کبھی سیاہ فام وحشی بھٹک کر یہاں آنکلتے ہیں اور ہم بڑی چالاکی سے ان کا شکار کرتے ہیں یوں ہمارے لئے بہترین غذا مہیا ہو جاتی ہے۔ ہماری تعداد یہاں زیادہ نہیں رہی، زیادہ سے زیادہ چالیس یا پینتالیس افراد ہوں گے جن میں تقریباً سترہ عورتیں ہیں اور باقی مرد۔ ہاں بچے بھی ہیں ہمارے تربیت جو بڑے جوان ہو کر ہماری جگہ لیں گے، ہمیں یہ یقین ہے کہ ہم میں سے کوئی بھی یہاں سے باہر نہیں نکل سکے گا اور ایک دن شاید اس قبیلے کا آخری فرد بھی ختم ہو جائے یا پھر یہ بھی ممکن ہے کہ بچے پیدا ہونے کی تعداد زیادہ ہو جائے اور یہ قبیلہ پروان چڑھتا جائے۔

بہر طور ہم میں سے اب اتنے ہی افراد باقی رہ گئے ہیں، جب ہم میں سے کوئی مر جاتا ہے تو ہم اس کی لاش ضائع نہیں کرتے بلکہ کھا جاتے ہیں، اور اکثر سمندر کے راستے سے بھی کبھی کبھی بھولے بھٹکے لوگ اس طرف آنکلتے ہیں، جنھیں ہم اپنے لئے تحفہ سمجھتے ہیں۔ سمندر کی مچھلیاں بھی ان گڑھوں میں آکر آباد ہو جاتی ہیں اور ہمارے لئے غذا بن جاتی ہیں۔ اس طرح اب ہمیں غذائی قلت نہیں ہے، لیکن انسانی گوشت ہمارے لئے مرغوب ترین ہے، اور ہم اس کے لئے دعائیں مانگتے رہتے ہیں۔" ڈیگارو کے ہونٹوں پر بھیانک مسکراہٹ پھیلی ہوئی تھی اور میرے رگ و پے میں بجلیاں سی اتر رہی تھیں۔

"ہم آدم خوروں کے جال میں پھنس گئے تھے، یہ وحشی آدم خور جو مہذب دنیا سے تعلق رکھتے تھے، بلاشبہ ان سیاہ فاموں سے زیادہ خوفناک ثابت ہو رہے تھے جو جنگلوں میں آباد ہوتے ہیں اور جنھیں ذہنی طور پر شکست دی جا سکتی ہے۔"

میں سہمی ہوئی نگاہوں سے ڈیگارو کی شکل دیکھتا رہا۔ وہ میری کیفیت سے لطف اندوز ہو رہا تھا پھر میں نے اس سے کہا۔

"ڈیگارو، تم نے یہ سرخ کپڑا کیوں باندھ رکھا ہے۔ یہ یہاں۔۔۔"

"جہازوں کے لئے نہیں، جہازوں کے لئے اگر یہ نشان باندھا جاتا تو وہ ساحل پر ہوتا۔ یہ تو ان لوگوں کے لئے ہے جو بھٹک کر اس طرف نکل آتے ہیں اور سرخ کپڑا دیکھ کر اس طرف چل پڑتے ہیں۔ اس طرح ہم لوگوں کو شکار کرنے کے لئے طویل سفر نہیں کرنا پڑتا، چٹانوں کا سفر بے حد دشوار کن ہے، اس کا اندازہ تمہیں خود بھی ہو چکا ہو گا۔" ڈیگارو نے جواب دیا، وہ مدھم لہجے میں گفتگو کر رہا تھا اور شاید ہی اس کے الفاظ کسی اور کے کانوں تک پہنچ رہے ہوں۔

میں نے سوچا کہ یہ بھی اچھا ہی ہے، کم از کم دوسرے لوگ اس ہیبت کا شکار نہیں ہوں گے، کیونکہ خوف کا شکار ہونے کے بعد تمام سوچیں ختم ہو جاتی ہیں اور میں کسی بھی طور پر بے بسی کی موت قبول نہیں کر سکتا تھا اور آخری دم تک جدوجہد جاری رکھنے کا خواہش مند تھا ہر چند کہ میرے قویٰ اس قدر طاقتور اور اعلیٰ کارکردگی کے مالک نہیں رہے تھے جس طرح کہ کبھی تھے لیکن اس کے باوجود زندگی چونکہ نہایت فراغت سے گزاری تھی اس لئے میرے بدن میں کافی طاقت تھی۔

چند لمحات سوچتے رہنے کے بعد میں نے پھر ڈیگارو کو مخاطب کیا۔

"تمہارے پاس آتشیں اسلحہ نہیں ہے؟"

"تمہاری آمد سے ہماری ایک بہت بڑی مشکل حل ہو گئی ہے، ہم میں سے بیشتر لوگ آتشیں اسلحہ کا استعمال جانتے ہیں۔ ہر چند کہ اتنا وقت ہو چکا ہے کہ اب وہ استعمال ہمارے ذہن میں نہیں رہا، لیکن جو نہیں جانتے، انہیں تربیت دی جا سکتی ہے، تم جیسا کوئی گروہ آج تک ہمارے ہاتھ نہیں لگ سکا، جن کے پاس اتنے ہتھیار موجود ہوں، لیکن اب یہ تمہارے ہتھیار ہمارے کام آئیں گے۔" اس نے جواب دیا اور میں گردن ہلانے لگا۔ پھر میں نے کہا۔

"ڈیگارو، ہم بہت بھوکے ہیں، کیا تم ہمیں کھانے کے لئے کچھ نہیں دے سکتے۔۔؟"

"سورج ڈھل جانے کے بعد تمہاری خوراک تمہارے لئے محفوظ رکھی ہوئی ہے، فکر مت کرو، ہمیں ان چیزوں سے اب زیادہ دلچسپی نہیں رہی ہے، یہ چیزیں ہمیں پھیکی اور بے مزہ معلوم ہوتی ہیں، بکری کا گوشت یا مچھلیاں اور انسانی گوشت جس قدر لذیذ ہوتا ہے کوئی دوسری چیز نہیں ہوتی، اچھا اب میں چلتا ہوں۔" ڈیگارو اپنی جگہ سے

اٹھ گیا اور آگے بڑھ کر اس غار میں داخل ہو گیا۔

میرا سر چکرا رہا تھا۔ اگر ہم میں سے دو چار آدمی بھی ان لوگوں کا شکار ہو گئے تو باقی لوگوں میں بد دلی پھیل جائے گی۔ کیا کرنا چاہئے مجھے، میں سوچ رہا تھا، لیکن بظاہر کوئی ترکیب نظر نہیں آ رہی تھی۔ ہمارے پاس جو ہتھیار تھے وہ ان کے قبضے میں تھے اور بہر طور ان میں سے چند افراد ہتھیاروں کا استعمال جانتے تھے، چنانچہ اگر ہم نے کسی طرح ان بندشوں سے نجات حاصل کر بھی لی تو وہ ہمیں بھون کر رکھ دیں گے۔ چنانچہ کوئی ایسی ترکیب ہونی چاہئے جو ہمارے لئے کارآمد ہو سکے۔ میری نگاہیں سلمان کے چہرے پر جم گئی تھیں اور اچانک ہی میرے ذہن میں ایک خیال ابھرا۔

"سلمان۔" میں نے ہلکے سے آواز دی، اور سلمان چونک کر مجھے دیکھنے لگا۔

"تم اندازہ کر چکے ہو سلمان کہ ہم کیسے حالات کا شکار ہیں۔"

"اندازہ تو سب ہی کر چکے ہیں چچا جان، کوئی خاص بات۔" سلمان نے پوچھا۔

"ہاں۔ ہماری زندگیاں خطرے میں ہیں یہ لوگ ہمیں مار ڈالیں گے۔ کیا زندگی بچانے کے لئے جدوجہد نہیں کرو گے۔"

"یقیناً کرنی چاہئے چچا جان، لیکن اس کی کوئی ترکیب میری سمجھ میں نہیں آ رہی۔"

"میں تمہیں ایک ایسا مشورہ دے رہا ہوں سلمان جو شاید کسی بھی حالت میں نہ دے سکتا لیکن اس وقت ہم سب کی زندگیاں ایسے ہولناک خطرے سے دوچار ہیں کہ اگر ہم نے انسانی اقدار کو ذہن میں رکھا تو موت کا شکار ہو جائیں گے۔ سنو ان لوگوں میں کئی عورتیں بھی ہیں اور میں کئی عورتوں کو للچائی ہوئی نگاہوں سے تمہاری طرف دیکھتے ہوئے دیکھ چکا ہوں، سلمان اس وقت اس کے علاوہ اور کوئی ترکیب نہیں ہے کہ تم کسی عورت کو اپنے جال میں پھانسو اور اس کے ذریعے آزادی حاصل کرنے کی کوشش کرو، یہ سب انگریزی زبان سے واقف ہیں اور با آسانی ہمارا مافی الضمیر سمجھ سکتی ہیں۔"

سلمان چند لمحات مجھے عجیب سے انداز میں دیکھتا رہا پھر اس کے چہرے پر شرم کے آثار نمودار ہو گئے، لیکن صورت حال اسے بھی سمجھ آ رہی تھی۔ پھر اس نے دھیمے انداز میں کہا۔

"چچا جان مگر۔ یہ بڑے۔ یہ مجھ سے۔"

"سلمان ضرورت کے تحت ہمیں یہ سب کچھ کرنا پڑ رہا ہے تم بھول جاؤ کہ اس وقت تمہارے سامنے کون کون ہے۔" میں نے کہا۔

"جو حکم۔" سلمان آہستہ سے بولا۔

مجھے خود بھی اپنے اس مشورے پر ندامت تھی، مگر کیا کرتا۔ صورت حال ایسی ہی تھی۔ ہاں میں نے یہ بات غلط نہیں کہی تھی کہ میں نے دن کی روشنی میں چند عورتوں کو للچائی ہوئی نگاہوں سے سلمان کی جانب متوجہ دیکھا تھا، دو تین لڑکیاں سلمان کو دیکھ کر مسکرا[illegible] کرتی ہوئی پائی گئی تھیں۔ میں اچھی طرح جانتا تھا کہ سلمان ہر لحاظ سے وجاہت کا ایک ایسا نمونہ ہے کہ اس کی طرف سے کم از کم صنف مخالف نگاہ پھیر ہی نہیں

پاکستان ٹیلی ویژن کے ایک سابق اعلیٰ افسر اور ممتاز دانش ور برہان الدین حسن لکھتے ہیں:

میں نے جنرل ضیاء الحق سے زیادہ کسی سربراہ مملکت کو ٹی وی کے معاملات میں دل چسپی لیتے نہیں دیکھا۔ کبھی کبھی وہ بھی شاید لوگوں کو سنانے کے لیے کہہ دیا کرتے تھے کہ "میری بہت پروجیکشن ہو رہی ہے اسے کم کریں۔" ایک بار سیکریٹری اطلاعات نے کسی غلط فہمی کی بنا پر یہ بات سنجیدگی سے لے لی اور ایک شام کرنٹ افیئرز کا کوئی پروگرام دیکھ کر وہ بہت برہم ہوئے۔ پروگرام میں ضیاء الحق صاحب کو بہت زیادہ دکھایا گیا تھا۔ سیکریٹری اطلاعات نے پروگرام ختم ہونے سے پہلے ہی کرنٹ افیئرز کے کنٹرولر کو ٹیلی فون کر کے کہا۔ "آپ صدر مملکت کی شخصیت اس قدر پروجیکٹ کر کے ان کی ہدایات کی واضح خلاف ورزی کر رہے ہیں بلکہ انھیں سبوتاژ بھی کر رہے ہیں۔" کچھ بحث و تمحیص ہوئی پھر سیکریٹری نے حکم دیا کہ "آپ کل صبح اپنا استعفا پیش کر دیں۔" کنٹرولر بے چارہ کیا کہہ سکتا تھا، اس نے کہا "جی، کل میں استعفا دے دوں گا۔"

پروگرام ختم ہونے کے کچھ دیر بعد سیکریٹری صاحب کا ٹیلی فون پھر آیا، انھوں نے کنٹرولر سے کہا کہ بھائی! یہ تو بہت اچھا پروگرام تھا، میں آپ کو مبارک باد دینا چاہتا ہوں۔" کنٹرولر کو اپنے کانوں پر یقین نہیں آیا۔ وہ سمجھا، سیکریٹری صاحب طنز کر رہے ہیں پھر بھی اس نے عرض کیا کہ "جناب ابھی تو آپ اس پروگرام پر سخت ناراض تھے اور مجھے نوکری سے نکالنا چاہتے تھے اب یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں؟" سیکریٹری کچھ شرمندہ ہوئے اور فرمایا "وہ بات بھول جاؤ۔ وہ میں نے ویسے ہی کہہ دی تھی۔"

دراصل قصہ یہ تھا کہ وہ پروگرام صدر صاحب بھی دیکھ رہے تھے انھوں نے سیکریٹری کو ٹیلی فون کر کے اس کی تعریف کی اور کہا کہ "پروگرام کے پروڈیوسر کو مبارک باد دیں۔"

ہم حتی الامکان یہ کوشش کر رہے تھے کہ یہ سرسراہٹ بلند ہونے نہ پائے۔

سب سے پہلے سلطان ہی غار کے اندر کود اترا کیونکہ وہ پہلے اس غار کو اندر سے دیکھ چکا تھا۔ لیکن اس نے اس طرح نیچے چھلانگ لگائی تھی جس طرح بلی کودتی ہے۔ اور اس کے قدموں کو ذرا بھی آواز پیدا نہیں ہوئی تھی۔ ہم سب نے بھی اسی کے انداز میں اس کی تقلید کی۔

غار میں اندھیرا تھا۔ لیکن سونے والوں کے خراٹے ہماری رہنمائی کر رہے تھے۔ ہم ان کی سمت بڑھنے لگے۔ سلطان میرے ساتھ تھا۔ ہم تاریکی میں آنکھیں پھاڑتے ہوئے آگے کی طرف بڑھ رہے تھے۔ ہم نے اپنے سانس تک روکے ہوئے تھے۔ چند لمحات کے بعد ہماری آنکھیں تاریکی میں دیکھنے کے قابل ہو گئیں تو ہم نے ان چاروں وحشیوں کو دیکھ لیا۔ جو اوندھے سیدھے پڑے ہوئے سو رہے تھے۔ ہم دبے قدموں ان کے سروں پر پہنچ گئے اور پھر ہم نے اچانک اس طرح ان پر حملہ کیا کہ ان کی آوازیں بھی نہ نکل سکیں۔ ہمارا ایک ہاتھ ان کے منہ پر جما تھا۔ اور دوسرا گردن پر۔ اور ہم سب ان کی گردنوں پر اپنی توجہ صرف کر رہے تھے۔ بلاشبہ یہ آسان کام نہیں تھا۔ اگر وہ جاگ رہے ہوتے تو شاید ہمارے قابو میں۔ کیونکہ انسانی گوشت اور اس وحشت ناک ماحول کی کھلی آب و ہوا نے ان کے جسموں میں بے پناہ قوت پیدا کر دی تھی۔ ان میں سے ایک نے تو فیکلان کو اٹھا کر اتنا اونچا پھینکا کہ فیکلان بڑے زور سے نیچے گرا۔ لیکن قطبی نے فیکلان کی یہ کسر پوری کر دی تھی۔ اس نے وحشی کو کھڑے ہونے کی مہلت نہیں دی اور کوئی وزنی چیز اس کے سر پر دے ماری۔ جو اسے غار ہی میں کہیں سے مل گئی تھی۔

وحشی کی آواز اب بھی بلند نہیں ہو سکی تھی۔ کیونکہ قطبی نے وہ وزنی چیز اسے مارتے ہی اس کا منہ پوری قوت سے بھینچ لیا تھا۔

ان کی آن میں ہم نے ان چاروں کو موت کے منہ میں اتار دیا تھا۔ ان کے سر زور زور سے پکڑ کر زمین سے ٹکرائے اور اسی طرح کنپٹیاں ان کے خون سے تر ہو گئیں۔ اس کے باوجود ہم کوئی کسر نہیں چھوڑنا چاہتے تھے چنانچہ ہم ان کے سروں کو زور زور سے زمین پر پٹختے رہے۔ یہاں تک کہ ان کے بھیجے نکل گئے۔ ہم نے انہیں نہیں چھوڑا۔

خون بہت زیادہ بہہ رہا تھا۔ اور ہمیں خطرہ تھا کہ ہمارے پاؤں اس خون میں پھسلنے نہ لگیں۔ اسی لیے ہم نے یہاں بھی احتیاط رکھی۔ سلطان نے مجھے اشارہ کیا اور ہم لوگ اس اسلحے کے پاس پہنچ گئے۔ جو ہمارا اپنا تھا۔ اور ایک کونے میں ڈھیر کر دیا گیا تھا۔

یہ وحشی اس وحشت ناک ماحول میں شاید عقل و خرد سے بھی عاری ہو گئے تھے۔ کیونکہ اگر یہ اس اسلحے کو منتشر کر دیتے اور اپنے پاس احتیاط سے رکھتے تو شاید یہ ہمارے ہاتھ اتنی آسانی سے نہ لگتا۔ لیکن وہ ہمیں باندھ کر اتنے مطمئن ہو گئے تھے کہ اس کے بعد انہیں کسی بات کی فکر نہیں رہی تھی۔ تھوڑی دیر کے بعد سارا اسلحہ ہمارے قبضے میں آگیا اور ہم اسے سنبھال کر اسی آہستگی سے باہر کی جانب رینگنے لگے۔

غار سے اوپر چڑھنے کے لیے ہمیں ذرا سی جدوجہد کرنی پڑی تھی۔ کیونکہ سوراخ کے بعد نیچے اچھی خاصی گہرائی تھی۔ جو پانچ چھ فٹ سے کم نہیں تھی۔ لیکن بہرطور ہم میں سے کوئی بھی ایسا نہیں تھا۔ جسے اوپر پہنچنے میں دقت پیش آئی۔

ہم اوپر نکلے۔ رائفلیں وغیرہ سنبھال کر غار کے دہانے کے پاس رکھی گئیں۔ اور ایک کر کے سب ہی نیچے آگئیں۔ اب انہیں ان مزدوروں تک پہنچانے کا مسئلہ تھا چنانچہ اس سلسلے میں بھی بڑی احتیاط سے کام لیا گیا اور ہم ایک ایک انچ رینگتے ہوئے آگے بڑھنے لگے۔ جب تک ہم اپنے ساتھیوں تک نہ پہنچ جاتے اور رائفلیں انہیں تقسیم نہ کر دیتے۔ تب تک ہم خطرات سے دوچار تھے۔ چنانچہ جس قدر محنت ہو سکتی تھی ہم نے کی اور بالآخر ہم اپنی کوششوں میں کامیاب ہو گئے۔ ہمارے دل مسرت سے دھڑک رہے تھے۔ اور ہم خوشی سے پھولے نہ سما رہے تھے۔ زندگی جو موت کے بالکل قریب پہنچ چکی تھی واپس لوٹ آئی۔ رائفلیں مزدوروں کو تقسیم کر دی گئیں اور وہ بھی خوش و مطمئن نظر آنے لگے۔

اس کے بعد دوسرے اقدامات کا تعین کیا گیا۔ ہم نے فیصلہ کیا کہ اس جگہ رکنا مناسب نہیں ہے۔ خاص طور سے اس غار کو نشانہ بنانا ہے کیونکہ اگر وحشی اس غار میں داخل ہونے میں کامیاب ہو گئے تو پھر انہیں باہر نکالنا ممکن نہیں ہوگا۔ اور ان میں سے کسی ایک کی زندگی بھی نہ صرف ہمارے لیے بلکہ ہم جیسے بے شمار لوگوں کے لیے خطرناک ہو سکتی ہے۔

ہم نے ایسی ابھری ہوئی چٹانوں کا انتخاب کیا جن کے پیچھے ہم مورچے بنا کر وحشیوں پر فائرنگ کر سکیں اور انہیں غار میں داخل ہونے سے بھی روک سکیں۔ ان کے پاس صرف چاقو تھے اور ان چاقوؤں کی مدد سے ہی وہ ہم پر حملہ کر سکتے تھے۔ ہر چند کہ ان کے یہ چاقو بھی بہت خطرناک تھے شاید وہ انہیں پھینک کر مارنے کے بھی ماہر ہوں۔ لیکن بہرطور ان چاقوؤں سے وہ ہمارا کچھ نہیں بگاڑ سکتے تھے۔ چنانچہ ہم صبح ہونے کا انتظار کرنے لگے۔

ہمیں علم نہیں تھا کہ وہ کہاں کہاں سوئے پڑے ہیں۔ اس لیے ہم انتظار کر رہے تھے کہ جب وہ ہم تک پہنچیں تو ہم انہیں نشانہ بنائیں اور اس سے پہلے ہم کافی کشادہ اور وسیع علاقے میں پھیل گئے تھے۔

رات آہستہ آہستہ گزرتی رہی۔ نیند یا سہولت کا کوئی شائبہ بھی نہیں تھا۔ ہم صبح ہونے کا انتظار کرتے رہے اور پھر سپیدہ سحر صحیح طور سے نمودار بھی نہیں ہوا تھا کہ چار وحشی ہمیں اس طرف آتے دکھائی دیئے جہاں ہم کھونٹوں سے بندھے ہوئے تھے۔

وہ بڑے اطمینان سے چلتے ہوئے وہاں تک پہنچے پھر انہوں نے خالی کھونٹے دیکھے۔ ان کے حلق سے عجیب سی آوازیں نکلیں۔ لیکن ان آوازوں میں گولیوں کی آوازیں بھی شامل ہو گئیں۔

پہاڑیاں دیر تک فائرنگ کی آوازوں سے گونج اٹھی تھیں وہ چاروں زمین پر گر کر تڑپنے لگے۔ ہم میں سے کسی کا بھی نشانہ خطا نہیں تھا۔ فائروں کی آواز ظاہر ہے دوسرے وحشیوں کو چونکانے کے لیے کافی تھی۔ چنانچہ چند ہی لمحات کے بعد ہم نے پانچ چھ وحشیوں کو اس طرف دوڑتے دیکھا۔ اور ان دوڑتے ہوئے لوگوں پر بھی کامیابی سے نشانہ لگایا گیا۔ نشانہ بازی کا کمال تھا۔ وہ سب اچھل اچھل کر گرے اور زمین پر گر کے تڑپنے لگے۔ اس کے بعد تو وحشیوں پر یلغار ہو گئی۔

سب ہی چونکہ نیند سے جاگے تھے اس لیے صورت حال سے بے خبر دوڑے چلے آ رہے تھے اور ہماری گولیوں کا نشانہ بن رہے تھے۔ پھر ان میں سے کچھ نے غاروں کی طرف چھلانگ لگانے کی کوشش کی لیکن انہیں ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا چونکہ غار کے قریب قطبی دو آدمیوں کے ساتھ موجود تھے۔ ان لوگوں کو وہیں غار کے دہانے پر نشانہ بنا لیا گیا۔ اس کے بعد وحشیوں میں ابتری پھیل گئی۔ وہ سمجھ گئے تھے کہ صورت حال ان کے شدید خلاف ہو گئی ہے۔ بہت سے وحشی موت کا شکار ہو گئے۔ ہم اس وقت زندگی کی جنگ لڑ رہے تھے۔ وحشیانہ جنگ کر رہے تھے۔ اس لیے اس بات کا تصور بھی نہیں تھا کہ ان میں سے کسی پر رحم کیا جائے۔ عورت ہو یا مرد، [illegible] چھوڑ رہے تھے۔ لیکن پھر ہمیں کچھ بچے بھی دوڑتے نظر آئے۔ ہم میں سے کوئی بھی اتنا شقی القلب نہیں تھا کہ ان بچوں کو بھی گولیوں کا نشانہ بناتا۔ ظاہر تھا کہ وحشیوں کی یہ نسل پروان چڑھ رہی تھی اور یہ بچے بھی بڑے ہو کر اپنے سرپرستوں کی تقلید کرتے۔ لیکن جو کچھ بھی تھا انہیں ان کے خون میں نہلانا ہمارے بس کی بات نہیں تھی۔ ہم میں سے کسی نے بھی ان پر گولی نہیں چلائی اور وہ ادھر ادھر دوڑتے رہے۔ بلکہ ان کی وجہ سے کچھ وحشی ان ڈھلانوں پر پہنچنے میں کامیاب ہو گئے جو غار سے اوپر جا کر چٹانوں کی اوٹ میں پوشیدہ ہو سکتے تھے۔ وہ وحشی ہمارے ہاتھ نہ آسکے۔ بچے بھی ادھر ادھر دوڑ رہے تھے۔ وحشی شاید سمجھ چکے تھے کہ ہم بچوں کو نشانہ نہیں بنا رہے۔ ہمارے پاس کوئی ذریعہ ایسا نہیں تھا کہ وہ ہم سے اپنا انتقام لیتے۔

بہرطور جب روشنی پوری طرح پھیلی تو ہم نے وحشیوں کی لاشیں گنیں۔ تقریباً تیس وحشی لقمہ اجل بن چکے تھے۔ جن میں تیرہ عورتیں تھیں اور سترہ مرد۔ باقی فرار ہو گئے تھے اور اب ان کی واپسی کی کوئی توقع نہیں تھی۔ کیونکہ وہ سمجھ چکے تھے کہ ہمارے پاس آتشیں ہتھیار موجود ہیں اور ان ہتھیاروں کی موجودگی میں ان کی ایک نہ پیش آئے گی۔

ان آدم خور وحشیوں سے وقتی طور پر چھٹکارا پا لیا گیا تھا اور اب ان کے فوری مڈبھیڑ کا کوئی خدشہ نہیں تھا۔ ہر چند کہ ان کی تعداد اب بھی تشویشناک تھی لیکن بہرطور ہم وقتی طور پر ان سے محفوظ ہو گئے تھے اور اب ہمارے سامنے جنگل کی سمت کا راستہ تھا۔ دلدل کا منظر ہم اپنی آنکھوں سے دیکھ چکے تھے اور اب بھی وہ ہمارے سامنے تھا۔ جگہ جگہ سے دھواں اٹھ رہا تھا۔ اور جب یہ دھواں فضا میں منتشر ہوتا تو سڑتی ہوئی دلدل کی ناگوار بو ہماری ناکوں سے ٹکراتی جس میں گندھک کی بو کی آمیزش ہوتی تھی۔

چنانچہ اس علاقے کا رخ کرنا بھی موت کو قریب لانے کے مترادف تھا۔ البتہ جنگل کشادہ تھے اور ہم نے اسی طرف سفر کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ ہم میں سے ایک گروہ یہیں رک رہا اور پانچ افراد غار کی طرف چل پڑے تاکہ غار میں سے اپنا سامان دوبارہ نکال کر اپنے قبضے میں لے لیا جائے۔ ہم پانچوں نے اپنا وہ سامان باہر لا کر ڈھیر کر دیا جسے وحشیوں نے اپنے قبضے میں کر لیا تھا۔ اس سامان کو ترتیب دے کر دوبارہ اپنے شانوں سے باندھا گیا اور اس کے بعد ہم نے اس خوفناک علاقے کو خیرباد کہا اور جنگلوں کی طرف بڑھ گئے۔ جہاں نہ جانے کون کون سی آفتیں ہماری منتظر تھیں۔

وحشیوں کی لاشوں میں ڈنگارو کی لاش بھی موجود تھی چنانچہ اب یہ خطرہ نہیں تھا کہ وہ فوری طور پر منظم ہو سکتے ہیں کیونکہ ان کا سربراہ ہی مارا گیا تھا۔ ہم تیز رفتاری سے چلتے ہوئے جنگلوں میں

داخل ہو گئے۔ وہ بکار دی۔ سالار کی آنکھوں اب کچھ ہمارے قریب کی
میں تھی اور میں سوچ رہا تھا کہ آخر اس کی آنکھوں سے کیسی جنگلی
درندہ تھا۔ اور آگے بڑھا کیونکہ ہمارے ہاتھوں میں تیار تھیں اور ہم
نے سر اٹھا کر چاروں طرف دیکھا ہر طرف دیکھا جا
رہا تھا۔ اور ہم دائیں سمت رخ کر کے چل رہے تھے اور بائیں سمت
وہ عقبی اور بائیں کا رخ آرام سے تھا۔
ہمارے پیچھے کی رفتار بہت زیادہ تیز نہیں تھی کیونکہ جنگل
کا ہیں سے گزرنا مشکل تھا لیکن وہ ہر رنگ
ہمارے جنگلوں کے درمیان اتنا سفر طے کر چکے تھے اور وہ علاقہ بہت بڑا
معلوم ہوتا تھا اور اگر اب وہ وحشی ہمارا تعاقب بھی کرتے تو اس میں
کافی وقت صرف کر پڑتا۔
تھوڑی دیر کے لیے وہاں رک کر ہم نے غور کیا۔ آپس میں تقسیم
کا یقین نہیں ہے کیونکہ جنگلوں کے بارے میں کوئی صحیح اندازہ نہیں
تھا۔ راستوں میں چلتے ہوئے ہم نے پیٹ کی آگ بجھائی اور پھر سفر کرنے لگے
چلتے رہے۔ پھر جب شام ہوئی تو ہم نے آگ جلائی جنگل کے جھنڈ میں
تھے اور ایک جگہ ہمیں بڑی کسی جنگلی درندے کی آواز سنائی دے رہی تھی
اور دوسری سمت کی چاپ لیکن اس علاقے میں ہوتا تھا کہ یہ جنگل
درندوں سے محفوظ نہیں ہے۔ ان کے خلاف جگہ جگہ حل رہے تھے۔
بالآخر رات ہوئی لیکن گھنے جنگلوں کی رات بہت خوفناک تھی۔ درخت
اتنے گھنے تھے کہ چاندنی ان کے نیچے نہیں آ سکتی تھی۔ اس پر خطر
جنگل میں رات گزارنے کے لیے تمام ضروری اقدامات کرنے لگے۔
تھے۔ خشک ٹہنیوں کی یہاں کوئی کمی نہیں تھی۔ انہیں اکٹھا کر کے اپنے
گرد ایک حصار قائم کر لیا۔ ٹہنیوں کا ایک ڈھیر اکٹھا کر لیا گیا تھا تاکہ
آگ برابر روشن رکھی جا سکے۔ پہرہ دینے کے لیے چار چار آدمی مقرر کئے
گئے۔ میری، سلمان کی اور باقی لوگوں کی بھی ڈیوٹی تھی۔ آگ اس طرح
روشن کی گئی تھی کہ جنگل کے گھنے درخت اس سے محفوظ رہیں۔ اس کا
امکان تھا کہیں درخت آگ نہ پکڑ لیں۔
کچھ دلچسپ واقعات بھی پیش آئے۔ شفقات کے پہلے پہر
جب کوئی بھی نہیں سویا تھا ایک درخت سے خوفناک چنگھاڑ
سنائی دی۔ یہ درخت ہمارے قریب ہی موجود تھا۔ فوراً درخت پر
روشنیاں ڈالی گئیں۔ تین گز لمبا کالا ناگ۔ ایک درخت کی
شاخ پر لپٹا ہوا تھا۔ وہ آگ کی گرمی اور تپش سے خوف زدہ
ہو رہا تھا۔ اور گیا تھا کہ کسی طرف کو بھاگ جائے۔ کسی نے ہی بڑھ کر
اسے ہلاک کر دیا۔ اس کے علاوہ کوئی ... نہیں تھا کہ اسے
ہلاک کر دیا جائے۔

سلمان نے نشانہ لگایا اور سانپ کے ٹکڑے ٹکڑے ہو کر
گر گئے۔ پھر... یہ دوسرے پہر کی بات ہے کہ کسی شیر کی غراہٹ سنائی
دی۔ شیر بہت قریب تھا لیکن نظر نہیں آ رہا تھا۔ ہم چوکنے رہے۔
رات بھر وہ شیر گرجتا رہا۔ قریب آیا لیکن آگ کے حصار میں داخل ہونے
کی جرات نہیں کر سکا۔
اس طرح یہ ہولناک رات گزری۔ کوئی بھی ایک لمحہ نہیں سو سکا
تھا۔ دوسرے دن سب کی حالت غیر تھی سوائے سلمان کے۔ نہ جانے سلمان
کو کیا ہو گیا تھا۔ اس سے قبل وہ اس حالت میں کبھی نظر نہیں آیا تھا۔
سفر کرتے ہوئے میں نے اس سے یہ سوال کر لیا۔
"سلمان، میں تم میں حیرت انگیز تبدیلیاں دیکھ رہا ہوں۔"
"کیسی تبدیلیاں چچا جان؟" اس نے مسکرا کر پوچھا۔
"تم بہترین قوت ارادی کا مظاہرہ کر رہے ہو۔" سلمان چند
لمحات توقف کرتا رہا پھر بولا۔
"چچا جان میں آپ کو پہلے بھی کچھ حقیقتیں بتا رہا ہوں۔ در حقیقت
یہ قوت ارادی میری اپنی میراث نہیں تھی بلکہ یوں لگتا ہے جیسے مجھے بخشی
گئی ہے۔"
"کیا مطلب؟" میں نے سوال کیا۔
"آپ یقین کیجئے چچا جان کہ یہ سب کچھ میری اندرونی قوتوں
کا اثر نہیں ہے۔ اس وقت سے جب سے میں نے اس صندوق
کے راز کو پایا اور مجھے علم ہوا کہ میرے شانوں پر ایک ایسی ذمہ داری ہے
جو میرے آباؤ اجداد اٹھاتے چلے آئے ہیں اور اسے پورا کرنے میں ناکام
رہے ہیں۔ ایک عزم میرے اندر سے ابھرا۔ میں نے سوچا کہ اس پراسرار
اور ہولناک کہانی کا انجام مجھ ہی پر ہے اور یقینی طور پر مجھے ہی اس
خوف ناک ملک کے خاتمے کا شرف بخشا جائے گا۔"
"چچا جان، میں نے اس وقت صرف ایک بات سوچی وہ یہ کہ
وہ جو ناکام رہے ہیں ممکن ہے ان میں قوت ارادی کی کمی رہی ہو۔ میں
کسی بھی قیمت پر اس کو انجام دوں گا۔ سارے جہاں کی صعوبتیں میرے
لئے کوئی حیثیت نہیں رکھتیں کیونکہ کسی بھی مشن کی انجام دہی کے
لئے انسان کو اپنے جسم کا روآں روآں وقف کرنا پڑتا ہے۔ میں نے یہ
عزم اپنے سینے میں موجزن کیا اور اس کے بعد جتنی بھی صعوبتیں مجھے
پیش آ سکتی ہیں میرے لئے بے اثر اور بے مقصد ہوں گی۔ کچھ ایسی
پراسرار قوتیں مجھے اپنے دوش پر سنبھالے ہوئے ہیں جو میرے لئے بھی
اجنبی ہیں لیکن مجھے یہ آوازیں ہر سمت سے سنائی دیتی ہیں کہ میں کامیابی
کی طرف بڑھ رہا ہوں۔ میرا کوئی قدم غلط نہیں ہے۔ ہم لوگ اپنی منزل
کی جانب رواں دواں ہیں اور راستے کی صعوبتیں کچھ بھی ہوں لیکن

ہم کامیاب و کامران رہیں گے۔ بس یوں سمجھ لیں کہ مجھے اپنی
منزل پانے کی خوشی ہے اور اس خوشی کے راستے میں کوئی رکاوٹ نہیں
ہو سکتی۔" سلمان نے جواب دیا۔ میں حیران رہ گیا تھا۔ سفر جاری رہا
گھنے جنگلوں کا سلسلہ اب تقریباً ختم ہو گیا تھا اور اب خال خال درخت
نظر آ رہے تھے۔ پھر ایک بہت ہی کشادہ اور وسیع جھیل ہمارے سامنے
آ گئی۔ مزدوروں نے جھیل دیکھ کر ہمارے چہرے خوشی سے کھل اٹھے تھے
مزدوروں نے تو جھیل کی جانب دوڑ لگا دی تھی لیکن فرازی نے انہیں
روکا اور وہ رک گئے۔
"کہاں بھاگے جا رہے ہو تم لوگ؟" فرازی غصے میں بولا۔
"پانی۔ پانی۔" تمام مزدور یک وقت بولے۔
"یہ پانی کہیں سوئمنگ پول کا نہیں ہے بلکہ قریب کے گھنے جنگلوں
کی ایک جھیل ہے۔ بے شک تم لوگ یہاں نہیں سکتے یہاں خطرات پیش آ سکتے
ہیں۔ پہلے اس جھیل کا جائزہ لے لیا جائے۔ اس کے بعد تم اس میں اتر سکتے
ہو۔" مزدور سنبھل گئے اور ہم آہستہ آہستہ جھیل کے قریب پہنچ گئے یہاں
کی فضا دلکش تھی۔ ٹھنڈی ٹھنڈی خوشگوار ہوا چل رہی تھی۔ جھیل کا پانی
چمکدار تھا۔ پاٹ تقریباً سو گز چوڑا تھا اور جس جگہ ہم رکے تھے
وہاں سے تقریباً ایک فرلانگ دور یہ جھیل دائیں ہاتھ کو مڑ کر
نظروں سے اوجھل ہو جاتی تھی۔
چنانچہ اچھی طرح جائزہ لینے کے بعد مزدوروں کو اجازت دے
دی گئی اور وہ کپڑے اتار کر جھیل کے پانی میں کود گئے۔ ان کے حلق سے
چیخیں نکل رہی تھیں اور وہ بہت خوش نظر آ رہے تھے۔ ہم لوگوں نے بھی
طویل عرصے کے بعد غسل کیا۔ ایسی صاف شفاف جھیل تھی کہ اندازہ بھی
نہیں ہوتا تھا کہ کس طرح کیسے کسی ویران علاقے میں ہے۔ جھیل کا دوسرا
کنارہ ہرا بھرا گھاس اور چھوٹی چھوٹی گھاس سے بھرا ہوا تھا۔
ہم لوگ غسل کرتے رہے اور دفعتاً سلمان کی آواز ابھری۔
"چچا جان۔ چچا جان ذرا اس طرف دیکھئے۔ اس طرف۔ وہاں
طرف۔" وہ ایک سمت اشارہ کر رہا تھا۔ میرے ساتھ سب ہی کی
نگاہیں اس سمت اٹھ گئیں اور ہم نے ایک عجیب و غریب منظر دیکھا
کہ جھیل کے اس کنارے پر موجود تھا۔ یقیناً کوئی انسان ہی تھا شاید
کوئی جنگلی کوئی وحشی۔ لیکن وہ کہنیوں کے بل سر اٹھائے ہمیں دیکھ
رہا تھا۔ اس نے کھڑے ہونے کی کوشش نہیں کی تھی۔ ہم جو
اسے دیکھتے رہے پھر فرازی آہستہ سے بولا۔
"یہ کیا قصہ ہے؟"
"خدا جانے۔" میں نے جواب دیا۔
"پتہ لگایا جائے؟"

"کوئی خطرہ نہ ہو؟" فرازی نے کہا۔
"خطرات تو ہر جگہ ہیں۔ ایسا کرو ہم میں سے دو آدمی وہاں
جاتے ہیں اور اسے دیکھتے ہیں باقی لوگ رائفلیں لئے تیار رہیں ممکن
ہے کوئی ایسی ضرورت پیش آ جائے۔"
"مگر مگر، اسے دیکھنے کی ضرورت ہی کیا ہے؟" نیلمان
نے کہا اور ہمارے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔
"ڈاکٹر صاحب ہم جن علاقوں میں آئے ہیں تو انہیں نظر انداز
کرنا کسی طرح ممکن نہیں ہے۔" میں نے کہا۔
میں اور سلمان آہستہ آہستہ جھیل میں اترنے لگے۔ گہرے پانی
میں پہنچنے کے بعد ہم نے تیرنا شروع کر دیا اور تھوڑی دیر کے بعد
ہم اس کنارے پر پہنچ گئے۔ جہاں وہ سیاہ فام پڑا ہوا تھا۔ سیاہ
فام کا پورا دھڑ بری طرح زخمی تھا۔ اس پر سے جگہ جگہ سے گوشت
غائب تھا اور ان زخموں سے خون رس رہا تھا۔ انتہائی قوی ہیکل
جسم کا مالک اور ایک عجیب سی شخصیت کا نوجوان تھا۔ اتنا شدید
زخمی تھا اس کے بدن پر لیکن اس کے چہرے پر کرب کے آثار نہیں تھے
ہمیں دیکھ کر اس کے سفید سفید دانت نمایاں ہو گئے۔ آنکھوں میں
تھکن اور نڈھال کی کیفیت نظر آ رہی تھی۔ سلمان اور میں اس کے
قریب بیٹھ گئے۔ ہم نے اسے غور سے دیکھا۔ اس کے چہرے پر رنگین نقش
و نگار بنے ہوئے تھے گلے میں عجیب و غریب قسم کی ہڈیوں کی مالا بھی
پڑی ہوئی تھی۔ ہم نے اس کے زخم کو دیکھا۔ زخم بہت خراب تھا
اس کے لئے ڈاکٹر نیلمان کی فوری ضرورت تھی۔ میں نے ادھر ادھر
دیکھا اور پھر اشارے سے نیلمان کو اس طرف بلایا۔ نیلمان کے لئے
یہاں تک آنا ایک بہت بڑا مسئلہ تھا لیکن چونکہ میں بلا رہا تھا
اس لئے اس نے جھیل میں اترنے کی تیاریاں شروع کر دیں۔ تب
میں نے سلمان سے کہا۔
"سلمان بہتر یہ ہے کہ تم وہاں چلے جاؤ اور پھر نیلمان
کو صورت حال بتاؤ یا پھر ہم ایسا کیوں نہ کریں کہ اس نوجوان کو اٹھا
کر اس سمت لے چلیں۔"
"مشکل ہے۔ پانی میں اس کا زخم اور خراب ہو سکتا ہے۔"
سلمان نے جواب دیا۔ یہ بات بھی سمجھ میں آنے والی تھی۔
بہرطور سلمان کو دوسرے کنارے پر جانا پڑا۔ اس نے شاید
ڈاکٹر نیلمان کو صورت حال بتائی تھی ڈاکٹر نیلمان اپنا فرسٹ ایڈ
بکس لے کر اس طرف آ گیا۔ صورت حال جو کچھ دوسری طرف لوگوں
کو معلوم ہو چکی تھی۔ اس نے ایک ایک کر کے سب ہی سیاہ فام کے
نزدیک آ پہنچ گئے۔ ڈاکٹر نیلمان نے اپنا بکس کھولا اور اس کے زخم

عیاں کرنے لگا۔ حالانکہ وہ زخم ہرا زخم تھا شاید کسی درندے کا معلوم
ہوتا تھا۔ بہرحال تمام وقت نوجوان نے آنکھیں بند کر لی تھیں لیکن زخم کی
صفائی کے دوران کا کیا حال ہوا اس کے حلق سے ایک کراہ بھی نکلی۔ جو
وہ بہت ہی باہمت اور پرجوش نوجوان نظر آتا تھا۔ میں نے زخم پر
پٹی باندھ کر دی تھی۔ نوجوان حیرت سے اپنے زخم پر بندھی ہوئی ان
پٹیوں کو دیکھ رہا تھا۔

اس کے چہرے پر ممنونیت کے جذبات تھے۔ دفعتاً مجھے کچھ
کی سوجھی، میں نے کانگو زبان میں اس سے پوچھا۔

"کون ہو تم اور تمہارے یہ زخم کیسے آیا" یہ زبان مجھے بخوبی نہیں
آتی تھی۔ اس سے یہاں رہ کر جو مختلف معلومات میں نے حاصل کی
تھیں انہی کے تحت مختلف زبانیں میں نے سیکھ لی تھیں جو
افریقہ کے اندرونی خطوں میں بولی جاتی تھیں۔ نوجوان نے
میری بات کا کوئی جواب نہیں دیا تو میں نے منگول زبان میں
اس سے یہی سوال کیا۔ جب وہ یہ زبان بھی نہ سمجھا تو میں
نے گونڈو کے ٹوٹے پھوٹے الفاظ میں پوچھا کہ وہ کون ہے؟

"جونگا۔" اس نے جواب دیا اور میں مسرت سے
اچھل پڑا۔ گونڈو زبان کے الفاظ اس کی سمجھ میں آ گئے
تھے۔ میں نے اپنی یادداشت مجتمع کی اور کہا۔

"تمہارا نام جونگا ہے۔؟"

"ہاں" نوجوان نے جواب دیا۔

"یہ زخم کیسے آیا تمہارے؟"

"شیر نے مجھ پر حملہ کیا تھا۔" نوجوان نے جواب دیا۔

"اور کس جگہ؟"

"اس جگہ" نوجوان نے انگلی سے ایک طرف اشارہ کیا
اور جس طرف اس نے اشارہ کیا تھا ادھر تقریباً سات فٹ لمبا
اور بے حد کوتاہ شیر مرا پڑا ہوا تھا، ایک نیزہ اس کے حلقوم
میں پیوست تھا۔ ہم سب حیرت زدہ رہ گئے، نوجوان کے شانے
کی طرف سب ہی نے دیکھا تھا۔

"اوہ تو تم نے اپنے دشمن کو ہلاک کر دیا؟"

"ہاں۔" نوجوان نے مسکرا کر جواب دیا، اس کی آنکھیں
بے حد حسین تھیں اور اس تومی ہیکل بدن کی وجہ سے وہ بے
حد شاندار شخصیت کا مالک نظر آتا تھا۔

"واہ جونگا تم تو بہت دلیر ہو، اتنے بڑے شیر کو
قتل کر ڈالا تم نے۔" جونگا نے کوئی جواب نہیں دیا بس مسکراتی
نگاہوں سے مجھے دیکھتا رہا۔ پھر میں نے کہا۔

"یہ زخم تمہارے اسی شیر سے لگا تھا؟"

"ہاں۔"

"لیکن تم یہاں کیوں موجود ہو؟"

"اس زخم کی وجہ سے مجھے چلنے پھرنے میں دشواری پیش
آ رہی تھی، میں نے سوچا کہ کچھ بہتر ہو جائے تو میں یہاں سے
سفر شروع کروں۔"

"کب سے تم یہاں ہو؟"

"چار سورج اور چاند گزر چکے ہیں۔" نوجوان نے

علم الاعداد علم دست شناسی، علم تحریر، علم قیافہ، علم نجوم، کردار شناسی نہ جادو ہیں نہ جھومنتر۔ اللہ تعالیٰ نے ہر ذی روح کو دماغ نام کا کمپیوٹر عطا کیا ہے اس کمپیوٹر میں سوچنے سمجھنے اور محسوس کرنے کی صلاحیتیں بھری ہیں۔ یہ قدرت ہے کہ کسی علم کی طرف توجہ دی جائے صرف توجہ دینے ہی سے ہر گتھی کو دو اور دو چار کی طرح سلجھایا جا سکتا ہے سیکڑوں ماہرین نے ہزاروں سال تجربات کئے اور پھر ایس صدیقی نے سب کے تجربات کو موجودہ صدی میں "دنیا کے چھ پراسرار علوم" کے نام سے یکجا کر دیا ہے۔ (پروفیسر عالم اقبال)

ڈاکٹروں کا کہنا ہے اگر انسان اپنی بیماری کو جان لے تو اس کا تدارک آسان ہو جاتا ہے اور بہت معمولی معمولی دواؤں سے وہ اپنا علاج خود کر سکتا ہے۔ عالی جناب ڈاکٹر پی۔ سی گپتا نے معجزہ دکھانے والی دو سو ہومیوپیتھک دوائیں اور ان کے استعمال کے طریقے "ہومیوپیتھک ڈاکٹر بنو" نامی کتاب قیمت بیس روپے میں درج کر دیئے ہیں۔ اس کتاب کی مدد سے غریب و نادار لوگ پیسہ بچا کر بھرپور فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔ "کتاب والا" سے طلب کریں۔ (محمد انیس)

جواب دیا۔

"گویا چار دن؟"

"ہاں۔" وہ بولا۔

"کیا اس دوران اور درندے یہاں نہیں آئے؟" میں
نے پوچھا۔

"آئے تھے، لیکن مجھے مردہ سمجھ کر چلے گئے۔" وہ آہستہ سے
ہنس پڑا۔

"وہ کیسے؟" میں نے سوال کیا۔

"میں سانس روک کر اوندھا لیٹ جاتا ہوں۔ اور وہ
مجھے سونگھ کر چلے جاتے ہیں۔"

"اوہ خدا کی پناہ، تمہیں خوفناک مشکلات سے گزرنا پڑا
ہوگا۔" نوجوان نے کوئی جواب نہیں دیا بس وہ خاموشی
سے اپنی جگہ لیٹا مجھے گھورتا رہا۔

"تمہارا قبیلہ کہاں ہے جونگا؟" میں نے سوال کیا۔ اور
اس نے پھر ایک جانب اشارہ کر دیا، اس طرف چھوٹی چھوٹی
پہاڑی ٹیلوں کی چوٹیاں نظر آ رہی تھیں۔

"ان پہاڑیوں کے دوسری طرف؟" میں نے پوچھا

"ہاں۔"

"ہم تمہاری کچھ مدد کر سکتے ہیں؟" میں نے سوال کیا اور
اس نے ممنونیت سے گردن جھکا دی، میرے اس سوال کے
جواب میں اس نے کچھ نہیں کہا تھا۔
چند لمحات میں اس کے جواب کا انتظار کرتا رہا پھر میں

نے خود ہی کہا "اگر میں تمہیں تمہارے قبیلے میں لے چلوں تو
تمہارے قبیلے کے لوگ ناراض تو

نہیں ہوں گے؟"
اس نے معصومانہ انداز میں زور زور سے گردن ہلائی
پھر بولا "تمہارا یہ احسان وہ نہیں بھولیں گے۔"
سلمان اور دوسرے لوگ کھڑے ہماری باتیں سن رہے
تھے۔ میں نے سلمان کی طرف دیکھا تو وہ مسکرا کر بولا۔
"کوئی حرج نہیں ہے۔"
"اوہ۔ اوہ تم بھی گونڈو زبان جانتے ہو۔"
"اور بھی بہت سی زبانیں سیکھی ہیں میں نے چچا جان
آپ بھول رہے ہیں۔" سلمان مسکرا کر بولا۔
"اس وقت میں خود ہی کو تیس مار خاں سمجھ
رہا تھا۔" میں نے ہنستے ہوئے کہا۔

"یہ نوجوان خوش بختی کی علامت ہے ہمارے لئے۔"
سلمان بولا۔
"وہ کیسے؟"
"کم از کم اس جنگل میں کسی دوست کی شکل تو نظر آئی
اگر یہ لوگ ہماری رہنمائی کا باعث بن سکیں تو اس سے عمدہ
کیا بات ہوگی۔"
"ہاں اس کے امکانات ہیں۔"
"معمولی مسئلہ کیا ہے؟ کچھ نہیں بھی تو پتہ چلے۔" قطبی نے
کہا، اور ہم اسے صورت حال بتانے لگے قطبی گہری سوچ میں
ڈوب گیا اور بولا "اور تو کوئی بات نہیں ہے۔ لیکن اگر یہ
بھی آدم خور نکلے؟"
"بظاہر تو نہیں ہیں۔"
"بہرحال رسک لیا جا سکتا ہے۔ اسٹریچر نکلوایا جائے۔"
قطبی بولا۔ تھوڑی دیر کے بعد ہم تیار ہو گئے۔ نوجوان کو اسٹریچر
پر لٹایا گیا۔ اور مزدوروں نے یہ اسٹریچر اٹھا لیا نوجوان ہماری
رہنمائی کرنے لگا۔ اور ہم پہاڑیوں کی سمت چل پڑے
سفر تیز رفتاری سے ہو رہا تھا۔ پہاڑیوں کے کنارے
پھیلی ہوئی تھی جسے ہم نے دور سے دیکھا تھا۔
اور اس طرف کا رُخ نہیں کیا تھا۔ ابھی ہم پہاڑیوں سے
تھوڑی دور ہی تھے کہ دفعتاً ہم نے ڈھول بجنے کی آوازیں
سنیں، یہ آوازیں تیز ہوتی جا رہی تھیں۔ نوجوان نے اسٹریچر
پر اٹھتے ہوئے کہا۔
"رک جاؤ۔ وہ تمہارے بارے میں غلط فہمی کا شکار
ہو گئے ہیں۔" اور ہم رک گئے "کسی طرح مجھے کھڑا کرو۔"
وہ بولا۔ اور چند لمحات کے بعد ہم نے اسے کھڑا کر لیا ہم اسے
دونوں طرف سے سہارا دیئے ہوئے تھے۔
پھر نوجوان کے حلق سے عجیب عجیب آوازیں نکلنے
لگیں۔ وہ گانے والے انداز میں چیخ رہا تھا اس نے منہ
کے آگے بھونپو سا بنا لیا تھا۔ جنگل کی خاموشیوں میں اس کی
یہ آواز عجیب لگ رہی تھی۔ دیر تک وہ اسی انداز میں
چیختا رہا۔
دفعتاً ڈھول بند ہو گئے اب اس کی آواز کی گونج
اور بلند ہو گئی تھی۔ پھر اچانک پہاڑیوں کے عقب سے
بے شمار افراد نکلے۔ وہ دوڑتے ہوئے اسی طرف آ رہے
تھے۔ ان کی رفتار بہت تیز تھی۔ ہم سب سناٹے کے عالم
میں نہیں دیکھ رہے تھے۔ بڑا خوف محسوس ہو رہا تھا۔ لیکن

نوجوان کے ہونٹوں پر مسکراہٹ تھی۔
"اب کوئی خطرہ نہیں ہے۔" وہ بولا۔ "میں نے انہیں صورت حال سے آگاہ کر دیا ہے۔" ہم خاموشی سے انہیں دیکھتے رہے۔ آن کی آن میں وہ ٹولی دل ہمارے پاس پہنچ گیا تھا۔ پھر وہ اسٹریچر کے گرد جمع ہو گیا۔ ایک قوی ہیکل بوڑھا شخص روتا ہوا نوجوان سے لپٹ گیا۔ وہ اسے بری طرح چوم رہا تھا۔

ان لوگوں کے ہجوم میں ہم نوجوان سے دور ہو گئے۔ بہرحال ہم ان کی کارروائیاں دیکھتے رہے۔ پھر نوجوان کے اسٹریچر کو دوسرے لوگوں نے سنبھال لیا اور برق رفتاری سے آگے بڑھنے لگے۔ البتہ وہ بوڑھا شخص ہمارے قریب آ گیا تھا۔

"مجھے علم ہوا ہے کہ تم لوگ ہماری زبان جانتے ہو!"

"ہاں۔" میں نے ایک قدم آگے بڑھ کر کہا۔

"تم نے جونگا پر احسان کیا ہے۔ جونگا میرا بیٹا ہے۔ میرا نام مارونگا ہے۔ میں اس قبیلے کا سردار ہوں۔" اس نے کہا۔

"ہمیں خوشی ہے سردار تمہارے بیٹے کی جان بچ گئی!"

"کیا تم کچھ عرصہ کے لئے ہمارے مہمان بن کر ہمارے اوپر احسان کرو گے؟"

"خوشی سے سردار۔" میں نے کہا اور بوڑھا اچھل اچھل کر اسی طرح چیخنے لگا جس طرح جونگا چیخا تھا۔ بہت سے افراد قریب آئے۔ اور ہم سے ہمارا سامان ہمارے ہاتھوں سے لے کر سروں پر رکھ لیا۔ سردار کے اشارے پر ہم آگے بڑھ گئے۔

پہاڑیوں کے دوسری سمت ایک بستی آباد تھی۔ کسی قدر تہذیب یافتہ بستی۔ وہ لوگ درختوں کی چھالوں سے بنے ہوئے لباس پہنے ہوئے تھے۔ کچھ کے لباس کھالوں سے بنے ہوئے تھے۔ ایک مخصوص طرز کے جھونپڑے بنائے ہوئے تھے انہوں نے اور یہ جھونپڑے چھوٹے بڑے ہر قسم کے تھے۔ ایک بہت بڑے جھونپڑے میں ہمارے قیام کا بندوبست کر دیا گیا۔ ہمارا سارا سامان وہاں رکھ دیا گیا تھا۔ جھونپڑے کے سامنے بہت وسیع احاطہ تھا جہاں درخت اُگے ہوئے اور درختوں کے نیچے جھونپڑے بنے ہوئے تھے۔ جو رہنے کے لئے استعمال ہوتے تھے۔

ہماری پہلی تواضع گوشت اور دودھ سے کی گئی تھی۔ یہاں پہنچ کر بے حد سکون ہوا۔

"کیا خیال ہے چچا جان۔ آسانیوں کا دور شروع ہو گیا۔" سلمان بولا۔

"وقتی ہے سلمان۔" میں نے کہا۔

"ہاں چچا جان۔ بہرحال شدید مشکلات کے بعد یہ سب کچھ ہوا ہے۔"

"شاید۔" میں نے مختصراً کہا۔

"آپ مجھ سے متفق نہیں ہیں شاید۔"

"نہیں ایسی بات بھی نہیں ہے۔"

"اب دیکھئے نا۔ کشتی کی تباہی۔ یہ آدم خور وحشیوں سے ملاقات اس کے بعد یہ خطرناک جنگل کیا وہ مشکلات نہیں تھیں؟"

"بے شک تھیں۔"

"اور اس کے بعد یہ آرام ؟"

"وقتی ہے سلمان۔"

"ٹھیک ہے لیکن ہے تو سہی۔" وہ بولا

"ہاں اس سے میں نے کب انکار کیا۔"

"ان حالات میں سکون کے جو لمحات مل جائیں۔ وہ غنیمت ہیں۔"

"ہیں۔ لیکن ان لمحات کو مستقل تو نہیں کہا جا سکتا۔"

"بہرحال میں مطمئن ہوں۔"

"میں بھی مطمئن ہوں سلمان۔ مسئلہ ان لوگوں کا ہے۔" میں نے دوسروں کی طرف اشارہ کر کے کہا۔

"ہاں۔ ان کے بارے میں۔ میں سمجھتا ہوں تو مجھے واقعی پریشانی ہوتی ہے۔"

"مجھے خوف ہے سلمان کہیں ان کی قوت برداشت جواب نہ دے دے اور وہ بددل نہ ہو جائیں۔"

"ایسا ہی نقصان کریں گے۔"

"وہ کیوں؟"

"دیکھئے نا۔ یہ حالات ناگزیر تھے۔ ہم خود بھٹک گئے ہیں۔ یہ سب کچھ ہمارے بس میں تو نہیں تھا۔"

"شاید اسی لئے یہ خاموش ہیں۔"

"یہ خاموشی ہی ان کے حق میں بہتر ہے۔ اگر یہ بددل ہو گئے تو ہم انہیں واپسی کی اجرت دے دیں گے۔ بہرحال انہیں منافع ہی ہے جو ہم طے کر چکے ہیں۔ اور ان کے لئے وہ بھی برا نہیں ہے۔" سلمان نے کہا اور میں خاموش ہو گیا۔

قبیلے والے ہماری بڑی خاطر کر رہے تھے۔ رات کو ہمارے لئے سالم بکرے بھون کر لائے گئے تھے۔ اور پہاڑی بکروں کا یہ گوشت ہمیں بے حد لذیذ محسوس ہوا۔ دو خادموں کو ہماری ضروریات کے لئے مختص کر دیا گیا تھا۔

خوب رات گئے بوڑھا سردار ہمارے پاس آیا۔ اور اس نے بتایا کہ جونگا اب ٹھیک ہے۔ اس نے بڑی احسان مندی کا اظہار کیا تھا۔ پھر اس نے اپنے بارے میں تفصیل بتاتے ہوئے کہا۔

"میرے قبیلے کا نام ترونگا ہے۔ جونگا ایک مشن پر قبیلہ بوگاسا گیا ہوا تھا۔ لیکن بوگاسا والوں نے بد دیانتی کی اور قاصد کو گرفتار کر کے ترونگا سے جنگ مول لے لی۔ اور اب بوگاسا ترونگا کے قہر سے نہ بچ سکے گا! بس جونگا کے صحت مند ہونے کا انتظار ہے۔" سردار کئی گھنٹے ہمارے پاس بیٹھا رہا۔ وہ اپنے قبیلے کے بارے میں بہت کچھ بتا رہا تھا۔ اور ہمیں حیرت تھی۔ قطبی، افرازی اور فیکان بھی نزدیک بیٹھے ہوئے تھے۔ اور سلمان انہیں اس گفتگو کا ترجمہ کر کے سناتا جا رہا تھا۔ بوڑھے سردار نے بتایا۔

"ترونگا اور بوگاسا کی دشمنی ازلی ہے۔ اور یہ دشمنی ابد تک جاری رہے گی۔ یہ جادوگروں کی پیشین گوئی ہے۔ کیونکہ اس دشمنی کی بنیادیں بہت گہری ہیں۔ یہ بنیادیں اس وقت پڑیں۔ جبکہ دلدلوں کی دوسری جانب زمین کی گہرائیوں میں ایک شخص پیدا ہوا۔ یہ گہرائیاں دلدلوں سے پرے آج بھی موجود ہیں۔ سردار نے بتایا کہ اس شخص کے پاس ایک گائے تھی۔ اس سے پہلے یہاں کبھی کوئی گائے پیدا نہیں ہوئی تھی۔ اس شخص کے ہاں دو بچے پیدا ہوئے۔ ایک کا نام ترونگا اور دوسرے کا بوگاسا تھا۔ یہ دونوں قبیلے اسی نسل سے ہیں۔ دلدل سے پیدا ہونے اس پہلے آدمی کے پاس ایک گائے تھی۔ پھر اس گائے نے ایک بچھڑا دیا۔ اور اس شخص نے یہ گائے اور بچھڑا اپنے دونوں بیٹوں کو دے دیا۔ وہ بچھڑا ترونگا کے بڑے بھائی بوگاسا نے چھین لیا۔ چھوٹے بھائی کو اس پر سخت غصہ آیا اور اس نے اپنے باپ سے شکایت کر دی۔ باپ نے بوگاسا کو سمجھایا کہ وہ ترونگا کو اس کا بچھڑا واپس کر دے مگر بوگاسا کے کان پر جوں تک نہ رینگی۔ تنگ آ کر اس نے کہا۔

"بیٹے تو ساری زندگی اس بچھڑے کے پیچھے بھاگتا رہ۔

کاہو اسے بیدار کرنے کی کوشش کرتا رہے گا۔ اس وقت
سے لاکھاسا اور تروانگا میں دشمنی کی بنیاد پڑ گئی جو نسلوں در نسل
آج تک چلی آ رہی ہے۔ ان کے درمیان لڑائیاں ہوتی رہتی ہیں
اور ان لڑائیوں کا سبب بھی کاہو اور بیچ ہیں۔ آئے
دن قتل و غارت گری ہوتی ہے۔ اور لاکھاسا والے تروانگا
کے جھونپڑے جلا ڈالتے ہیں، تروانگا والے وہاں کی گائے
چرا لے جاتے ہیں۔ یہ قبیلہ خاصے بڑے رقبے پر پھیلا ہوا ہے اور
ان کے سرداروں کی صحیح تعداد کا کوئی اندازہ نہیں جو
کبھی ادھر کے کچھ سردار کم ہو جاتے ہیں، کبھی ادھر کے۔
رسم و رواج اور روایات بڑی انوکھی ہیں۔ ایک ایک
مرد کی کئی کئی بیویاں ہوتی ہیں۔ اور ایک ایک عورت سے
کئی کئی مرد شادی کر سکتے ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ ہر شخص کا
مرنے سے پہلے ایک بیٹا ضرور ہونا چاہیے۔ چنانچہ جب
کوئی شخص مر جاتا ہے تو اس کا بھائی یا کوئی قریبی رشتہ
دار اس کی بیوی سے شادی کر لیتا ہے۔ اور جو بچے پیدا ہوتے
ہیں ان کی ولدیت اس مرنے والے سے منسوب کی جاتی
ہے اور ان کا نام بھی اسی شخص کے نام پر رکھا جاتا ہے
اگر کسی شخص کے کئی بھائی کنوارے مر چکے ہوں، تو اس کا
فرض ہے کہ اپنی شادی کرنے سے پہلے اپنے ہر بھائی کے
لئے ایک بیوی کرے، تاکہ اس کا نسل اور نام چلتا
رہے۔

جادوگر ان کے نزدیک عظیم طاقتوں اور قدرت و
منزلت کے مالک ہوتے ہیں۔ وہ انسان اور خدا کے
درمیان واسطہ قرار دیتے ہیں۔

ان کا یہ نظریہ بھی بہت دلچسپ تھا، کہ آدمی سوتا
ہے، تو اس کی روح جسم سے نکل کر آفاق کی پہنائیوں
میں گشت کرنے نکل کھڑی ہوتی ہے اسی گشت کے دوران
اس کا گزر جہاں جہاں سے ہوتا ہے اور اس کی ملاقات
جن جن چیزوں سے ہوتی ہے وہی اسے خواب میں نظر
آتی ہیں۔ ان کا یہ اعتقاد بھی ہے کہ موت، بیماری اور مصیبتیں
اجداد کی روحیں نازل کرتی ہیں۔ جب خواب میں ان کی روح
ان کے قریب سے گزرتی ہیں تو وہ مخالفت اس پر ٹوٹ پڑتی
ہیں اور وہ بیمار ہو کر موت کا شکار ہو جاتا ہے۔

وہ یہ اعتقاد بھی رکھتے تھے کہ دنیا کو پیدا کرنے
والی کوئی ہستی ہے اور ان کا سب سے اعلیٰ ایک سفید
گائے کی نسل سے پیدا ہوا۔ اس گائے نے لڑکی اور لڑکے پیدا

کیا، جس کے بارے میں کوئی معلومات نہیں۔ بالآخر سردار
نے لاکھاسا قبیلے والوں سے جنگ اور جا کر کاہو لاکھاسا سے جنگ
کرنے کے لئے اس نے اپنے بیٹے کو اچھا خیال نہیں کیا۔ لاکھاسا
والوں نے اس سے زیادتی کر کے جنگ کا آغاز کر دیا ہے
اس لئے ہم کو صرف تروانگا کے صحت یاب ہونے کا
انتظار ہے، جنگ شروع کر دی جائے گی۔

سردار کے جانے کے بعد ہم اس بارے میں گفتگو
کرنے لگے۔ "آپ کا خیال ہے کیا ہم ان کے ساتھ جنگ میں
شریک ہوں گے" فرازی نے ہنس کر کہا۔

"نہیں بھائی۔ مجھے تو ان وحشیوں کی جنگ کے تصور
سے ہی وحشت محسوس ہوتی ہے۔ کیسی عجیب روایات ہیں ان
کی۔ ... کے لئے لڑتے ہوئے بھی"

"ہاں اس عہد جدید دور کی جدید تہذیب میں ساری
باتیں بہت عجیب محسوس ہوتی ہیں۔ لیکن افریقہ اعظم
انہیں داستانوں کی سرزمین ہے۔"

رات کو ہم سونے کی کوشش کرتے رہے۔ اور چونکہ
سکون کی جگہ تھی اس لئے گہری نیند آئی۔ دوسرے دن سب
کی بہت دیر سے جاگے تھے۔ ناشتہ تیار تھا۔ وہ چاول سے
بہتر ہی غذا مہیا کر رہے تھے۔ ناشتے سے فارغ ہو کر ہماری
گفتگو ہوئی۔

"سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ہم ان سے کیا فائدہ حاصل کر
سکتے ہیں" فرازی بولا۔

"صرف ایک" میں نے کہا۔

"وہ کیا؟"

"اس سمت کے بارے میں معلوم کریں گے۔ جو ہماری
منزل ہے۔ اس سے زیادہ ہمیں ان سے اور کوئی فائدہ
نہیں حاصل ہو سکتا۔" میں نے جواب دیا۔

"یہ کیا کریں گے مسٹر ..."

"بس کسی مناسب موقع پر۔"

"یہاں قیام کریں گے ابھی۔"

"میرے خیال میں مسٹر فرازی ہمیں چند روز یہاں
ضرور گزارنے چاہئیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اس طویل اور
تھکا دینے والی مہم کے دوران پہلا موقع ہے کہ ہم ایک
محفوظ جگہ قیام پذیر ہیں۔ سستانے اور آرام کرنے کے اس
موقع کو ہاتھ سے گنوانا مناسب نہیں۔ کیونکہ اس کے بعد
ہمیں جو دشوار گزار راستوں کے سفر پر چل پڑنا ہے۔"

قدموں کے نکلیں ہمارے اختیار سے باہر ہوتے ہیں۔ اگر ہم
سیدھے راستے پر چلتے رہتے تو شاید اب تک اپنی منزل
پر پہنچ گئے ہوتے۔"

"ہوں۔" فرازی ایک ٹھنڈی سانس لے کر خاموش
ہو گیا۔

"یہ صرف میرا خیال ہے مسٹر فرازی آپ بھی ہے ہر
ایک کی اپنی رائے ہو سکتی ہے۔ اگر کوئی تجویز آپ کے
ذہن میں ہو تو ضرور بتائیں ہم اس پر غور کریں گے۔"

"نہیں کوئی تجویز نہیں ہے میرے ذہن میں۔"

"جنگلوں کی زندگی اس سے مختلف نہیں ہوتی مسٹر
فرازی ان میں یہی سب کچھ ہوتا ہے۔"

"ہاں مجھے اندازہ ہے۔"

"اور پھر دولت مند بننے کے لئے یہ سب کچھ
ضروری ہے۔" ... مسکراتا ہوا بولا سب مسکرانے لگے
تھے۔

تیسرے دن تروانگا اپنے قدموں سے چل کر ہمارے
پاس آیا۔ بڑا شاندار جوان تھا۔ وہ ہمارے لئے تحائف لایا
تھا اور یہ تحائف بیش قیمت پتھر اور سونے کے چھوٹے
زیورات تھے اس لئے یہ تحائف ہم لوگوں میں تقسیم کر دیے
اور تمام چہروں پر زندگی کی لہر دوڑ گئی۔ مہذب دنیا میں یہ پتھر
لاکھوں روپے کی مالیت کے تھے۔ بددل ہونے والے
زندگی سے معمور ہو گئے۔ چہروں پر خوشی کی علامت تھی
مجھے سکون ہوا تھا۔ کم از کم ان بے چاروں کے کچھ تو آنسو
خشک ہوئے۔

پھر ایک شام جنگی نقارے کی آواز گونجی اور دل
دہل گئے۔ ہم سب باہر نکل آئے۔ اعلان جنگ ہو چکا تھا ہم
گھر سے جنگ جو اور خون آشام نکل نکل کر آ رہے
تھے۔ وہ ہاتھ میں خنجر، کلہاڑے اور برچھے لے کر
وسیع چوک میں جمع ہو رہے تھے ہر طرف شور و غوغا
مچا ہوا تھا۔ بڑے بڑے مٹکے تعداد تیار تھی چوک میں جمع کر
دیے گئے اور ان میں جنگل کی شراب بھر دی گئی شراب
عام ہو گئی تھی۔ سب سے پہلا جام نوجوانوں کے سالار
نے لیا۔ ہر ایک دراز قامت سیاہ فام تھا۔ جس کے جسم
پر جانوروں کی کھالیں بھی ہوئی تھیں۔ اس کے بعد
شراب عام ہو گئی ہر ایک کے لئے فتح کا جام پینا
ضروری تھا۔

وہ رات عجیب کیفیت میں گزری۔ جھونپڑوں سے
قریب بستی کی عورتیں اور بچے شور مچا رہے تھے وہ
رات بھر گیت گا رہے تھے یہ ہنگامہ ناقابل برداشت تھا
مجھے بے چینی تھی۔ ساری رات اسی طرح گزر گئی۔ دوسری صبح
لشکر جنگ پر جا رہا تھا۔ بوڑھا سردار شیر کی کھال پہنے
ہوئے تھا اور اس کے سر پر شیر کی کھوپڑی کسی ہوئی
تھی۔ وہ ہمارے پاس آ کر بولا۔

"سفید فام لوگو جنگ ناگزیر ہے اور ہمیں افسوس ہے
کہ تم ہمیں اپنی بستی میں چھوڑ کر جنگ پر جا رہے ہیں۔
جب ہم وہاں سے لوٹیں گے تو بہت سی کھوپڑیاں اور
عورتیں ہمارے ساتھ ہوں گی۔ ہم ان کے مویشیوں کے
گلے کے گلے ہانک لائیں گے۔ ہمیں یقین ہے کہ تم ہمارا
انتظار کرو گے۔ اب ہمیں اجازت دو۔"

سردار نے ہمیں سینے سے لگایا اور پھر ہم نے
اس عظیم الشان لشکر کو وہاں سے جاتے ہوئے دیکھا
سلمان نے ہنس کر کہا۔

"اصولاً تو ہمیں ان لوگوں کے ساتھ جنگ میں شریک
ہو جانا چاہیئے تھا۔ لیکن افسوس ہم یہاں ان کا انتظار کریں
گے۔"

"یہ کون سا اصول ہے، بہتر تو یہ ہے کہ ہم خاموشی
سے یہاں سے نکل چلیں۔ ہم نے تصویر کے دوسرے
رخ پر غور نہیں کیا ہے۔" فرازی بولا۔

"تصویر کا دوسرا رخ۔" سلمان نے پوچھا۔

"ہاں۔ اگر انہیں جنگ میں شکست ہو گئی اور کہیں
دوسرے قبیلے والے اس طرف آ پہنچے تو ہم کیا کریں گے
اس وقت کے بارے میں سوچا ہے تم نے۔" فرازی
بولا۔ بات معقول تھی ایک لمحے کے لئے ہمارے منہ
حیرت سے کھلے رہ گئے۔

شجرہ

ابلیس بہرحال صوفیا اور علما دونوں کے لیے باعث حیرت اور تعجب انگیز ہستی ہے۔ وہ ہر وقت موجود اور بے پناہ قدرت کا مالک ہے۔ سبھی کو آسانی سے بہکا لیتا ہے، حتاکہ جنت میں آدم اور حوا کو بھی بہکانے میں کام یاب ہو گیا۔ شاعروں اور فلسفیوں، مفسروں، محدثوں، صوفیوں، واعظوں، عالموں، زاہدوں اور فقیہوں کو اس نے جس جس طرح اپنے دام تلبیس میں پھنسایا ہے، اس کی مکمل روداد حافظ ابو الفرج علامہ ابن جوزی نے اپنی کتاب تلبیس ابلیس میں لکھ دی ہے جو واقعی عالمانہ بھی ہے اور دل چسپ بھی، لیکن زیادہ دل چسپ مفسرین کی وہ تحقیقات ہیں جو انھوں نے ابلیس کے گھریلو معاملات وحالات کے بارے میں کی ہیں۔ سورۂ کہف کی اڑتالیسویں اور انچاسویں آیات میں ابلیس اور اولاد ابلیس کا ذکر آیا ہے اور ان کی دوستی سے منع کیا گیا ہے کہ ان کی دوستی زیان و ذلت و عقوبت کا باعث ہے۔ اولاد کے ذکر پر مفسرین کو ابلیس کی بیوی کا خیال آنا لازمی تھا۔ چناں چہ بعض نے کہا کہ ابلیس کی اولاد اس کی بیوی کے بطن سے پیدا ہوتی ہے لیکن بعض دوسرے مفسروں نے اس طرح کا توالد اور تناسل تسلیم نہیں کیا۔ ان کی تحقیق کے مطابق ابلیس کی بیوی پرندوں کی طرح انڈے دیتی ہے اور ابلیس کے بچے انھی انڈوں سے نکلتے ہیں۔ یہ خیال انھیں اس لیے آیا کہ ابلیس اور اولاد ابلیس سرعت کے ساتھ ایک جگہ سے دوسری جگہ پہنچنے پر قادر ہے۔ پہاڑ اور دریا ان کے راستے کی رکاوٹ نہیں بنتے اور ایسا پروں کے بغیر ممکن نہیں ہے لہٰذا وہ پرندے قسم کی مخلوق ہیں۔

توالد از بطن کے قائل مفسرین نے ابلیس کے نو بیٹوں کے نام بھی معلوم کر لیے ہیں۔ پہلے لڑکے کا نام لاقیس ہے، دوسرے کا والہان، تیسرے کا ہفاف، چوتھے کا مرہ، پانچویں کا زلن پور، چھٹے کا تبر، ساتویں کا اعور، آٹھویں کا مسطوس اور نویں کا داسم۔ ان نو لڑکوں نے اولاد آدم آپس میں تقسیم کر لی ہے اور ہر ایک اپنے اپنے حلقے کے امور کی دیکھ بھال کرتا ہے۔

ابلیس کی بیوی کا نام البتہ کوئی معلوم نہ کر سکا۔ دوسرے مفسرین اولاد ابلیس کی تعداد نو تک محدود نہیں سمجھتے۔ ان کے خیال میں آدم کے ہر بیٹے پر ابلیس کا ایک ایک بیٹا موجود ہے جو آدم کے بیٹے کے ساتھ زندگی بھر لگا رہتا ہے اور اسے مرنے تک نہیں چھوڑتا۔

فرازی نے جو کچھ کہا تھا اس کی حقیقت سے انکار نہیں کیا جا سکتا تھا۔ ان حالات میں ہم مصیبت میں پھنس سکتے تھے۔ جوالگانے ہمیں قیمتی تحائف دیے تھے۔ سیاہ فام مزدوروں کے لیے تو یہ تحائف اس قدر قیمتی تھے کہ وہ ان کی حفاظت کے خیال سے راتوں کو سونا بھی نہیں چاہتے تھے۔ دوسرے لوگ بھی انھیں پا کر خوش تھے بے نیاز تھے تو میں اور سلمان کہ ہمیں ان چیزوں سے چنداں دلچسپی نہیں تھی۔

"کیا خیال ہے فرازی، ہمیں کس طرف چلنا چاہیے؟" سلمان نے کچھ دیر تک سوچتے رہنے کے بعد سوال کیا۔

"ابتدائی طور پر تو اس طرف کو کہ ان لوگوں کا رخ دوسری طرف ہے۔ اس طرف تک کے ذہنی خطرہ نہیں ہوگا۔ اس کے بعد ہم نقشے کے مطابق اپنی منزل کا تعین کریں گے" فرازی نے جواب دیا اور پھر لیلیٰ کی طرف دیکھا۔

"تم آپ کا کیا خیال ہے مس لیلیٰ؟"

"اصولی طور پر میں مسٹر فرازی سے متفق ہوں اس کی وجہ یہ ہے کہ ہم ان جنگلوں کی سیاحت کے لیے تو نہیں آئے ہیں۔ ہماری تو خواہش ہے کہ ہم اپنی طلب میں کامیاب ہو کر جلد از جلد اپنی دنیا میں واپس چلے جائیں۔ اس طرح اس قبیلے میں ان لوگوں کا انتظار کرنے سے کیا فائدہ۔"

"اگر سب کی یہی رائے ہے تو ٹھیک ہے۔ مجھے اعتراض نہیں ہے۔" میں نے کہا اور اس کے بعد اس موضوع پر گفتگو کی گنجائش نہیں رہی۔ گویا ہم سب متفقہ طور پر اس بات پر تیار ہو گئے تھے کہ موقع پاتے ہی یہاں سے نکل جائیں۔ اس فیصلے کے بعد میرے دل میں ایک ذرا سی خلش پیدا ہو گئی تھی، یہ لوگ لاکھ جنگلی سہی لیکن جوانگا اور اس کے باپ نے ہمارے ساتھ بہت بہتر سلوک کیا تھا اور وہ ہمیں اس امید پر مجبور کر گئے تھے کہ واپسی میں ہمیں یہیں پائیں گے لیکن یہاں کی اپنی سوچ تھی، باقی لوگوں کا کہنا بھی درست تھا اگر انہیں شکست ہو جاتی اور اس کے بعد ان کے دشمن ان کا پیچھا کرتے ہوئے یہاں پہنچتے تو ہمیں اس قبیلے میں پاتے اور اس کے بعد یہ نہیں کہا جا سکتا تھا کہ وہ وحشی جنگلی ہمارے ساتھ کیا سلوک کریں۔ ہم انہیں لوگوں میں شامل ہوتے جو شکست خوردہ ہوتے ہیں۔ جن کے ساتھ یہ جنگلی بہتر سلوک نہ کرتے، جلانگے کیونکہ جوانگا اور اس کا باپ یہ کہہ کر گئے تھے کہ واپسی میں وہ مردوں کے سر اور ان کی عورتیں لے کر آئیں گے۔ تو کیا یہ ممکن نہ ہوگا کہ وہ شکست کھا جائیں اور ان کے دشمن اس قبیلے کا رخ کریں تو پھر یہاں سے وہ سر اور عورتیں لے جائیں اور ان سروں میں ہمارے سر بھی شامل ہوں گے۔

یہ طے کیا گیا کہ آج ہی رات موقع پا کر یہاں سے دائیں سمت درختاں والے علاقے کی جانب سفر کرتے ہوئے دور نکل جانا چاہیے، اتنی دور کہ یہ لوگ ہمارا پتہ نہ پا سکیں، اور اس کے بعد جب ہم مناسب جگہ پہنچ جائیں تو اپنا صحیح راستہ تلاش کر لیں۔

سرِ شام ہی آسمان بادلوں سے ڈھک گیا تھا، فضا میں نمی گھلی ہوئی تھی جس سے اندازہ ہوتا تھا کہ بارش کسی بھی وقت ہو سکتی ہے، لیکن ابھی تک بارش کا کوئی وجود نہیں تھا۔ رات کے تقریباً بارہ بج گئے اور تاریکی گھور ہوتی چلی گئی۔ قبیلے کی عورتیں اور وہ لوگ جو جنگی خدمات پر مامور کیے گئے تھے، انہیں رات کا کھانا دے گئے تھے اس کے علاوہ ہمارے لیے آگ روشن کر دی گئی تھی تاکہ ہم درندوں وغیرہ سے بچاؤ ہو سکے یہاں مچھر بہت تھے اور کافی بڑے بڑے تھے۔ آگ ہم نے روشن رہنے دی، ایک بجے ہم سب تیار ہو گئے، بستی کے کچھ نوجوان پہرے پر مامور تھے اور بھالے سنبھالے لیے ہوئے ان جگہوں پر تعینات تھے جو باہر سے آنے والے راستوں کی سمت میں تھیں، لیکن ہم نے عقبی راستے کا انتخاب کیا تھا چنانچہ صحیح وقت پر ہم سب تیار ہو کر اس راستے کی جانب چل پڑے۔ دو دو کی تعداد میں ہم لوگ آگے بڑھے تھے تاکہ کسی کو شبہ نہ ہو سکے اور ہمارا انداز بھی اس طرح کا تھا جیسے ہم چہل قدمی کر رہے ہوں، حالانکہ رات کے اس پہر چہل قدمی کسی طور مناسب نہیں تھی لیکن بہرطور اس کے علاوہ کوئی چارہ کار بھی نہیں تھا، یہ اتفاق کی بات تھی کہ پھر بادلوں کی وجہ یا رات کا پہر کہ ہمیں کسی نے نہیں دیکھا اور ہم سب بالآخر اس جگہ پہنچ گئے جہاں سے ہمیں آگے کی جانب سفر کرنا تھا، تاریکی اتنی شدید تھی کہ ہاتھ کو ہاتھ سجھائی نہ دیتا تھا، لیکن یہی موقع ہمارے لیے بہتر بھی تھا۔ اس تاریکی سے فائدہ اٹھا کر ہم جتنی دور نکل جاتے اسی میں ہمارا فائدہ تھا، ورنہ دن کی روشنی ہمارے فرار کے لیے بہتر ثابت نہ ہوتی۔

ہم آگے بڑھتے رہے، اس گھور تاریکی کی وجہ سے سفر کی رفتار اتنی تیز نہیں تھی جتنی ہونی چاہیے تھی۔ جگہ جگہ ٹھوکریں پڑ رہی تھیں اور یہ نہیں کہا جا سکتا تھا کہ ہمارا اگلا قدم ہمیں کہاں لے جائے گا۔ موت زندگی ہمارے ساتھ ساتھ چل رہی تھی۔ جانے کہاں اختتام تھا، اس کے بارے میں کوئی کچھ نہیں کہہ سکتا تھا۔ واپسی بھی متوقع نہیں اور حشرات الارض بھی، درندوں کا بھی خطرہ تھا لیکن بہرطور ان تمام خطروں کے ساتھ ہم آگے بڑھ رہے تھے اور ہماری یہی کوشش تھی کہ جس طور بھی ممکن ہو سکے، قبیلے سے دور نکل جائیں۔

راستہ چٹانی تھا اور شکر یہ تھا کہ ابھی جنگلوں کا راستہ نہیں شروع ہوا تھا، ویسے بھی اس بات کا یقین نہیں کیا جا سکتا تھا کہ جس راستے کی طرف ہم بڑھ رہے ہیں، وہاں آگے چل کر ہمیں کتنے فاصلے پر جنگل ملیں گے۔ لیکن جو کچھ بھی تھا اب تو یہ سفر طے کرنا ہی تھا۔

ہم اندھوں کی طرح ٹھوکریں کھاتے ہوئے آگے بڑھتے رہے اور ساری رات یہ سفر جاری رہا، شکر تھا کہ کوئی ایسا حادثہ پیش نہیں آیا جو ہمارے لیے تکلیف دہ ہوتا، پھر جب صبح کے اجالے پھوٹے تو ہم نے دیکھا کہ جنگل ہمارے بائیں سمت دور تک پھیلا ہوا ہے، گویا ہم جنگل کے کنارے کنارے سفر کرتے رہے تھے اور جنگل بہت پیچھے آ گیا تھا۔

جنگل کے اس حصے سے جنگلی درندوں کی آوازیں بھی آ رہی تھیں، جن جدید اس نے پہلے عبور نہیں کیا تھا، ان آوازوں کو سن کر ہم کانپ کر رہ گئے۔

سلمان میرے ساتھ ساتھ چل رہا تھا، فرازی اور ڈاکٹر فیکان نے جنگلوں کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"خدا کی پناہ، اس کا مقصد ہے کہ جنگلوں کا سلسلہ بہت دور سے شروع ہو گیا تھا۔"

"ہاں، رات اتنی تاریک تھی کہ ہم جنگلوں کے بارے میں کوئی اندازہ نہ لگا سکے۔"

میرے خیال میں صحرائے اعظم میں داخل ہونے کے بعد ہم نے اپنی زندگی کا سب سے خطرناک سفر کیا ہے۔ فیکان بولا۔ اور میں ہنسنے لگا۔

"کیا کہا جا سکتا ہے ڈاکٹر فیکان، ہم تو ہر لمحہ کسی نہ کسی خطرے سے دوچار رہے ہیں۔"

"لیکن کیا اندازہ ہے، ہم کتنی دور نکل آئے،" فرازی نے سوال کیا۔

"میرا خیال ہے کہ رات بھر کا یہ سفر ہمیں ان سے دس بارہ میل دور لے آیا ہوگا کیونکہ سفر کی رفتار زیادہ تیز نہیں تھی۔ اس لیے اس سے زیادہ فاصلے کا تعین نہیں کیا جا سکتا۔"

"بہرطور بری طرح تھکن ہو گئی ہے، کیا خیال ہے کچھ دیر آرام کیا جائے۔" ڈاکٹر فیکان نے کہا۔

"نہیں ڈاکٹر فیکان اس وقت آرام قطعی مناسب نہیں

ایسی اُمید نہیں تھی۔"

"یہ کوئی بات نہیں ہے" قطبی، "تم اتنی معمولی معمولی باتوں کو مت سوچو۔ تمہارا کیا خیال ہے کیا وہ کسی رہنما کے بغیر واپسی کا سفر کر سکیں گے۔؟"

"میرے خیال میں ناممکن ہے۔ اور ان کم بخت کتوں کا مرجانا ہی بہتر ہو گا۔ اگر مجھے اندازہ ہے کہ کوئی قتل آ جائے" اور وہ کسی مصیبت کا شکار ہو تو میں دو گولیاں تو اس کے سینے میں اُتار سکتا ہوں، اس کی مدد نہیں کر سکتا۔

"ٹھیک کہتے ہو قطبی، لیکن اب کیا کیا جائے۔ ہم بری طرح آگے تھے، پتہ نہیں اتنی جلدی کیوں مایوس ہو گئے ہو، حالانکہ ابھی تک ہمیں کوئی ایسا خوفناک واقعہ بھی پیش نہیں آیا جس میں زندگی کے ختم ہو جانے کا... جب کہ آگے کے حالات اور خطرناک ہو سکتے ہیں۔"

"ویسے مسٹر قطبی، مسٹر فرازی اور فیکان" اب ہم پانچ افراد رہ گئے ہیں، اور یہاں میں آپ کو ایک بار پھر حالات سے آگاہ کر دینا مناسب سمجھتا ہوں، اچھی طرح سوچ سمجھ کر فیصلہ کریں کہ آپ لوگ اپنے طور پر چلیں گے تو ہمیں مجبور تو نہیں ہونا پڑے گا۔ سفر میں اب مشکلات کا آغاز ہوا ہے اور ہمیں بار بار زندگی اور موت سے جنگ کرنا پڑے گی۔ اس وقت آپ لوگ مجھے دشمن کو ذمہ دار قرار تو نہیں دیں گے کیونکہ کامیابی اور ناکامی میں ہم برابر کے شریک ہیں، اور میں نے جو پیش کش آپ لوگوں کو کی ہے، وہ اس وقت ان جنگلوں میں بھی برقرار ہے اگر آپ لوگ اس وقت بھی واپسی پسند کریں تو جا سکتے ہیں۔ میری پیش کش آپ کے پاس محفوظ ہے اور آپ لوگ اس سے فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔

"نہیں میرے دوست۔ ہم بہت سے خطرناک مراحل سے گزر چکے ہیں" اور اس کے بعد یہ الفاظ ہمارے لیے مناسب نہیں ہیں۔ وہ کائر تھے، بھاگ گئے۔ میں اپنے ان الفاظ کی تصدیق اپنے دوست فیکان اور فرازی سے بھی چاہتا ہوں، میں نے اس سلسلے کو غلط کہا ہے فرازی۔"

نہیں مسٹر قطبی، جو کچھ ہوا ہے اس سے کہیں دل خراش کرنا ہے، لیکن ہم اس کا قصور وار نہیں دے سکتے، ساتھ ہی کہ مزدوروں کا انتخاب میں غلطی کی گئی۔

"مزدوروں کا انتخاب میرے لیے کیا تھا اور اگر مہذب دنیا کے یہ انسان... اور وہ بھی... تو تم دیکھو گے کہ میں ان

کے ساتھ کیا سلوک کرتا ہوں، لیکن بہرطور ہم سب انسان ہیں اور کہیں کسی مرحلے پر کسی سے بھی کوئی غلطی ہو سکتی ہے۔ کیا آپ لوگ اس بات سے متفق نہیں ہیں۔ قطبی نے نرم انداز میں کہا اور اس کے لہجے کی نرمی نے فرازی اور فیکان کو ٹھنڈا کر دیا۔

"ہاں تم ٹھیک کہتے ہو، اس میں کوئی شک نہیں۔" انہوں نے بلاآخر کہا۔ اس کے بعد بات ختم ہو گئی اور ہم نے آگے چلنا شروع کر دیا۔ لیکن اب طبیعت میں پہلی جیسی بشاشت اور چہل پہل نہیں رہی تھی۔ سارا دن سفر کیا کوئی قابل ذکر واقعہ نہیں پیش آیا سوائے اس کے کہ علاقہ بدل جانے سے موسم کی تبدیلیاں رونما ہو رہی تھیں۔ سرد ہوا کے جھونکے بدن سے ٹکرانے لگے تھے اور یوں لگتا تھا کہ آگے موسم بتدریج سرد ہوتا چلا جائے گا۔

قطبی نے اس بدلے ہوئے موسم پر تبصرہ کرتے ہوئے کہا

"یوں لگتا ہے جیسے آگے کا علاقہ برفانی ہو۔"

"اتنے مختصر سفر میں اتنا بدلا ہوا موسم مل سکتا ہے۔ کیا یہ حیرت انگیز بات نہیں ہے۔" فرازی بولا۔

"سرزمین افریقہ۔ حیرتوں کی سرزمین ہے جہاں کسی بات پر حیرت حماقت کے مترادف ہے۔ نہ جانے کیسے کیسے حالات سے واسطہ پڑے۔" قطبی نے جواب دیا۔ سفر جاری رہا۔ اندازہ درست تھا۔ جنگل ختم ہوتے جا رہے تھے اور وسیع میدان نظر آنے لگے تھے۔ پہاڑی ٹیلے تاحد نگاہ بکھرے ہوئے تھے اور ان کے اختتام پر برف پوش چوٹیاں نظر آ رہی تھیں۔ اس لیے سفر کی ساتویں رات ہم ایک برفانی علاقے میں گزار رہے تھے۔

ڈاکٹر فیکان سب سے زیادہ پریشان تھا۔ اس رات اس کی طبیعت کچھ خراب تھی۔ ایک ٹیلے کے دامن میں ہم نے پڑاؤ ڈالا اور ضروریات زندگی سے فارغ ہو کر سر جوڑ کر بیٹھ گئے۔ قطبی نے کہا

"ابھی تک ہم اپنی منزل کی علامات نہیں پا سکے۔ یہ اندازہ تو لگایا جا سکے کہ ہم صحیح سمت سفر کر رہے ہیں یا منزل سے بھٹک رہے ہیں۔ صحرائے اعظم مختصر نہیں ہے کہ گھوم پھر کر اس جگہ پہنچ جائیں گے جو ہمیں مطلوب ہے۔"

"ہم صحیح راستے پر ہیں۔" سلمان نے سکون سے کہا۔ وہ بے اختیار بول پڑا تھا۔

"اتنے دعوے سے یہ بات کیسے کہہ رہے ہو؟" قطبی نے سوال کیا لیکن سلمان نے اس بات کا کوئی جواب نہیں دیا۔ "میں نے تم سے سوال کیا ہے سلمان۔"

"جی۔" سلمان چونک پڑا۔

"تم اس دعوے سے یہ بات کیسے کہہ رہے ہو۔"

"کونسی بات۔؟" سلمان حیرت سے بولا۔

"یہی کہ ہم صحیح راستے پر ہیں۔"

"میں۔۔ میں نے کب کہی ہے یہ بات۔۔!" سلمان تعجب سے ہماری شکلیں دیکھنے لگا۔ میں چونک پڑا تھا۔ سلمان کی کیفیت سے واقف تھا۔ وہ ابھی گفتگو کرنے لگا تھا لیکن دوسرے لوگ تو اس کیفیت سے واقف نہیں تھے۔

"کیا تم نے ابھی یہ جملے نہیں کہے۔؟"

"مجھے علم نہیں۔" وہ ٹھنڈی سانس لے کر بولا۔

قطبی فرازی اور فیکان عجیب سی نگاہوں سے سلمان کو دیکھنے لگے، پھر قطبی نے کہا۔

"اگر تم مذاق کر رہے ہو بیٹے تو میرا خیال ہے یہ وقت مذاق کے لئے موزوں نہیں ہے، ہم لوگ اتنے عجیب و غریب حالات کا شکار ہیں کہ کچھ کہہ نہیں سکتے۔ یہاں سے واپسی کا تصور بھی بڑا پریشان کن ہے۔ اگر ہم تینوں تمہارا ساتھ چھوڑنا بھی چاہیں تو یہ ہمارے لئے ممکن نہیں، لیکن اگر صورت حال یہی رہی اور ہم اندھا سفر کرتے رہے، تو پھر شاید ہم یہ سوچنے پر مجبور ہو جائیں گے کہ ہم اپنی منزل نہیں پا سکیں گے۔" قطبی نے کہا۔

"نہیں مسٹر قطبی، بددل ہونے کی ضرورت نہیں، یہاں آنے کے بعد ہمیں ایسی تمام حالات سے دوچار ہونا تھا، ظاہر ہے صحرائے اعظم کا سفر معمولی بات نہیں تھی۔"

"وہ تو ٹھیک ہے، لیکن صورت حال اب ہمارے لئے کچھ عجیب سی ہو گئی ہے۔ آپ لوگ جس خاموشی اور سکون کے ساتھ سفر کر رہے ہیں وہ بھی حیرت انگیز ہے جبکہ منزل کا کوئی تعین نہیں ہے۔"

"تو پھر کیا کیا جا سکتا ہے مسٹر قطبی۔" میں نے پوچھا۔

"کچھ نہیں، میں سب سے پہلے اس بات کا یقین چاہتا ہوں کہ ہم جس راستے پر سفر کر رہے ہیں وہ صحیح ہے یا نہیں۔"

"میں نے کہا نا ہم صحیح راستوں کی سمت سفر کر رہے ہیں۔" سلمان پھر بول اٹھا اور قطبی چونک کر اسے دیکھنے لگا۔

"ابھی تم نے اس بات کی تردید کی تھی۔"

"لیکن اب میں کہتا ہوں کہ ہماری سمت درست ہے۔" سلمان نے کہا۔

"کیا نقشے کے مطابق تم اس بات کی تصدیق کر سکتے ہو کہ ہماری سمت درست ہے۔؟" قطبی نے وہ نقشہ سامنے پھیلا دیا جو

کہا جو ہم لوگوں نے ترتیب دیا تھا۔

"ہاں، ہم سیدھی ترائیوں میں سفر کرتے ہوئے آگے چلیں گے۔ پہاڑ ایک دیوار کی مانند ہو گا جس کے دوسری طرف جانے کے راستے مفقود ہوں گے، لیکن ان میں راستے ہیں اور انہی راستوں سے گزر کر ہم پہاڑی دیوار کے دوسری طرف جا سکیں گے اور اس طرف پہنچ کر، شاید اسی طرف پہنچ کر ---" سلمان بے خودی کے عالم میں کہہ رہا تھا اور میری حالت خراب تھی۔ وہ لوگ اس سلسلے میں سوال کر سکتے تھے جس کا میرے یا سلمان کے پاس کوئی جواب نہ ہوتا۔

"لیکن نقشے میں تو اس دیوار کی کوئی نشاندہی نہیں ہے؟"

"نہ ہو، میں جو کہہ رہا ہوں۔" سلمان نے کہا۔

"تم اتنے وثوق سے کیسے کہہ سکتے ہو یہ بات ---"

"بس جو میں نے کہا اور جو آپ لوگوں نے سنا وہ مکمل ہے۔ اس کے بعد کسی سوال کی گنجائش نہیں۔" سلمان کے لہجے میں ایک عجیب سی متانت تھی۔ قطبی، فرازی اور فیکان اسے دیکھتے رہے لیکن ان کے چہروں کے تاثرات خوشگوار نہیں تھے۔

"یہ مطلق العنانی ہم میں سے کسی کو بھی پسند نہیں آئے گی۔" قطبی نے کہا۔

"ذاتی طور پر مجھے اس سے کوئی غرض نہیں۔" سلمان نے برا سا منہ بنا کر کہا اور ہمارے پاس سے ہٹ گیا۔

"کیوں بابر صاحب، آپ سلمان کے اس رویے کے بارے میں کیا کہتے ہیں؟" قطبی نے مجھ سے سوال کیا۔ میں نے ہاتھ اٹھا کر قطبی کو خاموش رہنے کے لیے کہا اور پھر دھیمے لہجے میں بولا۔

"نوجوان خون ہے، اس بات پر توجہ مت دو۔"

"توجہ دینا ضروری ہے، آپ خود سوچیں مسٹر بابر، زندگی اتنی معمولی چیز تو نہیں ہے جسے مفروضات پر قربان کر دیا جائے۔"

"مگر مسٹر قطبی، ان تمام باتوں کے بارے میں تو آپ پہلے بھی سوچ چکے تھے ---" "یہ باتیں نئی نہیں ہیں۔" میں نے کسی قدر سرد لہجے میں کہا۔

"ہاں مگر ہمیں ایسے حالات کا علم نہیں تھا۔"

"ہمیں بھی نہیں تھا۔"

"اگر سلمان دوستوں کے معاملے میں اتنے پُرسکون ہیں تو ہمیں مطمئن کرنے کے لیے بھی کچھ کہیں۔"

"میں اسے مجبور نہیں کر سکتا۔"

"یہ کچھ عدم تعاون کی بات ہوئی۔" قطبی نے ہونٹ ٹیڑھے کر کے کہا۔

"ممکن ہے آپ کو ایسا محسوس ہو رہا ہو۔ لیکن حقیقت حال یہ نہیں ہے۔ میری گزارش ہے کہ آپ پُرسکون رہیں۔" میں نے کہا اور قطبی چند لمحات میری صورت دیکھتا رہا پھر گہری سانس لے کر خاموش ہو گیا۔ میں نے اس کے چہرے پر بے اطمینانی محسوس کی تھی۔

اس رات کے قیام میں ہمیں پہلے موقع ملا کہ سلمان سے گفتگو کی: "مجھے تمہارے رویے پر اعتراض ہے سلمان ---" اور سلمان چونک کر مجھے دیکھنے لگا۔ پھر بولا۔

"میں نہیں سمجھا چچا جان۔"

"حقیقت سے صرف میں اور تم واقف ہیں جبکہ دوسرے لوگوں کو ہم ایک جھوٹی کہانی سنا کر لائے ہیں۔"

"ہاں --- یہ درست ہے۔"

"ان لوگوں کا اطمینان بھی ضروری ہے۔"

"کچھ عرض کروں چچا جان، آپ برا تو نہیں مانیں گے۔"

"کہو ---"

"ان لوگوں کی موجودگی اب مجھے گراں گزرنے لگی ہے۔ بہتر ہوتا ہم اپنی اس مہم کا آغاز کسی اور طرح کرتے۔"

"کیا مطلب؟"

"مطلب یہ کہ ان لوگوں کا ساتھ صرف اس حد تک ہوتا کہ یہ ہمیں معقول معاوضے پر یہاں پہنچا دیتے اور اس کے بعد ہمارا ان سے کوئی واسطہ نہ رہتا۔ مجھے ان کے سوالات گراں گزرتے ہیں۔"

"وہ تو ٹھیک ہے سلمان، لیکن یہ ممکن نہ ہوتا۔ اس طرح کوئی ہمارے ساتھ یہاں تک نہ آتا۔"

"ان لوگوں کو اور بڑے معاوضے کی پیشکش کر دی جاتی۔"

"خیر اب یہ بعد از وقت کی باتیں ہیں۔ ویسے میں محسوس کرتا ہوں کہ ان لوگوں کی موجودگی غنیمت ہے۔"

"ہاں اس شکل میں خواہ مخواہ کے سوالات کر کے ذہن کو پریشان نہ کریں۔"

"تم ایک ایسی مہم پر نکلے ہو سلمان جو تمہارے لیے عبادت کا درجہ رکھتی ہے۔ تمہیں دماغ ٹھنڈا رکھنا ہو گا۔ ان لوگوں کو یہاں تک لے آئے ہو تو برداشت کرو۔ کوئی ایسی بات مت کرو جو ان کے لیے شبہ کا باعث ہو۔"

"آپ یقین کریں میں جان بوجھ کر کوئی ایسی بات نہیں کرتا اگر وہ کوئی ایسی بات کر دیتے ہیں جو صحیح نہیں ہوتی تو میری زبان خود بخود بول پڑتی ہے۔" سلمان نے جواب دیا۔

"تمہارے خیال میں ہم صحیح راستے پر ہیں۔"

"وثوق سے کیسے کہہ رہے ہو ---"

"یہ بات آپ جانتے ہیں چچا جان۔ میری رہنمائی کی جا رہی ہے۔ بہت سی نادیدہ قوتیں میری ہمسفر ہیں۔ یہ میرے اجداد کی روحیں ہیں جن کی نگاہ مجھ پر ہے۔"

علاوہ --- میں خاموش ہو گیا۔ اس طلسمی حقیقت سے کم از کم میں انحراف نہیں کر سکتا تھا۔

صحراؤں کا سفر دوسرے روز شروع ہو گیا۔ پہاڑ، جھاڑ جھنکاڑ، ویرانیاں، خطرناک وحشی جنگلی جانور۔ اس وقت ہم نے ایک ایسی جگہ قیام کیا جہاں تا حد نگاہ چٹانیں بکھری ہوئی تھیں۔ پیچھے ایک چوڑا درہ تھا اور کہیں کہیں درخت اگے ہوئے تھے۔

رات ہو گئی تھی --- ہم آرام کی غرض سے لیٹ گئے۔ قطبی، فرازی اور فیکان کا رویہ اب کچھ بدل گیا تھا۔ وہ بددل ہو گئے تھے۔ تینوں نے ہم سے دور آرام کے لیے جگہ بنائی تھی۔

دفعتاً فرازی کے حلق سے ایک آواز نکل گئی --- وہ --- وہ کیا ہے۔ مخاطب کوئی نہیں تھا۔ لیکن ہم سب اٹھ کر بیٹھ گئے۔ بہت دور درے میں ہم نے ایک جگہ آگ روشن دیکھی تھی۔ آگ کے شعلے رات کی تاریکی میں چمک رہے تھے اور ان سے سفید دھواں بلند ہو رہا تھا۔ قطبی، فرازی اور فیکان نے ایک دم ہم سے اس سلسلے میں کوئی گفتگو نہیں کی تھی، میں اور سلمان بھی کھڑے ہوئے آگ کو دیکھتے رہے۔ تب میں نے گہری سانس لے کر کہا۔

"ممکن ہے مقامی لوگ ہوں یا پھر یہ بھی ممکن ہے کہ سیاحوں کی کوئی پارٹی ہو۔" میری اس بات کا سلمان نے کوئی جواب نہیں دیا۔ قطبی، فرازی اور فیکان آپس میں کچھ گفتگو کر رہے تھے پھر قطبی نے میری طرف رخ کر کے کہا۔

"کیا خیال ہے مسٹر بابر --- کیا وہاں چل کے دیکھا جائے۔"

"مناسب تو نہیں ہے اگر وہ مقامی لوگ ہوں تو ہم ان کے بارے میں کیا کہہ سکتے ہیں کہ کس قسم کے لوگ ہیں اور ہمارے ساتھ کیا سلوک کریں۔"

"اور اگر غیر مقامی ہوئے تو ---؟" قطبی نے سوال کیا۔

"تب بھی یہ نہیں کہا جا سکتا کہ وہ لوگ کون ہیں اور ان کا رویہ ہمارے ساتھ کیا ہو گا۔"

"ہم یہ خطرہ مول لینا چاہتے ہیں؟" قطبی بولا۔

"کیا مطلب؟"

"مطلب یہ کہ ہم تینوں اس طرف جا رہے ہیں۔ دیکھتے ہیں وہ کون ہیں اور وہاں کیا کر رہے ہیں ---؟"

"اصولی طور پر یہ مناسب نہیں ہو گا۔ مسٹر قطبی۔"

"میں کسی اصول کو نہیں مانتا۔ فیکان اور فرازی بھی اس سلسلے میں میرے ساتھ ہیں۔ اصول کی بات آپ نے توڑ دی ہے مسٹر بابر۔ یوں سمجھئے کہ اب ہمارے درمیان وہ مفاہمت نہیں رہی جو اب سے کچھ عرصے قبل تھی ---"

"اس کی وجہ جان سکتا ہوں --- مسٹر قطبی؟"

"تعجب ہے آپ سمجھدار انسان ہو کر یہ بات کر رہے ہیں۔ اگر ہمیں صرف سیاہ فام غلاموں کی حیثیت دے دی جائے تو کیا ہم میں سے کوئی اسے قبول کرے گا ---" قطبی بولا۔

"نہیں --- یہ بات نہیں ہے۔ آپ غلط فہمی کا شکار ہیں۔ سیاہ فام غلاموں کی حیثیت کچھ اور تھی، آپ ہمارے دست و بازو ہیں۔"

"نہیں مسٹر بابر۔ سلمان صاحب کا رویہ اس بات کا مظہر نہیں ہے کہ وہ ہمیں اپنا ہم پلہ سمجھتے ہیں۔"

"بہرحال میں آپ کی اس غلط فہمی کو دور کرنے کے لیے مناسب الفاظ نہیں پاتا۔ لیکن میری رائے ہے کہ کم از کم رات کی تاریکی میں آپ وہاں تک پہنچنے کی کوشش نہ کریں۔"

"یہ صرف رائے ہے یا حکم۔" قطبی نے پوچھا۔

"میں نے کہا نا۔ صرف رائے ---" میں نے بھی کسی قدر خشک لہجے میں جواب دیا۔ قطبی کے رویے سے میں خود بھی جھنجھلا سا گیا تھا۔

"تو ٹھیک ہے رائے ماننا یا نہ ماننا ہماری اپنی مرضی پر منحصر ہے۔ ہم تینوں اُدھر جا رہے ہیں، دیکھتے ہیں کیا صورت حال ہے آپ اگر چلنا چاہیں تو ہمارے ساتھ چلیں ورنہ جیسا آپ پسند کریں۔"

"جب آپ فیصلہ کر ہی چکے ہیں تو میں آپ کو روکنے کا حق نہیں رکھتا ---"

"ہم یہ ہتھیار ساتھ لیے جا رہے ہیں، ممکن ہے ہمیں ان کی ضرورت پیش آ جائے۔"

"ٹھیک ہے۔ جیسا آپ مناسب سمجھیں۔" میں نے لاپرواہی سے کہا اور وہ تینوں اپنے ہتھیار اٹھا کر درے کی طرف چل پڑے۔ سلمان خاموشی سے انہیں دیکھ رہا تھا پھر اس نے سرگوشی کے انداز میں کہا۔

"کوئی حرج نہیں ہے۔ کوئی حرج نہیں ہے جو ہو رہا ہے ہونے دیا جائے۔" میں نے چونک کر سلمان کی طرف دیکھا۔ وہ حسب معمول وجدان کے عالم میں بول رہا تھا۔ میں نے اس کے شانے پر ہاتھ رکھا تو وہ چونک پڑا۔

"وہ لوگ کہاں جا رہے ہیں۔" اس نے سوال کیا۔

"بے فکر رہئے۔ بیٹھ جائیے وہ انہیں ڈھونڈ لائیں گے۔" میں نے جواب دیا اور سلمان خاموش ہو گیا۔

قطبی، فرازی اور فیکان تاریکی میں گم ہو گئے۔ شعلے اب بھی نظر آ رہے تھے لیکن ان کے اطراف میں گہرا تھا۔ ان کا انداز و بیان بھی نہیں ہو رہا تھا۔ میں تشویش زدہ نگاہوں سے ادھر دیکھتا رہا۔ سلمان بھی میرے پاس ہی خاموش بیٹھا ہوا تھا۔ بہت دیر گزر گئی۔ غالباً اس کا خیال تھا کہ اب تک وہ لوگ اسے طے کر چکے ہوں گے۔ میری سمجھ میں نہیں آیا کہ وہ لوگ کون ہیں حالانکہ قطبی فرازی اور فیکان کا یہ انداز نہ ہوتا تو شاید میں خود بھی ان کے ساتھ اس جگہ تک پہنچنے کی کوشش کرتا لیکن وہ لوگ بیدھی اختیار کر رہے تھے تو کم از کم میرے ذہن میں بھی یہ خیال آیا کہ میں ان کو اس طرح اہمیت دوں جیسا وہ مناسب سمجھیں کریں۔ ہم لوگ انتظار کرتے رہے۔ رات گزرتی رہی لیکن قطبی فرازی اور فیکان واپس نہیں آئے۔ پھر غالباً آدھی رات گزر گئی نہ جانے ان لوگوں پر کیا بیتی۔ ویسے فائرنگ وغیرہ کی آواز سنائی نہیں دی تھی۔ رات کے سناٹے میں اگر گھسٹنے چلنے کی آوازیں پیدا ہوتیں تو یہاں تک ضرور پہنچ جاتیں۔ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کیا ہوا لیکن اب اس سے زیادہ حماقت کی مناسب نہیں تھی۔ میں نے سلمان سے سونے کے لیے کہا اور وہ اطمینان سے لیٹ گیا۔ وہ بے فکر نوجوان تھا اور اسے کسی چیز کی فکر نہ تھی۔ رات گزرتی رہی اور بیٹھے بیٹھے ہی مجھے بھی نیند کی لپیٹ میں آ گیا۔

صبح کو اس وقت آنکھ کھلی جب قطبی میرا شانہ جھنجھوڑ رہا تھا میں نے چونک کر اسے دیکھا اور پھر گہری سانس لے کر رہ گیا۔ ہمارے اطراف میں پندرہ سولہ افراد کھڑے ہوئے تھے۔ یہ سب جدید لباس میں ملبوس تھے۔ البتہ ان کے پاس ہتھیار نہیں تھے۔ لباس بھی تنے میلے کچیلے اور بوسیدہ ہو گئے تھے جس سے اندازہ ہوتا تھا کہ وہ طویل عرصے سے صحرائے اعظم کا سفر کر رہے ہیں اور خاصی پریشان حالی کے عالم میں بسر کر رہے ہیں۔ ان کی داڑھیاں بڑھی ہوئی تھیں بال الجھے ہوئے تھے۔ آنکھوں سے کسی قدر وحشت اور تھکن نمایاں تھی لیکن ہوش و حواس میں ہی تھے۔ ان میں سے ایک چوڑے شانوں والے شخص نے میری طرف ہاتھ بڑھاتے ہوئے کہا۔

"مجھے ایلڈرک کہتے ہیں۔ پروفیسر وان ایلڈرک، جرمن ہوں اور سیاحوں کی حیثیت سے صحرائے اعظم میں آیا تھا۔"

"آپ سے مل کر خوشی ہوئی مسٹر ایلڈرک۔" میں نے بھی گرمجوشی سے ہاتھ ملاتے ہوئے کہا۔ اس کے بعد سلمان نے بھی ان سب سے مصافحہ کیا۔ فضا خاصی خوشگوار تھی۔ کوئی ایسی بات نہیں تھی جس سے ہم لوگوں کو کسی پریشانی سے دوچار ہونا پڑتا۔

"مسٹر قطبی نے آپ کے بارے میں تفصیلات بتائی ہیں ہمیں آپ سے مل کر بڑی مسرت ہوئی۔" ایلڈرک نے کہا۔

"شکریہ۔ شکریہ۔"

"ویسے میں اس ٹیم کا سربراہ ہوں اور میری ہی سربراہی میں یہ تمام لوگ صحرائے اعظم کے سفر پر نکلے تھے۔ ہم لوگ ہاتھی دانت کی تلاش میں یہاں آئے تھے۔ اس کے علاوہ اور بھی کچھ چیزیں ہمارے علم میں تھیں۔ ہاتھی دانت ہمیں اچھی خاصی مقدار میں مل گیا ہے لیکن اس کی بار برداری ہمارے لئے بڑی مشکل ہو گئی ہے۔ بڑا سست سفر ہو رہا ہے ہمارا، اور اس سفر میں خاصی مشکلات پیش تھیں۔ ہمیں مزید آدمیوں کی ضرورت تھی تاکہ ہماری افرادی قوت بڑھ سکے۔"

"ہاں۔ یقیناً ویسے کتنی مقدار میں ہاتھی دانت آپ نے حاصل کر لیا ہے۔"

"بہت کافی ہے۔ ہم نے صرف اتنا اپنے ساتھ لیا جتنا بار کر سکتے تھے۔ باقی ایک بہت بڑا ذخیرہ ہم پیچھے چھوڑ آئے ہیں۔"

"ہاں۔ اس قسم کی چیزوں کو لاد کر لے جانا ایک بہت بڑا مسئلہ ہے لیکن آپ نے اس بارے میں پہلے نہیں سوچا تھا۔"

"سوچا تھا اور بہت سارے انتظامات کر کے چلے تھے لیکن صحرائے اعظم کا اپنا ایک مزاج ہے۔ لیجیے اور ہماری وہ سواریاں ہمارا ساتھ نہیں دے سکیں جن کو ہم بڑے اعتماد سے اپنے ساتھ لائے تھے اور اس کے بعد بالآخر ان ہی دو پیروں پر بھروسہ کرنا پڑا۔"

ایلڈرک نے کہا۔ خوش اخلاق اور ملنسار آدمی معلوم ہوتا تھا۔ اچھی گفتگو کر رہا تھا۔ قطبی، فیکان اور فرازی بھی خوش نظر آ رہے تھے۔ یعنی اب ان کے چہرے پر وہ کیفیت نہیں تھی جو پہلے تھی۔ اور یہی بات مجھے شبے میں مبتلا کر رہی تھی۔ میں نے ان تمام افراد کو دیکھا کچھ جرمن تھے اور کچھ یورپ اور دوسرے علاقوں کے باشندے، ایک چوڑے شانوں والا پستہ قد بوڑھا شخص تھا جس کے خدوخال مجھے کسی قدر ایشیائی نظر آئے تھے لیکن بہر طور وہ بھی یورپی ہی معلوم تھا۔ نیلی آنکھوں اور مخصوص رنگ کی وجہ سے اسے یورپین ہی سمجھا جا سکتا تھا۔ اس کے ساتھ ایک دبلا چھوٹی سی عمر کا نوجوان آدمی تھا جس کے بال لمبے اور اخروٹی تھے اور بری طرح بکھرے ہوئے تھے لیکن اس کا چہرہ نرم اور حلیم تھا۔ بدن پر بہت سارے لباس لادے ہوئے تھا۔ غالباً وہ سردی کا مریض تھا ناک کا اگلا حصہ سرخ ہو رہا تھا لیکن خدوخال میں بے حد جاذبیت اور کشش تھی۔ یہ تمام افراد ہماری جانب نگراں تھے۔ میں نے انہیں بیٹھنے کی پیشکش کی اور مسکراتے ہوئے کہا۔

"میں نہیں جانتا کہ آپ کے پاس رسد کے کیا انتظامات ہیں۔ لیکن ہمارے پاس جو کچھ موجود ہے ہم بطور مہمان نوازی اسے آپ کی خدمت میں پیش کر سکتے ہیں۔"

"اگر کافی ہو تو بلوائیے ہم تو اس کا ذائقہ بھی بھول گئے ہیں۔" ایلڈرک نے کہا اور میں نے ہنستے ہوئے گردن ہلا دی۔

"اس سلسلے میں فرازی، قطبی اور فیکان ہی آپ کی مدد کر سکتے ہیں۔" میں نے جواب دیا۔ قطبی اور فیکان نے گردن ہلائی۔ اور دوستانہ انداز میں کافی تیار کرنے لگے۔ مجھے حیرت تھی کہ ان کا موڈ ایکدم کیسے بدل گیا ہے۔ اس سے قبل تو وہ بالکل مردم تھا وہ ان کا رویہ لیکن سب لوگوں کے ملنے ان کے رویئے میں نمایاں تبدیلی پیدا ہو گئی تھی۔ کافی تیار ہو گئی اور اس کی خوشبو فضا میں پھیلنے لگی۔

ایلڈرک نے کافی کی تیز پیالیاں پی ڈالیں جتنی کافی تھی ایک ہی دور میں ختم ہو گئی لیکن ہم نے مہمانوں کی مدارات میں کوئی کمی نہیں کی۔ ان لوگوں نے بڑی بے صبری سے کھایا پیا اور میرے دل میں تشویش کے آثار پیدا ہونے لگے۔ ان کے پاس تو کچھ بھی نہیں تھا۔ اگر ہمارا ان کا ساتھ رہا تو دو دن کے بعد ہم لوگ بھوکے مرنے لگیں گے اور اس کے بعد یہ ویران جنگل ہوں گے اور ہماری کسمپرسی لیکن بہر طور کچھ کہہ نہ سکتا تھا۔ البتہ قطبی، فرازی اور فیکان کا انداز میرے لیے اب بھی پریشان کن تھا۔ میں ان لوگوں کے اچانک بدل جانے والے رویئے کے بارے میں کچھ نہیں کہہ سکتا تھا۔

میں نے اس سلسلے میں ابھی کسی سے کوئی سوال نہیں کیا لیکن میں جاننا چاہتا تھا کہ ان لوگوں کا اپنا مزید کیا پروگرام ہے۔ تمام ضروریات سے فارغ ہونے کے بعد ایلڈرک میرے نزدیک بیٹھ گیا اور کہنے لگا۔

"آپ کے دوست نے مجھے اپنی مہم کے بارے میں تفصیلات بتائی ہیں۔ انہوں نے مجھے یہ بھی بتایا ہے کہ آپ کے ساتھی مزدور فرار ہو گئے اور آپ کا کافی سامان بھی لے گئے۔ بہر طور صحرائے اعظم میں ایسے ڈرامے ہوتے ہی رہتے ہیں۔ ہم لوگوں سے پوچھیے ہم نے ایک طویل عرصہ ان جنگلوں میں گزارا ہے۔ کیسے کیسے بھیانک واقعات سے دوچار ہونا پڑا ہے۔ بہر طور میں آپ سے کچھ گفتگو کرنا چاہتا ہوں مسٹر بابر۔"

"ہاں ہاں فرمائیے۔" میں نے خوش اخلاقی سے کہا۔

"اگر آپ کے ذہن میں کوئی ایسا منصوبہ ہے جس کے بارے میں آپ کو یقین ہے کہ آپ کامیاب ہو جائیں گے تو کیا آپ کو مزید ساتھیوں کی ضرورت پیش نہیں آئے گی۔ میرا مطلب ہے ان مزدوروں کی جگہ جو فرار ہو گئے ہیں۔"

"اگر میں اس بات کا اقرار کروں تو پھر؟" میں نے سوال کیا۔

"ہم آپ کا ساتھ دینے کے لیے تیار ہیں، ان مزدوروں کی حیثیت سے بھی اور بہتر ساتھیوں کی حیثیت سے بھی۔"

"لیکن آپ کا اپنا مشن تو پورا ہو چکا ہے مسٹر ایلڈرک۔"

"نہیں۔ جب تک ہم نہیں۔ آپ ہمارے ساتھ تشریف لے چلیں۔ ہم نے جو کچھ بھی کیا ہے اسے دیکھیں یہ جو کچھ بہتر ہونے سے بہتر ہے لیکن ہماری خواہش ہے کہ مزید کچھ حاصل کریں۔"

"مجھے اس میں کوئی اعتراض نہیں ہوگا۔ صحرائے اعظم کی دولت کسی ایک شخص کی ملکیت نہیں ہے۔ ہر شخص اپنی تقدیر کا قائل ہوں لیکن سے آپ لوگوں کا ساتھ میرے لیے بہتر ہو۔"

"اگر یہ بات ہے تو آپ یہ جگہ چھوڑ دیجئے اور وہاں چلیے جہاں ہم نے ہاتھی دانت ذخیرہ کر رکھا ہے۔"

"میں تیار ہوں۔" میں نے جواب دیا۔ سلمان اس دوران بالکل خاموش رہا تھا۔ وہ بہت کم میرے معاملات میں مداخلت کرتا تھا۔ ویسے میں جانتا تھا کہ اگر اسے مداخلت کرنی پڑتی تو وہ بے تکلفی سے بول پڑتا۔ چنانچہ میں ان لوگوں کے ساتھ چل پڑا۔ قطبی، فرازی اور فیکان بھی ان کے ساتھ تھے۔ ہم سب نے کافی سفر کرتے ہوئے بالآخر اس جگہ پہنچ گئے جہاں ہم نے چھوٹی چھوٹی ڈھیریوں میں ہاتھی دانت کا ذخیرہ دیکھا بہترین ہاتھی دانت تھا۔ یہ بےشمار تھا اور یقیناً انہوں نے بہت سی چھوٹی چھوٹی ڈھیریاں بنائی تھیں اور یقیناً وہ ان ڈھیروں کو لے کر اپنے شانوں پر لاد کر چلتے ہوں گے۔

"دیکھیے یہ ہے وہ ذخیرہ جس کی قیمت مہذب دنیا میں کافی ہو گی لیکن اتنی بھی نہیں کہ ہم اسے اپنی زندگی پر تقسیم کر سکیں۔ ہم یہاں سے کوئی ایسی چیز حاصل نہیں کر سکے جس کے ذریعے مہذب دنیا میں پہنچیں تو ہمارا اپنا ایک الگ مقام بن جائے۔ ہم اپنے اس سفر کو نامکمل سمجھتے ہیں مسٹر بابر! چنانچہ اگر آپ کی مدد سے ہمارا یہ سفر مکمل ہو جائے تو اس سے بڑھ کر خوشی کی بات کیا ہوگی۔"

"لیکن آپ لوگ کیا مزید صعوبتیں اٹھانے کے لیے تیار ہیں۔ میرا مطلب ہے آپ جو سفر کر کے یہاں تک پہنچے ہیں اسے پھر دوبارہ طے کرنے کے لیے تیار ہوں گے؟"

"یقیناً کیونکہ ہمارا مقصد یہی تھا اور انسان اگر اس کا مقصد حاصل نہ ہو تو وہ بددل ہو جاتا ہے اور ہم سب بددل ہیں۔"

"آپ کے تمام ساتھی اس کے لیے تیار ہیں۔"

"سو فیصدی۔ ہم میں سے کوئی بھی اس سے منحرف نہیں ہے۔"

"مگر اس ذخیرے کا کیا کیا جائے گا؟"

"اسے ہم کہیں کسی پہاڑی غار میں پوشیدہ کر دیں گے اور اگر ہم کوئی ایسی شے دریافت کرنے میں کامیاب ہو گئے جو اس ذخیرے سے کہیں زیادہ قیمتی ہو تو پھر اس طرف کا رخ نہیں کریں گے بلکہ پھر اس کا بندوبست کریں گے اور اگر ایسا ممکن نہ ہو سکا تو پھر اسی کا

پہنچ کر اس ذخیرے کو اٹھا لیں گے۔"

قناعت کریں گے اور دوبارہ یہاں پہنچ کر اس ذخیرے کو اٹھا لیں گے۔"

"ٹھیک ہے مجھے آپ لوگوں کی اپنے ساتھ شمولیت پر کوئی اعتراض نہیں ہے۔" میں نے جواب دیا اور ایلڈرک نے نعرۂ مسرت لگایا۔ اس کے دوسرے ساتھی بھی خوشی سے تالیاں بجانے لگے تھے پھر ہم نے دوبارہ آپس میں ہاتھ ملائے اور آئندہ کا پروگرام طے کرنے لگے۔ ایلڈرک نے وہ نقشہ دیکھا جو میرے پاس محفوظ تھا۔ اور اس پر غور کرتا رہا پھر اس نے کہا۔

"ہم اسی راستے سے گزر کر آئے ہیں۔ بلاشبہ آپ لوگ بالکل صحیح راستے پر ہیں۔" سلمان کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ اس نے فاتحانہ نگاہوں سے نیکولس، قطبی اور فرزی کو دیکھا اور بولا۔

"میں نے کہا تھا کہ آپ لوگ مجھ سے متفق نہیں تھے۔" کسی نے کوئی جواب نہیں دیا تھا۔ پھر ایلڈرک نے تجویز پیش کی۔

"بہتر یہی ہے کہ آج کا تمام دن اور تمام رات ہم اسی جگہ گزاریں۔ مال آئندہ سفر کرنے کے لیے اپنا سامان آراستہ کر لیں۔ اب تک آپ لوگ جو سفر طے کر چکے ہیں، اس کے بعد ایک دن کا زیاں غیر معمولی نہیں ہو گا۔ لیکن ہم لوگ جلد از جلد وہاں پہنچ جائیں گے۔"

"مجھے اس پر اعتراض نہیں ہے۔ جیسا آپ پسند کریں۔ بہر طور اب آپ ہمارے ہم سفر ہیں۔" میں نے جواب دیا اور ایلڈرک خاموش ہو گیا۔

چند وقت دلچسپ گزرا۔ تمام لوگ ایک دوسرے سے متعارف ہو گئے تھے۔ اور اپنے اپنے واقعات ایک دوسرے کو سنا رہے تھے۔ سلمان خاموش تھا۔ اس نے اس بات پر کسی رد عمل کا اظہار نہیں کیا تھا لیکن میں اس سے گفتگو کرنے کے لیے بے چین تھا۔ شام کو مجھے موقع ملا تو میں نے سلمان سے پوچھا۔

"یہ جو کچھ ہوا ہے اس کے بارے میں تمہاری کیا رائے ہے سلمان؟"

"معقول لوگ ہیں، خاموش رہیں۔" سلمان نے جواب دیا۔

"کیا مطلب؟"

"مطلب یہ کہ مجھے اس سلسلے میں کسی بات سے آگاہ نہیں کیا گیا اور چھپایا گیا۔ بات کی نشاندہی ہو۔ پوچھے تو ہم اس کے بارے میں کیا کہہ سکتا ہوں۔"

"ان ذاتی طور پر تو نہیں کہ کچھ اعتراض نہیں ہے۔"

"نہیں پیارے جالب! یہ ذاتی طور پر کوئی اعتراض نہیں کر رہا۔ ہاں ہر چیز ہمارے ہم سب کے سامنے ہے یہ سب لوگ ہو جاتا ہے۔ بہرحال آپ کا حکم سر آنکھوں پر۔"

"میں جانتا ہوں سلمان، میں جانتا ہوں۔ بہر طور اگر یہ لوگ ہمارے ساتھ ہو گئے تو ایسا کوئی حرج نہیں ہے۔ یہ مطلب تم جو اس بات

کر جانتے ہیں کہ ہمارا اصل مقصد کیا ہے۔ اب جب اس قسم کے لوگ کا ذکر ہی پر کر بیٹھے ہیں تو پھر جو ہو گا دیکھا جائے گا۔" سلمان مسکرا کر خاموش ہو گیا۔ آہستہ آہستہ تاریکیاں زمین پر اترنے لگیں اور تھوڑی دیر کے بعد صحرائے اعظم پر رات چھا گئی۔ سو جگہ کافی محفوظ تھی اور ہم اس جگہ کافی وقت گزار چکے تھے۔ اس لیے قرب و جوار کے ماحول سے بھی واقف ہو گئے تھے۔ موسم بھی ناخوشگوار نہیں تھا۔ رات کو ہم ضروریات سے فارغ ہو کر سونے کے لیے لیٹ گئے۔ لیکن میرے ذہن میں یہی تشویش تھی کہ خوراک کا کیا ہو گا۔

بہر طور تمام ہی لوگ اس بات سے واقف تھے کہ خوراک کا اتنا بڑا ذخیرہ ہمارے پاس نہیں ہے کہ دیر تک ہم سب کے لیے کافی ہو۔ اس کا کوئی نہ کوئی بندوبست کیا جانا چاہیے گا۔ ویسے صحرائے اعظم میں شکار کا فقدان نہیں تھا اور اگر ہم ذرا بھی کوشش کرتے تو گوشت کا اچھا خاصا ذخیرہ جمع کر سکتے تھے۔ اس کے لیے رائفلوں کی گولیاں خرچ کرنی پڑتیں اور یہ گولیاں ہمارے پاس سب سے قیمتی چیز تھیں۔ جب کہ وہ لوگ ہتھیاروں سے محروم تھے۔ البتہ اس بات کا میں نے خیال رکھا تھا کہ ہتھیار حفاظت سے رکھے جائیں۔ قطبی، فرزی اور نیکولس سے اب اس سلسلے میں کوئی بات بڑے وثوق سے نہیں کی جا سکتی تھی لیکن سلمان سے میں نے سرگوشی کی۔

"سلمان! ہمارے پاس جو ہتھیار ہیں، اس وقت ان کی حفاظت سب سے زیادہ ضروری ہے۔" سلمان چونک کر مجھے دیکھنے لگا پھر آہستہ سے بولا۔

"میں نہیں سمجھا جالب! یہ خیال آپ کے ذہن میں کیوں آیا ہے؟"

"سلمان! یہ لوگ ہمارے ساتھ شامل ضرور ہو گئے ہیں لیکن ہم ان پر کلی بھروسہ نہیں کر سکتے۔ ہتھیار ہی اس وقت ہمارے معاون ثابت ہوں گے۔"

"وہ تو ٹھیک ہے لیکن فرزی، نیکولس اور قطبی کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے؟"

"ان پر بھی میں مکمل بھروسہ نہیں کر سکتا۔ ہمیں ان سے بھی ہوشیار رہنا ہو گا۔"

"عجیب بات ہے جالب! اگر یہ صورت حال تھی تو پھر آپ نے ان کی معیت کیوں قبول کر لی۔"

"اس وقت اس کے سوا اور کوئی چارہ کار نہیں تھا۔ لیکن میں نے اسی وقت فیصلہ کر لیا تھا کہ تم سے اس سلسلے میں ضرور گفتگو کروں گا۔" میں نے کہا اور سلمان کسی سوچ میں گم ہو گیا۔ کافی دیر تک سلمان خاموش رہا۔ آسمان صاف ہو گیا، ستارے چمکنے لگے اور ماحول کی وحشت کسی قدر کم ہو گئی۔ وہ سب تو آرام سے لیٹے ہوئے تھے۔ جنگلوں کی نیند کے عادی ہو چکے تھے وہ لوگ۔ لیکن میں جاگ رہا تھا، سلمان بھی جاگ رہا تھا اور ہم دونوں کو ایک دوسرے کے جاگنے کا احساس تھا۔

دفعتاً ہم نے اپنے پیروں کے درمیان سرسراہٹ محسوس کی اور ہم چونک پڑے۔ میں نے ذرا سی گردن اٹھا کر دیکھا اور وہ نوجوان جو ان لوگوں میں سب سے زیادہ کم سن تھا مجھے اپنی طرف کھسکتا ہوا نظر آیا۔ زمین پر ہاتھ ٹکائے وہ آہستہ آہستہ اوپر کھسک رہا تھا۔ ہمارے پیروں کے نزدیک پہنچ کر اس نے میرے اور سلمان کے پیر دونوں ہاتھوں سے ادھر ادھر کیے اور ان کے درمیان وہ رینگنے لگا۔ بڑی عجیب سی بات تھی۔ نہ جانے وہ ہم لوگوں سے اوپر کیوں آنا چاہتا تھا۔ بہر طور میں نے اور سلمان نے اس کی یہ کوشش محسوس کی اور ہم تھوڑے سے کھسک گئے۔

اس حیرت انگیز واقعہ پر ہم دونوں نے کسی تعجب کا اظہار نہیں کیا تھا۔ نوجوان کو اتنی جگہ مل گئی کہ وہ ہم دونوں کے درمیان گھس آئے۔ اور چند لمحات کے بعد اس کا سر ہمارے سروں کے نزدیک تھا۔

عقل میں نہ آنے والی بات تھی۔ لیکن ہم حالات کا انتظار کر رہے تھے۔ نوجوان کے انداز سے یہ نہیں معلوم ہوتا تھا کہ وہ ہمیں اپنی اس حرکت سے لاعلم رکھنا چاہتا ہے۔ جب وہ ہمارے بالکل نزدیک پہنچ گیا تو اس نے گردن گھما کر ہم دونوں کو دیکھا اور سرگوشی کے سے انداز میں بولا۔

"خدا کا شکر ہے کہ تم دونوں ابھی جاگ رہے ہو۔"

"کیا بات ہے؟" میں نے بھی اسی کے انداز میں سرگوشی کی۔

"میں تم دونوں کو ایک بڑے خطرے سے آگاہ کرنا چاہتا ہوں۔"

وہ سرسراہٹ آمیز لہجے میں بولا۔

"کیا مطلب ہے تمہارا؟"

"دیکھو میں جو کچھ کر رہا ہوں، از راہ انسانیت ہی کر رہا ہوں اور پھر اس میں میرا اپنا بھی مفاد وابستہ ہے۔" اس نے کہا۔ میں نے گردن اٹھا کر ادھر ادھر دیکھا۔ تقریباً تمام ہی لوگ سو رہے تھے۔ گو فاصلے بہت زیادہ نہ تھے۔ لیکن کسی کے انداز سے اس بات کا اظہار نہیں ہوتا تھا کہ وہ جاگ رہا ہے۔ تب میں نے آہستہ سے پوچھا۔

"نوجوان تم کیا کہنا چاہتے ہو؟"

"اپنے کان میرے چہرے کے بالکل قریب کر دو تاکہ آواز کی بازگشت کم سے کم ہو جائے۔ ورنہ ہم لوگ اس وقت خطرات سے دوچار ہو سکتے ہیں۔" میں نے اور سلمان نے اس کی ہدایت کے مطابق عمل کیا اور ہمارے کان اس کے چہرے سے آ لگے۔

"ان لوگوں نے تمہاری زندگیاں ختم کرنے کا فیصلہ کر لیا ہے۔"

"کن لوگوں نے؟" میں نے پوچھا۔

"میرے تمام ساتھیوں نے۔" نوجوان نے جواب دیا اور ہمارے جسموں میں سنسنی سی دوڑ گئی۔ ہمارے کانوں میں نوجوان کی آواز کی سرگوشیاں گونجتی رہیں۔ پھر میں نے خود کو سنبھال کر پوچھا۔

"ہمارے ساتھیوں میں سے اس پروگرام میں شامل ہیں؟"

"ہاں، وہ تینوں۔ اس منصوبے کی تکمیل کا باعث بنے ہیں۔ بڑی عجیب و غریب گفتگو کی ہے انہوں نے۔ میں تمہاری زندگیاں بچانا چاہتا ہوں۔ اور کہہ چکا ہوں کہ میرا مفاد بھی اسی سے وابستہ ہے۔"

"تمہارا کیا مفاد وابستہ ہے؟" میں نے سوال کیا۔

"میں تم لوگوں کے ساتھ نکل جانا چاہتا ہوں۔"

"مگر اس کا کیا ثبوت ہے کہ تم جو کچھ کہہ رہے ہو درست کہہ رہے ہو؟"

"میں تمہیں بتائے دیتا ہوں۔ اس کے بعد تم خود فیصلہ کر لینا۔" نوجوان نے ہماری بات پر پریشان ہوئے بغیر کہا۔

"بتاؤ، کیا بتانا چاہتے ہو۔"

"تم لوگ سرزمین مصر سے آئے ہو نا؟" نوجوان نے پوچھا۔

"ہاں۔"

"تم میں سے ایک کا نام سلمان اور دوسرے کا [illegible] خان ہے۔"

"یہ بھی درست ہے۔"

"یہ تینوں افراد جو تمہارے ساتھ ہیں، کسی خزانے کے لالچ میں تمہارے ساتھ شامل ہو کر یہاں آمادہ ہوئے ہیں۔ تم لوگوں نے کسی خزانے کا نقشہ حاصل کیا ہے جس کے تحت تم لوگ یہاں آئے تھے۔"

"ہاں یہ بھی درست ہے۔"

"اور تم راستہ بھٹک کر اس طرف آ گئے ہو۔ یعنی تمہیں یہ معلوم نہیں ہے کہ خزانے کی صحیح سمت کون سی ہے۔"

"یہ بھی ٹھیک ہے۔" سلمان آہستہ سے بولا۔

"تم لوگوں نے ان کے لیے ایک بڑی رقم مصر کے بینکوں میں جمع کرا دی ہے اور انہوں نے کہا ہے کہ ناکامی کی شکل میں کم از کم وہ یہ رقم حاصل کر سکتے ہیں یعنی وہ رقم ان تینوں کے لیے ہے۔"

"ہاں یہ بھی صحیح ہے۔"

"اور کیا یہ بھی غلط ہے کہ تم قاہرہ میں متمول ترین لوگوں میں شامل ہوتے ہو۔ تم نے اپنی دولت سے ایک کشتی بھی تیار کی تھی اور تمہارا بے پناہ سرمایہ مصر کے بینکوں میں موجود ہے۔ کیا یہ تمام باتیں غلط ہیں؟"

"نہیں، یہ بھی درست ہے۔ یہاں تک تم نے ٹھیک بتایا ہے۔"

"تو سنو، ان لوگوں کا خیال ہے، بلکہ اندازہ تمہارے ان تینوں ساتھیوں کا ہے کہ تم لوگ خزانے کا راستہ بھول چکے ہو۔ اب صرف موت ہی تمہارا مقدر ہو سکتی ہے۔ تمہیں خزانہ کبھی نہیں ملے گا کیونکہ وہ تمہارے ہنروں سے محروم ہے۔ اور جو نقشہ تمہارے پاس ہے وہ ناکارہ ہے۔ ایسی حالت میں جب کہ تم خزانہ حاصل نہیں کر سکو گے بلکہ تمہاری زندگیاں خطرے میں پڑ جائیں گی۔ ان لوگوں نے پروگرام بنایا ہے کہ یہاں سے واپس چلا جائے اور تم دونوں کو ہلاک کر کے وہاں جا کر تمہاری دولت پر قبضہ جمایا جائے۔ کیونکہ تم دونوں کے علاوہ وہاں اس دولت کا وارث کوئی نہیں ہے۔ تمہارے

"تو آپ کے علم میں آ چکا ہے۔ جب وہ لوگ شکاری ہیں تو پھر یہیں انہیں ہلاک کرنے میں کیا عار ہو سکتا ہے۔"

"اچھا اچھا ٹھیک ہے۔ ہتھیار بھی حاصل کر لیں گے۔ پہلے تم یہ فیصلہ کر لو کہ ہمیں کیا کرنا ہے۔"

"جب آپ انہیں قتل نہیں کرنا چاہتے ہیں تو پھر ایک ہی ترکیب ہے اور وہ یہ کہ ہم ان کے ہتھیار اپنے قبضے میں لیں اور یہاں سے نکل چلیں۔ مسٹر ہیزل کو ساتھ لے لیں اور پروفیسر رازی کو بھی جن کے بارے میں مسٹر ہیزل نے مجھے بتایا ہے۔"

"ٹھیک ہے لیکن یہاں سے کتنی دور جاؤ گے۔ میرا مقصد ہے وہ لوگ ہمارا تعاقب کریں گے ہم لوگ بہت زیادہ لمبا سفر تو نہیں کر سکتے۔"

"میرے ذہن میں ایک تجویز ہے۔" ہیزل نے کہا۔

"وہ کیا؟" میں نے سوال کیا۔

"یہاں سے بہت زیادہ دور نہیں جائیں گے ہم لوگ جس جگہ ہم نے قیام کیا تھا وہاں سے بائیں سمت بہت تھوڑے فاصلے پر غاروں کا ایک سلسلہ پھیلا ہوا ہے۔ یہ چٹانیں جو سامنے نظر آ رہی ہیں۔ ان کے کچھ حصوں میں غار ہیں ہم ان میں سے کسی غار میں چھپ جائیں گے۔ انہیں غلط راہ پر ڈالنے کے لیے ہم کچھ ایسے نشانات چھوڑ دیں گے جن سے انہیں یہ احساس ہو کہ ہم اسی سمت نکل گئے ہیں۔ لیکن درحقیقت ان غاروں میں پناہ لیں گے اور انتظار کریں گے کہ یہ لوگ یہاں سے دور نکل جائیں۔"

"ہیزل کی تجویز کافی حد تک درست ہے۔ میرے خیال میں یہی تجویز مناسب ہے۔" میں نے کہا۔ سلمان خاموش ہو گیا۔ وہ ان لوگوں کو قتل کرنے کے حق میں تھا۔ نوجوان آدمی تھا لیکن میں کم از کم بے گناہ لوگوں کو موت کے گھاٹ نہیں اتارنا چاہتا تھا اور یہ لوگ بے گناہ تھے ہی، وہ ہم سے سازش کر رہے تھے۔ لیکن کیا ضروری تھا کہ ہم ان کی یہ حرکت دہرائے۔ ہمارے علاوہ بھی وہ لوگوں کو نظر انداز کر کے اپنے کام کے لیے نکل سکتے ہیں۔ بہر طور ہم بہت کوئی مجرم نہیں تھا اور اس طرز کارروائی کے لیے تیار نہیں تھا۔ سلمان کی دوسری بات تھی۔ وہ جذباتی نوجوان تھا اور اس بات پر سے بہت زیادہ مشتعل ہو گیا تھا کہ ان لوگوں نے ہمارے خلاف کوئی سازش کی ہے۔

بہر طور میں نے اسے ٹھنڈا کر لیا۔ اب یہ ایک بیکار تھا سلمان اور [illegible] کہ وہ ان کے ہتھیار حاصل کر لیتے ہیں۔ ہتھیار حاصل کرنے کی بات پر [illegible] تھا کہ ہماری ان کی مڈبھیڑ بھی ہو گئی تو وہ کم از کم ہتھیاروں سے مسلح نہ ہوں۔ وہ دونوں اس کام کے لیے چل پڑے۔

ہیزل نے مجھے پروفیسر رازی کے بارے میں بتا دیا تھا۔ پروفیسر رازی ایک چٹان کی آڑ میں سو رہا تھا۔ چنانچہ میں اپنی جگہ سے رینگتا ہوا اس چٹان کے پاس پہنچ گیا اور پروفیسر رازی کے نزدیک لیٹ گیا۔ میں نے اسے آہستہ آہستہ جھنجھوڑا تو اس نے آنکھیں کھول دیں۔ پھر کسی قدر بوکھلائے ہوئے انداز میں بولا۔

"کون ہے، کیا بات ہے؟"

"پروفیسر رازی براہ کرم خود کو سنبھالیے۔ میں آپ سے کچھ گفتگو کرنا چاہتا ہوں۔"

"ہاں ہاں کہو۔ میں خود کو سنبھالے ہوئے ہوں پہلے نیند کے عالم میں تھا لیکن اب جاگ گیا ہوں۔"

"پروفیسر رازی آپ ہیزل ہرسٹ کو جانتے ہیں؟"

"ہیزل۔ ہاں ہاں کیوں نہیں کیوں نہیں۔ کیا ہوا اسے؟" پروفیسر رازی کے لہجے میں بے پناہ محبت تھی۔

"کچھ نہیں ہوا اسے، اس نے مجھے آپ کے بارے میں بتایا ہے۔ اس کی تجویز ہے کہ ہم سب لوگ یہاں سے نکل چلیں۔ میرا مقصد ہے میں سلمان آپ اور ہیزل کیونکہ ان لوگوں نے ہمارے قتل کا پروگرام بنایا ہے۔"

"اوہ ہیزل نے تمہیں تفصیلات بتا دیں، چلو اچھا ہی کیا۔ میں نے اسے یہی مشورہ دیا تھا۔ میں نے اس سے یہی کہا تھا۔"

"ہاں ہیزل نے مجھے بتا دیا ہے۔"

"تو تم ہیزل کی بات پر عمل کرنے کے لیے تیار ہو؟"

"ہاں زندگی بچانا مقصود ہے پروفیسر۔ میرا بس چلتا تو ان لوگوں کو قتل کر دینا چاہتا ہے لیکن میں قتل و غارت گری پسند نہیں کرتا۔"

"ٹھیک ہے یہ بڑے درندہ صفت لوگ ہیں۔ اور اگر ہم ان کی دسترس سے دور نہ نکل گئے تو یہ ہمیں ضرور ہلاک کر دیں گے۔ تم جلدی سے تیاری کر لو کہ یہاں سے نکل چلیں۔" پروفیسر رازی نے کہا۔

"جی ہاں، یہاں سے نکلنے کی تیاری کر رہے ہیں ہم لوگ۔" میں نے کہا۔ "مجھے بتائیں اس سلسلے میں تمہاری کیا مدد کر سکتا ہوں۔" پروفیسر رازی بولا۔

"کچھ نہیں، آپ تیار رہیں۔ بس تھوڑی دیر کے بعد ہم یہاں سے کوچ کرنے والے ہیں۔"

"میں تیار ہوں۔" پروفیسر رازی نے جواب دیا۔ میری نگاہیں ادھر ادھر بھٹک رہی تھیں جہاں سلمان اور ہیزل اپنا کام انجام دینے کے لیے گئے تھے۔ میں نے انہیں بڑی خاموشی کے ساتھ رائفلیں اٹھاتے ہوئے دیکھا۔ اب صرف پستول رہ گئے تھے جو ان لوگوں کے لباسوں میں تھے یا پھر کارتوس جو ان کے لباسوں میں پوشیدہ تھے۔ یہ اتنی اہم چیز نہیں تھی۔ اصل چیز رائفلیں تھیں جن کی کارتوسوں کی پیٹیاں بھی رائفلوں کے پاس ہی رکھی ہوئی تھیں۔ سلمان اور ہیزل دونوں چیزیں بڑی احتیاط سے اٹھا لائے اور انہوں نے ان چیزوں کو ہمارے سامنے رکھ دیا۔

پروفیسر رازی بھی اٹھ کر بیٹھ گیا تھا۔ وہ لوگ ابھی تک گہری نیند سو رہے تھے۔ سلمان آہستہ سے بولا۔

"ان کے پاس پستول رہ گئے ہیں۔ اگر یہ پستول ان کے لباسوں سے نکالنے کی کوشش کرتا تو یقینی طور پر وہ جاگ جاتے۔ چنانچہ اب اس سلسلے میں کیا رائے ہے؟"

"کوئی حرج نہیں ہے۔ پستول اپنے دو پستولوں سے وہ مقابلہ نہیں کر سکتے ویسے بھی ہم کوشش کریں گے کہ وہ ہمارے نزدیک نہ پہنچ پائیں۔"

"تو پھر ٹھیک ہے میرے خیال میں اب یہاں رکنا مناسب نہیں۔"

"اچھی بات ہے ہیزل تم یوں کرو کہ آہستہ آہستہ رینگتے ہوئے اس بلندی سے نیچے اتر چلو۔ پھر ہم راستے میں سے ہو کر اس جگہ پہنچ جائیں گے جس کی نشاندہی تم نے کی ہے۔"

"وہ تو ٹھیک ہے۔ لیکن خوردنیات کا سامان۔"

"وہ سامان کچھ ہم لے لیتے ہیں۔ میرا مقصد ہے کہ جو سامان ہم لے سکیں گے جو ہمارے پاس محفوظ ہے۔ باقی اور کوئی سامان ہے ہی نہیں اور اگر ہے بھی تو اس کا اٹھانا بھی اسی طرح مشکل ہے جس طرح پستول حاصل نہیں کیے جا سکتے۔ میں یہ سوچ رہا ہوں کہ پہلے تم لوگوں کے ساتھ چلوں یا پہلے وہ نشانات بنا دوں جن سے وہ لوگ غلط راستوں پر چل پڑیں؟"

"میرا خیال ہے کہ ہم پہلے یہ نشانات بنا لیتے ہیں۔ اس کے بعد گھومتے ہوئے اس جگہ پہنچ جائیں گے۔" ہیزل نے مشورہ دیا اور میں نے اس کے اس مشورے سے بھی اتفاق کیا۔ اس کے بعد ہم نے سامان کے تھیلے اپنے جسموں سے باندھے اور پھر آہستہ آہستہ اپنی جگہ سے نیچے ڈھلانوں میں اترنے لگے۔ ہم اتنی احتیاط سے یہ ڈھلان طے کر رہے تھے کہ ہمارے پاؤں کے نیچے سے کوئی پتھر اگر لڑھکے نہ پائے تاکہ یہ لوگ ہوشیار نہ ہو جائیں۔ بلا وجہ کسی کو قتل کرنا مناسب نہیں تھا ویسے میں نے ہیزل اور پروفیسر رازی کو بھی ایک ایک رائفل اور کارتوس کی پیٹی دے دی تھی۔ ایک رائفل ہمارے پاس بچ گئی تھی جسے سلمان نے اپنے دوسرے شانے سے لٹکا لیا تھا۔

ہم لوگ نیچے اترتے رہے اور تھوڑی دیر کے بعد اتنے فاصلے پر پہنچ گئے کہ وہاں سے ہماری باتوں کی آواز سنی جا سکے۔ اس کے بعد سامان میں سے ہم نے کچھ چیزیں وہیں گرا دیں۔ اس کے بعد کچھ اور آگے بڑھے اور ایک آدھ چیز اور نیچے گرا دی۔ مقصد یہی تھا کہ وہ لوگ اسی راستے پر چل پڑیں اور یہ سوچیں کہ ہم نے ادھر سے سفر کیا ہے۔ یہ چیزیں ایسی تھیں کہ ان کے بارے میں یہ شبہ بھی نہیں ہو سکتا تھا کہ ہم نے انہیں جان بوجھ کر گرایا ہے۔ کافی دور تک ہم اسی قسم کے نشانات چھوڑتے چلے گئے۔ جانے پہچانے کے نشانات بھی تھے اور پھر وہ چیزیں بھی۔ مثلاً خشک دودھ کا ایک ڈبہ توڑ دیا گیا تھا اور دودھ کے ڈبے سے دودھ گر رہا ہے اور ہم لوگ اسی سمت گئے ہیں۔

جب دودھ کا پورا ڈبہ خالی ہو گیا تو ہم نے وہاں کا سفر ملتوی کر دیا۔ اور پھر بڑی احتیاط سے ایک لمبا چکر کاٹ کر ہیزل کے بتائے ہوئے راستے پر اس جگہ پہنچ گئے۔ جہاں چٹانیں ابھری ہوئی تھیں۔ ایک بہت بڑی چٹان کی آڑ میں ہیزل نے ایک غار کی جانب اشارہ کیا اور کہنے لگا۔

"یہ غار اتفاق سے میں نے دیکھا تھا۔ ان لوگوں کو اس کے بارے میں پتہ نہیں ہے۔ میرے خیال میں ہم لوگوں کو اپنا تمام سامان اس میں منتقل کر دینا چاہیے۔ یہاں اور بھی چند غار ہیں۔"

"مگر ان لوگوں کے ساتھ تھے تم تو۔ تمہیں ان غاروں کے بارے میں کیسے علم ہو گیا؟"

"میں یہاں قیام تھا ہمارا میں یونہی آوارہ گردی کے لیے نکل پڑا تھا۔ تب میں نے یہاں غار دیکھے تھے لیکن میں نے کسی کو اس بارے میں کچھ نہیں بتایا۔"

"کیوں؟"

"بس اس نہ بتانے میں کوئی بات نہیں تھی اتفاق تھا کیا ذکر کرتا ان سے۔"

"گویا تمہارے خیال میں یہ محفوظ ہیں۔"

"یقیناً میرا دعویٰ ہے کہ ان کی توجہ اس طرف نہ ہوگی۔ وہ یہی سوچیں گے کہ ہم لوگ جلد سے جلد یہاں سے دور نکل گئے ہوں گے انہیں اس بات کا اندازہ تو ہو جائے گا کہ تمہیں ہوشیار کرنے کا ذریعہ میں بنا ہوں۔ میں اور پروفیسر رازی، وہ یہ سمجھیں گے کہ تم صورتحال سے آگاہ ہو گئے ہو گے۔ اس کے بعد یا تو وہ ہماری تلاش میں دوڑ پڑیں گے یا پھر اپنا راستہ اختیار کریں گے۔"

"ٹھیک ہے۔" میں نے جواب دیا۔ ہم نے اپنا سامان اس غار میں منتقل کر دیا۔ چٹانوں میں چھوٹے اور کئی غار تھے چنانچہ میں اور پروفیسر رازی ایک غار میں چلے گئے۔ ہیزل اور سلمان دوسرے غار میں پوشیدہ ہو گئے تھے۔ یہاں ہم رات گزرنے کا انتظار کرنے لگے۔ پروفیسر رازی خاموش بیٹھا ہوا تھا چونکہ ہم جاگ رہے تھے۔ اس لیے میں نے پروفیسر رازی سے سلسلہ گفتگو شروع کیا۔

"پروفیسر رازی کیا آپ بھی وہ داستان سن چکے ہیں جو ہیزل نے مجھے سنائی ہے؟"

"یقیناً اس نے تمہیں اس سازش کے بارے میں بتایا ہوگا جو تمہارے آدمی تمہارے خلاف کر رہے تھے۔"

"ہاں۔ ویسے پروفیسر رازی اس دور میں کسی پر بھروسہ کرنا بڑا

"تو پھر میرے دوست خود اداکار کس کام آیا کرو گے؟"

"میں جو خزانہ حاصل کرنے آیا ہوں پروفیسر، وہ اتنا مختلف ہے، جانتے نہیں؟"

"نہیں، مناسب نہیں ہے۔" میں نے سلمان کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"یہ دیکھے چکے ہیں! کم از کم مجھے ان کے بارے میں ذرا سی تفصیلات بتاؤ۔ تمہارا انتظار تو عملی طور پر ان کی نشاندہی نہیں کرتا۔" پروفیسر، وہ جہاں بھی ہیں ہمارے ایمپسرا کی ملکیت میں ہیں۔ اور ہم وہاں پہنچ جاتے ہیں۔"

"نقصان اٹھاؤ گے میرے دوست نقصان اٹھاؤ گے۔ نہیں سوچ لیجیے، جواس کی ایک مقدار کا تعین کر دو، اتنا جتنا تم آسانی سے چاہو۔ سکون زندگی گزار سکو۔ میں تمہیں وہ مہیا کر دوں گا۔ اگر اصل اور کم از کم تمہیں مل جائے تو تم میرے ساتھ مہذب دنیا کی طرف واپسی کا سفر قبول کر لو گے، بولو اگر میں تمہاری یہ خواہش پوری کر دوں تو کیا تم میری یہ خواہش پوری کر دو گے۔"

"نہیں پروفیسر ہرگز نہیں۔" میرے بجائے سلمان بول اٹھا اور پروفیسر چونک کر اسے دیکھنے لگا۔

"کیا مطلب؟"

"مطلب یہ کہ سونا، دولت سب کچھ ہمارے پاس موجود ہیں۔ ہمیں اس سلسلے میں ایک ہی جگہ [illegible] کی ضرورت نہیں ہے۔ ہمارا مقصد کچھ اور ہے۔ ہم اس مقصد کے حصول کے لیے یہاں آئے۔ اگر تم مناسب سمجھو تو ہمیں وہ سمت بتا دو۔ جہاں سے گزر کر ہم ایمپسرا کے علاقوں میں داخل ہو جائیں۔"

"مگر۔ اس کا مقصد ہے کہ کوئی خزانہ حاصل کرنا تمہارا مشن نہیں ہے۔ اگر ایسی بات ہے میرے عزیز تو مجھے کچھ بتاؤ تاکہ میں خلوص دل سے تمہاری مدد کر سکوں۔" پروفیسر رازی نے کہا۔

"تم مدد نہیں کر سکو گے ہماری پروفیسر، کیا فائدہ ان باتوں سے۔"

"تمہاری مرضی ہے۔ میں تمہیں مجبور نہیں کر سکوں گا۔ لیکن کم از کم یہ تو بتا دو کہ یہاں کتنے عرصے کام کرو گے؟"

"اس سلسلے میں بھی کچھ نہیں کہا جا سکتا۔ ہمارا سفر ایک ایسے غیر یقینی کام کے لیے ہے جس کی کامیابی یا ناکامی کا کوئی تصور نہیں کیا جا سکتا۔ ہم اس مقصد کے لیے آئے ہیں وہ بڑا عجیب ہے۔ لیکن تم سے ہم صرف یہ چاہتے ہیں کہ تم ہماری مدد کرو۔"

"ٹھیک ہے لیکن۔ کیا ہوگا؟"

"کیا مطلب؟" سلمان نے چونک کر پوچھا۔

"تم نے ان لوگوں کو چھوڑ کر تمہاری حیثیت اختیار کی ہے۔ مجھے کم از کم اتنا موقع تو دو کہ میں اپنے مشن کی تکمیل کر سکوں۔ میں ہمیزل کو مہذب دنیا تک پہنچانا چاہتا ہوں۔ یہاں ان تاریک غاروں میں اس کی زندگی ختم ہو جائے گی۔ اگر میرا دوست ہائیلل مجھے یہ ذمہ داری نہ سونپ جاتا تو میں اپنی پوری زندگی انہی علاقوں میں گزار دیتا۔ میں چاہتا ہوں کہ تمہارے ساتھ واپس جاؤں۔ اگر تم دولت چاہتے ہو تو میں تمہیں سونا مہیا کر سکتا ہوں۔"

"نہیں پروفیسر، سونا یا دولت ہمارا مقصد نہیں ہے۔ میں تم سے پہلے بھی کہہ چکا ہوں۔"

"ہوں، اس کا مقصد ہے کہ تم ابھی مہذب دنیا میں واپسی کا کوئی ارادہ نہیں رکھتے لیکن تم دو افراد کیا کوئی ایسا مشن یہاں انجام دے سکتے ہو، جو ان کا ہو۔"

"ہم کوشش کریں گے۔"

"تو پھر مجھ سے کیا چاہتے ہو، یہ بتا دو کیا میں تمہارا ساتھ چھوڑ دوں؟"

"یہ آپ پر منحصر ہے پروفیسر۔ اگر آپ چاہیں تو ہمیزل کو لے کر یہاں سے نکل جائیں۔"

"اب؟ یہ بھی ممکن نہیں رہا۔ اپنی فطرت کو کیا کروں، اب تو میں اس پریشانی کا شکار ہو گیا ہوں کہ تم ایسی کون سی اہم بات سوچ کر آئے ہو۔ جس کا انجام نہ سوچا اور موت سے ہمکنار ہو جاؤ۔"

"ہمیں اس کی پرواہ نہیں ہے۔ پروفیسر۔" سلمان نے جواب دیا۔

"ٹھیک ہے تمہیں نہیں تو کیا ہوا مجھے تو ہے۔ تم جوان آدمی ہو، لیکن یہ شریف النفس آدمی بھی تو تمہارے ساتھ ہے۔ جس کے چہرے سے اس بات کا اظہار ہوتا ہے کہ یہ ارادے کا پکا اور قول کا سچا ہے۔ لیکن کاش میں تمہارے ذہنوں تک رسائی حاصل کر سکتا۔ کاش میں تمہیں اپنے خلوص کا یقین دلا سکتا۔ تمہیں بتا سکتا کہ میں تمہارے مشن سے منحرف نہیں ہوں گا۔ خواہ میرے بدن کی بوٹی بوٹی کیوں نہ جائے۔"

سلمان نے گہری نگاہوں سے میری جانب دیکھا، میں بھی سلمان ہی کو دیکھ رہا تھا۔ پروفیسر رازی کے بارے میں یہ بات ہمارے ذہنوں میں الجھنے لگی تھی کہ ہم اسے اپنی حقیقت سے آگاہ کریں یا نہیں، لیکن پھر سلمان نے اس کا فیصلہ کر لیا، وہ آنکھیں بند کر کے تھوڑی دیر خاموش رہا، پھر آنکھیں کھول کر بولا۔

"مجھے اجازت مل گئی ہے پروفیسر کہ تمہیں اپنا شریک راز بنا لوں۔"

"کیا مطلب؟" پروفیسر رازی نے چونک کر پوچھا۔ میں نے ایک گہری سانس لے کر گردن جھکا لی تھی۔ میں جانتا تھا کہ یہ اجازت سلمان کو کہاں سے ملی ہے۔

"مطلب یہ پروفیسر کہ ہمارا اصل تعلق وہی ایمپسرا ہے جس کے [illegible]

زمان اور جادوگری کی کہانیاں تم سنا چکے ہو۔ وہی حسین ایمپسرا جو [illegible] جادوگرنی ہے، ہم اسی کے پاس جانا چاہتے ہیں۔"

"ایمپسرا!" پروفیسر نے تعجب سے پوچھا۔

"ہاں وہی جادوگر، مگر جو ہزاروں برس سے زندہ ہے۔ میں اس سے [illegible] چھیننا چاہتا ہوں۔"

"کیا مطلب؟" پروفیسر کے چہرے پر خوف کے آثار پھیل گئے۔

"ہاں پروفیسر، میں اسے قتل کرنے کے لیے اتنا طویل سفر طے کر کے یہاں پہنچا ہوں۔"

"ایمپسرا کو قتل کرنے کے؟" پروفیسر کے لہجے میں خوف کی آمیزش تھی۔

"ہاں اسے قتل کرنے کے لیے، اور تم اس بات سے اندازہ لگا لو کہ میرا مشن کس قدر ناقابل یقین ہے۔ یہاں لاکھوں وحشی قبیلوں کے درمیان میں اپنے مشن کی تکمیل کرنے کے لیے تنہا آیا ہوں۔ صرف میرے محترم چچا میرے ساتھ ہیں۔ ہم لوگ کس قدر تنہا ہیں اس کا اندازہ آپ نے لگا لیا ہو گا۔ لیکن ہمارے سینے میں جو عزم ہے، اس کا اندازہ آپ کیا، یہ بستی قبائل بھی نہیں لگا سکتے۔ محترم پروفیسر چچا جان آپ اس بات سے ہمارے آئندہ اقدامات کا تعین کر لیں۔ ہمارا آپ کا ساتھ کس طرح مناسب ہے، یہ سوچ لیں اور اس کے بعد فیصلہ کر لیں۔"

"مگر تم اسے کیوں قتل کرنا چاہتے ہو اور یہ سودا تمہارے دماغ میں کیوں ہے؟"

"یہ داستان آپ کو میرے محترم چچا سنا دیں گے۔" سلمان نے کہا۔ اور پھر میری طرف رخ کر کے بولا۔ "میں نے اجازت طلب کی تھی چچا جان۔ مجھے حکم ملا ہے کہ میں اس شخص کو اپنا شریک راز بنا لوں۔ ہمارے لیے بہتر ثابت ہوگا۔ چچا جان اگر آپ بہتر سمجھیں تو انہیں وہ کہانی سنا دیں۔ لیکن خبردار! لڑکی اس سے بے خبر ہے۔ اسے صحیح صورت حال کا اندازہ نہیں ہونا چاہیے۔ کیونکہ وہ اس راز کو راز رکھ نہیں پائے گی۔" سلمان نے کہا۔

میں گہری نگاہوں سے سلمان کو دیکھ رہا تھا، پھر میں نے جھکے جھکے انداز میں پروفیسر رازی کو دیکھا اور گردن ہلاتے ہوئے سلمان سے بولا۔

"ٹھیک ہے، میں پروفیسر رازی کو صورت حال سے آگاہ کر دوں گا، جاؤ تم ہمیزل کو دیکھو۔" سلمان نے گردن ہلائی اور ہمارے پاس سے چلا گیا۔ پروفیسر رازی تصویر حیرت بنا میرے پاس بیٹھا تھا، پھر اس نے کہا۔

"بڑی انوکھی بات سنائی ہے تم نے مجھے اور تمہارا یہ ساتھی نوجوان درحقیقت صورت سے ہی مجھے پراسرار نظر آتا ہے۔ اتنا حسین اتنا جمیل کہ نوجوانوں میں اس کی مثال مشکل ہو۔ یہ شخص آخر ایمپسرا کا دشمن کیوں بن گیا۔ یہ تو اس علاقے سے متعلق بھی نظر نہیں آتا۔ مہذب دنیا کا ایک مہذب نوجوان اتنا طویل سفر طے کر کے ایک جادوگرنی کو ہلاک کرنے آیا ہے۔ آخر کیوں، آخر کیوں؟" میں چند لمحات خاموش رہا، پھر میں نے گہری سانس لے کر کہا۔

"میرا خیال ہے پروفیسر کہ آپ کا تعلق بھی وہیں سے ہے جہاں کا میں باشندہ ہوں۔ میرا تعلق بھی ہندوستان سے ہے۔"

"اوہ! تو میرا خیال درست ہی تھا۔ واقعی مسٹر بابر، بار بار مجھے آپ کے خد و خال پر دھوکہ ہوتا تھا۔ یوں لگتا تھا جیسے آپ کا تعلق بھی ایشیا سے ہو۔ اس بات سے مجھے بہت خوشی ہوئی ہے لیکن سلمان؟"

"وہ مصری نژاد ہے۔"

"ہاں اس کے خد و خال مصری ہیں۔"

"اس کا تعلق فراعنہ کی نسل سے ہے اور صدیوں پہلے اس کے خاندان کی اس جادوگرنی سے دشمنی چلی آ رہی تھی۔ یہ دشمنی پشت در پشت منتقل ہوتی گئی اور اب ایمپسرا کو قتل کرنا سلمان کی ذمہ داری ہے۔"

"خدا کی پناہ۔ تو واقعی جذبہ انتقام کے تحت وہ یہاں آیا ہے۔" پروفیسر رازی آنکھیں پھاڑ کر بولا۔

"ہاں پروفیسر۔"

"بعید از عقل ہے۔ اس دور میں ایسی داستانیں قابل یقین ہو سکتی ہیں۔ اس کے پاس ایسی کون سی قوت ہے آخر۔ وہ کیسے کامیاب ہو سکتا ہے۔ میری سمجھ میں نہیں آتا اور تم۔ بابر ادا خان تم خود بھی اس کے ساتھ چلے آئے کیا یہ ہوش کی بات ہے؟"

"مجھ کچھ لو پروفیسر، میری الگ کہانی ہے جو اس داستان سے منسلک ہو گئی ہے لیکن اب میں بھی اس سے انحراف نہیں کر سکتا۔"

"یہ ممکن نہیں ہے کہ اسے سمجھاؤ اور واپس لوٹ جاؤ۔ انسان سے دشمنی کی جا سکتی ہے۔ کسی غیر انسانی قوت سے نہیں۔"

"وہ سمجھانے کی منزل سے نکل چکا ہے۔"

"اور وہ خزانہ؟"

"صرف ایک مفروضہ تھا۔" میں نے جواب دیا۔ پروفیسر رازی سوچ میں گم ہو گیا تھا۔ پھر وہ گہری سانس لے کر بولا۔

"میں عجیب قصے میں پھنس گیا ہوں کیا کروں کیا نہ کروں۔ میں ہمیزل کی وجہ سے مہذب آبادیوں میں جانا چاہتا تھا تاکہ اس کو ایک بہتر مستقبل دے سکوں۔ لیکن موجودہ حالات بڑی دلچسپ ہو گئی ہیں۔ اب تمہیں بھی نہیں چھوڑ سکتا۔"

"میرا مخلصانہ مشورہ ہے پروفیسر ان چکروں ان فکروں میں نہ پڑو تم اپنے مشن کی تکمیل کرو۔ ہمارے سامنے کوئی راستہ نہیں ہے تقدیر پر انحصار کر کے یہاں تک آ گئے ہیں اور آئندہ کے لیے بھی کوئی لائحہ عمل نہیں ہے۔"

"گویا صرف زندگی کھونے آئے ہو۔"

"ممکن ہے ایسا ہی ہو۔" میں نے کہا۔

"یہ عشق کی بات ہے۔"
"بعض اوقات عشق کو ساتھ چھوڑنا پڑتا ہے۔" رازی غم سے بولا۔ "کچھ
سوچتے رہو۔"
"پروفیسر کیا فکر ہے۔ بہر حال میں خود بھی اتنی ہمت نہیں پا کر
سلمان وہاں تک لے جا سکوں۔ ... کا سہارا چاہیے۔ میں تمہارا ساتھ دوں گا
چاہے کچھ بھی ہو ... ایک وعدہ کر لو ... اگر میں ... ہوں
تو ... ساتھ ... جاؤ اس کے ... مستقبل کے ...
رکھو ... ہو میرے لیے۔"
"میں کیا کہوں پروفیسر ... کہ آپ اپنا سفر جاری رکھیں۔
ممکن ہے آپ کو کوئی ... اور آپ ... دنیا ...
آپ ... منزل نہیں ہے۔"
"میری منزل ... اور مشورہ کر لو۔ اس کے بعد تمہیں جواب دوں گا۔"
"جیسا آپ مناسب سمجھیں۔" میں گہری سانس لے کر بولا۔ اور اس کے
بعد ہم خاموش ہو گئے۔
رات گزر گئی۔ صبح کو میں نے پروفیسر رازی سے اسی سلسلے
میں سوال کیا تو ... "ہمارا ساتھ مقدر بن گیا ہے۔ میری منزل تمہارا
ساتھ چھوڑنے پر آمادہ نہیں ہے۔"
"اوہ ٹھیک ہے پروفیسر لیکن میں اپنے سفر کا فیصلہ کر چکا ہوں۔"
"تمہارا مقصد صرف ایپسرا کی وادی میں داخل ہونا ہے؟"
"ہاں۔"
"تو اس کے لیے ہم کوئی نہیں جانتے گے۔"
"پھر؟"
"یہ لوگ ... گواٹکا آباد ہے۔ یہ قبیلہ بھی ایپسرا کے
باجگذاروں میں ہے۔ لیکن کوئی ... اس کی ازلی دشمنی ہے۔ دونوں قبیلے
ایک دوسرے کے خون کے پیاسے ہیں۔ اگر ایپسرا ان کے ... ہوتی
تو شاید اب تک دونوں تباہ ہو چکے ہوتے۔"
"لیکن کوئی تمہارا ... فیصلہ ہے۔"
"تم شاید میری کہانی بھول گئے ہو ... کر کے ...
ہوں۔"
"اوہ، ہاں۔ میں بھول گیا تھا۔"
"بہر حال تم فکر نہ کرو۔ میں تمہیں ایپسرا کی وادی میں لے چلوں گا۔
دیکھو موت کیا کھیل کھلاتی ہے۔ ... اگر اپنے دشمنوں سے
واقف ہوا تو مجھے حیرت ہو گی۔"
اس کے بعد ہم نے گواٹکا کی جانب سفر شروع کر دیا۔ رازی ان
علاقوں کے چپے چپے سے واقف تھا۔ ... ایک ... دی گئی تھی
ایک ... ہیزل نے بھی سنبھال لی تھی۔ اس کے علاوہ کچھ سامان تھا جو
ہم نے ... لیا تھا۔ ... تکلیف وہ سفر جاری رہا لیکن ایسی کوئی
مشکل پیش نہیں آئی کہ ہم پریشان ہوتے۔
سفر کی تیسری رات سلمان نے کسی قدر ... کے انداز میں کہا۔ "چچا
جان، لڑکیاں بڑی عجیب ہوتی ہیں۔"
"کیا مطلب؟"
"یہ لڑکی ہیزل میرے لیے تکلیف دہ ہوتی جا رہی ہے۔"
"اوہ، کیا بات ہے؟"
"بس آپ خود سمجھ سکتے ہیں، میں کیا بتاؤں آپ کو۔"
"اوہ! تم نے اسے سمجھایا نہیں؟"
"فضول باتیں کرنے میں ساری لڑکیاں یکساں ہوتی ہیں۔ وہ بھی
مجھ سے عشق کرنے لگی ہے۔ میرے حصول کی خواہش مند ہے۔"
"تب تم خاموشی اختیار کرو اور اسے ٹالتے رہو۔"
"لیکن ان لوگوں کو ساتھ رکھنا کیا ضروری ہے؟"
"مجبوری ہے سلمان۔ یہ ہمارے راستے مختصر کر دیں گے۔ البتہ میں
تم سے ایک سوال کرنا چاہتا ہوں۔"
"کہیے چچا جان۔"
"وہ پُراسرار قوتیں جو تمہاری رہنما ہیں اب کیا کہتی ہیں؟" میرے
اس سوال پر سلمان کے چہرے پر عجیب سے تاثرات پھیل گئے۔ پھر وہ بھاری
آواز میں بولا۔
"آپ کو افسوس ہو گا چچا جان۔"
"کیوں، ایسی کیا بات ہے؟"
"ہم ایپسرا کی سرزمین میں داخل ہو چکے ہیں۔ یہ اس کے جادو کی زمین
ہے۔ یہاں سے وہ قوتیں میرا ساتھ چھوڑنے پر مجبور ہیں۔"
"کیا مطلب؟"
"انہوں نے معذرت کی ہے مجھ سے اور کہا ہے کہ اب میرے عمل
کی سرزمین شروع ہوتی ہے۔ آگے وہ میرا ساتھ نہیں دے سکیں گی۔"
"کوئی ہدایت ملی ہے تمہیں؟"
"نہیں چچا جان۔ لیکن میں ایک درخواست کرنا چاہتا ہوں۔"
"کیسی درخواست؟"
"اگر آپ برا محسوس نہ کریں۔ اگر آپ میری اس بات کو سنجیدگی سے
سوچیں تو میں اس درخواست میں حق بجانب ہوں۔ یہ دونوں اپنی دنیا میں
جا رہے تھے۔ آپ ان کے ساتھ واپس چلے جائیں۔ میرا مشن الہامی ہے میں نہیں
جانتا کہ تقدیر میرے لیے کون سے راستے متعین کرتی ہے۔ یہاں تک آپ
نے میرا ساتھ دیا اور میں اپنی منزل سے قریب تر ہو گیا۔ اب آپ آرام کریں اور
مجھے میرے حال پر چھوڑ دیں۔"
"ایک بات تم بھی کان کھول کر سن لو سلمان، جب تک زندگی باقی

ہے۔ ہم تمہیں تنہا چھوڑنے کے تصور میں سو بھی نہیں سکتے۔ یہ کیسے
ناممکن ہے۔ اس کے علاوہ کوئی بات کرو۔"
"یہ آپ کا آخری فیصلہ ہے؟"
"ہاں۔" میں نے ... لہجے میں کہا۔ اور سلمان ... کچھ سوچنے لگا۔
پھر بولا۔
"جیسا آپ مناسب سمجھیں۔ لیکن اس طرح مجھے اپنے کام میں مشکلات
پیش آئیں گی۔ میں دلجمعی کے ساتھ کام نہ کر سکوں گا۔"
"میں نے کہا نا کچھ بھی ہو۔ میں تمہارا ساتھ نہیں چھوڑ سکوں گا۔"
"ٹھیک ہے۔ اس سے زیادہ میں آپ کو مجبور بھی نہیں کر سکتا۔ ہاں
سفر کے شروع ہونے میں زیادہ وقت نہیں ہے اور اب میں خالی ہاتھ ہوں۔"
سلمان خاموش ہو گیا۔ سلمان اُلجھا ہوا تھا۔ میں اس کی ذہنی کیفیت بخوبی
سمجھتا تھا۔ میں خود بھی ایک اُلجھن کا شکار ہو گیا تھا۔ ایک ایسی مافوق
الفطرت شخصیت سے ہم انتقام لینے چل پڑے تھے جس کی قوت محدود
تھی۔ ... کے لاکھوں باشندے ... جگہ ... اور اس قوت
کے مقابلے پر ہم صرف ... افراد تھے ... یہ لڑائی ... تھی۔ اس
کے بارے میں تو ہم نے سوچا بھی نہیں تھا۔ بس ہم تو جذبات میں چل پڑے
تھے۔ سلمان تو نوجوان تھا، جذباتی نوجوان لیکن میں نے بھی کچھ نہیں سوچا
تھا۔ آخر یہ جنگ کس طرح ہو گی۔ ایپسرا سے کیسے انتقام لیا جائے گا۔ اور
اب تو وہ قوتیں بھی ساتھ چھوڑ گئی تھیں جن کے بل پر سلمان ایسی گفتگو
کرتا تھا۔ اور اپنے اس سفر سے مطمئن تھا۔ آخر اب کون سا ایسا معجزہ ہو گا جو
ہمیں سرخرو کرے گا۔ بہر حال اب صرف حالات ہماری قوت تھے۔ یہاں
تک آنے کے بعد اس کا کیا سوال تھا کہ ہم اپنا ارادہ ترک کر دیتے۔ میں نے
اب اس سلسلے میں سلمان کو پریشان کرنا مناسب نہیں سمجھا۔
چار پانچ ... مراحل طے کر کے ہم نے گواٹکا کی جانب سفر کرنا
شروع کر دیا۔ یہ سفر پہلے کی نسبت آسان تھا کیونکہ رازی ہمارے ساتھ
تھا اور اسے جنگل کے راز معلوم تھے۔ اس نے مختلف مراحل پر اپنی دانش
کا اظہار کیا۔ مثلاً سفر کی تیسری رات ہم ایک انتہائی خطرناک راستے پر تھے
جگہ جگہ دلدلیں بکھری ہوئی تھیں۔ ان سے شدید تعفن اُٹھ رہا تھا۔ فضا
میں گیس پھیلی ہوئی تھی۔ چونکہ رات ہو چکی تھی۔ اس لیے اس وقت
اس راستے سے نکل جانا بھی ممکن نہیں تھا۔ گیس نے ہمیں پریشان کر دیا۔
وقت گزارنا مشکل ہو گیا تھا۔
رازی نے ایک جگہ منتخب کی اور ہمیں وہاں چھوڑ کر آگے بڑھ
گیا۔ میں نے ٹوکا تو اس نے کہا۔ ابھی واپس آتا ہوں۔ ابھی ہمیں زیادہ دیر
نہیں ہوئی تھی یہاں رکے ہوئے کہ ہم نے ایک عجیب ہولناک منظر دیکھا۔
جس جگہ ہم قیام پذیر تھے۔ یہاں سے تقریباً پچاس گز کے فاصلے پر ایک
چھوٹا سا سیاہ ٹیلہ نظر آ رہا تھا۔ ہمارے دیکھتے ہی دیکھتے ٹیلے میں حرکت پیدا
ہوئی اور اس کا حجم کم ہونے لگا۔ زمین پر جو دیکھا تو وہ ... گلے کے ...
گھومے ... اور پانچ پانچ انچ کے جیونٹے تھے۔ جو دیکھی شکل میں ... تھے۔ اور اب
انسانی بو پا کر ہماری طرف چل پڑے تھے۔
خدا جانے کیسے جیونٹے تھے۔ ہم سب بھاگ بھی نہیں سکتے تھے کیونکہ
... دلدلوں کو ... نہیں جا سکتے تھے۔ ہم سب بُری طرح
دہشت زدہ ہو گئے۔ لیکن رازی جلد ہی واپس پہنچ گیا۔ اس کے
دونوں ہاتھوں میں مخصوص قسم کی جھاڑیاں دبی ہوئی تھیں۔ اس نے جلدی
سے ان جھاڑیوں کو زمین پر رکھ کر آگ لگا دی۔ گھاس سے صندل کی سی
خوشبو پیدا ہو گئی۔ اور جیونٹے جو بڑھتے آ رہے تھے ایک دم ٹھٹک گئے۔ اس طرح
سر پر پاؤں رکھ کر بھاگے کہ ان کا نشان نہ ملا۔ میں حیرت سے دیکھ رہا ...
منظر دیکھ رہا تھا۔ فضا سے گیس کا بھی خاتمہ ہو گیا تھا۔
"خدا کا شکر ہے کہ میں بروقت پہنچ گیا۔" رازی نے گہری سانس لے
کر کہا۔
"یہ کیا بلا تھی؟"
"صحرائے اعظم کی سب سے خوفناک بلا۔ یقین کرو مجھے اس کا
اندازہ نہیں تھا۔"
"کیا مطلب؟"
"شیلکائی ہوتی ہے یہ جھاڑی۔ میں صرف فضا کی کثافت ختم کرنے کے
لیے لایا تھا لیکن اس وقت ہماری خوش نصیبی ... ہو گئی۔ یہ گوشت خور جیونٹے
تھے جو ہر جاندار کو اس طرح چٹ کر جاتے ہیں کہ اس کی ہڈیاں تک نہیں
چھوڑتے۔ ان کو بھگانے کے لیے صرف شیلکائی ہی کارآمد ہوتی ہے۔
اگر یہ ... نہ ہوتی تو ہم خطرناک حالات کا شکار ہو جاتے۔"
"خدا کی پناہ۔ اس کا مطلب ہے کہ ہم بال بال بچ گئے۔"
"ہاں۔ یہاں قدم قدم پر ایسی خوفناک بلائیں بکھری ہوئی ہیں۔"
جھاڑیاں رات بھر سلگتی رہیں اور ان کی خوشبو فضا میں پھیلتی رہی۔ گیس کی
بو بھی ختم ہو گئی تھی اور جیونٹوں نے دوبارہ اس طرف کا رخ نہیں کیا تھا۔
لیکن دوسرے دن صبح رازی نے احتیاطاً شیلکائی کے پودے اپنے ساتھ
رکھ لیے اور ہم نے تیزی سے سفر شروع کر دیا جیونٹوں کا کہیں پتہ نہیں
تھا۔ جنگل، دریا، پہاڑیاں عبور کرتے ہوئے ہمارا سفر جاری رہا اور
پھر ایک روشن صبح ہم نے دور سے سیاہ گنبدوں کا شہر دیکھا۔ اونٹ کے
کوہان سے مشابہ جھونپڑیوں کی ایک دنیا آباد تھی۔ وسیع و عریض میدان
میں تا حد نگاہ یہ جھونپڑے پھیلے ہوئے تھے۔ رازی کی آواز ابھری۔
"یہ گواٹکا ہے۔" میں حیران نگاہوں سے اس عظیم الشان شہر کو دیکھ رہا
تھا۔ جھونپڑوں کی ترتیب بلاشبہ قابل دید تھی۔ لیکن نجانے کیوں یہ شہر
خالی نظر آ رہا تھا۔ اس کے درمیان کوئی متنفس موجود نہیں تھا۔ اس
بات پر رازی نے بھی حیرت کا اظہار کیا۔

معاملہ کو دیکھا وقت ہے۔ معلوم کر کہ وہ اپنی ضروریات میں مصروف ہو جانا چاہیے تھا۔ اس کے علاوہ وہ راستے خالی بھی نہیں ہوتے کہ کچھ اجنبی لوگوں کی آمد سے عالم بے خبر رہیں۔ ہم نے کیا عالم ہے۔ بہر طور "آؤ، آگے بڑھو، آگے چلتے ہیں۔ دیکھتے ہیں۔" رازی نے کہا اور ہم آگے بڑھتے ہوئے یہاں تک کہ قبیلے کے پہلے مکان کے سامنے پہنچ گئے۔ یہاں پہنچ کر رازی نے مقامی زبان میں آواز لگائی۔

"کوئی ہے، کوئی ہے تو سامنے آئے۔" مگر کوئی جواب نہ ملا۔

ہم خاموشی سے حیران کھڑے اِدھر اُدھر دیکھتے رہے پھر رازی نے جھونپڑے کے دروازے کے قریب پہنچ کر اسے کھولا اور اس کے اندر جھانکنے لگا۔

جھونپڑا خالی تھا۔

"تعجب کی بات ہے۔ یکایک علاقے کے تمام لوگ یہ شہر چھوڑ کر کہیں چلے گئے۔ یہ بات بڑی حیرانی کی ہے حالانکہ یہ اتنا بڑا قبیلہ ہے کہ تم اس کا اندازہ نہیں کر سکتے ہو گے یا ہے؟"

ہاں، دفعتاً ہمیں ایک دہشت ناک شور سنائی دیا اور ہم اچھل پڑے۔ پھر ہم نے ایک حیرت ناک منظر دیکھا۔ ہمارے چاروں سمت سے سیاہ فام عورتیں ہماری جانب دوڑ رہی تھیں۔ ان کے انداز میں وحشت خیزی تھی۔ وہ خالی ہاتھ نہیں تھیں۔ کسی کے ہاتھ میں پتھروں سے بنے ہوئے ہتھیار تھے تو کوئی ڈنڈا سنبھالے ہوئے تھی۔ ایک طویل القامت عورت جس کا بدن تانبے کی طرح چمک رہا تھا، ان سب سے آگے تھی۔ اس کے چہرے پر وحشت کے آثار تھے۔ ہاتھ میں اس نے ایک نیزہ سنبھالا ہوا تھا۔ اس کے علاوہ اور کوئی چارہ نہیں تھا کہ انہیں روکنے کے لیے ہم بندوق کا استعمال کریں۔ رازی نے بھی اسی پر فیصلہ صادر کیا اور ہم نے بندوقیں اٹھا کر ہوائی فائر کیے۔ فائرنگ کی آواز بڑی کارگر ثابت ہوئی اور عورتیں رک گئیں۔ ان کی وحشت کسی قدر کم ہو گئی تھی لیکن ان کی آنکھوں میں اب بھی غصے کے آثار تھے۔ پھر طویل القامت عورت اپنا نیزہ لہرا کر ان کے نزدیک کھڑی ہو گئی۔ اس کی آنکھیں ہم پر جمی ہوئی تھیں۔ ہم نے ابھی تک ان میں سے کسی پر فائر نہیں کیا تھا۔ تب رازی ہماری نمائندگی میں بولا۔

"غلط فہمی کا شکار ہو کر کوئی ایسا اقدام نہ کرو جو ہمارے اور تمہارے حق میں خطرناک ہو۔ ہم تم سے [illegible]" [illegible] طویل القامت عورت کی آنکھوں میں [illegible] حیرت کے آثار [illegible] نیزہ [illegible] پھر اس نے ایک [illegible] آواز نکالی۔

"ہم کس کے آدمی ہو، کون ہو تم اور کیوں آئے ہو یہاں؟"

"میں جڑی بوٹیوں سے علاج کرنے والا ساحر ہوں اور تمہاری بستی میں قیام کے لیے آیا ہوں۔ یہ سب میرے ساتھی ہیں۔ ہم سب تمہارے لیے پیغام سلامتی لائے ہیں اور تمہیں کوئی نقصان نہیں پہنچانا چاہتے۔"

"جھوٹ بولتے ہو تم۔ تم امپرا کے ہرکارے ہو اور قبیلے کی تباہی چاہنے آئے ہو لیکن یاد رکھو جو بغاوت سر ابھار چکی ہے۔ اب اسے ختم کرنا امپرا کے بس میں نہیں ہے۔" یہ الفاظ ایسے تھے کہ میں، رازی، سلمان اور ہیزل حیران رہ گئے۔ رازی ایک قدم آگے بڑھ کر بولا۔

"قبیلے کی عظیم عورت، میں نے ایک بار پہلے بھی تم سے کہا تھا اور اب بھی کہہ رہا ہوں کہ غلط فہمی کا شکار ہو کر کوئی ایسا اقدام نہ کرو جس پر بعد میں تمہیں افسوس ہو۔ تمہارے قبیلے کے مرد کہاں ہیں۔ مجھے کسی بڑے سے ملاؤ۔ میں اسے اپنی بات سمجھانے کی کوشش کروں گا۔"

"بے کار باتیں مت کرو۔ پہلے یہ ثابت کرو کہ جو کچھ تم نے کہا ہے وہ سچ ہے۔"

"میں ثابت کرنے کے لیے تیار ہوں۔ کیا تمہارے قبیلے میں کوئی بیمار شخص ہے۔"

"ہاں۔ اگر تم کچھ کرنا ہی چاہتے ہو اور اپنے بارے میں ہمیں مطمئن کرنا چاہتے ہو تو میرے ساتھ آؤ۔ لیکن خبردار، تمہارے ہاتھ میں جو ہلاک کرنے والے ہتھیار ہیں، انہیں ایک جگہ رکھ دو۔ تم ان ہتھیاروں سے ہم سب کو نہیں مار سکو گے۔ ہم میں سے کچھ مر جائیں گے لیکن باقی سب تمہیں فنا کر دیں گے۔"

"اور اگر میں یہ ہتھیار رکھ دوں تو کیا تم قسم کھا کر یہ کہہ سکتی ہو کہ ہمیں اس وقت تک کوئی نقصان نہیں پہنچاؤ گی جب تک تمہیں یہ یقین نہ ہو جائے کہ ہم تمہارے دشمن ہیں۔" عورت نے گہری نگاہوں سے مجھے دیکھا اور پھر گردن ہلا کر بولی۔

"ہاں، ہم آسمانی سورج کی قسم کھاتے ہیں کہ اس وقت تک تمہیں کوئی نقصان نہیں پہنچائیں گے جب تک ہمیں یہ یقین نہ ہو جائے۔"

کہ تمہارا تعلق ہمارے دشمنوں میں ہوتا ہے۔"

"تو ٹھیک ہے۔ یہ ہتھیار تمہارے سامنے ہیں۔" رازی نے کہا۔ اور اس کے اشارے پر ہم سب نے اپنی رائفلیں نیچے رکھ دیں۔ عورت بے یقینی کے انداز میں دیکھ رہی تھی پھر وہ آہستہ سے بولی۔

"چند قدم پیچھے ہٹ جاؤ تاکہ تم دوبارہ یہ ہتھیار نہ اٹھا سکو۔" ہم نے اس کی ہدایت پر عمل کیا اور رائفلوں سے کافی پیچھے ہٹ گئے۔ ہم نے اپنا بقیہ سامان بھی وہیں رکھ دیا تھا۔ جب انہیں یقین ہو گیا کہ ہم دوبارہ رائفلیں نہیں اٹھا سکیں گے تو عورت نے اشارہ کیا اور بہت سی عورتیں ہمارے ہتھیاروں کے گرد حلقہ باندھ کر کھڑی ہو گئیں۔ طویل القامت عورت کے چہرے پر کسی قدر سکون کے آثار [illegible] نے اس نے ہماری طرف دیکھ کر کہا۔

"تم میں سے کون جڑی بوٹیوں سے علاج کرنے والا ساحر ہے؟"

"میں۔" رازی آگے بڑھ کر بولا۔

"صرف تم میرے ساتھ آؤ۔" عورت نے کہا اور رازی اس کے ساتھ چلا گیا۔ ہیزل، میں اور سلمان اسی جگہ کھڑے ہوئے تھے۔ اور دوسری عورتیں ہمیں کڑی نگاہوں سے دیکھ رہی تھیں۔ پھر چند عورتیں آگے آئیں اور ان میں سے ایک نے کہا۔

"اگر تم بھی ہماری زبان سے واقف ہو تو آؤ ہمارے ساتھ، ہم اس وقت تک تمہارے قیام کے لیے معقول بندوبست کر دیں گے، جب تک تمہارا ساتھی تمہارے درمیان نہیں پہنچ جاتا اور ہم مطمئن نہیں ہو جاتے۔" میں نے ایک لمحے کے لیے سوچا اور پھر گردن ہلا دی۔

ہمیں ایک جھونپڑے میں پہنچا دیا گیا تھا۔ اندر سے یہ کافی اچھا جھونپڑا تھا، وسیع اور کشادہ تھا۔ اور اس میں جگہ جگہ پیال کے ڈھیر لگے ہوئے تھے۔ جو یقینی طور پر آرام کرنے کے لیے تھے۔ میں، سلمان، ہیزل ان پیال کے ڈھیروں پر لیٹ گئے۔ ہم سب خاموش تھے۔ سلمان کی زبان سے بھی کوئی لفظ نہیں نکل سکا تھا۔ کافی دیر تک یہ خاموشی چھائی رہی۔ باہر عورتوں کی آوازیں سنائی دے رہی تھیں۔ ہیزل نے دھیمی آواز میں کہا۔

"سمجھ میں نہیں آتا کہ قبیلے کے مرد کہاں چلے گئے ہیں۔ یوں لگتا ہے کہ یہ صرف عورتوں کی بستی ہے۔"

"تم اس علاقے کی تمام زبانوں سے واقف ہو ہیزل۔" میں نے پوچھا۔

"ہاں، خاص طور سے میں نے انہی کے درمیان زندگی گزاری ہے۔"

"مگر اس قبیلے میں تو کبھی نہیں آئی ہو گی۔ میرا اندازہ یہی لگتا ہے۔"

"ہاں، یہاں کبھی نہیں آئی۔ لیکن میں اس کے بارے میں تھوڑی بہت معلومات رکھتی ہوں۔ یہ قبیلہ بھی امپرا کے زیر تسلط آتا ہے۔ اور یہاں بھی اسی کی حکومت ہے۔"

"ہیزل، اگر مناسب سمجھو تو امپرا کے بارے میں مجھے کچھ اور تفصیل بتاؤ۔"

"خطرناک؟"

"کیا تم نے اسے دیکھا ہے؟"

"ہاں دیکھا ہے۔ اسی وقت جب پروفیسر رازی نے اسے دیکھا تھا۔ وہ اتنی حسین، اتنی خوبصورت اور اتنی جوان ہے کہ اس کے آگے حسن و جمال کا تصور ماند پڑ جاتا ہے۔ وہ مسکراتی ہے تو بجلیاں چمکنے لگتی ہیں۔ بلاشبہ وہ ساحرہ ہے۔ ایک ایسی ساحرہ جس کے سحر کے آگے کوئی دوسرا سحر کارگر نہیں ہو سکتا۔"

"فطرتاً وہ کیسی ہے؟"

"ظالم، جلاد اور تند خو۔ اپنے مخالفوں کو کبھی معاف نہیں کرتی۔"

"یہاں اس کے مخالف ہیں؟"

"بہت زیادہ۔ شمال کے ساحروں سے تو اس کی ہمیشہ چپقلش رہتی ہے۔ شمال کے ساحر کہیں بہت آگے ہیں اور امپرا کو اگر کوئی خطرہ ہے تو انہیں سے ہے۔"

"یہ سب باتیں تمہیں کیسے معلوم ہوئیں ہیزل؟"

"کوانی میں بہت سے ساحر رہتے ہیں۔ اور چونکہ پروفیسر رازی جڑی بوٹیوں سے کام کرتے تھے اور ساحر انہیں بھی اپنا ہم پیشہ سمجھتے تھے، اس لیے ان سے تمام باتیں کرتے رہتے تھے۔"

"ہوں۔ ویسے تمہارا کیا خیال ہے کہ گوانگا کی عورتیں ہمیں زندہ رہنے کا حق دیں گی؟"

"ہم نے سورج کی قسم کھائی ہے۔ وہاں بہت متبرک سمجھی جاتی ہے۔ اگر پروفیسر رازی انہیں مطمئن کرنے میں کامیاب ہو گئے تو میرے خیال میں ہمیں یہاں کوئی خطرہ نہیں ہے۔"

"خدا کرے پروفیسر اپنے مشن میں کامیاب ہو جائے۔" میں نے گہری سانس لے کر کہا۔ وقت گزرتا گیا۔ رات ہو گئی۔ لیکن پروفیسر رازی واپس نہ آیا۔ پھر آدھی رات کا وقت تھا اور ہم سب جاگ رہے تھے کہ پروفیسر رازی نے جھونپڑے کا دروازہ کھولا، چہرہ اندر آ گیا۔ اس کے ہاتھ میں ایک مشعل تھی جو اس نے جھونپڑے کے ایک حصے میں نصب کر دی۔ اس کے چہرے پر خوشی کے آثار نظر آ رہے تھے۔ ہم تینوں اٹھ کر بیٹھ گئے۔

"کیا رہا پروفیسر؟"

"بہت ہی حیرت انگیز، بہت ہی تعجب خیز۔ ایک ایسی خبر لایا ہوں کہ تم لوگ سن کر ششدر رہ جاؤ گے۔ ہمیں تو علم ہی نہ تھا کہ ہمارے یہاں سے نکلنے کے بعد حالات میں یہ تبدیلیاں رونما ہوں گی۔ ایسی تبدیلیاں جو ہزاروں سال سے عمل میں نہیں آئی تھیں۔" پروفیسر نے کہا۔ ہم سب اشتیاق آمیز نگاہوں سے پروفیسر کو دیکھنے لگے۔

میں نے اور سلمان نے جلدی سے آگے بڑھ کر پروفیسر رازی کو اٹھایا۔ اس کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے۔ اس کا دل تیز رفتاری سے دھڑک رہا تھا اور اس وقت اس کی کیفیت معصوم بچوں کی سی تھی۔

"پروفیسر! پروفیسر! ہوش میں آیئے کیا ہوا، کیا بات ہے، کون کسی کو لے گیا؟" میں نے اسے جھنجھوڑتے ہوئے کہا۔

"وہ۔۔۔ وہ۔۔۔ وہ میری بچی کو لے گیا۔ تم لوگ نہیں جانتے۔ تم کچھ نہیں جانتے۔ کوئی نہیں جانتا کہ وہ میری زندگی کا محور تھی۔ میں نے اسے اپنی اولاد کی طرح پالا ہے۔ اس کے سوا میرا دنیا میں ہے ہی کون! وہ۔۔۔ وہ۔۔۔"

"ہیزل کی بات کر رہے ہیں پروفیسر؟"

"ہاں، میری بچی۔" پروفیسر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا۔ اس کی پُر وقار شخصیت مسخ ہو کر رہ گئی تھی۔

"کون تھا وہ پروفیسر؟"

"کوئی جنگلی شیطان، کوئی بدرنگ جانوروں کی کھال اپنے جسم پر لپیٹے ہوئے تھا، سر پر سینگ تھے۔ وہ۔۔۔ وہ بڑی بیدردی سے ہیزل کو اٹھا کر غار سے فرار ہو گیا۔ نہ جانے، نہ جانے اب وہ میری بچی کے ساتھ کیا سلوک کرے گا؟"

"حوصلہ رکھیں پروفیسر! حوصلہ رکھیں۔ ان جنگلوں میں رہیں ہر حادثے کے لیے تیار رہنا چاہیے۔ آپ حوصلہ چھوڑ بیٹھے تو پھر کیسے کام چلے گا؟"

"مجھے کوئی نقصان پہنچ جائے کوئی حرج نہیں ہے۔ میں مر بھی جاؤں مجھے پروا نہیں ہو گی لیکن۔۔۔ لیکن۔۔۔"

"مل جائے گی ہیزل۔۔۔ ہم اسے تلاش کریں گے۔ ہم اسے ضرور تلاش کر لیں گے۔ بس آپ اس کا حلیہ ذہن میں رکھیں۔"

پروفیسر نے گردن جھکالی۔ اس کی سسکیاں اب بھی جاری تھیں۔ باقی رات اسی طرح گزر گئی۔

دوسری صبح ہمارے لیے ناشتہ آیا۔ تازہ ہرن کا گوشت اور دودھ تھا۔ بمشکل تمام پروفیسر کو کچھ کھلایا پلایا۔ وہ دو عورتیں جو ہمارے لیے ناشتہ لائی تھیں جھونپڑے کے باہر موجود تھیں۔ پروفیسر نے ان میں سے ایک کو اندر بلایا۔ وہ اندر آ گئی۔

"کیا نام ہے تمہارا؟" میں نے پوچھا۔

"سونی۔"

"وہ عورت کون تھی جس کا بچہ بیمار تھا؟"

"سبوتا۔ سردار جوزنا کی بیوی۔"

"ہم اس سے ملنا چاہتے ہیں۔" میں نے سونی سے کہا اور وہ گردن جھکا کر چل دی۔ زیادہ دیر نہیں گزری تھی کہ سبوتا اندر آ گئی۔ اس کی آنکھوں میں نرمی کے آثار تھے۔

وہ پروفیسر کے سامنے آ گئی، جھک کر زمین سے مٹی اٹھائی اور اسے ماتھے سے لگا لیا۔ "تم نے میری بہت بڑی پریشانی دور کر دی ساحر! میرا بچہ اب بالکل ٹھیک ہے۔"

"لیکن تیرا محسن تیرے قبیلے میں ظلم کا شکار ہو گیا سبوتا!"

"کیا۔۔۔ کیا ہوا۔ کیا بات ہے؟" سبوتا چونک کر بولی۔ اس کی حیران آنکھیں ہم سب کا جائزہ لے رہی تھیں۔ پھر وہ چونک کر بولی۔ "آہ! تم میں سے ایک کم ہے۔ کہاں ہے وہ؟"

"پروفیسر کی بیٹی۔ اس ساحر کی بیٹی رات کو اس سے چھین لی گئی ہے۔" میں نے کہا۔

"چھین لی گئی ہے۔ کہاں۔۔۔ کون لے گیا اسے۔ آہ میں کچھ نہیں جانتی مجھے بتاؤ کیا ہوا؟"

"اسے ایک شخص زبردستی لے گیا ہے۔"

"ناممکن، کس کی مجال ہے؟" وہ غرائی۔

"ایسا ہوا ہے سبوتا! تم خود دیکھ لو وہ ہمارے درمیان نہیں ہے۔"

"مگر کون تھا وہ؟ قبیلے میں کوئی جوان نہیں ہے۔ کسے اس کی جرأت ہوئی؟"

"ہم نہیں جانتے۔"

"کس نے اسے دیکھا تھا؟"

"ہاں، میں نے دیکھا تھا۔" پروفیسر رازی نے کہا اور سبوتا کو اس کا حلیہ بتانے لگا۔ سبوتا کی آنکھوں میں گہری سوچ کے آثار تھے۔ اس کی پیشانی شکن آلود ہو گئی تھی۔ وہ کچھ سوچ رہی تھی۔ پھر اس نے ایک گہری سانس لے کر گردن ہلاتے ہوئے کہا۔

"نہیں، اس قبیلے میں اس حلیے کا کوئی بھی جوان نہیں۔ اوّل تو یہاں ایک بھی جوان نہیں ہے۔ سارے جوان جنگ پر گئے ہوئے ہیں، اور صرف ایسے کمزور اور لاغر بوڑھے یہاں پر رہ گئے ہیں، جو جنگ میں حصہ نہیں لے سکتے تھے۔ ان میں سے کوئی ایسا جوان کوئی ایسا تندرست مرد نہیں ہے جو کسی لڑکی کو اس طرح اٹھا کر غار سے فرار ہو جائے۔"

"پھر وہ کون ہو سکتا ہے سبوتا! جو تمہارے قبیلے میں داخل ہو کر ہمارے ساتھ یہ ظلم کر گیا ہے؟"

"میں اس کا پتہ لگاؤں گی تم نے میرے اوپر احسان کیا ہے۔ میں اس کو معلوم ضرور کروں گی تمہیں۔ یہ نہیں ہو سکتا۔ ایسا ہرگز نہیں ہو سکتا۔ میں تمہیں بوڑھی سوتھا کے پاس لے جاؤں گی۔ بوڑھی سوتھا اپنے علم کے ذریعے معلوم کر لے گی کہ تمہارے اوپر یہ ظلم کرنے والا کون ہے؟"

"سوتھا کون ہے؟" سلمان نے سوال کیا اور سبوتا کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔

"اس قبیلے کی سب سے بڑی جادوگرنی جو بہت علم رکھتی ہے۔ اس کا تجربہ قبیلے کے لیے بڑا کارآمد ثابت ہوتا ہے۔ تم بے فکر رہو۔ سوتھا ضرور تمہاری مدد کرے گی۔"

"تو پھر ہمیں اس کے پاس لے چلو۔ تم نہیں جانتی ہو کہ یہ اس کے لیے کس قدر پریشان ہیں۔ تمہارا بچہ بیمار تھا تمہیں احساس ہو گا کہ اس کا دکھ کس طرح انسان کے سینے میں جاگزیں تھا۔ وہ میری بچی ہے، میری بیٹی ہے، میری لخت جگر۔۔۔" رازی کی آواز رندھ گئی۔ تب سبوتا نے ہمدردی سے اس کے شانے پر ہاتھ رکھا اور بولی۔

"ہم احسان کرنے والوں کو کبھی نہیں بھولتے، تم نے میرے بچے کو نئی زندگی دی ہے۔ تمہاری بچی کو واپس لانا میری ذمہ داری ہے۔ اٹھو، آؤ۔ میں تمہیں سوتھا کے پاس لے چلوں۔" عورت تیار ہو گئی۔ وہ خوفزدہ تاثرات اب اس کے چہرے سے مفقود ہو گئے تھے جو پہلی بار ہم نے دیکھے تھے۔ درحقیقت وہ دوستوں کا سا انداز اختیار کر چکی تھی۔

ہم تینوں اس کے ساتھ باہر نکل آئے۔ سبوتا نے اپنے ساتھ چار عورتوں کو بھی لے لیا جو بڑی تندرست و توانا تھیں ہاتھوں میں لمبے لمبے نیزے لیے ہوئے تھیں۔ ان کے کسے ہوئے جسموں سے لگتا تھا کہ اگر کوئی مرد ان کے مقابل آ جائے تو وہ اسے چیر کر رکھ دیں گی۔ تندرست و توانا عورتوں کا یہ قافلہ بستی کے درمیان سے گزرتا رہا۔ وہ بستی کے شمالی سرے کی جانب جا رہی تھیں اور ہم ان کے ہمراہ تھے۔

میں پروفیسر رازی سے دلی ہمدردی رکھتا تھا جس طرح وہ بلک بلک کر رو رہا تھا۔ اس سے اندازہ ہوتا تھا کہ وہ ہیزل کو کس طرح چاہتا ہے، حالانکہ دونوں کا کوئی واسطہ نہیں تھا۔ وہ دونوں غیر مذاہب سے تعلق رکھتے تھے۔ لیکن محبتوں کا کوئی مذہب نہیں ہوتا۔ وہ کہیں بھی کسی بھی دل میں جاگزیں ہو سکتی ہیں۔ مجھے اور سلمان کو پروفیسر رازی سے بہت ہمدردی تھی۔

خاصہ طویل سفر طے کرنا پڑا لیکن سفر کے دوران ہم نے اس بستی کو بھی اچھی طرح دیکھ لیا۔ پوری بستی حالت جنگ میں تھی۔ جگہ جگہ ہتھیاروں کے ڈھیر لگے ہوئے تھے گو یہ ہتھیار بے حد بے ڈھنگے قسم کے بنے ہوئے تھے جو کلہاڑوں، تلواروں اور نیزوں پر مشتمل تھے۔ لیکن بہرصورت ان تیاریوں سے پتہ چلتا تھا کہ اگر قبیلے والوں کو شکست ہوئی اور دشمن اس طرف حملہ آور ہوا تو یہ عورتیں آخری وقت تک جنگ کریں گی۔

آخر کار ہم اس بستی سے نکل آئے اور پھر پہاڑی ٹیلوں کے درمیان چلنے لگے۔ سوتھا غالباً ان ٹیلوں میں کہیں رہتی تھی۔ کافی سفر طے کرنے کے بعد ہم ایک پہاڑی ٹیلے کے دامن میں پہنچ گئے۔ یہاں ایک غار کا بڑا دہانہ نظر آ رہا تھا۔ دہانے کے اندر سے عجیب عجیب سی خوشبوئیں ابھر رہی تھیں اور یہ خوشبوئیں باہر بھی پھیل رہی تھیں گو ہوا انہیں منتشر کر دیتی تھی لیکن دہانے کے بالکل قریب پہنچنے سے یہ خوشبوئیں خاصی تیز لگتی تھیں۔

سبوتا نے دروازے پر پڑے ہوئے ایک گول پتھر کو گھٹنوں کے بل جھک کر بوسہ دیا اور پھر مؤدبانہ انداز میں پکارا۔

"معزز سوتھا! میں سبوتا ہوں۔ تجھ سے ملنے آئی ہوں۔ کیا مجھے اندر آنے کی اجازت ہے؟"

"آ جاؤ۔ اور اپنے ساتھ اپنے ان تینوں ساتھیوں کو بھی لے آؤ جو مصیبت کا شکار ہیں۔" اندر سے ایک بوڑھی آواز ابھری اور ہماری آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔ پروفیسر رازی بھی متحیر نظر آ رہا تھا۔ ہم سب نے ایک دوسرے کی شکلیں دیکھیں۔ سبوتا مسکرا کر ہماری طرف پلٹی اور پھر ہمیں اندر آنے کا اشارہ کر کے خود اس غار کے دہانے سے اندر داخل ہو گئی۔

غار بہت کشادہ تھا۔ پورے ٹیلے میں پھیلا ہوا تھا۔ کشادہ ہونے کے ساتھ ساتھ وہ روشن بھی تھا۔ اور اندر ذرا بھی گھٹن کا احساس نہیں تھا۔ صاف ستھرے غار میں ایک طرف پیال کا ایک ڈھیر لگا ہوا تھا۔ ان کے نزدیک ہی کھانے پینے کی چیزوں کے برتن بڑے قرینے سے رکھے ہوئے تھے۔ ایک پورے لباس میں ملبوس بوڑھی عورت غار کے بیچوں بیچ بیٹھی تھی۔ اس کے سامنے چھوٹی چھوٹی کھوپڑیاں رکھی ہوئی تھیں۔ ان کھوپڑیوں کی تعداد پندرہ اور

اور ہیں کے درمیان ہوگی، پتہ نہیں کسی جانور کی کھوپڑی تھی۔
یا انسانی بچوں کی لیکن غور سے دیکھنے سے اندازہ ہوتا تھا کہ وہ کھوپڑیاں
کی کھوپڑیاں تھیں، کسی اور جانور کی۔ وہ بندروں کی کھوپڑیاں
تھیں۔ ان کھوپڑیوں کے درمیان چھوٹی چھوٹی ہڈیاں بھی رکھی
ہوئی تھیں۔ ایک عجیب سا جال پھیلا ہوا تھا۔ ان کھوپڑیوں
اور ہڈیوں کے پاس سوتا دو زانو ہو کر بیٹھ گئی۔

"تو جانتی ہے سوتا! تیرا علم جانتا ہے کہ ہم کس لیے آئے
ہیں جادوگرنی، یہ بات پورے وثوق کے ساتھ کہہ سکتی ہوں کہ
مجھے علم ہے کیونکہ تو نے میرے ساتھ آنے والوں کی صحیح تعداد
بتائی تھی۔" سوتا نے پہلی بار ہم تینوں کو دیکھا۔ اور پھر سبوتا کی
طرف دیکھ کر مسکرانے لگی۔

"ہاں، مجھے ان کی آمد کا علم تھا۔ میں جانتی تھی کہ اجنبی
ہمارے قبیلے میں آئے ہیں۔"

"اور تجھے یہ بھی معلوم ہوگا سوتا کہ یہ تین نہیں چار تھے۔"

"نہیں مجھے یہ معلوم نہ تھا۔" سوتا نے جواب دیا۔

"تو سن سوتا! یہ چار تھے۔ تین مرد اور ایک عورت۔
لیکن عورت ان کے درمیان سے غائب کر دی گئی۔ رات کو
کوئی اسے اٹھا لے گیا۔" سبوتا نے بتایا اور بوڑھی عورت کے
چہرے پر غور و فکر کے آثار پھیل گئے۔ اس نے کھوپڑیوں
اور ہڈیوں کی جگہ میں تبدیلی شروع کر دی۔

اچانک ایک کھوپڑی اٹھا کر اس کی جگہ بدل رہی تھی اور
ہڈیاں اس کے درمیان رکھتی جا رہی تھی۔ پھر وہ پتلی پتلی ہڈیوں
سے ان کھوپڑیوں کو بجانے لگی۔ مختلف آوازیں ابھر رہی تھیں۔
کبھی بھدی اور کبھی کھنک دار، وہ ان کھوپڑیوں کے درمیان
تبدیلیاں کرتی رہی اور کافی دیر کے بعد اس نے گردن اٹھائی۔

"اوہ! اوہ!! کیا وہ بھیڑیئے کی کھال میں ملبوس تھا؟"
اس نے پروفیسر رازی کی طرف دیکھ کر پوچھا۔ یہ بات بھی اس
کے علم کو ظاہر کرتی تھی۔ کہ وہ جانتی تھی کہ پروفیسر رازی ہی اسے
صحیح بات بتا سکتا ہے۔

"ہاں، وہ کسی کھال ہی میں تھا۔ تاریکی کی وجہ سے میں
اس کا اندازہ نہیں لگا سکا کہ وہ کون سے جانور کی کھال ہے۔"

"کیا اس کے سر پر دو سینگ ابھرے ہوئے تھے؟"

"ہاں، ہاں۔ تیرا علم درست کہتا ہے سوتا۔"

"تو پھر اس میں پریشانی کی کیا بات ہے؟"

"کیا مطلب؟"

"جو آدمی تیری بیٹی کو لے گیا۔ وہ برا آدمی نہیں ہے۔ جانتا
ہے۔ اس کا نام کیا ہے؟"

"کیا نام ہے سوتا —؟" سبوتا نے پوچھا۔

"ماکازونگا۔ اس علاقے کا سب سے بڑا جادوگر۔ اپسرا
کے مقابل آنے والا اس کا دشمن۔" سوتا نے بتایا اور ہم سب
کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔ سبوتا بھی بوکھلاہٹ کے
عالم میں دو قدم پیچھے ہٹ گیا۔

"ماکازونگا! لیکن — لیکن وہ — لیکن وہ —"

"یہ وہی بتا سکے گا۔ اس نے اپنے گرد جو خول چڑھا رکھا
ہے۔ اس کے پار دیکھنا ناممکن ہے۔ کیا ہے اس کے دل میں
یہ وہی جانے۔ ہاں یہ وہی جانے، ہاں یہ وہی جانے —"
بوڑھی گردان کرنے لگی۔ اس نے آنکھیں بند کر لی تھیں۔ تب
سبوتا نے ہماری طرف دیکھا اور گردن ہلانے لگا۔

"یہ حقیقت ہے کہ ماکازونگا برا آدمی نہیں ہے۔
وہ دوسروں کو نقصان نہیں پہنچاتا۔ اس کا دشمن صرف اپسرا
کے لیے ہے۔ نجانے کیوں اس نے یہ حرکت کی۔"

"لیکن — لیکن ہمارے ساتھ یہ سب کچھ تمہارے قبیلے
میں ہوا ہے سبوتا۔ میں اپنی بیٹی کو حاصل کرنا چاہتا ہوں، یہ تو
اچھی بات نہیں کہ وہ ہم میں سے کسی کو اٹھا کر لے گیا۔ ہمارا
اس سے کیا تعلق ہے؟"

"اس میں کوئی مصلحت ہوگی۔ یقیناً اس میں کوئی مصلحت
ہوگی، کیوں سوتا! کیا تو بتا سکتی ہے کہ ماکازونگا اسے لے
کر کہاں گیا ہے؟"

"یہ معلوم کرنے کی کیا ضرورت ہے۔ سفید جھیل اس کا
مسکن ہے۔ اور ان دنوں وہ وہیں مقیم ہے تم اگر چاہو تو
اسے وہاں تلاش کر سکتے ہو۔ بس میری بات ختم۔" سوتا نے
کہا اور آنکھیں بند کر لیں۔ اس کی گردن ایک طرف ڈھلک
گئی تھی۔ سبوتا نے اٹھتے ہوئے کہا۔

"اب سوتا کچھ نہ بتائے گی جو کچھ اسے بتانا تھا بتا چکی۔" ہم
سب سبوتا کے ساتھ باہر نکل آئے سب ہی کے چہروں سے پریشانی
جھلک رہی تھی۔ پھر میں نے پوچھا

"سفید جھیل کہاں ہے سبوتا؟"

"بستی سے مغرب کی سمت چلے جاؤ۔ ناہموار راستوں اور
پہاڑی دروں سے گزرنے کے بعد تمہیں ایک نخلستان ملے گا۔
یہ نخلستان سفید جھیل ہی کا ہے۔ اور ماکازونگا اس کے آس پاس

ہی نظر آتا ہے۔ اگر تم اس کے علاقے میں پہنچ جاؤ گے تو وہ یقیناً
تم سے ملاقات کرنے کی کوشش کرے گا لیکن مجھے تعجب ہے
مجھے حیرت ہے۔" میں نے پروفیسر رازی کی طرف دیکھا اور رازی
جلدی سے بولا۔

"میں جاؤں گا۔ میں جاؤں گا۔ میں تم دونوں کو پریشان
نہیں کروں گا۔ ایک بار پھر میں تم سے کہتا ہوں کہ میری الجھنوں میں
مت پھنسو۔ تمہارا اپنا مسئلہ الگ ہے۔ میں اپنی بیٹی کو تلاش کروں
گا۔ میں ان جنگلوں کی خاک چھانوں گا۔ کہیں بھی نکل جانے کی
کوشش کروں گا۔ لیکن — لیکن میں اسے نہیں چھوڑ سکتا۔ وہی
تو میری زندگی ہے۔"

"نہیں پروفیسر ہم سب آپ کے ساتھ ہیں۔ ہم سب
آپ کے ساتھ چلیں گے۔" میں نے سلیمان کی بات کی تردید نہیں
کی تھی۔ پروفیسر خاموش ہو گیا۔ سبوتا کہنے لگا۔

"مجھے افسوس ہے کہ یہاں تمہارے ساتھ یہ سب کچھ ہوا۔ تم
تم نے ہم پر احسان کیا ہے۔ بتاؤ ہم تمہاری کیا مدد کر سکتے ہیں؟"

"کچھ نہیں بس تمہارا شکریہ۔"

"پھر بھی، میرا خیال ہے تم یہاں سے کھانے پینے کی چیزیں لے
جاؤ۔ ان ہتھیاروں میں سے جو چاہو لے لو ویسے تمہارے پاس
آتشیں ہتھیار ہیں۔ ان کی بہ نسبت زیادہ بہتر اور موثر۔"

"ٹھیک ہے۔ بہت بہت شکریہ۔" رازی نے کہا۔

اور اس کے بعد ہم وہاں نہیں رکے۔ سبوتا نے ہمیں بستی کی سرحد
تک چھوڑا تھا اور اس کے بعد ہم وہاں سے آگے نکل گئے۔

صحرائے اعظم کا ایک اور ویران حصہ ہمارے سامنے تھا۔
ہمارا تو خیال تھا کہ اس بستی میں کچھ عرصہ رک کر حالات کا جائزہ
لیں گے اور اندازہ لگائیں گے کہ اب ہمیں کیا قدم اٹھانا چاہیے
لیکن یہ نئی افتاد آ پڑی تھی اور پروفیسر رازی کا اضطراب یقیناً بھی حق
بجانب تھا۔ اس نے درحقیقت اپنی زندگی لڑکی کے لیے ختم
کر لی تھی۔ چنانچہ وہ اسے کیسے چھوڑ سکتا تھا! سفر جاری رہا صبح
سے شام ہو گئی اور پھر رات کو ہم نے ایک جگہ پڑاؤ ڈال دیا۔ ہم
ابھی تک اپنی سمت سے نہیں بھٹکے تھے۔

دوسرے دن صبح ہی صبح ہم نے اپنے سفر کا آغاز کر دیا تھا
اور جب دوپہر ہوئی تو ناہموار دروں اور گھاٹیوں کا یہ سلسلہ
ایک نخلستان پر ختم ہو گیا۔ نخلستان کے اطراف میں چھوٹے
چھوٹے پہاڑی ٹیلے بھی پھیلے ہوئے تھے۔ اور یہ ٹیلے عجیب سی

سفیدی اختیار کیے ہوئے تھے۔ درختوں کے تنوں میں بھی عجیب
طرح کی سفیدی نظر آ رہی تھی اور شاید یہ سفیدی اس گھاس کی
تھی۔ اس رنگ کی گھاس ہم نے اس سے پہلے کبھی نہیں دیکھی تھی۔
بہر طور اس گھاس کے درمیان ایک جھیل بھی موجود تھی لیکن وہاں
کوئی رہائش گاہ نہیں بنی ہوئی تھی۔ بہر طور ہم جھیل کے نزدیک
پہنچ گئے۔ شام کے تقریباً چار بجے تھے۔ اطراف میں مکمل سناٹا اور
خاموشی چھائی ہوئی تھی۔

درختوں پر پرندے بھی خاموش تھے کبھی کبھی ان کے
اڑنے سے پروں کی پھڑپھڑاہٹ سنائی دیتی اور ہم چونک
کر ادھر ادھر دیکھنے لگتے۔

"یہاں تو کسی کا وجود نہیں ہے۔" پروفیسر رازی کی
غمناک آواز ابھری۔

"نہیں، تمہارا خیال غلط ہے۔" ایک آواز ابھری۔ یہ
آواز ایک بہت بڑے درخت کے تنے میں سے آئی تھی۔
اور پھر درخت کے کھوکھلے تنے سے ایک آدمی باہر نکل آیا۔ یہ
عجیب الخلقت آدمی تھا پورے جسم پر جانوروں کی کھال منڈھی
ہوئی تھی۔ سر پر ایک کنٹوپ سا پہنا ہوا تھا جس میں جانور کے
سینگ ابھرے ہوئے تھے۔ لیکن اس کنٹوپ کے نیچے جو چہرہ نظر
آ رہا تھا۔ وہ ہمارے لیے تعجب خیز تھا۔ یقیناً یہ کسی یورپین نسل کا
ہی باشندہ تھا۔ گہری سبز آنکھیں، دمکتا ہوا لمبا چہرہ، جوان العمر تھا
پتلے پتلے ہونٹ بھینچے ہوئے تھے اور ایک عجیب سی متانت چہرے
پر چھائی ہوئی تھی۔ دراز قامت تھا اور چست و چالاک نظر
آتا تھا۔ بدن نہایت سڈول تھا۔ اگر وہ یہ جنگلی قسم کا لباس اتار
دیتا تو بڑا اسمارٹ اور خوبصورت جوان نظر آتا۔ پروفیسر کے
حلق سے بے اختیار آواز نکل گئی۔

"یہی تھا۔ آہ یہی تھا۔ یقیناً یہی تھا۔" آنے والے کے
ہونٹوں پر مسکراہٹ تھی۔ وہ آہستہ آہستہ چلتا ہوا ہمارے نزدیک
پہنچ گیا۔

"ہاں، میں ہی تھا وہ میں ہی تھا۔" اس نے آہستہ سے
کہا۔ میں کڑی نگاہوں سے اسے گھور رہا تھا۔ پھر میں نے بھاری
آواز میں پوچھا۔

"تم ہیزل کو اٹھا لائے ہو؟"

"ہاں۔"

میرا نام ماکازونگا ہے۔ میں اس لڑکی کو ایک خاص مقصد کے تحت اٹھا کر لایا ہوں۔ تم یقین کرو کہ مجھے اس کی از حد ضرورت تھی۔ اب تم یہاں آ ہی گئے ہو تو دوستوں کی طرح گفتگو کرو ایسے جملے دکھ ہو جائے اور تمہارے درمیان فرقے کا باعث بنیں۔"

"لیکن تم نے ہمارے ساتھ زیادتی کی ہے۔"

"میں نے کہا نا کہ میں اس کے لیے مجبور تھا۔"

"کیا مجبوری تھی؟"

"اوہ۔ اتنی جلدی یہ سب کچھ تمہیں معلوم نہیں ہو سکتا۔ آؤ میں تمہارے قیام کا بندوبست کر دوں۔ یہاں تمہارے لیے کچھ دیر ٹھہرنا ضروری ہے۔" اس نے کہا اور پھر سلمان کی طرف دیکھنے لگا۔ اس کے ہونٹوں کی مسکراہٹ سکڑ گئی۔ اس کے بدن کو جھٹکا سا لگا اور وہ دو قدم آگے بڑھ گیا اور سلمان کے بالکل سامنے پہنچ گیا۔ اس نے بغور سلمان کو دیکھا اور پھر اس کے حلق سے ہذیانی سی آواز ابھری۔

"نہیں۔ نہیں یہ نہیں ہو سکتا۔ یہ نہیں ہو سکتا تمہارا اس سے کیا تعلق ہے۔ تمہارا اس سے کیا تعلق ہے؟"

"کس سے؟" سلمان کے بجائے میں نے اس سے سوال کیا لیکن ماکازونگا نے میری بات کا کوئی جواب نہیں دیا تھا۔

"یہ نہیں ہو سکتا۔ یہ نہیں ہو سکتا۔" اس کے حلق سے ہذیانی انداز میں نکل رہا تھا پھر وہ دوزانو بیٹھ گیا اور اس کی گردن سلمان کے قدموں میں جا پڑی۔

"مجھے معاف کر دے، شہنشاہوں کے شہنشاہ، رادایہ کے دست راست مجھے معاف کر دے، مجھے معاف کر دے۔ مجھے زمانوں مجھے معاف کر دے۔ مجھ سے غلطی ہوئی۔ مجھ سے بھول ہوئی۔"

اب ہماری حیران ہونے کی باری تھی۔ ماکازونگا نے سلمان کو عجیب سے انداز میں پکارا۔ ہم نے سلمان کو کیا ہوا وہ جھکا اور اس نے اپنا ہاتھ ماکازونگا کے سر پر رکھ دیا۔

"کھڑا ہو جا۔ کھڑا ہو جا۔ میں تجھ سے گفتگو کرنا چاہتا ہوں۔" سلمان کے لہجے میں ایک عجیب سی کیفیت پیدا ہو گئی تھی۔

ماکازونگا نے گردن اٹھائی اور پھر مؤدب انداز میں کھڑا ہوا اور دو قدم پیچھے ہٹ گیا۔

"مجھے افسوس ہے۔ مجھے بہت افسوس ہے۔ مجھے تو تیرا انتظار تھا۔ تو ہی تو ہے جو ان مخلوقوں کی تقدیر بدلے گا۔ تو ہی تو ہے جو میرا معاون ثابت ہو گا۔ ہاں ہم دونوں کا مشن ایک ہی ہے۔ ہم دونوں کا مشن ایک ہی ہے۔" میں اور رازی تعجب خیز نگاہوں سے ماکازونگا کو دیکھ رہے تھے۔ تب سلمان نے پوچھا۔

"لڑکی کہاں ہے؟"

"اندر موجود ہے آقا۔ اندر موجود ہے۔ میں نے اسے کوئی نقصان نہیں پہنچایا ہے۔ کوئی ضرر نہیں پہنچایا میں نے اسے، وہ سکون سے ہے۔"

"لیکن تم اسے یہاں کیوں اٹھا لائے ہو؟"

"تو جانتا ہے آقا، یہ کہانی کوئی اور نہیں جانتا لیکن تو جان سکتا ہے۔ دیکھ میری آنکھوں میں دیکھ۔ میرے چہرے پر دیکھ اور اندازہ لگا کہ میں اسے یہاں کیوں اٹھا لایا ہوں۔" سلمان اس کی آنکھوں میں دیکھنے لگا۔ اس کی آنکھوں اور چہرے پر دھواں دھواں سا ہو رہا تھا۔ پھر وہ آہستہ سے بولا۔

"اوہ! تو یہ بات ہے۔"

"کیا بات ہے سلمان؟" میں نے سلمان کے شانے پر ہاتھ رکھ کر کہا۔ اور وہ چونک پڑا۔ اس نے عجیب سی آنکھوں سے مجھے دیکھا جیسے پہچاننے کی کوشش کر رہا ہو۔ پھر اس نے دونوں ہاتھوں سے سر تھام لیا۔

"نہیں چچا جان نہیں۔ اس کا اقدام ضروری تھا۔ درست تھا۔ اس کی جگہ کے لیے یہ ضروری تھا۔ بلاشبہ یہ ضروری تھا۔"

"کیا بکواس کر رہے ہو تم لوگ۔ میری بچی کو اٹھا لائے ہو اور ابھی اپنی ہانک رہے ہو۔ میں کہتا ہوں فوراً میری بچی مجھے واپس کر دو۔" پروفیسر رازی نے آگے بڑھ کر ماکازونگا کا لباس پکڑ لیا اور اس نے گردن جھکا دی۔

"میں کچھ نہ کہوں گا تم لوگ اب میرے لیے نہایت محترم ہو گئے ہو۔ میں ایک لفظ بھی نہیں بولوں گا۔ میرا ترجمان میرا آقا ہے۔ میرا مالک میرا ترجمان ہے۔" اس نے کہا اور سلمان پریشان نگاہوں سے مجھے دیکھنے لگا۔

"کیا بات ہے سلمان؟" میں نے سرگوشی میں اس سے کہا۔

"چچا جان! چچا جان تفصیل بعد میں بتاؤں گا۔ کسی طرح اس معاملے کو سنبھال لیجیے۔ یہ ضروری تھا کہ ماکازونگا ہیزل کو اٹھا لائے۔ یہ بہت ضروری تھا چچا جان۔ میں آپ کو ساری تفصیل بتا دوں گا۔"

"وہ تو ٹھیک ہے لیکن ہم پروفیسر رازی کو اس کے لیے کس طرح تیار کر سکتے ہیں؟"

"کیسی گفتگو کر رہے ہو تم لوگ مجھے بھی بتاؤ۔ یہ تو بڑی عجیب بات ہو گئی۔ تم تو میرے ساتھی تھے۔ یہ کیا ہو گیا؟ یہ آدمی۔ یہ آدمی اس نے میری ہیزل کو اغوا کیا ہے۔"

"ماکازونگا! ہیزل کو بلاؤ۔" میں نے کہا اور اس نے ایک بار پھر گردن جھکا دی پھر وہ درخت کے اس کھوکھلے تنے کی طرف رخ کر کے بولا۔

"سوبالا، سوبالا باہر آؤ۔"

ہم نے اس نئے نام پر چونک کر درخت کی طرف دیکھا تھا۔ لیکن چند ہی لمحات کے بعد ہیزل درخت کے کھوکھلے تنے سے برآمد ہوئی۔ وہ انتہائی خوبصورت لباس میں ملبوس تھی جس میں جگہ جگہ باریک پتھر ٹکے ہوئے تھے۔ سر پر ایک عجیب سا تاج پہنے ہوئی تھی۔ جس میں ہیرے جگمگا رہے تھے۔ ہونٹوں پر مسکراہٹ تھی اور چہرے پر ایک عجیب سی شگفتگی۔ وہ بڑے کروفر سے چلتی ہوئی باہر آ گئی۔ رازی دو قدم پیچھے ہٹ گیا۔

"نہیں۔ نہیں ناممکن۔ ناممکن۔ یہ اتنی مطمئن ہے، کیسے آخر کیسے؟" وہ متحیرانہ انداز میں بڑبڑاتا ہوا بولا۔ ہیزل اسی پروقار انداز میں چلتی ہوئی پروفیسر رازی کے سامنے پہنچ گئی تھی۔ اس کے ہونٹوں پر بڑی پرسکون مسکراہٹ تھی۔

"ہیزل۔ ہیزل تو ٹھیک ہے، تو ٹھیک ہے بیٹی میری بچی تو ٹھیک ہے نا؟"

"ہاں بابا، میں بالکل ٹھیک ہوں۔"

"لیکن۔ لیکن کیا تو۔ کیا تو اس شخص کو جانتی ہے؟"

"جانتی نہیں تھی لیکن اب جانتی ہوں۔"

"کیسے کیسے؟ میرا مطلب ہے تو۔ تو یہاں خوش ہے؟" رازی نے بے چین انداز میں اپنا سوال دہرایا تھا۔ ہیزل نے ماکازونگا کی جانب دیکھا۔ ماکازونگا نے گردن جھکا دی۔

"سوبالا! اگر تو میرے ساتھ مطمئن ہے اگر تو میرے مقصد سے متفق ہے تو ان لوگوں کو اطمینان دلانا تیرا کام ہے۔ لیکن ٹھہرو۔ میرا خیال ہے کہ یہاں اس کھلی جگہ کھڑے رہنا مناسب نہیں ہے۔ آؤ میرے معزز مہمانوں۔ میرے ساتھ آؤ۔ میرے ساتھ آؤ۔" ماکازونگا نے کہا اور رازی پیچھے ہٹ گیا۔

"نہیں۔ تو جادوگر ہے تو نے اس پر بھی جادو کر دیا ہے۔ ہم تیرے ساتھ کہیں بھی نہیں جائیں گے۔ بس میں ہیزل کو لے جا رہا ہوں۔ میں ہیزل کو لے جا رہا ہوں۔"

"معذرت معزز بزرگ۔ تم ضرور اسے لے جا سکتے ہو لیکن پھر اب تمہارے لیے عذاب بن جائے گی۔ یہ میرے بغیر اب ایک لمحے بھی زندہ نہیں رہ سکتی۔ یہ میری ہے۔ مجھے چاہتی ہے۔ مجھ سے محبت کرتی ہے۔"

"نہیں۔ نہیں یہ صرف تیرا جادو ہے جس نے اسے مسحور کر دیا ہے۔"

"اگر یہ بھی ہے تو پھر تم یہ سمجھ لو کہ تم اسے دنیا کے کسی خطے میں بھی لے جاؤ گے لیکن یہ میری ہی جانب بھاگے گی۔ تم اسے پکڑتے رہو گے لیکن یہ مجھے ڈھونڈتی رہے گی۔ اس کوشش میں اس کی جان بھی جا سکتی ہے۔"

"نہیں۔ نہیں۔" رازی نڈھال لہجے میں بولا۔ میں نے رازی کے کاندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔

"پروفیسر اگر ہیزل خوش ہے تو پھر تمہیں اعتراض نہیں ہونا چاہیے۔ اس کی زندگی کے لیے یوں لگتا ہے یہی سب کچھ ضروری ہے۔"

"کیا ہو گیا یہ۔ کیا ہو گیا؟ اس کا مقصد ہے کہ ہیزل انہی پہاڑوں میں بھٹکتی رہے گی اور اسی طرح اس کی زندگی ختم ہو جائے گی؟"

"نہیں، میرا علم کہتا ہے ایسا نہیں ہو گا۔ تم آؤ تو سہی۔" ماکازونگا نے کہا اور ہم سب درخت کے اس کھوکھلے تنے کی جانب بڑھ گئے۔ تنا اتنا وسیع بھی نہیں تھا کہ ہم سب اس میں سما جاتے۔ تعجب کی بات ہے کہ یہ ہمیں کہاں لیے جا رہا ہے؟ لیکن تنے میں داخل ہوتے ہی ہمیں ایک اور حیرت سے دوچار ہونا پڑا۔ تنے کے سوراخ کے بعد سیڑھیاں بنی ہوئی تھیں۔ ہم ان سے اترتے ہوئے بالآخر ایک بہت ہی کشادہ جگہ میں پہنچ گئے۔ ایک بہت بڑے ہال کی شکل تھی چوکور ہال تھا۔ دیواریں پتھریلی تھیں اور یہ یقیناً انسانی ہاتھوں کا کارنامہ تھا۔ اس کمرے میں دنیا جہاں کی آسائش تھی۔

عمدہ قسم کے پیالے کے ڈھیر کھانے کے برتن رکھے ہوئے تھے۔ بیٹھنے کے لیے پتھروں کو تراشا گیا تھا اور ان پر جانوروں کی کھال منڈھ دی گئی تھی۔ مجموعی طور پر یہ ایک ایسی جگہ تھی جس کا اس ویران علاقے میں تصور نہیں کیا جا سکتا تھا۔ ماکازونگا نے ہمیں بیٹھنے کے لیے کہا اور ہم سب بیٹھ گئے۔ تب وہ سلمان کی طرف رخ کر کے بولا۔

"میرے آقا! میرے مالک! آپ ہی میرے مقصد کی تشریح کر سکتے ہیں۔ یہ لوگ آپ کے سرپرست ہیں آپ

کو یہاں لے کر آئے ہیں اس لیے میرے لیے جس قدر بھی قابلِ احترام ہوں کم ہے۔ لیکن اب میرا شخص آپ کی نگاہوں کے سامنے ہے۔ آپ ہی انہیں مطمئن کیجیے۔" سلمان ہماری طرف رُخ کر کے بولا۔

"ماکازونگا سرزمینِ مصر سے ہی تعلق رکھتا ہے۔ رانیس اور راہاس کے خاص غلاموں میں اس کا خاندان شمار کیا جاتا تھا۔ اس وقت جبکہ ہمارے اجداد کی کہانی شروع ہوئی۔ ماکازونگا ہمارے ساتھ ہی صحرائے اعظم میں آیا۔ یہاں کچھ لیے ہوئے اور اسے قید کر لیا گیا۔ آسمانوں سے اس کے لیے کہا گیا کہ صحرائے اعظم ہی میں رہے گا اور اپسرا پر نگاہ رکھے گا۔ سو یہی ہوا یہ یہاں آباد ہو گیا لیکن اسے قائم رہنے کے لیے کچھ اور لوازمات بھی درکار تھے۔ اپنی نسل نہیں بڑھا سکتا تھا۔ اس کے لیے صحرائے اعظم سے باہر کی عورت سے شادی کی ——— ضرورت تھی۔ سو یوں ہوا کہ ایک یمنی سوداگر اس جانب سے گزرا صحرائے اعظم افریقہ میں بھٹکتا ہوا اس جگہ پہنچ گیا جہاں ماکازونگا کا قیام تھا۔ یہاں حالات نے اتنی سنگین شکل اختیار کی کہ اس نے اپنی بیٹی ماکازونگا کے حوالے کر دی اور ماکازونگا نے اس سے شادی کر لی۔ اس کے بطن سے ایک لڑکا پیدا ہوا جو ماکازونگا کا جانشین تھا۔ ہاں یہ ابدیت نہیں رکھتے۔ ان کی زندگی ایک مخصوص حد تک ہوتی ہے۔ اور اس کے بعد ایک عام آدمی کی طرح اس کی موت واقع ہو جاتی ہے۔ لیکن باپ کا علم بیٹے کے سینے میں منتقل ہوتا رہتا ہے اور وہ اپنے طور پر وہی سب کچھ محسوس کرتا ہے اور بن جاتا ہے۔ جو اس کا باپ ہوتا ہے۔ چنانچہ یہ قدیم ماکازونگا کی نسل کا نواں آدمی ہے۔ اور ابھی تک یہ اپنا ساتھی منتخب نہیں کر سکا تھا کیونکہ اسے بیرونی دنیا ہی سے آنا تھا۔ ہیزل اس شخص کو نظر آئی اور اس نے اپنی زندگی کا مقصد پا لیا۔"

"لیکن۔ لیکن اسے کیا حق پہنچتا ہے کہ کسی کی مرضی کے بغیر اس کی بیٹی پر قبضہ کر لے۔" رازی نے کہا۔

"محترم! اوّل تو ہیزل آپ کی بیٹی نہیں ہے۔ دوسری بات یہ کہ یہ تو ہیزل کا مقدر تھا۔ تقدیر اسے اس سمت اسی لیے لائی تھی۔

ہیزل سے پوچھیے۔ اس نے تو حقیقت پا لی ہے۔ اور اسے اب اس بات سے قطعی انکار نہ ہوگا کہ ماکازونگا کی دُلہن کہلائے۔ آپ یہ سوال ہیزل سے کر سکتے ہیں۔"

"ہاں بابا! ماکازونگا کے بغیر میری زندگی نامکمل ہو گی۔ آپ کا جہاں دل چاہے چلے جائیے۔ آپ کی دنیا آپ کو مبارک۔ میں نے اپنی منزل پا لی ہے۔" ہیزل نے جواب دیا۔ اور پروفیسر رازی اس کی شکل دیکھنے لگا۔ وہ بظاہر کسی سحر کے زیرِ اثر نہیں تھی۔ میں بھی بے اختیار مسکرا دیا کیونکہ رات ہی کو سلمان مجھ سے اس پریشانی کا اظہار کر چکا تھا کہ ہیزل اس پر فریفتہ ہے۔ اس طرح سلمان کی جان بھی چھوٹ گئی تھی۔ لیکن پروفیسر رازی تذبذب کے عالم میں تھا۔ وہ بار بار ہیزل کی شکل دیکھنے لگتا دفعتاً ماکازونگا نے کہا۔

"سو بالا اپنے عزیزوں کا خیر مقدم کرو۔ ان کی خاطر مدارات کا بندوبست کرو یہ ہمارے مہمان رہیں گے۔ بہت تھوڑا وقت ہے۔ جب یہ میرا مقصد سمجھ لیں گے اور مجھ سے تعاون کریں گے۔" ہیزل نے کوئی جواب نہیں دیا۔ وہ خاموشی سے اٹھی اور اس حصے کی طرف چلی گئی۔ جہاں کھانے پینے کی چیزوں کے انبار لگے ہوئے تھے۔ اس نے ان میں سے چند چیزوں کا انتخاب کیا۔ اور انہیں ہمارے سامنے سجا دیا۔ تمام چیزیں تر و تازہ تھیں۔ عمدہ قسم کا پھل۔ خشک میوے اور ایسی ہی چیزیں۔ اور پنیر کے ڈھیر لگے ہوئے تھے۔ نجانے ماکازونگا نے یہ سب کہاں سے مہیا کیا تھا۔ صحرائے اعظم کے اسی خطے میں ان تمام چیزوں کا وجود تعجب خیز تھا لیکن تعجب خیز تو خود ماکازونگا کی اپنی ذات بھی تھی۔ شکل و صورت سے بربر نظر آنے والا یہ شخص بڑے شستہ لہجے میں گفتگو کر رہا تھا۔ میں نے پروفیسر رازی کو بھی مجبور کر دیا کہ وہ ان چیزوں میں سے کچھ کھائے

O

بہت عرصے بعد ہمیں ایسے لوازمات مہیا ہوئے تھے۔ میرے کہنے سننے سے پروفیسر رازی بھی کھانے میں شریک ہو گیا۔ ماکازونگا سلمان کی وجہ سے بہت متاثر نظر آ رہا تھا۔ ویسے میرے لیے یہ بڑی حیرت انگیز بات تھی میں یہی سوچ رہا تھا کہ قدرت نے جو کچھ کیا بہتر کیا۔

مجھے اور سلیمان کو تو ہیزل سے بس اسی قدر دلچسپی تھی کہ وہ پروفیسر رازی کے ساتھ تھی اور ہماری ٹیم میں شامل ہو گئی تھی۔ پروفیسر رازی کا مسئلہ بھی کسی حد تک جائز تھا۔ اس نے

بالآخر ہیزل کو اپنی بیٹی کی حیثیت سے پرورش کیا تھا اور اس کے مستقبل کے لیے اس نے صحرائے اعظم میں اپنی طویل زندگی وقف کر دی تھی اور بڑے آرام سے ایک قبیلے میں ایک معزز آدمی کی حیثیت سے رہ رہا تھا۔ قریب اس کی زندگی گزر جاتی۔ لیکن اس نے اپنے آپ کو ہیزل کے لیے مہذب دنیا میں لے جانے کے لیے آمادہ کیا تھا۔

اب اگر اس کے سامنے یہ بات آئی تھی کہ اس وحشی دنیا کا ہی ایک فرد ہیزل پر اپنا تسلط جما کر اسے یہیں محصور رکھنا چاہتا ہے تو اس کا بے چین ہونا قدرتی بات تھی۔ لیکن موجودہ صورتِ حال کو کیا کیا جاتا۔

یہاں کی پُراسرار دنیا کی پُراسرار کہانیاں ہماری سمجھ سے باہر تھیں لیکن بہرطور ان کی ایک حقیقت تھی۔ خاص طور سے میں سلمان کے مسئلے میں ایک بار پھر متحیر رہ گیا تھا۔

ماکازونگا جیسا جادوگر سلمان کو اپنا آقا کہہ رہا تھا۔ اور سلمان نے بھی اس بات کو تسلیم کر لیا تھا۔ بڑی حیرت انگیز بات تھی۔ پتہ نہیں سلمان کا یہ جھگڑا کہاں تک طول اختیار کرے۔ بہرطور میں تو اس میں ملوث تھا ہی۔ خود میری اپنی زندگی کیا تھی۔ اپنی تمام معاملات میں ملوث ہو کر رہ گیا تھا۔ میرا اپنا تمام مسئلہ بھی تقریباً ختم ہو ہی گیا تھا۔ اور جس طرح پروفیسر رازی کو ہیزل سے دلچسپی تھی۔ اسی طرح مجھے سلمان سے محبت تھی۔ میں سلمان کو اپنی اولاد کی طرح سمجھتا تھا۔ اس کے علاوہ میری زندگی میں تھا ہی کیا؟

بہرطور اس عجیب و غریب کمین گاہ میں رات ہو گئی۔

ہیزل نے حسبِ معمول ہمارے لیے کھانے پینے کا بندوبست کیا۔ یوں محسوس ہوتا تھا جیسے ہیزل اس غار کے تمام رازوں سے بخوبی واقف ہو۔ اور یہ ایک حیرت انگیز بات تھی۔ یہ شخص جو بربروں جیسی شکل رکھتا تھا بے حد پُراسرار معلوم ہوتا تھا۔ اس کی آنکھوں کی سبز چمک رات کی تاریکیوں میں اتنی گہری ہو گئی کہ ہم اس سے نگاہیں نہ ملا پاتے۔ ہیزل البتہ بے حد خوش نظر آ رہی تھی۔ اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ ہی مسکراہٹ پھیلی ہوئی تھی۔ اور یوں لگتا تھا جیسے وہ یہاں آ کر بے حد خوش اور مطمئن ہو۔

رات کے گہرے ہونے کے ساتھ ساتھ ماکازونگا میں حیرت انگیز تبدیلیاں پیدا ہو گئیں۔ وہ ہمارے ساتھ آ بیٹھا۔

"معزز دوستو! میں اپنے آقا کے ساتھ تعاون پر آپ کا شکر گزار ہوں۔ اور سب سے حیرت انگیز بات یہ ہے کہ سر بالا مجھے آپ ہی کے ذریعے ملی۔ میں آپ کو بتا چکا ہوں کہ وہ میری زندگی میں کیا اہمیت رکھتی ہے۔

ممکن ہے آپ لوگ اس طویل کہانی سے واقف ہوں۔ اگر نہیں ہیں تب بھی میری یہ جرأت نہیں کہ میں یہ کہانی آپ لوگوں کو سنانے کی کوشش کروں۔ کیونکہ میرا آقا سب جانتا ہے۔ میرے عظیم آقا ——— نے میرے پشت کی تیسری نسل کو شاید یہ اعزاز بخشا تھا کہ وہ اپسرا کے خلاف اپنے آقا کی مدد کرے لیکن بدنصیبی میری پشت کے اس تیسری نسل کے شخص کو کامرانی عطا نہ کر سکی۔ وہ علم میرے سینے میں منتقل ہو گیا۔ جس کے تحت مجھے کام کرنا تھا۔ میں نے اپنے آباؤ اجداد کی کاوشوں کا جائزہ لیا۔ اور ایک فیصلہ کیا۔ میں نے سوچا کہ اپسرا کے خلاف براہِ راست کوششیں اب تک ناکام ہوتی رہی ہیں۔ قہر و غضب کی وہ دیوی بے پناہ پُراسرار قوتوں کی مالک ہے۔ اس کا جادو عظیم ہے۔ بلاشبہ وہ سب کچھ کر سکتی ہے اور صحرائے اعظم میں اس کے مقابل کوئی جادوگری موجود نہیں ہے۔ چونکہ وہ ہمیشہ سے زندہ ہے اور شاید ہمیشہ زندہ رہے گی۔ اس لیے اس کے تجربات بے حد وسیع ہیں۔ اور اس کی نسبت ہم لوگ بے حد کم تجربے کے حامل ہیں۔ براہِ راست کوششوں سے وہ واقف ہو جاتی ہے۔ اور اپنا بندوبست کر لیتی ہے۔ میرے علم نے مجھے میرے آقا کے بارے میں بتایا اور کہا کہ بہت جلد شاید میری زندگی میں ہی وہ مجھ تک پہنچنے والا ہے۔ چنانچہ طویل عرصے سے میں نے اپسرا کے خلاف صف آرائی شروع کر دی تھی۔ میں نے قرب و جوار کے قبیلوں میں بے چینی پیدا کی۔ ان کا انتخاب کیا۔ اور ایسے لوگوں کو منتخب کیا جو اس بے چینی کے نتیجے میں اپسرا کے خلاف صف آرا ہو سکتے تھے۔ ایسے آٹھ قبیلے میرے بتائے ہوئے راستوں پر چل پڑے۔ اور یہ ایک حیرت انگیز اتفاق ہی نہیں بلکہ میرے لیے ایک خوش خبری ہے کہ اس دور میں ان قبیلوں کو آمادۂ جنگ کیا جب میرا آقا مجھ تک پہنچا۔ میں پیش گوئی کرتا ہوں آقا کہ وقت کتنا بھی لگ جائے۔ لیکن اس کا اختتام بالآخر میرے آقا کے ہی ہاتھوں ہوگا جو اسے موت کی اس منزل میں...

پہنچانے کا جسے وہ بھول چکی ہے اور جس کے بارے میں اسے
یقین ہے کہ وہ اسے کبھی نہیں آنے دے گی۔ ہاں، میرا علم کہتا ہے
کہ صدیوں پرانی انتقام کی اس کہانی کا انجام برا آقا ہی ہے
ہے۔" ماکازونگا وجد کے عالم میں بول رہا تھا۔ اور سلمان کی
آنکھیں شیشے کی گولیوں کی مانند چمک رہی تھیں۔
ان آنکھوں میں خون کی سرخی لہرا رہی تھی اور اس کے
چہرے پر عجیب سے تاثرات تھے۔

سلمان نے مجھ سے کہا تھا کہ وہ پُراسرار قوتیں اس کا ساتھ
چھوڑ چکی ہیں جو یہاں تک اس کی رہنمائی کرتی رہی تھیں۔
اس کی یہ بات سن کر میں کسی حد تک پریشان ہو گیا تھا۔
کہ سلمان کو ملنے والی مدد ختم ہو چکی ہے اور اب وہ کہیں
مشکلات کا شکار نہ ہو جائے گا۔

لیکن ماکازونگا جیسے آدمی کو دیکھ کر مجھے کسی قدر اطمینان
ہو گیا تھا۔ یہ عجیب و غریب انسان جو بے پناہ صلاحیتوں کا مالک
ہے۔ یقیناً سلمان کا بہتر رہنما ثابت ہو سکتا ہے۔

پھر ماکازونگا نے کہا۔

"وہ آٹھ قبیلے، جو میری وجہ سے اپسرا کے شدید خلاف
ہو گئے، جنگ کرنے نکل کھڑے ہوئے ہیں۔ اور اپسرا کے
علاقوں کے قریب و جوار میں پھیلے ہوئے قبائل پر حملہ آور ہو
گئے ہیں۔ نتیجہ کیا ہوگا؟ میں اس کا علم نہیں رکھتا، کیونکہ
یہ تمام چیزیں قبیلوں کی اور ان کے لڑنے والے جنگجوؤں کی
صلاحیتوں پر منحصر ہیں۔ لیکن آقا میں نے اپسرا کو شدید ذہنی انتشار
کا شکار کر دیا ہے۔ اس نے آج تک یہی جال پھیلایا ہوا تھا
کہ اپنی جادوئی قوتوں کو بڑھانے کا لالچ دے کر کچھ قبائل کو مراعات بخش
دی تھیں اور کچھ کو اس نے پسماندہ ہی رہنے دیا تھا۔ جن قبائل کو
اس نے مراعات بخش دی تھیں، وہ پسماندہ قبیلوں پر حاوی
تھے اور پسماندہ قبیلے ان کے ظلم و ستم کے بوجھ تلے سسک
رہے تھے۔

میں نے ان پسماندہ قبیلوں کو ابھارا اور انہیں ان قبیلوں
کے خلاف جنگ کرنے پر آمادہ کر لیا ہے۔ اب یہ جنگ دور
دور تک پھیل چکی ہے۔ اس سے میں اپسرا کی وہ انفرادی قوتیں
توڑ دینا چاہتا تھا جن کی وجہ سے آج تک کوئی کامیابی نصیب
[illegible]

بائی... کی اپنی طاقت... تو اس کی بہت بڑی طاقت
... معروف ہے، اور اب وقت ہے کہ ہم اس تک
پہنچ سکیں۔"

سلمان بے اختیار کھڑا ہو گیا۔ "میں اس تک پہنچنا چاہتا
ہوں ماکازونگا! وہاں تک میری رہنمائی کر۔"

"آقا! میں نے تیرے لیے ایک لائحہ عمل ترتیب کر دیا ہے
اور وہ وقت دور نہیں، جب میں تجھے اس کے پاس روانہ
کر دوں گا۔"

میں اور پروفیسر رازی ان دونوں کے درمیان ہونے
والی گفتگو کو سن رہے تھے۔ پھر ماکازونگا نے کہا۔

"اس کا علم محدود ہے۔ وہ یقیناً اپنے علم کی قوتوں سے
یہ پتہ چلا لے گی کہ تو کون ہے اور اس کے بعد وہ تیرے خلاف
صف آرا ہو گی۔ لیکن آقا اس کی فکر نہ کرنا۔ صدیوں سے عظیم
قوتیں تیری محافظ ہیں۔ اور وہ یہاں تجھے تنہا نہ چھوڑیں گی۔
ماکازونگا کا علم تیرے ساتھ ہے۔ میں تجھے ایک ایسی چیز دوں گا
جس سے تو یہاں کے قبائل میں ... ہو گا اور وہ اپسرا کا جادو
بھی تجھ پر فوری طور پر اثر نہیں کرے گا۔ وہ چیز پہلے میں اپنے
لیے استعمال نہیں کر سکتا تھا آقا! کیونکہ مجھے اس کی اجازت نہ
تھی۔ وہ صرف تیری ملکیت ہے اور تیرے لیے محفوظ رکھی گئی تھی۔"

رات کو جب سب لوگ سو گئے۔ تو رازی نے میرے
کان میں سرگوشی کرتے ہوئے کہا۔

"مجھے تو یہ آدمی غلط معلوم ہوتا ہے۔"

"کیوں رازی؟" میں نے پوچھا۔

"بس اس کی حرکتیں کچھ مشتبہ نظر آتی ہیں۔ سلمان جوان ہے
اور اس کے ذہن و دل میں انتقام کا سودا سمایا ہوا ہے۔ کوئی
بھی باعلم شخص اپنی قوتوں سے کام لے کر کسی بھی شخص کے
بارے میں معلوم کر سکتا ہے جس طرح سو تھانے ہمارے بارے میں
معلوم کر لیا تھا۔ ماکازونگا چونکہ خود بھی اپسرا سے دشمنی رکھتا
ہے۔ اس لیے اگر جادو کے زور سے اس نے سلمان کا مقصد
معلوم کر لیا تو یہ کوئی حیرت انگیز بات نہیں ہو گی۔ ایسی صورت
میں تم سوچ لو کہ کہیں تمہارا یہ ساتھی نوجوان کسی مصیبت کا شکار
نہ ہو جائے۔"

"نہیں پروفیسر رازی، میں صرف اس کا دست راست
ہوں۔ اسے ہدایت دینے کی صلاحیت نہیں رکھتا۔ میں نے جو
کچھ دیکھا ہے اس کے تحت میں اسے روک نہیں سکتا۔ وہ جو کچھ
کر رہا ہے وہ بہتر ہے۔ آگے اس کی تقدیر۔ البتہ تمہارے لیے
میری پیش کش ابھی تک برقرار ہے۔"

"بے وقوفی کی باتیں مت کرو۔ مجھے بار بار یہ کہہ کر شرمندہ
نہ کرو۔ میری زندگی میری اپنی نہیں ہے۔ میں نے اپنی ایک
ایک سانس کو ہیزل کے لیے وقف کر دیا تھا۔ اور صرف اس کی
بہتری کے لیے میں مہذب دنیا کا سفر کرنا چاہتا تھا۔ لیکن ہیزل
مجھ سے چھن گئی۔ اب میں کیا کروں گا۔ کس طرح جیوں گا۔ مہذب
دنیا میں جا کر کیا کروں گا جبکہ میں تو شاید ہی واپس نہیں جا سکتا۔ کیونکہ میں
اپنے جہاز جلا چکا ہوں۔" پروفیسر رازی نے افسردہ لہجے میں کہا۔

"تو پھر؟"

"میری تو کچھ بھی سمجھ میں نہیں آتا۔ جس کے لیے جیتا تھا
وہ وہی مجھ سے علیحدہ ہو چکی ہے۔ اب کیا کروں گا؟ یہ بات
ہنوز تشنہ ہے۔"

"حالات ہم لوگوں کو جس سمت لیے جا رہے ہیں پروفیسر
میری دلی خواہش ہے کہ تم بھی انہی کا ساتھ دو۔" میں نے کہا۔

"ٹھیک ہے بابر! میں اس کے علاوہ کیا کر سکتا ہوں۔" وہ
پروفیسر رازی بولا۔

دوسری صبح حسب معمول بے حد خوشگوار تھی۔ ماکازونگا
اور ہیزل ہمارے ساتھ غار میں نہیں بیٹھے تھے۔ وہ کہیں باہر
نکل گئے تھے۔ پروفیسر رازی جب جاگا۔ تب ہی اسے معلوم ہوا
کہ ہیزل غار میں نہیں ہے۔

وہ بے چین ہو کر کھڑا ہو گیا اور پھر باہر نکل گیا تھوڑی دیر
کے بعد وہ ہیزل کے ساتھ واپس آیا تھا۔ ہیزل مسکراتی ہوئی آ
رہی تھی اور پروفیسر رازی کسی قدر مطمئن تھا۔ اس نے بدلے ہوئے
انداز میں مجھ سے کہا۔

"یہ لڑکی۔ یہ لڑکی تو بہت آگے بڑھ گئی ہے مسٹر بابر
دادخان!"

"کیوں کیا ہوا؟" میں نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔

"سوچو تو سہی، اب وہ ماکازونگا کا دم بھرتی ہے۔
جبکہ اس سے قبل اس کی نگاہ میں میرے علاوہ اور کوئی
نہیں تھا۔"

"نہیں بابا، اب بھی تمہارا ہی مقام میرے ذہن میں
ہے۔ لیکن میں محسوس کرتی ہوں کہ یہی میری منزل تھی۔ شاید
تم اس بات پر یقین نہ کرو کہ میں نے کئی بار خوابوں میں ایک شخص
کو دیکھا ہے۔ بابا! میں نے اسے عجیب انداز میں دیکھا ہے۔
میں سمجھ نہیں سکی تھی کہ میں اسے چاہنے لگی ہوں یا وہ صرف میرا
خواب ہے۔ لیکن میں اسے دیکھتی رہی ہوں۔ میں نے اس کے
ساتھ ساتھ بڑے جہازوں کی سیر کی ہے۔ میں نے اس کے ساتھ
وہ دنیا دیکھی ہے جو تمہاری دنیا ہے اور مجھے اس کے بارے
میں بڑی بڑی عجیب باتیں معلوم ہوئی ہیں۔"

"وہ کیا؟" پروفیسر رازی نے پوچھا۔

"بابا! وہ دنیا میرے لیے بڑی انوکھی ہو گی۔ میں جانتی
ہوں، میں اسے ہضم نہیں کر سکوں گی اور مجھے اتنی عجیب لگے گی
کہ شاید میں پاگل ہی ہو جاؤں۔ لیکن بہرطور مجھے اس دنیا کو دیکھنے
کا شوق تھا اور اگر وہ دنیا مجھے دیکھنے کو مل جائے تو میں اپنے
آپ کو بے حد خوش نصیب سمجھوں گی۔ تم میرے لیے فکر مند مت
ہو بابا! میں سمجھتی ہوں کہ مجھے میری منزل مل گئی ہے اور یہی
میرے لیے بہتر ہے۔"

"اور اگر تو اتنی خوش ہے تو پھر بھلا بوڑھے پروفیسر کو
اس پر کیا اعتراض ہو سکتا ہے۔ میں تو خدا کے حکم پر شاکر ہوں۔
لیکن بہرطور میری بچی مجھے خود سے جدا مت کرنا۔ جتنی بھی میری
عمر رہ گئی ہے وہ میں تیرے ساتھ گزارنا چاہتا ہوں۔"

"بابا! ہم اس زندگی میں جدا نہیں ہوں گے۔ تم بے فکر
رہو۔" ہیزل نے جواب دیا۔

پروفیسر رازی کا اب اچھا خاصا بدلا بدلا سا نظر آ رہا تھا۔
ماکازونگا کو بھی اس نے عزت کی نگاہ سے دیکھا جبکہ اس
سے قبل ہمیشہ وہ اسے حقارت کی نگاہ سے دیکھتا تھا۔

آج کا دن کل کی بہ نسبت خوش گوار رہا۔ شام کو حسب
معمول کھانے وغیرہ سے فارغ ہونے کے بعد ماکازونگا نے
اپنی اسکیم کا دوسرا حصہ ہمیں بتایا۔

"کل صبح میرے آقا سلمان اور عظیم بزرگ تم اپسرا کی رہائش گاہ
کی جانب روانہ ہو جاؤ گے۔ میں تمہیں اس کے بارے میں جو کچھ
بتاؤں گا اسے ذہن نشین کر لینا۔ جن وادیوں اور راستوں سے
گزر کر تم جاؤ گے وہ پُرپیچ اور دشوار گزار ہیں۔ لیکن تمہاری
رہنمائی قدم قدم پر ہو گی اور پُراسرار قوتیں ہمیشہ تمہارا تحفظ کرتی
رہیں گی چنانچہ کسی بھی مرحلے پر گھبرانے کی ضرورت نہیں۔ جو کچھ
پیش آئے گا، وہ حالات کے تحت ہو گا۔

میں عظیم آقا کو یہ انگوٹھی دیتا ہوں۔ بندر کے نشان
والی یہ انگوٹھی تیرے آباؤ اجداد کی امانت ہے۔ جو تجھ تک
پہنچی تھی۔ اس کے ذریعے تجھ پر بہت سے راز ہائے پنہاں
منکشف ہو جائیں گے اور اس کے ذریعے تمہیں بہت مدد ملے گی۔"
ماکازونگا نے ایک انگوٹھی نکال کر اسے دے دی۔

کسی قسم کی لکڑی یا ایسی ہی مضبوط چیز سے تراشی ہوئی تھی۔ یعنی اس کا گیر اور اس پر بنا ہوا سر، لکڑی کے ایک ہی ٹکڑے سے تراشا گیا تھا، اور اتنا خوبصورت اور باریک کام سے منقش تھا کہ دیکھنے والے کو حیرت ہوتی تھی۔

ایک نگاہ دیکھنے سے اس پُراسرار انگوٹھی کی حیثیت معلوم ہو جاتی تھی۔ سلمان نے اسے بڑے احترام سے لے کر اپنے داہنے ہاتھ کی درمیانی انگلی میں پہن لیا اور ماکازونگا مسکراتے ہوئے بولا۔

"تم کل صبح روانگی کے لیے تیار رہنا۔ میں، ہیزل یا ہیزل کے علم پروفیسر رازی تمہارے ساتھ نہیں جا سکیں گے۔ اور یہ کوئی ایسی بات نہیں ہے جس پر تم غور کرنے لگو۔ حالات ہی ایسے ہیں اور ضرورت بھی اسی بات کی ہے۔"

"ٹھیک ہے ہم خود بھی اپنے مشن پر تنہا ہی نکلے تھے۔ ماکازونگا! چند افراد ہم نے ساتھ لیے تھے اور انہیں دھوکا دے کر یہاں لائے تھے۔ حالانکہ ہم نے انہیں ان کی کاوشوں کا مناسب معاوضہ دیا تھا لیکن بہر طور وہ بے ایمان تھے۔ انہوں نے ہمارے خلاف سازشیں شروع کر دیں جس کی وجہ سے ہم نے انہیں چھوڑ دیا۔ لیکن بہر طور ہم یہ بات اچھی طرح جانتے تھے کہ ہمیں آخری منزل تنہا ہی طے کرنا ہوگی۔ اور اس کے لیے میں مکمل طور سے تیار ہوں۔" سلمان نے جواب دیا۔

"تم فکر نہ کرو میرے آقا۔ تمہارے ساتھ ایک روح ہوگی قوت اور طاقت کی ایک روح جو بہر طور تمہیں نقصان نہ پہنچنے دے گی۔ اب تم آرام کرو۔ تاکہ کل صبح سفر کی تیاریوں کے لیے چاق و چوبند ہو۔" ماکازونگا نے کہا اور حسبِ معمول ہیزل کو لے کر باہر چلا گیا۔

پروفیسر رازی دیر تک مجھ سے بات چیت کرتا رہا۔ سلمان اپنی سوچ میں گم تھا۔ پھر اس نے کوئی سوال نہیں کیا تھا پھر جب ہم نے محسوس کیا تو وہ سو چکا تھا۔

بہر طور پروفیسر رازی کو میں نے بہت سے دلاسے دیے اور کہا۔

"پروفیسر! میری تو منزل یہی تھی۔ اگر وہ محسوس کرتے کہ ہم وقت سے جا چکے ہیں اور اس کی زندگی یہاں بے کار ہو رہی ہے تو وہ اپنے طور پر کوئی قدم اٹھائے ہمیں اعتراض نہ ہوگا۔" میں نے کہا۔

پروفیسر رازی غمناک آنکھوں سے مجھے دیکھتا ہوا اپنی آرام گاہ میں واپس چلا گیا تھا۔

علی الصبح ہم لوگ جاگے تو رازی، ہیزل اور ماکازونگا بھی جاگ چکے تھے۔ انہوں نے ہمارے لیے رختِ سفر بھی باندھ دیا اور گویا ہم روانگی کے لیے بالکل تیار تھے۔ نقشے کی تمام سمتیں اس نے مجھے اور سلیمان کو سمجھا دی تھیں۔ اور بالآخر ہم اس عجیب و غریب غار سے جھیل کی شمالی سیدھ میں چل پڑے، گویا اب ہمارا سفر ایسرا کی وادی کی جانب تھا۔

سلمان بہت مطمئن تھا اور چونکہ یہاں رہ کر ہم بہت چاق و چوبند ہو گئے تھے۔ اور ہمارے پاس خوراک کا بہترین ذخیرہ موجود تھا اس لیے ہمیں کوئی فکر نہیں تھی۔

دو آدمیوں کا یہ قافلہ گھنٹے بھر میں اس پہاڑی علاقے سے باہر نکلا اور دوسری پہاڑی بلندیوں تک پہنچ گیا۔ تقریباً نو یا دس میل آگے دلدل کی جھیل نظر آئی تھی جس پر سورج کی روشنی پڑ رہی تھی۔ اور اس کی شعاعیں دلدل کو چاندی کی طرح جگمگا رہی تھیں۔ اس کے گرد میلوں تک سبزہ پھیلا ہوا تھا۔

دوپہر کو ہم دلدل کے کنارے پہنچ گئے، وہاں کھانا کھایا اور پھر اسی دلدل کے ساتھ ساتھ آگے بڑھنے لگے۔ تھوڑی دیر تک تو یہ راستہ بہت خوبصورت نظر آتا رہا لیکن آگے بڑھ کر اس میں کچھ دشواریاں پیدا ہو گئیں۔ گو یہ دشواریاں بہت زیادہ پریشان کن نہیں تھیں مثلاً بعض جگہوں پر دلدل نرم تھی اور اس پر سفر کرنا ذرا مشکل تھا لیکن ہم نے احتیاط برتی۔ ہر قدم پھونک پھونک کر رکھا اور ہم آگے بڑھتے رہے۔

لیکن ابھی تک مجھے یہ سفر سخت یا ناخوشگوار نہیں محسوس ہوا تھا۔ جیسے جہاں تک نظر کام کرتی تھی۔ یا تو یہی دلدل تھی یا پھر بڑے بڑے مینڈک اچھلتے ہوئے نظر آتے تھے یا پھر وہ چڑیاں جو کبھی کبھی اڑتی ہوئی نظر آتی تھیں بلکہ ایک طرح سے یہ کہا جائے کہ یہ چڑیاں پتلی دلدل کی رہنما تھیں تو غلط نہ ہوگا۔

کہیں کہیں سبز بیلیں پھیلی ہوئی تھیں۔ لیکن آگے چل کر جو پریشان کن چیز ہمیں ملی وہ دلدل سے اٹھنے والے زہریلے بخارات تھے جو تنفس پر بار ڈال رہے تھے۔ خدا خدا کر کے شام کے قریب ایک سطح زمین ملی۔ اس علاقے میں کافی گرمی تھی۔ مچھروں اور مینڈکوں کی وجہ سے ہم اسے آرام دہ جگہ نہیں کہہ سکتے تھے۔ لیکن دلدل کے پریشان کن سفر کے بعد یہ قدرتی فرش ہمیں بہت غنیمت محسوس ہوا۔ یہاں ہم نے

رات کا کھانا کھایا۔

سلمان حسبِ معمول مطمئن تھا لیکن رات کو اسے سردی لگی اور بخار ہو گیا۔

میں نے جانوروں کی کھالیں جو ماکازونگا نے ہمارے سپرد کر دی تھیں، سلمان پر ڈال دیں۔ اس کے چہرے پر زردی پیدا ہو گئی تھی۔

بہر طور رات کو میں نے اس کی تیمارداری کی۔ پروفیسر رازی نے ہمیں کچھ بوٹیاں بھی دی تھیں، جن کے بارے میں اس نے کہا تھا کہ یہ بوقتِ ضرورت کام آئیں گی۔ انہی میں سے ایک بوٹی اس نے بخار کی بھی دی تھی۔ میں نے یہی بوٹی سلمان کو استعمال کرا دی۔

آسمان پر ستارے جگمگا رہے تھے اور زمین پر خاموش سناٹا مسلط تھا۔ سلمان سو گیا تھا۔ میں چت لیٹا ستاروں سے آنکھیں لڑاتا رہا۔

دلدل زیادہ دور نہیں تھی۔ اور زہریلے بخارات اٹھ اٹھ کر کاٹنے کو دوڑ رہے تھے۔ خدا خدا کر کے نیند آئی اور ان پریشان خیالات کا خاتمہ ہوا۔

صبح کو آنکھ کھلی، سورج نکل آیا تھا۔ میری نگاہ بے اختیار سلمان کی طرف اٹھ گئی۔ سلیمان بیٹھا ہوا قرب و جوار کے ماحول کو دیکھ رہا تھا۔ اور شکل سے کافی مطمئن نظر آ رہا تھا۔ گویا حکیم رازی نے جو دوا دی تھی وہ بڑی کارگر ثابت ہوئی۔ میں نے اس کی خیریت پوچھی تو اس نے مسکرا کر گردن ہلا دی۔

"بس ٹھیک ہوں، لیکن عجیب بخار تھا۔ ذرا سی دیر میں زبردست کمزوری محسوس ہو رہی ہے۔"

"بہتر یہ ہے کہ ہم یہاں سے تھوڑا سا آگے بڑھیں اور کوئی ایسی جگہ تلاش کریں، جہاں تم مکمل طور پر آرام کر سکو۔ سفر ایک آدھ دن میں شروع ہو جائے گا۔"

"نہیں چچا جان! یہ مناسب نہیں ہے۔ میں اتنا کمزور بھی نہیں ہوں کہ اس معمولی سے بخار سے تھک کر بیٹھ جاؤں۔"

"لیکن سلمان! میں یہ نہیں چاہتا کہ تمہیں مزید بخار آ سکے۔ یہ علاقہ ویسے ہی کچھ ناخوشگوار سا ہے۔"

"نہیں چچا جان! ہم سفر کریں گے۔ میں جلد از جلد اپنی منزل تک پہنچ جانا چاہتا ہوں۔"

سلمان نے مجھے مجبور کر دیا، بہر طور ہم آگے چل پڑے تین گھنٹے تک کوئی غیر معمولی بات نہ ہوئی اور ہم اس دلدلی علاقے سے دور نکل آئے۔ گویا اب اس دلدل سے پیچھا چھوٹ گیا تھا۔

اب راستہ پھر کسی قدر خوشگوار ہوتا جا رہا تھا۔ دوپہر سے پہلے ہم ایک انتہائی پُرفضا مقام پر پہنچ گئے۔ کوسوں تک سبزہ زار پھیلا ہوا تھا۔ جس میں جا بجا پھول بکھرے ہوئے تھے۔ ایسے حسین اور ایسے دلکش کہ بس نگاہ نہ ہٹے۔ پھولوں کے تختے اس طرح نظر آ رہے تھے۔ جیسے انسانی ہاتھوں کا کارنامہ ہوں۔

سامنے کی سمت ایک پہاڑ تھا۔ جو حسین سبزہ زاروں سے لدا کھڑا ہوا تھا۔ اس پر چھوٹے چھوٹے درخت اور پھول لگے تھے۔ شاید کوئی پندرہ سو فٹ کی بلندی پر قلعے کی سی فصیل نظر آ رہی تھی۔ جو اندازاً بارہ تیرہ سو فٹ بلند ہوگی لیکن بعد میں پتہ چلا کہ یہ فصیل نہیں تھی۔ بلکہ پتھر کی چٹانیں تھیں جنہوں نے مل کر ایک دیوار قائم کر دی تھی۔

بے پناہ حسین خطہ تھا یہ، یہاں آ کر طبیعت پر ایک خوشگوار سی کیفیت طاری ہو گئی تھی۔ ہم پہاڑ کی جانب چل پڑے۔

سامنے ہی ایک سڑک نظر آ رہی تھی جو سیدھی پہاڑ پر جاتی تھی، لیکن اس سڑک کے دونوں پہلوؤں پر کنارے بنے ہوئے تھے۔ جو جگہ جگہ سے ٹوٹ گئے تھے۔

اس سڑک کو دیکھ کر حیرت ہوتی تھی۔ اگر یہ انسانی ہاتھوں کا کارنامہ ہے تو پھر ان پہاڑوں کو توڑنے کا ذریعہ کیا ہوا ہوگا۔ زمانہ قدیم میں ڈائنامیٹ وغیرہ کا بھی وجود نہیں تھا۔ اور اس کے بیز پہاڑوں کو اس طرح کاٹ کر ہموار کر دینا ناقابلِ یقین سی بات تھی۔ لیکن یہ منظر ہمارے سامنے تھا۔ قرب و جوار میں وہی سبزہ زار حسین ترین نظارے پیش کر رہا تھا۔ دل ان نظاروں کو دیکھ کر جھوم جھوم جاتا تھا۔ کہیں کہیں سبز چمن کے درخت اور کہیں لمبے لمبے کھجوروں کے درخت تھے۔ جو سو فٹ سے کم اونچے نہ ہوں گے۔ ان میں سے ہر ایک درخت پر شہد کی مکھیوں کے چھتے لگے ہوئے تھے۔

خرگوش، بارہ سنگھے اور ہرن اس طرح نظر آ رہے تھے۔ جیسے یہ علاقہ بلا شرکتِ غیرے ان کی ملکیت ہے۔ اس طرح گھومتے پھر رہے تھے کہ دیکھ کر حیرت ہوتی تھی۔ اتنا شکار دیکھ کر ہم دونوں کے منہ پانی بھر آیا۔

سلمان فوراً نشانہ لگانے کے لیے تیار ہوگیا۔ اس نے گولی چلائی۔ نشانہ ایک بارہ سنگھے کا تھا۔ گولی بارہ سنگھے کا کندھا توڑتی ہوئی نکل گئی۔ اور ہم دونوں اس طرف دوڑ پڑے۔ بارہ سنگھے کو ذبح کیا۔ اس کو دیکھتے ہی طبیعت میں ایک جولانی سی آگئی تھی۔ اور ہم لوگ بے حد خوش تھے۔ بارہ سنگھے کا گوشت بھوننے میں کافی وقت لگ گیا۔ اور اس کے بعد مزے لے کر ہم نے یہ لذیذ گوشت کھایا اور اس کے بعد ہم نے سفر کا آغاز کر دیا۔

غروب آفتاب سے کچھ دیر پہلے ہم اس پہاڑ کے دامن میں پہنچ گئے۔ کچھ اور آگے بڑھے کہ شام کی سیاہی نے ہاتھ پھیلا کر اس ماحول کو اپنی آغوش میں لے لیا۔ اس وقت ہم ایک درّے جیسے راستے میں تھے جو ایک پہاڑ کو درمیان سے کاٹ کر بنایا گیا تھا۔

بہر طور ان تمام چیزوں کو دیکھ دیکھ کر اسپرا کی پُراسرار قوتوں کا اندازہ ہو رہا تھا۔ ہم یقیناً اس کی سرحد پر پہنچ گئے تھے۔

اس کا اندازہ ہمیں دوسری صبح ہوگیا جب جاگے تو سورج ہمارے سروں پر چمکا ہوا تھا۔ لیکن سورج کی روشنی میں ہم نے جن لوگوں کو دیکھا، انہیں دیکھ کر ہم ہکّا بکّا رہ گئے تھے۔ ہمارے ہاتھ بے اختیار اپنے ہتھیاروں کی جانب بڑھے لیکن پھر دوسرے لمحے ہم مایوسی سے ہونٹ سکوڑ کر رہ گئے۔ ہمارے تمام ہتھیار ان لوگوں کے قبضے میں تھے۔

نظر آنے والے تقریباً پچاس افراد تھے جو مختلف حصوں میں کھڑے چمکدار ہتھیار ہاتھوں میں لیے ہمیں عجیب سی نگاہوں سے دیکھ رہے تھے۔ ان کے بدنوں پر مخصوص قسم کے لباس تھے۔ غالباً چیتوں کی کھالوں کے لباس تھے جو دیکھنے میں کافی خوبصورت نظر آرہے تھے۔ سروں پر بھی انہی کھالوں کا بنا ہوا خود سا پہنا ہوا تھا ان سب نے۔

میں نے اور سلمان نے ایک دوسرے کی شکل دیکھی اور سلمان آہستہ سے بولا۔

"یہ تو اچھا نہیں ہوا۔ گویا ہم اسپرا کے قیدی بن گئے۔"

"کیا کہا جا سکتا ہے؟ بہر طور میرا خیال ہے، ان لوگوں سے بھڑنا اچھا نہیں ہوگا۔ اب جب کہ ہم ان کی نگاہ میں آہی گئے ہیں، تو پھر بہتر یہی ہے کہ خود کو ان کے حوالے کر دیں۔ ممکن ہے وہ اسپرا تک لے جائیں۔"

"ٹھیک ہے، میں آپ سے متفق ہوں چچا جان!" سلمان نے کہا۔

ہمیں گھیرے میں لیے ہوئے لوگوں نے جب دیکھا کہ ہم جاگ گئے ہیں تو ان کا گھیرا کچھ تنگ ہونے لگا۔ پھر دو آدمی چلتے ہوئے سامنے آگئے۔

وہ رکوع کے سے انداز میں میرے اور سلمان کے سامنے جھک گئے۔ پھر ان میں سے ایک نے کہا۔

"پہاڑوں کی عظیم ملکہ، ناقابلِ تسخیر سورج کی بیٹی، آسمان سے ہدایت حاصل کرنے والی تمہیں اپنی سرحد میں خوش آمدید کہتی ہے۔ اور جاننا چاہتی ہے کہ تم کون ہو اور کس غرض سے آئے ہو، کہاں سے آئے ہو؟ یوں لگتا ہے کہ تمہارا تعلق افریقہ کی سیاہ وادیوں سے نہیں۔ بلکہ تم اس دوسری دنیا کے لوگ ہو جہاں کے رہنے والے اپنے جادو میں کمال حاصل کر چکے ہیں۔ اور ایسی ناقابلِ یقین زندگی گزار رہے ہیں۔ جن کے بارے میں سن کر حیرت ہوتی ہے۔ کیا یہ درست ہے؟"

سلمان نے میری طرف دیکھا۔ گویا اندازہ لگانا چاہتا تھا کہ کس قسم کی گفتگو ان سے کرنا مناسب ہوگی۔ میں اس دوران دل میں یہ فیصلہ کر چکا تھا کہ اس وقت ان لوگوں کے مطلب کی گفتگو کرنا مناسب ہوگی۔ کیونکہ ان بے شمار تنومند لوگوں سے مقابلہ ناممکن تھا چنانچہ میں نے جلدی سے کہا۔

"تمہارا خیال درست ہے۔ ہم اس دنیا کے باشندے ہیں اور سیاحت کی غرض سے اس صحرا میں آئے ہیں۔ ہم نہیں جانتے کہ کون سی سرحد کس کی ہے۔ اگر ہم تمہاری ملکہ کی سرحد میں آکر کسی جرم کے مرتکب ہوئے ہیں تو ہمیں اس کا افسوس ہے۔"

"عظیم المرتبت کی ہدایت ہے کہ اگر آنے والے نیک طبع اور تعاون کرنے والے ہوں تو انہیں باعزت و احترام اس کے حضور میں لایا جائے۔ اگر وہ خود سر اور سرکش ہوں اور کسی کا احترام کرنے والوں میں سے نہ ہوں تو انہیں ختم کر دیا جائے۔"

"فیصلہ تمہارے ہاتھ میں ہے جیسے پسند کرو۔" میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"ہم ملکہ کے حکم سے انحراف نہیں کر سکتے۔ یوں بھی تم لوگ شکل و صورت سے بھی اور گفتگو سے بھی اچھے انسان معلوم ہوتے

ہو، اس لیے ہماری پیشکش ہے ہمارے ساتھ چلو۔"

"ہم اس پیشکش کو رد کرنے کی جرأت نہیں کر سکتے۔"

"تم صرف دو ہو؟"

"ہاں، صرف دو۔" میں نے جواب دیا، اور اس شخص نے اپنے ساتھیوں کی طرف رخ کر کے دو گھوڑے طلب کیے۔ ہمارے لیے دو گھوڑے فوراً آگئے تھے۔

میں اور سلمان ان پر سوار ہو کر ان عجیب و غریب لوگوں کے درمیان چل پڑے۔ گھوڑے قدآور اور سدھے ہوئے تھے اور ان پر سفر کرنے میں کوئی دشواری پیش نہیں آئی تھی۔ اس شخص کا رویہ بہت بہتر تھا جو ہمارا رہنما تھا۔

سلمان نے چونکہ اندازہ کر لیا تھا کہ میں ان لوگوں کے ساتھ مکمل تعاون کا ارادہ رکھتا ہوں۔ اس لیے وہ پُرسکون تھا اور گھوڑے سے گردن گھما گھما کر قرب و جوار میں پھیلے ہوئے حسین مناظر کا نظارہ کر رہا تھا۔ بالآخر ہم اس درّے کے آخری حصے تک پہنچ گئے۔ بالکل ہی سامنے ایک عجیب سی جگہ نظر آئی تھی۔ غالباً پہاڑ کی گہرائیوں میں کوئی ندی بہہ رہی تھی۔ اس کی محراب میں سے گزر کر ہمیں آگے بڑھنا تھا۔

ندی کے کنارے پہنچ کر چند لمحات کے لیے وہ لوگ رکے۔ اور انہوں نے گھوڑے کی زینوں میں اڑسی ہوئی مشعلیں نکال لیں۔ حالانکہ باہر کافی روشنی تھی۔ لیکن یقیناً اس سرنگ میں شاید طویل سفر کرنا تھا۔ اور اسی وجہ سے یہ مشعلیں روشن کی جا رہی تھیں۔

روشنی کر دی گئی۔ لیکن اس کے ساتھ ساتھ ہی وہ شخص ہمارے قریب پہنچا اور اس نے زرد پٹیاں نکال کر ہمیں دے دیں۔ پھر وہ بولا۔

"ملکہ عالیہ کے اصولوں کے مطابق ان کے حضور تک پہنچنے والوں کو ان راستوں سے ناواقف رکھا جاتا ہے۔ اس لیے تمہیں یہ پٹیاں اپنی آنکھوں پر باندھنی ہوں گی۔"

"اور ہمارے گھوڑے۔۔۔ ہم انہیں صحیح راستوں پر کیسے چلا سکیں گے؟" میں نے پوچھا۔

"اس کی ذمہ داری تم ہم پر چھوڑ دو۔" اس نے کہا اور میں نے گردن ہلا دی۔

میں اب ان سے تعاون کا فیصلہ کر ہی چکا تھا۔ اس لیے اب ان کے کسی مسئلے میں ٹانگ اڑانا مناسب نہیں سمجھتا تھا۔ پٹیاں ہم نے خود ہی اپنی آنکھوں پر باندھ لیں۔ ان لوگوں نے غالباً ہمیں دیکھ کر اطمینان کا اظہار کیا تھا۔ پھر ان میں سے کسی نے ہمارے گھوڑوں کی لگامیں پکڑ لیں اور ہم اس عجیب و غریب ندی میں سفر کرنے لگے۔

گھوڑوں کے پیروں سے ندی میں چھپاکے پیدا ہو رہے تھے، اور وہ سست روی سے سفر کر رہے تھے۔ میں کوشش کے باوجود اس گھماؤ پھراؤ کا کوئی اندازہ نہیں کر سکا تھا۔ یوں لگ رہا تھا جیسے ندی پہاڑ کی کتنی ہی گھمی ہوئی موڑوں میں داخل ہوئی ہو۔ اور وہاں سے آگے بڑھی ہو۔ عجیب و غریب چیز تھی۔ تھوڑی دیر کے بعد مجھے محسوس ہوا کہ اگر میں اس راستے سے واپس آنا چاہوں تو صحیح سمت اختیار نہیں کر سکتا۔ یقیناً پٹیاں باندھنے کا مقصد کچھ نہ کچھ تو ضرور ہوگا۔

تھوڑی دیر کے بعد ہم دوسری طرف نکل آئے۔ روشنی کا احساس بند آنکھوں سے ہی ہوگیا تھا۔ بہر طور ہمیں پٹیاں کھول ڈالنے کی اجازت مل گئی۔

میں نے دیکھا کہ ہم پہاڑ کے دوسرے پہلو میں ہیں۔ اتنے بڑے پہاڑ کو اس قدر جلد طے کر لینے کے بعد مجھے بڑا تعجب ہوا تھا۔ ادھر پہنچ کر معلوم ہوا کہ اس چڑھائی کو ہم بہت اونچا محسوس کر رہے تھے۔ وہ بہت ہی قریب تھی، شاید دو سو فٹ اونچی رہی ہوگی۔ اس سے معلوم ہوتا تھا کہ اس طرف کی زمین اس طرف کی زمین سے بہت اونچی ہے۔ اب نہ معلوم اس کو ضرورتاً اونچا کرنا پڑا تھا یا وہ قدرتی اونچی تھی۔

بہرحال اس وقت ہم نے خود کو ایک بڑی پہاڑی پر پایا جو بالکل — ایک پیالے کی وضع قطع کی تھی۔ عجب نہیں کہ یہ پہاڑ کسی زمانے میں آتش فشاں رہا ہو۔ گرد و پیش کے تمام میدانوں میں کھیتیاں لہرا رہی تھیں اور بھیڑ بکریاں بڑی آزادی سے کلیلیں کرتی پھر رہی تھیں۔

اس کے بعد کچھ کھنڈر نظر آئے۔ لیکن ہم ان تمام مناظر کو بغور نہ دیکھ سکے۔ ہم نے ان لوگوں کو آتے دیکھا جو گھوڑوں پر سوار تھے۔ اور ان لوگوں سے کسی قدر مختلف لباسوں میں تھے۔ جو ہم لوگوں کو یہاں تک لائے تھے۔

آنے والے ہمارے قریب پہنچ گئے۔ ان میں سے ایک نے آگے بڑھ کر سینے پر ہاتھ رکھ کر گویا سلام کیا اور پھر ہماری کمان ان کے سپرد کر دی گئی۔ وہ لوگ جو ہمیں یہاں تک لائے تھے۔ ہمیں ان کے حوالے کر کے آگے بڑھ گئے۔ گویا اب ہم ان نئے لوگوں کے سپرد کر دیے گئے تھے۔

نے لوگوں میں سے اس شخص نے جس نے آگے آکر ہمیں سلام کیا تھا، ہماری رہنمائی کے فرائض سنبھال لیے تھے۔ تقریباً آدھے گھنٹے تک ہمارا یہ قافلہ سفر کرتا رہا اور پھر ایک بہت بڑے غار کے دہانے کے پاس ہمیں ٹھہرا دیا گیا۔

دہانہ بہت ہی بلند و بالا تھا۔ یہاں ہمیں گھوڑوں سے اتار دیا گیا۔ غار کے دہانے کے دوسری طرف تاریکی پھیلی ہوئی تھی۔ عجیب و غریب جگہ تھی۔ بہر طور ہم اس میں داخل ہو گئے۔ تھوڑی دور چلنے کے بعد یہ تاریکی چھٹ گئی۔ دیواروں میں مخصوص طرز کی مشعلیں تھیں۔ یہ مشعلیں دیواروں میں نصب تھیں۔ اور نجانے ان میں کیا جل رہا تھا کہ ایک ہلکی سی خوشگوار خوشبو پھیلی ہوئی تھی۔

دیواریں منقش تھیں اور یہ تصویریں قدیم مصری طرز کی تھیں۔ مصر سے بہت دور اس عجیب و غریب علاقے میں مصری طرز زندگی دیکھ کر بڑی حیرت ہوئی تھی۔

ہم غار کی ایک محراب سے گزر کر دوسری محراب میں داخل ہو گئے پھر بائیں طرف مڑے۔ یہاں بڑے بڑے دروازے بنے ہوئے تھے۔ اور ان دروازوں پر مسلح پہرے دار کھڑے ہوئے تھے۔ یقیناً ہم اہرام کی وادی میں آ پہنچے تھے۔ اور یہ سارا نظام اہرام ہی کے سلسلے میں تھا۔ اس کی رہائش گاہ یہاں سے زیادہ دور نہیں ہوگی۔ تھوڑے ہی فاصلے پر چل کر ہمیں ایک بہت ہی بڑا کمرہ نظر آیا جس کے دروازے پر پردہ پڑا ہوا تھا۔ ہمارے رہنما نے پردہ اٹھایا اور گویا ہمیں اندر داخل ہونے کا حکم دیا۔ اندر داخل ہوئے تو اس کمرے کو نہایت خوشنما اور جاذب نظر پایا۔

پتھروں کے بستر بنے ہوئے تھے جن پر مینڈھوں کی کھالیں بچھی ہوئی تھیں۔ ایسی ہی کھالیں اوڑھنے کے لیے بھی موجود تھیں۔ پانی سے بھرے ہوئے کچھ برتن رکھے ہوئے تھے۔ اس نے ہمیں آرام کرنے کی ہدایت کی اور کہنے لگا۔

"تمہیں جس چیز کی طلب ہو، دروازے پر کھڑے پہرے دار سے مانگ لینا۔ تکلف کرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔" میں نے گردن ہلائی اور وہ باہر نکل گیا۔ میں اور سلمان ایک دوسرے کو دیکھنے لگے تھے۔ سلمان کی آنکھوں میں عجیب سے تاثرات تھے۔ یہ آنکھیں شیشے کی گولیوں کی مانند چمک رہی تھیں۔ اس کا چہرہ روشن ہو رہا تھا۔ نجانے اس پر کیا ایسی کیفیت طاری تھی ۔۔۔ حالانکہ طویل سفر نے ہمیں تھکا دیا تھا لیکن کچھ اس طرح کی تھکن ذہن و دل پر طاری ہو گئی تھی کہ جی چاہتا تھا آرام کیا جائے۔ چونکہ اس وقت نہ تو کوئی حاجت تھی اور نہ ہی کوئی اور احساس۔ اس لیے ہم نے اس چاہت پر عمل کیا۔ میں اور سلمان برابر برابر دو چوکیوں پر لیٹ گئے۔ بڑی نرم اور آرام دہ کھالیں بچھی ہوئی تھیں۔ غالباً اس کے نیچے کوئی اسفنج نما شے موجود تھی۔ جس کے ذریعے ان پتھریلی چٹانوں کو گدے کا گدا بنا دیا گیا تھا۔ دفعتاً سلمان ہنس پڑا اور میں اسے چونک کر دیکھنے لگا۔

"کیا بات ہے سلمان! کون سے خیال پر تمہیں ہنسی آ گئی ہے؟" میں نے پوچھا۔

"کچھ نہیں چچا جان! آپ ناراض ہوں گے۔" سلمان بولا۔

"کیا مطلب؟"

"مجھے جس بات پر ہنسی آئی ہے وہ آپ کو پسند نہیں آئے گی۔" سلمان نے بتایا۔

"اس کے باوجود میں اس کے بارے میں جاننا چاہتا ہوں۔" میں نے اصرار کیا۔

"اس وقت مجھے آپ کے حال پر ہنسی آئی ہے چچا جان!" سلمان نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"خوب، خوب۔ واقعی میرے حال پر ہنسنے کے علاوہ تم اور کیا کر سکتے ہو؟"

"معافی چاہتا ہوں چچا جان، میں نے کہا تھا نا کہ آپ ناراض ہو جائیں گے۔"

"اس کے باوجود میں ناراض نہیں ہوا لیکن میرے حال سے تمہاری کیا مراد ہے؟"

"چچا جان! میں محسوس کرتا ہوں کہ آپ کے ساتھ مستقل زیادتی ہوتی رہی ہے۔"

"کیوں سلمان؟"

"دیکھیں نا، آپ اپنا ملک چھوڑ کر سرزمین مصر آ گئے وہاں آباد ہو گئے۔ پتہ نہیں زندگی کی لطافتیں کس حد تک آپ کے ہم رکاب رہیں۔ لیکن جب سے میں آپ کی تحویل میں آیا آپ کو الجھنوں سے ہی دوچار ہونا پڑا۔"

"سبحان اللہ، سبحان اللہ۔ یہاں تم اپنی محبتوں کا کوئی تصور اپنے ذہن میں نہیں رکھتے۔"

"نہیں چچا جان! میں ان محبتوں کے بارے میں ہی سوچ رہا ہوں۔ کس طرح انسان کو ذلیل و خوار کرتی ہیں۔"

"گویا میں ذلیل و خوار ہو رہا ہوں۔"

"نہیں میں یہ بات تو نہیں کہوں گا۔ لیکن جو پریشانی آپ کو میری ذات کی وجہ سے اٹھانا پڑی ہے۔ کیا میں اس سے واقف نہیں ہوں؟"

"نہیں سلمان۔ میں تمہارے عشق میں تہہ دل سے شریک ہوں اگر تم تنہا ہوتے، تب بھی یہی سب کچھ کرتے لیکن یہ میری خوش قسمتی ہے کہ میں تمہارے ساتھ ہوں اور اپنی آنکھوں سے سب کچھ دیکھ رہا ہوں۔ سلمان میں نے بھی اپنی زندگی میں بہت خوشگواریوں سے رابطہ رکھا ہے۔ ایک عمر تھی جب سب کچھ چھن گیا اور اس چھن جانے کو میں نے غنیمت سمجھا۔ بڑا دل ہو کر اپنی دنیا سے یہاں پہنچا تھا کہ یہاں کچھ ایسے لوگ مل گئے۔ جنہوں نے زندگی کو خوشگوار لمحات بخش دیئے اور اب تو میں صرف ایک شخص ہوں تمہاری ذات سے وابستہ۔ تمہارے وجود کا ایک حصہ۔"

"چچا جان! آپ یقین فرمائیے کہ میں اس دنیا میں سب سے زیادہ آپ کی عزت کرتا ہوں۔"

"یہ تمہاری محبت ہے سلمان! میں بھی تمہیں اتنا ہی چاہتا ہوں۔"

"میں سوچ رہا تھا چچا جان کہ اب اس کے بعد کیا ہوگا؟"

"تم بتاؤ سلمان! کیا خیال ہے تمہارے ذہن میں؟"

"بس کچھ نہیں، ہم دو افراد باقی رہ گئے ہیں۔ وہ خلافت ہمارے درمیان سے چھٹ گئی جنہیں ہم اپنی مقصد براری کے ساتھ ساتھ لائے تھے۔ لیکن ہم نے ان کے ساتھ نیک نفسی کا سلوک بھی کیا تھا۔ انہیں وہ سب کچھ دے دیا تھا جو ان کی طلب ہو سکتی تھی اور ممکن تھا کہ اگر اہرام اعظم میں وہ ہمارے ساتھ ہمارے مشن میں شریک رہتے اور ہمیں کامیابی حاصل ہو جاتی تو ہم انہیں کچھ اور بھی دے دیتے۔ لیکن ان کی نیتیں واضح ہو گئیں اور وہ ہم سے کٹ گئے۔"

"ہاں ان کا کٹ جانا ہی بہتر ہوا کیونکہ اب ہم جن حالات سے دوچار ہونے والے ہیں۔ ان میں پتہ نہیں ان لوگوں کی کیا حیثیت ہوتی۔ ویسے اب آپ کی کیا رائے ہے؟ کیا خیال ہے آپ کا، کیا ہم اہرام کے حضور پہنچ گئے ہیں۔"

"سلمان: میرا خیال ہے۔ ہمیں اپنی گفتگو میں احتیاط رکھنی چاہیے۔ کیونکہ یہ طلسم نگری ہے۔ نہیں کہا جا سکتا کہ یہ دیواریں کیا حیثیت رکھتی ہیں۔ ممکن ہے ہماری آوازیں یہاں سے سنی جا رہی ہوں۔"

"ٹھیک کہا چچا جان آپ نے۔ لیکن ایسے حالات پر تبصرہ تو کرنا ہی ہے۔ اس کے لیے ہم کیا کریں؟"

"سرگوشیاں۔ تم میرے نزدیک آجاؤ۔" میں نے کہا۔ اور سلمان اپنی جگہ سے اٹھ کر میرے نزدیک آ گیا۔

"لیٹ جاؤ سلمان! میں جانتا ہوں کہ تم بھی آرام کی طلب محسوس کر رہے ہو۔ عجیب سی تھکن ہو گئی تھی ان پہاڑوں میں سفر کرتے ہوئے۔"

"ہاں، آپ نے صحیح کہا۔ واقعی تھکن کا شدید احساس ہو رہا ہے۔" سلمان نے مجھ سے اتفاق کیا۔

کافی دیر گزر گئی۔ پھر دو سیاہ فام جو رنگین لباسوں میں ملبوس تھے اور ہاتھوں میں چوڑے کھانڈے لیے ہوئے تھے۔ ہماری اس آرام گاہ میں داخل ہوئے۔ رکوع کے انداز میں ہمارے سامنے جھکے اور دونوں نے بیک آواز کہا۔

"ملکہ عالیہ تمہیں طلب کرتی ہیں۔ ہمارے ساتھ آؤ۔"

میں نے اور سلمان نے ایک دوسرے کی شکل دیکھی اور ہم گہری سانسیں لے کر اٹھ کھڑے ہوئے۔

دونوں سیاہ فام ہمارے آگے آگے چل رہے تھے پھر وہ ایک طویل فاصلہ طے کر کے ایک بہت بڑے غار کے دہانے کے سامنے پہنچے جہاں دو شخص کھڑے، بتوں کی طرح پہرہ دے رہے تھے۔ ہمیں دیکھ کر دونوں نے جھک کر ہمیں سلام کیا اور غار کے دروازے پر پڑا ہوا حریری پردہ اٹھا دیا۔

اندر داخل ہوئے تو یہ غلام گردش اور اس کے کمرے بھی بالکل ویسے ہی تھے جن میں ہم لوگوں کو ٹھہرایا گیا تھا۔ آگے بڑھ کر پھر دو مرد اور دو عورتیں ملیں۔ وہ سب بھی ہم کو دیکھ کر جھک گئے۔ لیکن کسی کے حلق سے کوئی آواز نہ نکلی شاید گونگے تھے۔

وہ سیاہ فام تو پہلے ہی مرحلے پر رک گئے تھے۔ اور یہاں تک ہم تنہا آئے تھے۔ لیکن یہاں سے وہ دونوں عورتیں ہمارے ساتھ ہو لیں۔ مرد پیچھے پیچھے چل رہے تھے۔ اس کے بعد ہم دونوں کئی پردے طے کرنے کے بعد بالآخر ایک کمرے تک پہنچ گئے۔ یہاں بہت سی حسین عورتیں کھڑی تھیں۔

دو چار قدم طے کرنے کے بعد پھر ایک دروازہ ملا خیال ہوا کہ اس کے آگے کوئی اور کمرہ نہیں ہوگا۔ یہاں بھی دو مرد کھڑے ہوئے تھے۔ انہوں نے ہمیں سلام کیا اور پردہ اٹھا لیا۔

یہ کمرہ بھی خاصا وسیع و کشادہ تھا۔ یہاں بھی دس بارہ خوبصورت عورتیں بیٹھی ہوئی تھیں۔ وہ خاموشی سے ہماری جانب دیکھ رہی تھیں۔ البتہ میں نے محسوس کیا کہ سلمان کو دیکھ کر ان کی کیفیت عجیب ہو جاتی تھی۔

پھر ان میں سے ایک عورت اٹھی اور اس نے ایک ادا کے ساتھ اپنے نازک ہاتھوں سے سامنے والا پردہ ہٹا دیا۔ اس کمرے سے گزر کر ایک اور کمرے میں پہنچنا پڑا۔ ہم تو تنگ آ گئے تھے۔ اس تہہ در تہہ کمروں کے سفر سے۔ آخر ہم ایک وسیع و عریض ہال نما کمرے میں پہنچ گئے۔

اس کمرے کا طول و عرض بے حد وسیع تھا۔ پردے اتنے حسین تھے کہ بس دیکھتے رہیئے۔ البتہ یہاں کوئی پہرے دار مرد یا عورت موجود نہیں تھا۔

ہمارے ساتھ آنے والے سب پیچھے رک گئے تھے اور اب ہم دونوں اس وسیع کمرے میں تنہا تھے۔ کوئی اور دروازہ نظر نہیں آتا تھا۔ اس کا مقصد تھا کہ یہ کمرہ وہ آخری جگہ ہے۔ جہاں ہمیں ملکہ کے روبرو پیش ہونا ہے۔

وقت آہستہ آہستہ گزرتا رہا پھر داخلی دروازے کے پردے کو حرکت ہوئی اور ہم دونوں متجسس نگاہوں سے دروازے کی سمت دیکھنے لگے۔

ایک نہایت ہی خوبصورت گورے ہاتھ کی انگلیوں نے پردہ ہٹایا۔ اور اس کے ساتھ ہی ایک انتہائی دلکش آواز سنائی دی۔

"تہذیب کی دنیا سے آنے والے اجنبی لوگو! تم کون ہو اور تمہارا وجود میرے علم سے پوشیدہ کیوں ہے۔ کون سی ایسی شے ہے تمہارے وجود میں جو تمہیں ملفوف کیے ہوئے ہے؟"

پردہ ہٹانے والی ہمارے سامنے نہیں آئی تھی لیکن اس کی آواز کا سحر ہمارے ذہن و دماغ پر حاوی ہوتا جا رہا تھا۔ ایسی حسین آواز کہ لگتا تھا بہت سے جلترنگ بیک وقت بج اٹھے ہوں۔

ہماری طرف سے کوئی جواب نہ پا کر وہ اندر داخل ہو گئی۔ سلک کے ہلکے بادامی ملبوس میں سر سے پاؤں تک ڈھکی ہوئی ایک عجیب و غریب شبیہ ہماری نظروں کے سامنے کھڑی ہوئی تھی جس کی آنکھوں کی ——— جگہ صرف دو سوراخ تھے۔ انتہائی حسین طرز کے اس برقعہ نما لباس میں اس کے بازو عریاں تھے۔ اور ان عریاں بازوؤں کو دیکھ کر اس کے حسن کا احساس ہوتا تھا۔

ایسے سڈول جیسے سنگ مرمر سے تراشے ہوئے ہوں۔

ایسے سفید جس کے بعد سفیدی کا تصور ذہن سے محو ہو جائے۔

سرو قامت اور انتہائی متناسب بدن کا احساس اس کے پاس سے ہوتا تھا۔ بال سیاہ ریشم کے لچھوں کی مانند گھٹنوں تک پہنچے ہوئے تھے۔ اور یہ بال ہاتھوں کے علاوہ ایسے تھے جنہیں دیکھا جا سکتا تھا۔

ہم دونوں اس ہیولے کو دیکھ کر مبہوت رہ گئے تھے۔ وہ ہیولہ چند قدم آگے آیا اور پھر ایک زرنگار کرسی پر براجمان ہو گیا۔

"تم لوگ خاموش کیوں ہو؟ کیا مجھ میں کوئی ایسی بات ہے کہ تم مجھے دیکھ کر ڈر جاؤ۔ بلکہ مردوں کی طرح مجھ سے گفتگو کرو۔ میں نے تمہیں دوستوں کی طرح طلب کیا ہے۔"

میں نے ایک جھرجھری سی لی اور اس سے گفتگو کرنے کے لیے سنبھل گیا۔

"آپ نے کہا ملکہ عالیہ! کہ ہم ملفوف ہیں۔ ہم اس کا مطلب نہیں سمجھ سکے۔"

ایک نقرئی ہنسی ہمارے کانوں میں گونج گئی اور پھر وہی خوبصورت آواز سنائی دی۔

"ہاں، میری سرزمین میں داخل ہونے والے میری نگاہوں سے دور نہیں ہوتے۔ تم بھی میری نگاہوں سے اوجھل نہیں تھے۔ جب تم نے میری سرحد پر قدم رکھا تب ہی مجھے علم ہو گیا کہ دو اجنبی میرے علاقے میں آئے ہیں۔ میں نے اپنے علم کی روشنی میں ان کی ماہیت جاننے کی کوشش کی لیکن مجھے سفید دھوئیں کے علاوہ کچھ نظر نہ آیا اور یہ بات میرے لیے تحیر کن ہے۔ میرا علم مجھے بتا دیتا ہے کہ کون دشمن ہے اور کون دوست۔ میرے سامنے آنے والے اپنا ماضی مجھ سے سنتے ہیں۔ لیکن تم تم میری نگاہوں سے دور رہے۔ میں نہیں جانتی کہ تم کون ہو، کہاں سے آئے ہو؟ اور کیوں آئے ہو۔ جب کہ میرے لوگوں نے مجھے بتایا۔ بلکہ تم نے ان سے کہا کہ تم آوارہ گرد ہو اور صرف علم میں آنے والے دوسرے لوگوں کی مانند جو حسین پتھروں کو یہاں سے چوری کر کے جاتے ہیں اور اپنی مہذب دنیا میں شاید ان سے اپنی ضروریات زندگی حاصل کرتے ہیں۔

ایسے بے شمار افراد صدیوں سے یہاں آتے رہے ہیں اور

میں نے ان میں سے ان کا انتخاب کیا جنہیں یہاں سے واپس جانا ہو۔ اور جو یہاں سے جانے کے قابل نہ ہوں انہیں میں محفوظ کر لیتی ہوں۔"

"اس انتخاب کی نوعیت کیا ہوتی ہے ملکہ عالیہ؟"

"جو کچھ بھی ہو تمہیں بتائی نہیں جا سکتی۔ میں صرف یہ جاننا چاہتی ہوں کہ تمہاری اپنی شخصیت کیا ہے۔ کیا تم جادوگری سے واقف ہو؟ کیا تم اپنے آپ کو عام نگاہوں سے بھی پوشیدہ رکھ سکتے ہو؟"

"ہم نہیں کہہ سکتے ملکہ عالیہ! کہ ایسا کیوں ہوا۔ ہم عام قسم کے سیاح ہیں اور آپ کا یہ خیال درست ہے کہ ہم چمکدار پتھروں کی تلاش میں آئے ہیں۔"

"اور یہ نوجوان شخص کیا بولتا ہے جو حسن و جمال میں بے مثال ہے اور جسے دیکھ کر ہمارا ذہن بھٹکنے لگتا ہے۔" اس نے سلمان کی جانب اشارہ کر کے کہا۔

"میں اس کا ترجمان ہوں۔ یہ جو کچھ کہے گا۔ وہ مختصر الفاظ ہوں گے لیکن میرے ہی جذبات کی ترجمانی کریں گے۔"

"گویا تم ان کے ترجمان ہو۔" حسین ملکہ جس کا حسن ابھی ہماری نگاہوں سے اوجھل تھا لیکن اس کی ایک ایک جنبش اظہار کرتی تھی کہ اگر یہ سفید پردہ اس کے چہرے سے ہٹ جائے تو شاید ہم اس کے جمال کی تاب نہ لا سکیں۔ بڑی شان سے اپنے حسین اور مترنم لہجے میں کہا۔

"ہاں۔ کیونکہ میرا ساتھی بہت کم گو ہے اس لیے میں اس کا بھی ترجمان ہوں۔"

"لیکن جو لوگ ہماری قلمرو میں آ جاتے ہیں اور ہمارے لیے اجنبی ہوتے ہیں۔ انہیں سزا دی جاتی ہے۔ کسی کو اس کی اجازت نہیں ہے کہ ہماری اجازت کے بغیر یہاں داخل ہو اور تم بھی انہیں مجرموں میں سے ہو۔" ملکہ نے کہا۔

"اگر یہ ملکہ عالیہ کا قانون ہے تو ٹھیک ہے۔ ہم دو آدمی دو کمزور انسان بھلا اس عظیم ملکہ کے قانون کو کس طرح توڑ سکتے ہیں؟ ہمارے لیے جو بھی سزا تجویز ہو۔ ہم اسے قبول کرنے کو تیار ہیں۔" میرے ان الفاظ پر آنکھیں مسکرائیں، ہونٹوں کی مسکراہٹ کا کوئی اندازہ نہیں ہو سکتا تھا۔ کیونکہ وہ سفید پردہ میں چھپے ہوئے تھے۔

ملکہ نے ایک ہاتھ اٹھایا اور مجھے اور سلمان کو ایک طرف بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ قریب ہی ایک پلنگ بچھا ہوا تھا۔ سامنے ہی میز پر کوئی پھل جیسی چیز رکھی ہوئی تھی۔ پلنگ کے پائینتی سنگ مرمر کے ایک بہت ہی خوشنما پیالے میں پانی بھرا ہوا تھا۔ جس کے اطراف میں تین چراغ جل رہے تھے۔ تمام کمرہ خوشبو سے مہک رہا تھا۔ خدا جانے وہ خوشبو ملکہ کے بالوں اور کپڑوں سے نکل رہی تھی۔ یا کہیں پھول لگے ہوئے تھے۔ مجھے پتہ نہیں چل سکا۔ غرض ہم اس کے اشارے پر پلنگ پر بیٹھ گئے۔

"ہوں، ہر چند کہ ہمارا قانون یہی ہے کہ ہم اجنبی لوگوں کو ختم کر دیں۔ لیکن تم تعاون کرنے والے ہو، شیریں بیان ہو اور پھر یہ شخص، نجانے کیوں یہ ذہن کے راستے اتر کر دل کی گہرائیوں تک پہنچ جاتا ہے۔ میں تم لوگوں کو زندہ رکھنا چاہتی ہوں لیکن شرط یہی ہو گی کہ میری معلومات میں اضافہ کرو۔"

"ملکہ عالیہ، ہم تیرے ہر حکم کی تعمیل کرنے کے لیے تیار ہیں۔"

"تمہاری دنیا، جسے تم تہذیب کی دنیا کہتے ہو۔ کیسی ہے؟"

"بہت عمدہ، بہت دلکش، بہت حسین۔ جدید ترین طرز زندگی سے آراستہ۔"

"سنا ہے وہاں کی زندگی بہت تیز ہو گئی ہے۔ انسان نے سائنس کے نام پر ایسا جادو ایجاد کر لیا ہے جو قدیم جادو سے قدرے مختلف ہیں۔"

"اس میں بھی کوئی شک نہیں ملکہ عالیہ! یہ سب ہنر کا جادو ہے۔ طلسمی نقطوں سے حالات کو دسترس میں نہیں لیا جا سکا۔ بلکہ علم کے ہاتھ پاؤں اس جادو کو حاصل کرنے میں معاون ہوتے ہیں۔"

"خوب بہت خوب۔ گویا اب جادو اتنا عام ہو گیا ہے کہ ہر شخص اسے حاصل کر سکتا ہے۔"

"ہاں۔ ہماری دنیا میں جو جادو ہے وہ یہی ہے۔ ہم ہنر سیکھتے ہیں۔ اس ہنر سے ہم سمندر کی گہرائیوں میں سفر کر سکتے ہیں۔ ہواؤں کے دوش پر اڑ سکتے ہیں۔ اپنی آواز میلوں دور پہنچا سکتے ہیں اور دوسرے کی سن سکتے ہیں۔ غرض ضروریات زندگی کی تمام سہولتیں اور آسائشیں اس جادو نے ہمیں مہیا کر دی ہیں۔ اور اسی ہنر کو ہم نئی تہذیب کا جادو کہتے ہیں۔"

"لیکن یہ ہنر سیکھنے کے لیے تو بہت کچھ کرنا پڑتا ہے۔ کیا ایک انسان تمام ہنروں میں طاق ہو سکتا ہے؟"

"نہیں ہر شخص ایک الگ ہنر کا حامل ہوتا ہے اور وہ جو کچھ جانتا ہے وہی کرتا ہے۔ دوسرا جادوگر دوسرے ہنر سے کام لیتا ہے۔ اس طرح یہ ہنر کے جادوگر مشترکہ طور پر اپنا وقت گزار رہے ہیں۔"

"ویسے یہ بات مجھے پسند آئی۔ جانے کیوں بار بار میرے دل میں یہ خواہش پیدا ہوئی کہ میں تہذیب کی نئی دنیا دیکھوں لیکن کیا کروں۔ یہاں اپنے ماحول میں اپنے حالات میں اس طرح گھری ہوئی ہوں کہ یہاں سے نکلنے کا موقع ہی نہیں ملتا۔" ملکہ نے کہا۔

"تہذیب کی دنیا کا ہنر بہت عظیم ہے ملکہ اگر آپ اسے دیکھیں گی تو آپ کا دل باغ باغ ہو جائے گا۔"

"مگر کیسے؟ یہ میرے لیے ممکن نہیں ہے۔ آہ! یہ میرے لیے ممکن نہیں ہے۔ میں ان پہاڑوں کی حکمران ہوں لیکن اگر تم یقین کرو تو شاید میں یہ کہنا حق بجانب سمجھتی ہوں کہ میں ان پہاڑوں کی قیدی ہوں۔ میں یہاں اس طرح سے محصور ہوں کہ یہاں سے نکلنے کے تمام راستے بند ہو چکے ہیں۔ حالانکہ میں آزاد ہوں اگر میں چاہوں تو یہ سب کچھ چھوڑ کے جا سکتی ہوں۔ لیکن یہ بھی میرے لیے ناممکن ہے۔" ملکہ کی آواز میں ایک ہلکی سی اداسی پیدا ہو گئی تھی۔ میں اور سلمان معنی خیز نگاہوں سے اسے دیکھ رہے تھے۔

جانے سلمان کو کیا سوجھی، وہ اپنی جگہ سے اٹھ کر چند قدم بڑھے اور اس کے روبرو پہنچ گئے۔ ملکہ کی آنکھوں میں ایک عجیب سی کیفیت لہرا گئی تھی۔ وہ سلمان کو برق پاش نگاہوں سے دیکھ رہی تھی۔ اور پھر شاید ان کی آنکھوں میں مسکراہٹ پھیل گئی۔

"کیا بات ہے جوان! تم کھڑے کیوں ہو گئے؟"

"میں تمہیں پیشکش کرنا چاہتا ہوں، ملکہ عالیہ! تم اگر چاہو تو میرے ساتھ میری دنیا کی سیر کرو۔ میں وہاں تمہیں اپنے معزز مہمان کی حیثیت سے خوش آمدید کہوں گا۔" ملکہ کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ پھر اس نے کہا۔

"صدیوں کے تجربے نے مجھے یہ بتایا ہے کہ کبھی کسی انسان پر بھروسہ کرنا دنیا کی سب سے بڑی حماقت ہے۔ مجھے کیا معلوم کہ تو کون ہے؟ یہاں کیسے آیا؟ ہر چند کہ تیرا چہرہ یہ بتاتا ہے کہ تو دل کا دریا اور بات کا دھنی ہے لیکن بہر طور میں اپنی اسی دنیا میں زیادہ مضبوط اور مطمئن ہوں۔ اور پھر میری زندگی میری طویل ترین زندگی کے لیے کچھ ایسی چیزوں کی ضرورت ہے جو یہاں کے علاوہ کہیں نہیں مل سکتیں یا مل سکتی ہیں تو انہیں تعمیر کرنے میں بہت ہی وقت درکار ہوگا۔ پھر بھلا یہ دنیا میں کیسے چھوڑ سکتی ہوں؟"

"میزبانوں پر بھروسہ کرنا جس چیز کی بھی تمہیں ضرورت ہوگی۔ وہ تمہیں مہیا کی جائے گی۔" سلمان نے کہا اور میرے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ سلمان اپنی منزل تک پہنچ چکا تھا۔ لیکن وہ جذباتی نہیں ہوا تھا اور اپنے خاندانی انتقام کو لینے کے لیے بے چین نہیں ہوا تھا۔ اگر وہ ایک جذباتی نوجوان ہوتا یا عقل و خرد سے عاری ہوتا تو خونی ملکہ کو دیکھتے ہی اس پر ٹوٹ پڑتا۔ اور ملکہ کے قہر کا شکار ہوتا لیکن سلمان چالاکی سے کام لے رہا تھا۔ وہ اپنے چہرے پر بھی ایسے آثار پیدا کر رہا تھا جیسے وہ ملکہ کے لیے دیوانہ ہو گیا ہو۔ اور شاید ملکہ بھی اس بات کو محسوس کر رہی تھی۔ اس نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"بے شک، تیری یہ پیشکش مخلصانہ ہے اور اس کا جواب نہ دینا ناسپاسی ہے لیکن تو نہیں جانتا کہ میرے اپنے مسائل کیا ہیں؟ میں تجھے بتاؤں گی۔ ________" اس نے کہا اور دفعتاً وہ اپنی جگہ سے اٹھ گئی پھر وہ اس پیالے کے پاس جا کھڑی ہوئی جو پانی سے بھرا ہوا تھا۔ اس نے اپنے ہاتھ کا سایہ اس پانی پر ڈالا اور یکایک پانی پر ایک سیاہی سی دوڑ گئی پھر وہ صاف ہو گیا۔ ہم دور ہی سے دیکھ سکتے تھے کہ اس پانی میں ملتی جلتی تصویریں نظر آنے لگیں۔ پھر ہلکا ہلکا شور ابھرنے لگا اور ہماری آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔ یہ میدان کارزار تھا۔ وحشی قبیلے ایک دوسرے سے جنگ آزما تھے۔ بستیاں جل رہی تھیں۔ آگ کے شعلے آسمان سے باتیں کر رہے تھے۔ چیخ و پکار ابھر رہی تھی۔ اور عجیب شور شرابا ہو رہا تھا۔ جنگ کے اس منظر کو ہم دم بخود دیکھ رہے تھے۔

"یہ کیا ہے؟" سلمان نے سوال کیا۔ ملکہ کی آنکھوں میں تفکر کی لہریں نظر آ رہی تھیں۔ وہ غور سے اس جنگ کو دیکھتی رہی پھر بولی۔

"وہ ناعاقبت اندیش جو ہمیشہ میری تباہی کا خواب دیکھتے رہے ہیں۔ اب انہوں نے میرے خلاف ہتھیار اٹھا لیے ہیں۔ اور میں ان لوگوں کو چھوڑ دے چکی ہوں میں جانتی ہوں جیسے

جنگ کریں گے تباہ ہو جائیں گے۔ ان میں سے چند بچیں گے تو میں انہیں آسانی سے قید کر لوں گی۔ اور ایک بار پھر وہ میرے ہی عبادت گزار ہوں گے۔ موت آتی ہے ان سب کی۔ اپنی قوت کم کر رہے ہیں۔ تو اس سے مجھ پر کیا فرق پڑتا ہے۔ میں تو یونہی زندہ رہوں گی اور یوں ہی زندہ رہنا چاہتی ہوں۔"

"اوہ! یہ سب تمہارے لیے جنگ کر رہے ہیں؟"

"ہاں، کچھ میرے لیے اور کچھ میرے خلاف یہ چند ایسے ناعاقبت اندیشوں کی کارروائی ہے جو صرف ان قبائل کو تباہ کرنا چاہتے ہیں۔ وہ نہیں جانتے کہ میرے جادو کے سامنے وہ نہیں ٹک سکتے اور بالآخر انہیں موت کا شکار ہونا پڑے گا۔"

سلمان چند لمحات سوچتا رہا۔ پھر وہ گہری سانس لے کر بولا۔

"مجھے افسوس ہے لیکن اگر تم اس مہذب دنیا میں نہ جا سکیں تو پھر ہم بھی وہاں نہیں جائیں گے۔ کیا یہ ممکن ہے کہ تم اپنی قلمرو اپنی اس عظیم دنیا میں ہمیں بھی تھوڑی سی جگہ دے دو۔" ملکہ مسکرا دی۔ اس نے آہستہ سے آگے بڑھ کر سلمان کا ہاتھ پکڑا اور دھیمے لہجے میں بولی۔

"کیا کرے گا تو یہاں رہ کر، تو اتنا حسین ہے کہ دیکھ کر پیار آ جائے۔ ہم اگر اپنی منزل سے بھٹک گئے تو ___ تو ہمارے لیے تکلیف دہ ہو سکتا ہے۔"

"نہیں۔ میں اپنے دل کی بات ازراہ احترام تم سے نہیں کہہ سکتا۔ لیکن میری آرزو ہے کہ میں تمہارا اصلی چہرہ دیکھ لوں۔"

"تجھے اس سے کوئی فائدہ نہ ہوگا۔ دم کے دم میں تو چلا جائے گا اور اس کے بعد اگر میرے اور تیرے درمیان ذہنی رشتے بڑھ گئے تو پھر میں پریشان رہوں گی۔ میں نہیں چاہتی کہ خود پریشان رہوں۔ یا تمہیں پریشان کروں۔" ملکہ کے لہجے میں عجیب سا اضطراب پیدا ہو گیا تھا۔ سلمان اسے دیکھتا رہا پھر وہ مایوسی کے عالم میں بولا۔

"یہ میری آرزو تھی۔ میرے دل میں یہ خواہش بیدار ہوئی تھی۔ اگر یہ پوری نہ ہو سکے تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔ ظاہر ہے میری حیثیت یہاں معزز مہمان کی سی نہیں ہے۔" سلمان کے الفاظ سن کر ملکہ کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ وہ آہستہ سے بولی۔

"نہیں۔ تیرے حسن و جمال نے تجھے ایک معزز مہمان کی حیثیت بخش دی ہے۔ ہم تجھے اپنی قلمرو میں خوش آمدید کہتے ہیں۔ لیکن بس ہم ایک بات سے پریشان ہیں۔"

"کیا؟" سلمان نے سوال کیا۔

"ہمارا جادو ہمیں ہر آنے والے لمحے کے بارے میں بتا دیا کرتا ہے۔ ہم دور سے انہیں دیکھ لیتے ہیں جن کے بارے میں جاننا چاہتے ہیں لیکن جب بھی ہم نے تیرے بارے میں اپنے اس جادو کو آواز دی اس میں کچھ نہیں ہوتا۔ آ کہ ہم تمہیں اس کا عملی مظاہرہ کر کے بتائیں" ملکہ نے سلمان کو پانی کے اس پیالے کے پاس بلایا اور پھر وہ اس پر طرح طرح کے مناظر سلمان کو دکھاتی رہی پھر بولی۔

"یہ وہ خیالات ہیں جو ہمارے ذہن میں رہتے ہیں اور ہمارا علم اس کا جواب اس تصویر کی شکل میں اس پانی میں پیش کر دیتا ہے لیکن ہم تیرے بارے میں سوچتے ہیں تو کون ہے؟ کہاں سے آیا ہے؟ اور دیکھ اس پیالے میں کوئی تحریک پیدا نہیں ہوئی۔ تیرے اندر کون سا طلسم ہے؟ جو ہمارے علم کو ساکت کر دیتا ہے۔ ہم تجھے اس میں تلاش نہیں کر پائے اور یہی احساس ہمارے ذہن میں ہے۔"

"میں خود تیرے حضور موجود ہوں ملکہ! میرے بارے میں جو سوال کرنا ہے مجھ سے کر۔ میں نہیں جانتا کہ تیرا علم میرے بارے میں خاموش کیوں ہے لیکن میری زبان تو تیرے لیے خاموش نہیں ہے۔"

سلمان کے الفاظ پر ملکہ پھر مسکرا دی۔ اس نے ایک گہری سانس لی اور ہاتھ پیچھے کر کے پہلے اپنے سر کا بندھن کھولا اور دم کے دم میں نقاب یا وہ پورا برقعہ نیچے آ گیا۔ بجلی سی چمک گئی تھی۔ پلکیں جھپک گئی تھیں۔ حسن و جمال کا ایسا پیکر جو تصور میں بھی کسی نے نہ دیکھا ہوگا۔ وہ اس زمین کی سب سے حسین تر مخلوق تھی۔ عورت کے حسن کا تصور جہاں تک انسانی ذہن کی کائنات میں پوشیدہ ہو سکتا ہے وہ سب مجسم تھا۔ عضو عضو نور کے سانچے میں ڈھلا ہوا حسن و جمال کے اس پیکر کا کوئی نقش ایسا نہ تھا جو اپنی جگہ بے مثال نہ ہو۔

سلمان مبہوت ہو گئے تھے اور میں جو عمر کی اس منزل میں پہنچ چکا تھا۔ جہاں اب پیکر نسوانیت مجھے شکست نہیں دے سکتے تھے۔ ساکت و جامد کھڑا اسے دیکھ رہا تھا۔ کچھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اس کے حسن و جمال کی تعریف کی جائے یا خاموشی اختیار کی جائے۔

سلمان بے خودی کے عالم میں دو قدم آگے بڑھے اور اس کے روبرو پہنچ گئے۔ حسین ملکہ کی آنکھوں میں مسکراہٹ تھی

"میں نے کہا تھا کہ تم لوگ میرے حسن و جمال کی تاب نہ لا سکو گے تاہم خود کو سنبھالو۔ یہ سب کچھ میں نے تمہاری فرمائش اور تمہاری خواہش پر کیا ہے جب کہ ایسا میں کسی کے سامنے نہیں کرتی میں جانتی ہوں کہ چشم انسانی میرے حسن و جمال کی تاب لانے سے قاصر ہے۔"

"اور تیرا یہ حسن ہزار ہا برس سے قائم ہے؟" سلمان نے سوال کیا۔

"ہاں۔ میں سورج کی بیٹی ہوں۔ سورج سے براہ راست زندگی حاصل کرتی ہوں۔ اور زندگی حاصل کرنے کا یہ نسخہ مجھے میرے علم نے دیا۔ تم لوگ خود کائنات پر غور کرو۔ چاند ستارے، ہوائیں، بادل، پانی، سورج یہ سب ترکیب ہو کر انسانی شکل و صورت اختیار کر گئے ہیں۔ حیات و ممات کا سلسلہ انہیں سے منسلک ہے۔ اگر ہم انسانی بدن کو روز اول سے ان تمام چیزوں کے حصول کا عادی بنالیں تو پھر انسانی جسم فنا نہیں ہوتا۔ ہر چند کہ یہ تصور دنیا کے تمام قوموں کے لیے باطل ہے۔ لیکن چونکہ اس کا تجربہ کبھی کوئی نہ کر سکا اور تجربے کے لیے عمر کا وہ پہلا دن چاہیے جب انسان نے اس دنیا میں قدم رکھا ہے مجھے کس طرح ان تمام چیزوں کا عادی بنایا گیا اور کس طرح میرے لیے کیا کچھ کیا گیا۔ یہ ایک طویل کہانی ہے اور اس کا تعلق تم لوگوں سے نہیں ہے۔ اور نہ ہی تمہیں اس سے کوئی دلچسپی ہوگی لیکن یہ سب ہوا اور میں یہ بن گئی۔ اور اب بھی جب مجھے کوئی کمی کوئی خامی اپنے بدن میں محسوس ہونے لگتی ہے تو ایک ماہ تک میں یہ علم دہراتی ہوں اور پھر ایک طویل زندگی میری ہمرکاب ہو جاتی ہے۔"

"اس دوران آپ کی زندگی گوناگوں واقعات سے دوچار ہوتی رہی ہوگی۔"

"نہ ہوتی تو شاید مجھے زندگی کی اس طوالت میں دلکشی محسوس ہوتی۔ بدلتے ہوئے حالات ہی تو انسان کی زندگی کو تحریک دیتے ہیں۔ اور یہ تحریک اسے زندگی عطا کرتی ہے۔ میں نے یہ سب کچھ نہیں دیا لیکن مجھے اس سے کوئی خطرہ نہیں ہے۔ میری زندگی اور موت میری اپنی تحویل میں ہیں۔ میں جب تک چاہوں زندہ رہ سکتی ہوں اور جب میں موت کو اپنانا چاہوں تو بھی میرے لیے مشکل نہ ہوگی۔ گویا یہ کہا جائے تو غلط نہ ہوگا کہ میں نے زندگی اور موت دونوں پر قابو پا لیا ہے۔" سلمان کے ہونٹوں پر استہزائیہ مسکراہٹ پھیل گئی۔

تاہم اب وہ اس کے سحر سے نکل گیا تھا اور اپنے اس مشن کے بارے میں سوچ رہا تھا جو اس کی زندگی کا سب سے اہم مشن تھا۔ اسی مشن کے لیے تو اس کے آباؤ اجداد اسے مجبور کرتے رہے تھے اور انہوں نے اس کی یہاں تک رہنمائی کی تھی۔ تب ملکہ نے کہا۔

"بہر طور معزز مہمانو! تمہاری آمد سے مجھے مسرت ہوئی۔ میں چاہتی ہوں کہ تمہیں اس وسیع کائنات کا ایک ایک حصہ دکھاؤں۔ میں بتاؤں کہ میں نے اپنی زندگی کو یہ طوالت دینے کے لیے کیا کیا ذرائع اختیار کیے ہیں۔ کیا تم یہ دیکھنا پسند نہ کرو گے؟"

"دل و جان سے۔ ہمیں تمہاری اس دنیا میں آ کر ایک عجیب سا احساس ہو رہا ہے۔ لگتا ہی نہیں کہ اس دنیا کا تعلق ہماری دنیا سے ہے۔" سلمان نے سنبھل کر کہا اور ملکہ مسکرانے لگی پھر بولی۔

"حسین نوجوان میں نے بھی اپنی زندگی میں بہت کم لوگوں کو چاہا ہے۔ میں نے خود کو خواہشات کی ان ناپاک رسیوں سے آزاد رکھا ہے جو انسانی بدن کو جکڑ دیتی ہیں اور پھر وہ انحطاط کا شکار ہو جاتا ہے لیکن ایسا نہیں کہ میرے دل میں آرزو ہی نہ پیدا ہوتی ہو۔ صدیاں پہلے میرے دل میں ـــ کوئی آ بیٹھا تھا لیکن اس کی کیفیت ایسی تھی کہ میں اسے اپنا نہیں سکتی تھی اور میں نے اس کے بدن کو فنا کر دیا۔ اس فنا کے بعد سے آج تک میں دکھوں کا شکار ہوں۔ وہ مجھے اکثر یاد آتا رہتا ہے۔ لیکن تمہیں دیکھنے کے بعد میرے دل کو ایک احساس ہوتا ہے۔ کہ شاید یہ کمی پوری ہو سکے۔" سلمان نے گردن جھکالی ملکہ چونک کر بولی۔

"اب میں تمہارے آرام کا انتظام کر دوں۔ میں تمہیں اپنی کائنات کی سیر کے لیے لے جاؤں گی سکون سے رہو اور یہ سمجھو کہ تم میرے عزیزوں کے درمیان ہو۔ میں نے تمہیں پسند کر لیا ہے۔ بس تمہاری تقدیر کی خوبی کے لیے اتنا ہی کافی ہے۔" وہ اپنی جگہ سے اٹھی۔ اس نے ایک تالی بجائی۔ تالی بجانے سے قبل اس نے وہ برقعہ اپنے بدن پر پہن لیا تھا۔ اور پھر چند خادمائیں حاضر ہو گئیں اور ملکہ نے انہیں چند ہدایات دیں اور انہوں نے گردن خم کر دی۔ تھوڑی دیر کے بعد ہمیں ایک خوبصورت اور پر سکون عیش گاہ میں منتقل کر دیا گیا۔ جہاں زندگی کی آسائشیں گوناگوں بھری ہوئی تھیں۔ ایک بہت ہی وسیع و عریض غار تھا جس کو دنیا کی حسین ترین چیزوں سے سجایا گیا تھا۔ الغرض

ہے جن کی طلب دنیا والے خواب کے عالم میں کرتے ہیں۔ اور انہیں پا نہیں سکتے۔

تمام ضروریات سے فارغ ہو کر میں اور سلمان سر جوڑ کر بیٹھ گئے۔ سلمان نے سرگوشی کے انداز میں کہا۔

"چچا جان! کیا دیکھا؟ کیا سوچا اور کیا محسوس کیا؟"

"کہانیوں کی باتیں سچ ثابت ہو رہی ہیں سلمان! اس سے قبل اپنی دنیا میں، اپنے وطن میں، اپنے بچپن میں اور پھر ہوش و حواس کے عالم میں بھی میں نے ایسی کہانیاں سنی تھیں اور انہیں اپنے بچوں کو بہلانے کا سامان سمجھ کر نظر انداز کر دیا تھا۔ ظاہر ہے بچے ہی ایسی پُر لطف کہانیوں سے لطف اندوز ہو سکتے ہیں۔ بڑی عمر ہونے کے بعد ان تمام چیزوں کا تصور ذہن سے نکل جاتا ہے۔ لیکن آج یہ محسوس ہوا کہ کسی چیز کو نظر انداز کرنا مناسب نہیں ہے۔ اور ہر چیز کا وجود ہوتا ہے۔ سو میں نے آج اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا۔"

"وہ تو ٹھیک ہے چچا جان! لیکن میں اب اپنے دشمن کے سامنے پہنچ چکا ہوں اور میرے سامنے کوئی لائحہ عمل نہیں ہے۔"

"میں تو خوف زدہ تھا تمہاری طرف سے سلمان!"

"کیوں چچا جان؟" سلمان نے پوچھا۔

"معاف کرنا سلمان! میرے ان الفاظ کو اپنی توہین نہ محسوس کرنا۔ جوانی کی عمر تمام جذباتی بندھنوں سے آزاد ہوتی ہے۔ ایک لغزش مجنوں کو ساری زندگی صحرا میں بھٹکا سکتی ہے۔ ایک نظر فرہاد کے لیے زندگی کا آخری پیغام لے آتی ہے۔ حسن ایسی ہی چیز ہے۔ ایسی ہی بے مثال شے ہے۔ یہ تو اور انسان کو بھٹکا دیتا ہے مجھے خوف تھا کہ تم کہیں اس ملکہ کی باتوں میں آ کر بھٹک نہ جاؤ۔"

"اس میں کوئی شک نہیں ہے چچا جان! کہ وہ حسن و جمال میں یکتا ہے اور اگر وہ یہ سب کچھ نہ ہوتی تو میں شاید اس کی آرزو میں زندگی کا آخری سانس صرف کر دیتا لیکن میں اس بات کو نہیں بھول سکتا کہ میرے آباؤ اجداد کی روحیں ایک محور پر میری منتظر ہیں۔ وہ میری کارروائیوں کا انتظار کر رہی ہیں۔ اور میں جن سے ہوں اور جو مجھ سے ہیں اور جنہوں نے میری تخلیق میں ہر طرح تعاون کیا۔ وہ میرے لیے زیادہ محترم ہیں یا میری اپنی خواہشات سے، میری خواہشات تو یہی کہتی ہیں کہ میں دنیا کی ہر شے بھول کر اس کے قدموں میں زندگی کے آخری سانس تک گزار دوں۔ لیکن میرا فرض کہتا ہے کہ وہ ان کی دشمن ہے جو میرے اپنے تھے اور جس کے ذریعے انہیں شدید اذیت و تکالیف کا سامنا کرنا پڑا۔ اور زندگی سے ہاتھ دھونا پڑا۔ سلمان کا انتقام لینا ہے۔ چنانچہ چچا جان! میں نے فیصلہ کیا کہ میں اس سے انتقام لوں گا۔ اب جب کہ تقدیر نے مجھے اس تک پہنچا ہی دیا ہے تو پھر کیا حرج ہے کہ ہم اس کو فنا کر کے یہاں سے چلیں۔"

"گویا تم اپنے ارادے میں مضبوط ہو؟"

"چند لمحوں سے زیادہ مجھے متزلزل کرنے کے لیے بس وہ چند لمحات کافی تھے۔ جب میں نے پہلی بار اس کی شکل دیکھی تھی۔ لیکن اب جب کہ میں ان لمحات سے گزر چکا ہوں اور اپنے فیصلے پر اٹل ہوں تو یوں سمجھ لیں کہ اب دنیا کی کوئی طاقت مجھے میرے اس فیصلے سے نہیں ہٹا سکتی۔"

"زندہ باد سلمان! زندہ باد۔ میں نے غلط فیصلہ نہیں کیا تھا۔ ہاں اگر تم اس کے حسن و جمال کا شکار ہو کر اپنا مشن بھول جاتے تو یقین کرو کہ مجھے یہاں تک آنے اور اپنی زندگی ضائع ہونے کا شدید رنج ہوتا۔" سلمان مسکرانے لگے پھر انہوں نے کہا۔

"سوال یہ ہے چچا جان! کہ اب ہمیں کیا کرنا چاہیے؟"

"وہ تم سے بہت متاثر ہو گئی ہے۔ وہ تمہیں اپنا سب کچھ بنانا چاہتی ہے۔ تم یہی راستہ دکھاتے رہو اور خود کو اس کے لیے موم کر لو اور پھر جس وقت وہ تمہیں یہاں سے کہ اپنے طلسم کدے میں لے جائے جہاں وہ زندگی پاتی ہے تو تم مجھے بھی اپنے ساتھ رکھنا۔ اس بات کی خواہش اس سے ظاہر کرنا کہ مجھے تمہارے ساتھ ہونا ضروری ہے۔ وہاں چل کر ہم وہ تمام چیزیں دیکھیں گے اور پھر انہی میں سے اپنے لیے کوئی صحیح راستہ منتخب کر لیں گے۔" میں نے کہا اور سلمان نے گردن ہلا دی۔

اس وقت کو آنے میں زیادہ دیر نہیں لگی تھی۔ ان غاروں میں ہماری خاطر و مدارات میں کوئی فروگذاشت نہ اٹھا رکھی گئی تھی۔ ہر طرح کی آسانیاں ہمیں فراہم کر دی گئی تھیں۔ اپسرا نے اس دوران ہم سے دو بار ملاقات کی تھی۔ ہم پر بہت مہربان تھی اور خاص طور پر سلمان پر۔ وہ جب بھی اس کی جانب دیکھتی، اس کی آنکھوں میں محبت کے آثار نمایاں

آ گئے تھے اور سلمان بھی اس کی محبت کا جواب محبت سے
دے رہے تھے۔ میں جانتا تھا کہ وہ ایسرا کے ساتھ ساتھ شفقت
برت رہے ہیں، لیکن بہرصورت یہ ضروری تھا کہ سلمان اسے اپنے
مقصد کے راستے میں جگہ دیتا۔ بالآخر ایک صبح ایسرا نے اعلان کیا
کہ آج وہ اپنی اس عیش گاہ کی جانب سفر کرنے والی ہے جہاں
سے وہ زندگی پاتی ہے۔ سلمان کو وہ اپنی اس عیش گاہ میں لے
جا کر بتانے کیا رکھنا چاہتی تھی۔ بہرطور اس کے لیے اس نے سلمان
سے خصوصی قسم کی گفتگو کی تھی جسے بتاتے ہوئے بعد میں سلمان
نے مجھ سے کہا۔

"چچا جان! یوں لگتا ہے کہ صورت حال ہمارے حق میں
بہتر ہوتی جا رہی ہے۔ ملکہ عالیہ مجھ پر بے حد مہربان ہیں اور شاید
مجھے بھی محبت بخشنا چاہتی ہیں تاکہ زندگی بھر کے لیے وہ مجھے اپنا
ساتھی بنا لیں۔"

"آہ! سلمان! یہ سب کچھ تو ہے لیکن تمہیں بڑی ہوشیاری
سے کام لینا ہوگا۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ ہم جس مقصد کے لیے آئے
تھے وہ پیچھے رہ جائے اور ایک دوسرا مرحلہ ہماری زندگی میں
شروع ہو جائے؟"

"نہیں چچا جان! میرا خیال ہے اس کا کوئی امکان نہیں
ہے۔ آپ میری ذات سے مطمئن رہیں۔ میں صرف اپنا مقصد پورا
کرنے کے لیے یہ سب کچھ کر رہا ہوں۔ ورنہ مجھے ہمیشہ یہ احساس
کھاتا رہتا ہے کہ یہ وہی عورت ہے جس سے مجھے انتقام لینا
ہے۔" سلمان بولا۔

"اور اس احساس کو اپنے ذہن پر تمام احساسات سے برتر
رکھنا۔ اسی میں ہماری نجات ہے۔" میں نے کہا۔

ایسرا چلنے کے لیے تیار ہو گئی تھی۔ اس کی دو خادماؤں
نے ہمیں اطلاع دی کہ اب ہم سب تیار ہیں چنانچہ ہم نے اس
سفر کا آغاز کر دیا۔ حسین ملکہ ہمارے ساتھ تھی۔ ہم ایک لمبی سرنگ
سے گزر کر آگے بڑھ گئے میں اور سلمان اس کے پیچھے پیچھے تھے۔
اور وہ حسن و جمال کا پیکر اسی لباس میں ملبوس ہمارے آگے آگے
چل رہی تھی۔ لیکن جن راستوں سے وہ گزر رہی تھی۔ وہاں سے
شاید کسی دوسرے کے گزرنے کا امکان نہیں تھا کیونکہ اس نے
اپنا چہرہ کھولا ہوا تھا۔

بہرحال یہ سفر کتنا لمبا تھا۔ ہم اس کے ساتھ ساتھ پہاڑ کی چڑھائی
چڑھ رہے تھے۔ میرا خیال تھا کہ اس نازک اندام حسینہ کو اس پہاڑ
پر چڑھنے میں خاصی دقت ہوگی لیکن مجھے تعجب ہوا کہ وہ ہم سب
سے آگے آگے نہایت آسانی کے ساتھ چڑھتی جا رہی تھی۔ یوں
لگتا تھا جیسے ہوائیں اس کی مدد کر رہی ہوں اور اسے اس کے
سفر میں نہایت آسانیاں فراہم کر رہی ہوں جب کہ اس خوفناک
پہاڑی کو دیکھ کر ہمیں بڑی وحشت ہو رہی تھی۔ تاہم سفر کے دوران
اس بات کا اندازہ ہوا کہ یہ اتنی دشوار گزار نہیں تھی۔ یہی صحیح جگہیں
تراشی ہوئی تھیں کہ ذرا سا بھی پھسلنے سے آدمی کی ہڈیاں تک
سے بھی نہ ملیں۔ کوئی پچاس ساٹھ فٹ کی بلندی پر پہنچنے کے بعد
ہمیں ایک ایسا درہ معلوم ہوا جو کافی تنگ تھا لیکن جیسے جیسے ہم آگے
بڑھتے جاتے تھے درہ کشادہ اور واضح ہوتا جاتا تھا۔ یہاں تک
کہ آگے پہنچ کر وہ بہت کم رہ گیا۔ پھر چٹان کا ایک گوشہ
ملا جس نے ہمیں بالکل ہی چھپا لیا۔ اس کے بعد راستہ ہموار تھا
اور ایک وسیع و عریض سرنگ پر ختم ہو جاتا تھا جو اس وحشت ناک
راستے کی طرح قدرتی تھی۔

میرے نزدیک کسی زمانے میں آتش فشاں نے یہاں کی
چٹان اڑا کر یہ سرنگ بنائی ہوگی۔ اس سرنگ کا بے ترتیب راستہ ہی
اس کے قدرتی ہونے کا شاہد تھا۔ دوسری طرف گہری تاریکی چھائی
ہوئی تھی لیکن ایسرا نے سارے انتظام کیے ہوئے تھے۔ اس نے
دو مشعلیں نکالیں جو اس غار کے پاس ہی کہیں موجود تھیں۔ اور
پھر چقماق سے انہیں روشن کر دیا۔ اس نے دو مشعلیں ہمارے
ہاتھوں میں تھما دیں۔ اور ایک خود لی۔ اور آگے آگے سرنگ
میں داخل ہو گئی۔ اندر راستہ بہت اونچا نیچا تھا۔ اس لیے ہمیں
بڑی احتیاط سے چلنا پڑا۔ اور شاید آدھے گھنٹے میں ہم نے بمشکل
چند فرلانگ کا فاصلہ طے کیا۔

تھوڑی دیر کے لیے ٹھہرے۔ اسی وقت ہوا کے ایک
تیز جھونکے نے ہمارے ہاتھوں میں تھمی ہوئی مشعلوں کو گل کر دیا۔
تاریکی ایسی خوفناک تھی کہ ہوش اڑے جا رہے تھے۔ اسی وقت
ایسرا کی آواز سنائی دی۔ وہ چونکہ آگے نکل گئی تھی۔ اس لیے
ہمیں اپنے پاس بلا رہی تھی۔ ہم ٹٹولتے ہوئے اس تک پہنچ گئے۔
اس نے چقماق سے آگ جھاڑی اور مشعل تمام مشعلیں پھر روشن ہو
گئیں۔ دو چار ہی قدم آگے بڑھے ہوں گے کہ ہمیں ایک اور خوفناک
چیز نظر آئی۔ معلوم ہوتا تھا کہ آتش فشاں لاوے نے اپنے زور
میں ایک اور کھڈا اس طرح سے بنا یا تھا کہ ایک طرف پہاڑ میں بنانے
کس طرح ایک چٹان الگ کر رہ گئی تھی اور اس کے اطراف خالی تھے۔
اطراف کی گہرائیاں اس قدر تھیں کہ جہاں تک وہاں تک پہنچ سکتی تھی۔ ہم
اندازہ نہیں لگا سکے کہ اس کھڈ کا اختتام نجانے کہاں اور کس طرح
ہوتا ہے؟

میں شدت خوف سے لرز کر رہ گیا تھا۔ یہ معلق چٹان اگر

یہاں ذرا بھی تر آگے جانے کا راستہ منقطع تھا۔ لیکن اس چٹان کے
بارے میں کچھ نہیں کہا جا سکتا تھا کہ اس کی مضبوطی کہاں تک ہے۔
ممکن ہے ہمارے وزن سے وہ نیچے چلی جاتی۔ اسی وقت ایسرا
کی آواز سنائی دی۔

"ایک ایک قدم احتیاط سے آنا۔ ہوا بہت تیز ہے۔ ایسا نہ
ہو کہ ہوا کا تیز جھونکا تم میں سے کسی کو لے جائے۔ ذرا سا بھی
ادھر ادھر ہوا تو تم گہرائیوں میں جا پڑو گے۔ ان گہرائیوں کی کوئی
تھاہ نہیں ہے۔ آؤ! آؤ راستہ یہی ہے۔" کون سا سامان اور سیدھا تھا۔
اس کے ان الفاظ نے یہ اثر کیا کہ ڈر کے مارے بدن پر
تھرتھری طاری ہو گئی۔ میں نے تو دونوں ہاتھ پیروں سے چلنا
شروع کر دیا تھا۔

البتہ سلمان وزن سنبھال کر چل رہا تھا اور وہ شعلہ جو ہم
سے آگے تھی۔ ہوا کا کوئی جھونکا آتے دیکھتی تو ذرا سا جھک
جاتی۔ ورنہ بے خوف و خطر سینہ تانے اڑی چلی جا رہی تھی۔
ہم اس کی گرد تک بھی نہیں پہنچ سکتے تھے۔ اس لیے مجبوراً اس
کو تھوڑے تھوڑے فاصلے پر رک کر ہمارا انتظار کرنا پڑتا تھا۔
ہم تھوڑی ہی دور آگے بڑھے ہوں گے کہ ایک جھونکا آیا۔
میں تو وہیں زمین پر لیٹ گیا۔ اور سلمان بھی۔ البتہ ایسرا اکڑوں ہو کر
اور بہت ہی احتیاط کے ساتھ اپنے آپ کو ہوا کے جھونکے سے
بچا لیا۔ بہرطور خدا خدا کر کے اس خوفناک چٹان کا خاتمہ ہوا اور
ایک نئی مصیبت سامنے آ گئی۔ چٹان کے سرے پر ایک خوفناک غار
منہ پھاڑے کھڑا تھا۔ جہاں تک میرا قیاس کام کرتا تھا اس غار
کی گہرائی کا کوئی اندازہ ہی نہ تھا۔ اندھیرے میں کچھ معلوم نہ ہو
سکا کہ غار کتنا لمبا چوڑا ہے اور اس کے اطراف میں کیا ہے؟ بغور
دیکھنے سے کسی چیز کا وجود تو معلوم ہوتا تھا مگر نہ معلوم کیا تھا۔
بہرحال ایسرا نے مشعل ایک سوراخ میں نصب کر دی اور مسکراتے
ہوئے ہماری طرف دیکھنے لگی۔

"اب ذرا سا یہاں سستا لو۔ تھوڑی دیر بعد روشنی ہو جائے
گی۔" ہم لوگوں کی سمجھ میں نہیں آیا کہ اس بحر ظلمات میں روشنی
کہاں سے آئے گی؟ میں ابھی یہی سوچ رہا تھا کہ دفعتاً تیز
دھوپ نے اس جگہ کو روشن کر دیا۔ ہماری آنکھیں حیرت سے
پھیل گئیں۔ دھوپ کہاں سے آ گئی؟

بہرحال یہی فیصلہ کیا جا سکتا تھا کہ ممکن ہے اس پہاڑ میں کوئی
شگاف ہو اور سورج کی روشنی یہاں داخل ہونے کا کوئی انتظام
ہو۔ ورنہ وہ اس اعتماد سے روشن ہونے کے بارے میں نہ بتاتی۔
ہمارے سامنے تقریباً تین ساڑھے تین گز چوڑا غار تھا جسے عبور
کرنے کا کوئی حل نہیں تھا۔ اس کی گہرائیاں بھی نامعلوم تھیں۔ ہم
نے ایک دوسرے کی شکل دیکھی۔

اسی وقت ایسرا نے ایک تختے کی طرف اشارہ کر کے کہا۔
"یہ تختہ پل کا کام دے گا۔" اور پھر وہ آگے بڑھ گئی۔
"یہ تختہ!" میرے حلق سے گھٹی گھٹی آواز ابھری اور سلمان
کے حلق سے قہقہہ نکل گیا۔

سلمان کے قہقہے کی آواز سن کر ایسرا چلتے چلتے رک گئی۔ اس
نے پلٹ کر دیکھا اور مسکرا کر بولی۔

"تمہارے لوگ میری بہتر پر پسند ہوتے ہیں۔ ہر خوفناک ترین
حالات میں بھی قہقہے لگا سکتے ہیں۔ شاید تم خوف زدہ ہو۔" اس
بار اس کا مخاطب مجھ سے تھا۔

میں نے اس سوال کا اسے کوئی جواب نہیں دیا۔ بس میں
سوچ رہا تھا کہ اس تھوڑے سے گڑھے کو عبور کرنا کتنا مشکل
کام ہے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہ زندگی کا آخری سفر ثابت
ہو۔ اس احساس کے ساتھ ہی دل میں ایک اور جذبہ ابھرا۔ زندگی
کا آخری سفر تو کہیں بھی ہو سکتا ہے۔ ان غاروں میں، کسی عالیشان
بنگلے کے عالی شان بیڈ روم میں یا پھر کہیں بھی۔ اس سے کیا فرق
پڑتا ہے۔

بہرصورت ایسرا نے اپنے ہاتھ سے وہ تختہ درست کیا اور
اور اس پر چڑھ کر اپنے وزن کو تولنے لگی۔ پھر بولی۔
"معلوم ہوتا ہے کسی چیز نے اپنی جگہ چھوڑ دی ہے۔ پہلے
جب میں یہاں آئی تھی تو یہ صورت نہیں تھی۔ مجھے خطرہ ہے کہ کہیں
یہ چٹان ہمارے بوجھ سے نیچے نہ گر پڑے۔ پہلے مجھے چلا جانے
دو۔ میں اندازہ لگا لوں گی۔"

ہم نے کوئی تعرض نہ کیا اور وہ تختے پر چڑھ کر دوسری طرف
بڑھ گئی۔

تاریکی کافی تھی۔ روشنی معدوم ہو چکی تھی جس نے تھوڑی
دیر کے لیے اس غار کو روشن کیا تھا۔

ایسرا کے بعد سلیمان اس تختے پر چڑھ گیا اور میں نے آنکھیں
بند کر لیں۔

میرا وزن کافی زیادہ تھا۔ بھاری بھرکم بدن سے مجھے بہت
نفرت تھی۔ خاص طور سے اس وقت جب یہ موقع آ گیا تھا۔ یہ
بھاری بدن مجھے بہت ہی گراں گزر رہا تھا۔ بالآخر میں نے
بھی تختے پر چڑھنا شروع کیا اور میری جان نکلنے لگی۔
تختہ جھک سا رہا تھا
اور بلاشبہ میرا بوجھ اس کے لیے ذرا مشکل تھا۔ دفعتاً میں نے

لڑھکا دیا۔

پتھر ہولناک گڑگڑاہٹ کے ساتھ نیچے جا رہا تھا لیکن اپسرا کی رفتار اس کے گرنے کی رفتار سے زیادہ تیز تھی۔ وہ ان پتھروں پر بھی اسی طرح دوڑی جا رہی تھی جیسے سطح زمین پر۔

"آیئے چچا جان! میں اسے چھوڑوں گا نہیں۔" سلمان نے کہا اور میرا ہاتھ پکڑ کر نیچے اترنے لگا۔

"رکو تو سلمان! ذرا رک تو جاؤ۔ ہم نیچے کے بارے میں کچھ نہیں کہہ سکتے۔ نجانے کیسی جگہ ہو۔"

"آیئے چچا جان! یہ میری زندگی کا اہم ترین مشن ہے اگر اس کے بچنے کے امکانات ہوئے تو پھر ہماری یہ کوشش اور محنت سب رائیگاں جائے گی۔" سلمان نے کہا۔ چار و ناچار میں بھی اس کے ساتھ دوڑنے لگا۔

عجیب و غریب گہرائیاں تھیں جن کا کوئی اختتام نہیں تھا۔ نجانے ہم کہاں سے کہاں جا رہے تھے۔ لیکن سلمان کی ضد کے سامنے میں مجبور ہو گیا تھا۔ اور بے اختیار اس کے ساتھ دوڑنے لگا تھا۔ اب نیچے کا منظر نظر نہیں آ رہا تھا۔ اپسرا کا پُراسرار ہیولا لمحہ بہ لمحہ دور ہی جا رہا تھا۔ وہ انسان تھی کہ قیامت، اس طرح سے دوڑ رہی تھی کہ تصور بھی نہیں کیا جا سکتا تھا لیکن یہ بات مجھے میرے دل میں تھی کہ وہ جادوگرنی ہے۔ بے شمار طلسمی قوتوں کی مالک ہرچند کہ اب اس کا طلسم کدہ تباہ ہو گیا تھا لیکن بہرصورت وہ اب بھی اپنے اندر بے پناہ قوتیں رکھتی تھی۔ ہم دوڑتے رہے۔ اپسرا کا ہیولا اب آنکھوں سے اوجھل ہو گیا تھا۔ لیکن ہمیں حیرت تھی کہ اب ہم سطح زمین پر دوڑ رہے تھے۔ ڈھلان ختم ہو چکے تھے۔ اوپر دیکھنے پر یقین نہ آتا کہ ہم یہ خوفناک ڈھلان طے کر چکے ہیں۔ اپسرا کہیں نظر نہیں آ رہی تھی۔ البتہ وہ جگہ جانی پہچانی محسوس ہو رہی تھی۔ پھر میں نے حیرت سے سلمان کو دیکھا کیونکہ وہ درخت جس کے کھوکھلے تنے میں ماکازونگا، ہیزل اور رازی تھے ہمارے سامنے ہی تھا۔

ابھی ہم یہی سوچ رہے تھے کہ درخت کے کھوکھلے تنے سے ماکازونگا باہر آ گیا۔ اس کے پیچھے ہیزل اور پروفیسر رازی بھی تھے۔ وہ اس طرح باہر آئے جیسے انہیں ہماری آمد کی اطلاع مل گئی ہو۔

"آؤ عظیم آقا۔ عزیز دوست آؤ۔ دل چاہتا ہے کہ تمہاری آمد کی خوشی میں رقص کروں۔ آؤ میرے فاتح اعظم تم نے صدیوں کے بعد وہ طلسم توڑ دیا ہے جس نے اندھا کر کے مجبور کر رکھا تھا۔" پروفیسر رازی نے آگے بڑھ کر میرا بازو تھام لیا تھا۔ ہم خاموشی سے ان لوگوں کے ساتھ غار میں داخل ہو گئے۔ یہاں ہمارے لیے کھانے کا بندوبست کیا گیا تھا۔ ہمیں پیالوں میں ایک گرم سیال پیش کیا گیا۔

"اسے پی لو میرے آقا اور آقا کے دوست۔ تمہارے بدن سے ساری تھکن نچڑ جائے گی۔ تم سکون کی گہری نیند سو جاؤ گے اور جب جاگو گے تو تمہارے ذہن سے وہ بوجھ کم ہو چکا ہو گا جو اس وقت طاری ہے۔" ماکازونگا نے کہا اور ہم نے وہ پیالے لے لیے۔ خشک میوے کھائے اور پیالوں میں موجود گرم سیال کے چھوٹے چھوٹے گھونٹ لیتے ہوئے پوچھا۔

"یوں لگتا ہے جیسے تم لوگ ہماری آمد کے منتظر تھے۔ جیسے تمہیں یقین تھا کہ بس ہم لوگ جلد ہی لمحات میں پہنچنے والے ہوں؟"

"یہ درست ہے۔" پروفیسر رازی نے میرے سوال کا جواب دیتے ہوئے کہا۔

"لیکن کیسے؟"

"یہ پراسرار شخص جس کا نام ماکازونگا ہے، بڑی عجیب قوتوں کا مالک ہے۔ میں تمہیں تھوڑی سی تفصیل بتانا چاہتا ہوں۔" پروفیسر رازی نے کہا۔ ماکازونگا بیٹھا مسکرا رہا تھا۔

"کیسی تفصیل؟" میں نے سوال کیا۔

"سنو! اس بات کا صحیح صحیح جواب دو کہ جو کچھ میں کہہ رہا ہوں وہ درست ہے۔"

"کیا؟" میں نے پوچھا۔

"تمہارے جانے کے بعد اس شخص نے زائچہ بنایا اور کچھ لکیریں کاڑھ کر اس نے ان کے درمیان دیکھتے ہوئے مسلسل ہمیں تمام حالات سے آگاہ رکھا۔ اس نے بتایا کہ اب تم دونوں فلاں علاقے پہنچ چکے ہو۔ تم ایسے علاقے سے گزر رہے ہو۔ پھر اس نے بتایا کہ اب تمہیں اپسرا کے ہرکاروں نے اپنی تحویل میں لے لیا ہے۔ پھر اس نے بتایا کہ اب تمہیں اپسرا کے حضور پیش کیا گیا ہے۔ اس کے بعد یہ کہنے لگا کہ اپسرا سلمان کی جانب راغب ہے۔ اس کی حسین صورت کا شکار ہو گئی ہے۔ پہلے تو وہ اس کے بارے میں تذبذب کا شکار رہی۔ چونکہ اس انگوٹھی کی وجہ سے اس کی اصلیت نیت سے طلسمی غلافوں میں جا چکی ہے۔ وہ نہیں معلوم کر سکی کہ یہ کون ہے لیکن سلمان کی گفتگو نے اس کی موہنی صورت نے اسے مسحور کر لیا اور وہ اس کے بارے میں محبت بھرے انداز میں سوچنے لگی۔ اس نے سوچا کہ اب اسے زندگی کا ساتھی بنائے گی۔ اور ابدیت

دے کر اسے اپنے ساتھ رکھے گی۔ پھر اس کے بعد اس نے طویل سفر کیا۔ غاروں اور سرنگوں کا یہ سفر بہت دشوار گزار تھا۔ تم لوگوں کو ایسی ایسی سرنگوں سے گزرنا پڑا۔" پروفیسر رازی نے سرنگوں کے بارے میں تفصیل بتلاتے ہوئے کہا۔

"پھر اس نے بتایا کہ اب اپسرا تمہیں لے کر طلسم کدے میں داخل ہو گئی ہے۔ اس نے کہا کہ طلسم کدے میں تمہارا راز کھل گیا ہے اور اب اپسرا کے دل میں انتقام کی آگ بھڑک اٹھی ہے اور وہ تمہیں بھسم کر دینا چاہتی ہے۔ پھر اس نے حالات سے خوفزدہ ہوتے ہوئے کہا۔ کہ تم اس وقت نہایت خوفناک حالات کا شکار ہو اور ایسے راستوں سے گزر رہے ہو جو تمہاری جان بھی لے سکتے ہیں۔ پھر اس نے اپنے طور پر ان راستوں میں کچھ ترمیم بھی کی ہے۔ کیا یہ ممکن ہے کہ ایک جگہ بیٹھے بیٹھے زمین پر ایک چھوٹے سے ٹکڑے پر حالات کو بدلا جا سکے؟ بہرطور اس نے مجھے بتایا کہ تم سرنگوں کے اس طویل راستے کے بجائے ایک ایسی جگہ آ نکلے ہو جہاں سے اگر تم تھوڑی سی ہمت کرو تو اس درخت کے تنے تک پہنچ سکتے ہو۔ یہ راستہ اس نے بدلا تھا۔ سرنگیں اڑانے کے بعد جو کارروائی ہوئی تھی وہ یہ تھی۔ اور اس کے بعد اس نے کہا کہ تم اس کے پیدا کردہ راستوں پر چل پڑے ہو اور تھوڑی دیر کے بعد اپنی منزل تک پہنچنے والے ہو۔ وہ تمہارے آنے کا بھی تعین کرتا رہا پھر اس نے ہم سب کو دعوت دی کہ باہر آئیں اور تمہارے آنے کا منظر دیکھیں۔ بتاؤ بابر داد خان! کیا یہ سچ ہے؟"

میں حیران نگاہوں سے ماکازونگا کو دیکھ رہا تھا۔ سلمان کے چہرے پر بھی حیرت کے نقوش نمایاں تھے۔ میں نے گردن ہلاتے ہوئے کہا۔

"ہاں، یہ سچ ہے۔" سلمان کے منہ سے کوئی لفظ نہ نکل سکا تھا۔

"اوہ! اس کا مقصد ہے کہ یہ عالم شخص بلاشبہ بڑی بڑی پراسرار قوتوں کا مالک ہے۔ لیکن اپسرا، اپسرا کہاں گئی؟"

"اس کا جواب میں ہی دوں گا معزز آقا۔ وہ زندہ ہے۔ لیکن اس کا صدیوں کا طلسم خانہ ٹوٹ چکا ہے۔ وہ اب اس طلسم خانے میں جا کر ابدیت حاصل نہیں کر سکتی۔ اسے

———— گہری ہوا اور تیز دھوپ درکار ہے۔ ورنہ اس کا بدن جھلستا چلا جائے گا۔ اور بالآخر ایک دن وہ راکھ کا ڈھیر بن کر رہ جائے گی۔ وہ سفر کر رہی ہے۔ بے اختیار وہ سفر کر رہی ہے۔ اس کی کوئی منزل نہیں ہے۔ بس وہ ان علاقوں سے دور نکل جانا چاہتی ہے۔ قبیلوں کی تقدیر بدل گئی ہے۔ وہ لڑ رہے ہیں اور لڑتے رہیں گے۔ یہاں تک کہ ان میں کسی کو فتح ہو گی اور کسی کو شکست ہو گی۔ اور اس کے بعد جب وہ اپسرا کو تلاش کریں گے تو وہ انہیں نہیں ملے گی اور بالآخر وہ پرسکون ہو جائیں گے۔ کم از کم اپسرا کا جادو اب ختم ہو گیا ہے۔ ان علاقوں سے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے۔ لیکن ہمارا مشن ابھی پورا نہیں ہوا آقا! ہمارا مشن پورا نہیں ہوا۔ وہ جب تک زندہ ہے ہمارے سینوں پر ناسور بنی رہے گی۔"

"تم درست کہتے ہو۔" سلمان نے کہا۔ "ہم اسے تلاش کریں گے۔ جب تک ہم اس کی موت کا منظر اپنی آنکھوں سے نہ دیکھ لیں ہمارے لیے واپسی حرام ہے۔"

"واپسی کی بات نہ کریں آقا۔ ہمیں تو اس کا تعاقب کرنا ہے۔ دیکھنا یہ ہے کہ اب وہ کس سمت کا رخ کرتی ہے۔"

"مگر کیا۔ کیا اس کی جادوئی قوتیں بالکل ختم ہو چکی ہیں؟" میں نے پوچھا۔

"نہیں آقا! اس کے اندر تو ابھی بہت کچھ ہے۔ وہ نجانے کیا کیا کچھ اپنے سینے میں چھپائے ہوئے ہے۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو ماکازونگا اسے ختم کر چکا ہوتا لیکن وہ شیطان کی دیوی ہے۔ شیطان سے براہ راست تعلق رکھتی ہے۔ تم لوگ ایک گہری نیند لے لو تو اس کے بعد ہم اس کا تعاقب کریں گے۔"

"مگر کس سمت، کہاں؟" سلمان نے کہا۔

"اس کا فیصلہ آپ مجھ پر چھوڑ دیں آقا!" اس نے کہا۔ اور سلمان خاموش ہو گیا۔

پیالوں کا سیال اثر دکھا رہا تھا۔ تھوڑی دیر کے بعد ہم گہری نیند سو گئے پھر جب جاگے تو رات ہو چکی تھی۔ رات گزاری اور اس کے بعد دوسری صبح ماکازونگا نے کچھ سامان باندھا اور ہمارے ساتھ چل پڑا۔ ہم اس کی رہنمائی میں آگے بڑھ رہے تھے۔ اس نے اپنا وہ مخصوص لباس اتار دیا تھا۔ گو وہ اب بھی کھال کے لباس میں تھا۔ لیکن پہلے سے کسی قدر مہذب نظر آ رہا تھا۔

وہ ان پہاڑوں تک پہنچ چکا تھا جن سے گزر کر ہم یہاں آئے تھے۔ وہاں سے اس نے زمین کو سونگھنا شروع کر دی۔ وہ کتے کی طرح جھک جھک کر زمین کو سونگھ رہا تھا۔ اور آگے بڑھ رہا تھا۔ تقریباً ایک میل جانے کے بعد وہ رکا اور اس نے سمت کا تعین کرتے ہوئے کہا۔

"آقا! وہ ان درختوں کی سیدھ میں گئی ہے۔ کتنا سفر

کلب میں مختلف تفریحات کا آغاز ہو گیا۔ موسیقی کی آوازیں سمندر کی پُرسکوت فضاؤں میں پھیلنے لگیں۔ یہ آوازیں بڑی دلکش محسوس ہو رہی تھیں۔

عرشے پر ہر جگہ اندھیرا پھیلا ہوا تھا اور یہ نیم تاریک ماحول بے حد دلکش معلوم ہو رہا تھا۔ آسمان بھی ابر آلود تھا۔ موسم بھی ایسا تھا کہ آسمان پر ٹولیاں بادل چھائے رہتے تھے لیکن یہ موسم خطرناک موسم نہیں کہا جا سکتا تھا۔ میں سلیمان کے ساتھ خاموش کھڑا ہوا تھا۔ پروفیسر رازی اپریل سے باتیں کر رہا تھا۔ مالا زونگا اپنے کیبن ہی میں تھا یا پھر کہیں اور تھا سلیمان نے گہری سانس لے کر کہا۔

"آپ بہت فکرمند ہیں چچا جان؟"

"میری نہ پوچھو سلیمان۔ اس وقت میں عجیب و غریب احساسات کا شکار ہوں۔"

"کیوں کوئی خاص وجہ؟"

"ہاں۔"

"کیا؟" سلیمان نے سوال کیا۔

"زندگی کے ایک طویل عرصے کے بعد میں اب اپنے وطن واپس لوٹ رہا ہوں۔ میں نے وطن جن حالات میں چھوڑا تھا ان کا تھوڑا بہت علم تمہیں ہے جو کچھ میں تمہیں بتا چکا ہوں اب میرے ذہن میں بے شمار احساسات ہیں۔ پتہ نہیں ان سب کا کیا ہوا۔ پتہ نہیں میرے اہل خاندان زندہ ہیں یا مر گئے۔ بہت سی یادیں وابستہ تھیں ان سے میرے دل میں انہی یادوں کا طوفان سر اٹھائے ہوئے ہے۔"

"تو اس سے کیا فرق پڑتا ہے چچا جان آپ ان لوگوں کو تلاش کر لیں۔ آپ کو اپنے علاقے تو یاد ہوں گے۔" سلیمان نے کہا۔

"ہاں یاد ہیں۔ لیکن میرے بچے میں تو تمہارے لئے وقف ہو چکا ہوں۔ میں نے ان لوگوں کو تو یکسر فراموش کر دیا تھا۔ میرے سپرد جو ذمہ داری کی گئی تھی میں اسے نظرانداز نہیں کر سکتا۔ اس ذمہ داری کو میں نے اپنی زندگی کا اہم مقصد بنا لیا تھا۔"

"اس کے باوجود چچا جان ہر انسان کی اپنی کچھ ضروریات ہوتی ہیں۔ ہر انسان کے دل میں ایک طلب ہوتی ہے۔ میں آپ سے خلوص دل سے درخواست کرتا ہوں کہ آپ اس سلسلے میں کوئی نہ کوئی کارروائی ضرور کریں۔ اپنے لوگوں سے ملیں بلکہ مجھے بھی ملائیں۔ آپ کو خوشی سکون حاصل ہو گا۔"

"ہاں۔ یقیناً ایسا کروں گا سلیمان۔ لیکن اس وقت جبکہ تمہارا مقصد حیات تمہیں حاصل ہو چکا ہو گا۔"

"خدا کرے میں بھی اس کوشش میں کامیاب ہو جاؤں۔" سلیمان نے گہری سانس لے کر کہا پھر بولا۔

"لیکن چچا جان حالات کچھ زیادہ اُلجھے ہوئے نہیں ہیں۔ میرا مقصد ہے کہ ہم مالا زونگا پر ضرورت سے زیادہ بھروسہ کر رہے ہیں ہر چند کہ یہ شخص ابھی تک ہمارے حق میں بہت بہتر ثابت ہوا ہے بلکہ اگر یہ کہا جائے تو غلط نہیں ہو گا کہ اس کی وجہ سے ہم بہت سی آفات سے بچ گئے ہیں لیکن کیا یہ کبھی دھوکہ نہیں کھا سکتا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ ہم اس کی وجہ سے اپنے مشن میں ناکام ہو جائیں۔"

"لیکن اس کے علاوہ اور کوئی چارۂ کار بھی تو نہیں ہے سلیمان اگر صورتحال یہ نہ ہوتی اور ہم ابھی پہاڑوں میں اس کی جگہ سے مقابل رہتے اور وہیں کوئی فیصلہ ہو جاتا کامیابی یا ناکامی کا تو میرے خیال میں یہ کہیں زیادہ بہتر ہے لیکن اب صورتحال اُلجھ گئی ہے اور ہمیں بالکل غیر متوقع حالات میں یہ سفر کرنا پڑا ہے۔ اس سلسلے میں مالا زونگا پر ہی بھروسہ کیا جا سکتا ہے اور کیا کیا جائے؟"

"تعجب کی بات ہے۔ وہ یہاں موجود ہے اور ہم اسے تلاش نہیں کر سکتے۔"

"مالا زونگا اسے تلاش کر رہا ہے۔ وہ ذہین اور شاطر آدمی ہے تم اندازہ لگا چکے ہو۔ لیکن اس کے باوجود ہم بھی اپنی کوششیں اس سلسلے میں جاری رکھیں گے۔" سلیمان نے میری اس بات سے اتفاق کیا تھا۔

بہر صورت رات کو ہم اپنے اپنے کیبن واپس آ گئے۔ دوسرا دن پرسکون گزرا۔ کوئی خاص بات نہیں ہوئی تھی جہاز پر سفر بہت اچھا لگ رہا تھا۔ ہم دلچسپی سے اپنے اپنے کاموں میں مصروف تھے سلیمان اپنے طور پر جہاز کی تفریحات میں مشغول ہو گیا تھا اور کسی حد تک پرسکون نظر آتا تھا۔

شام کے تقریباً ساڑھے سات بجے تھے۔ ماحول پر بادلوں کی دھندلاہٹ تھی۔ میں عرشے سے گزر کر نیچے آیا۔ اسی وقت میری نگاہ ایک بوڑھی عورت پر پڑی۔ دُبلی پتلی سی بوڑھی عورت ہندوستانی معلوم ہوتی تھی۔ سفید ساڑی میں ملبوس اور ایک رنگ دار کپڑے کا اوور پہنے ہوئے وہ ہاتھ میں چھڑی سنبھالے آہستہ آہستہ آگے بڑھ رہی تھی۔

دفعتاً اسے ٹھوکر لگی اور وہ لڑکھڑا کر گر پڑی۔ چھڑی اس کے ہاتھ سے چھوٹ کر دور جا گری تھی۔ انسانی ہمدردی کے تحت میں تیزی سے اس کی طرف لپکا اور میں نے سہارا دے کر اٹھایا۔ بڑھیا آہستہ آہستہ کراہ رہی تھی پھر اس نے کہا۔

"مائی سن۔ میری چھڑی۔ میری چھڑی پلیز۔ یہیں کہیں پڑی ہو گی۔"

"ہاں۔ یہ ہے۔ لیکن آپ۔ آپ کیا اپنی آنکھوں سے دیکھ نہیں سکتیں؟"

"سوری سن۔ مجھے افسوس ہے کہ تمہیں میری وجہ سے تکلیف ہوئی۔"

"نہیں میڈم۔ ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ میں آپ کی کیا مدد کر سکتا ہوں؟"

"بس یونہی طبیعت ذرا سی گھبرا رہی تھی کیبن سے باہر نکل آئی۔ میرا کیبن وہ سامنے والا نمبر ہے تم دیکھ رہے ہو شاید۔ میں اندازے سے اس سمت آ گئی تھی مگر۔ مجھے نہیں آنا چاہئے تھا۔"

"کوئی بات نہیں ہے۔ اگر آپ سیر کرنا چاہتی ہیں تو آئیے میں آپ کو یہاں کی سیر کراؤں۔"

"نہیں نہیں۔ میں اسی ارادے سے نکلی تھی لیکن بہت بہت شکریہ۔ گرنے سے میرے گھٹنے میں چوٹ آ گئی ہے مجھے واپس میرے کیبن میں پہنچا دو۔"

"جیسی آپ کی مرضی۔" میں نے کہا اور بوڑھی کا ہاتھ پکڑ کر اس کے اشارے کی طرف چل پڑا۔

"کیا نمبر ہے آپ کے کیبن کا؟" میں نے پوچھا۔

"نمبر چھ۔ کیا وہ تمہیں نظر آ رہا ہے؟"

"ہاں۔ یقیناً۔ آئیے۔" اس نے کہا اور تھوڑی دیر کے بعد میں کیبن نمبر چھ کے سامنے پہنچ گیا۔ میں نے اس کا دروازہ کھولا اور اندر داخل ہو گیا۔ کیبن میں مختصر سا سامان رکھا ہوا تھا۔ ایک ڈبل بیڈ تھا اس کے علاوہ ضرورت کی دوسری چیزیں موجود تھیں میں نے اسے بیڈ پر بٹھا دیا۔

"اگر کہو تو میں تمہارے گھٹنوں کی تکلیف دیکھوں؟"

"نہیں۔ تھینک یو ویری مچ۔ تم بہت نیک انسان معلوم ہوتے ہو۔ بیٹھ جاؤ۔ تھوڑی دیر بیٹھو میرے پاس۔ باتیں کروں گی دل گھبرا رہا تھا۔ میں نے کہا نا اسی لئے میں باہر نکل گئی تھی۔"

"آپ اس کیبن میں تنہا ہیں؟"

"ہاں۔ میں اس کیبن میں ہی نہیں اس دنیا میں بھی تنہا ہوں۔" بوڑھی نے سانس لے کر کہا۔

"اوہ مجھے بہت افسوس ہوا۔ آپ کا کوئی بیٹا وغیرہ نہیں ہے کیا؟"

"تھے۔ کئی بیٹے تھے لیکن بس تقدیر کو منظور نہ تھا سب لوگ سب لوگ۔" بوڑھی کی آواز لرز گئی۔

"سوری۔ ویری سوری مجھے انتہائی افسوس ہے۔ آپ کہاں جا رہی ہیں؟"

"انڈیا۔ دراصل انڈیا میں میرے کچھ رشتہ دار اب بھی موجود ہیں۔ لندن میں کافی عمر گزاری تنگ آ گئی دل چاہا کہ ان سے ملوں چنانچہ میں نے ان سے خط و کتابت کی۔ اس دور میں کوئی کسی پر اتنی زیادہ توجہ نہیں دیتا۔ پھر خاص طور سے بوڑھے لوگوں پر۔ میں نے خود ہی ان کے پاس جانا مناسب سمجھا اور سمندری سفر میں نے اختیار کیا کہ ذرا طبیعت بہل جائے گی حالانکہ میرے جاننے والوں نے مجھے مشورہ دیا کہ میں ہوائی سفر کروں لیکن بہر طور جو تقدیر میں ہوتا ہے وہی ہوتا ہے ممکن ہے کہ میرے عزیز مجھے زندگی کے آخری سانسوں میں کچھ سکون کے لمحات دے دیں ورنہ میری زندگی تو تنہا ہے۔"

"مجھے بہت افسوس ہے۔ انڈیا میں آپ کس جگہ جائیں گی؟"

"دہلی۔ وہ لوگ وہیں رہتے ہیں۔" بوڑھی نے جواب دیا۔

"ٹھیک ہے۔ ہمارا آپ کا سفر ایک مخصوص جگہ تک تو رہے گا۔ اس کے بعد میں کوشش کروں گا کہ آپ کو دہلی کے سفر کے لئے روانہ کر دوں۔"

"تمہارا بہت بہت شکریہ بیٹے۔ فرشتوں کی طرح انسانوں کو مل جایا کرتے ہیں ورنہ میں پریشان ہو رہی تھی کہ اس طویل سفر میں تنہا کس طرح رہ سکوں گی۔ میں نے جہاز کے کپتان سے درخواست کی تھی کہ میری مدد کریں اور اس سلسلے میں مجھے بے سہارا نہ چھوڑیں۔" بوڑھی عورت نے کہا۔ میں اس سے بہت متاثر ہو گیا تھا۔ پھر میں نے اس سے پوچھا۔

"آپ کا نام کیا ہے مادام؟"

"تم مجھے سرلا ناگر کہہ سکتے ہو۔" بوڑھی نے جواب دیا۔

"شکریہ بیگم سرلا ناگر۔ میں آپ سے اکثر ملاقات کرتا رہوں گا۔" میں نے کہا اور بوڑھی کے ہونٹوں پر پُرخلوص مسکراہٹ پھیل گئی اس کی اندھی آنکھیں مجھے دیکھ رہی تھیں۔ نہ جانے کیوں مجھے ایک عجیب سا احساس ہوا۔ میں کچھ عجیب سی کیفیت محسوس کر رہا تھا لیکن صرف ایک لمحے کے لئے ایسا ہوا اس کے بعد مجھے کوئی احساس نہ رہا۔

"اچھا اب میں چلتا ہوں۔" میں نے کہا اور بوڑھی سے اجازت لے کر میں اس کیبن سے باہر نکل آیا۔

کوئی قابل ذکر واقعہ نہیں تھا۔ بھلا میں کسی سے اس کا کیا ذکر کرتا رات ہو گئی۔

دوسرے دن ہم جہاز کے عرشے پر ٹہلتے ہوئے تھے کہ میں نے ایک ہندوستانی جوڑے کو دیکھا۔ پتہ نہیں کیوں مجھے ان لوگوں سے دلچسپی پیدا ہوئی۔ جوان عمر جوڑا تھا انہوں نے بھی شاید مجھے غور کیا تھا اور مجھے یوں ہی ہم وطن محسوس کر لیا تھا۔ چنانچہ وہ مرد میرے نزدیک پہنچ گیا اس نے میرے قریب آ کر مجھے سلام کیا اور بولا۔

"معاف کیجئے گا اگر آپ ہندو ہیں تو پھر اس سلام کے الفاظ واپس لیجئے اور اگر مسلمان ہیں تو شکریہ تسلیم کریں۔"

زیادہ غور نہیں کیا۔ اگر وہ مجھے مل گئی تو کوشش کروں گا کہ مالا زونگا کو اس کے بارے میں بتا دوں ورنہ کوئی اہم ذمہ داری تو ہے نہیں مجھ پر تھا۔ وقت گزرتا رہا۔ سمندر کا سفر جاری تھا۔

شام کو بھی بوڑھی مجھے نہ ملی اور دوسرا دن بھی اسی طرح گزر گیا۔ مالا زونگا شاید وہم کی نگاہوں سے ہر بار جب میں اس کے سامنے سے گزرتا مجھے دیکھنے لگتا۔ پھر جب شام بھی ہو گئی تو اس نے میرے قریب پہنچ کر کہا۔

"مجھے بڑی مایوسی ہو رہی ہے آقا کیا اب وہ ہمیں نہیں ملے گی؟"

"تمہارا کیا خیال ہے مالا زونگا۔ کیا اب بھی وہ اسی جہاز پر موجود ہے؟"

"یہاں سے کہاں جائے گی آقا۔ ظاہر ہے یہیں موجود ہوگی۔ اس کے لیے ابھی سمندر پار کرنا ممکن نہیں ہے۔ ہاں اگر وہ پانی میں اتر جائے تو اس کا جادو ماند پڑ جائے گا اور پھر بڑی مشکلات سے گزرنا پڑے گا اسے۔ سمندر ہر قسم کا جادو توڑ دیتا ہے۔" مالا زونگا نے بتایا اور پھر گہری سانس لے کر خاموش ہو گیا پھر میں نے کچھ سوچ کر کہا۔

"تو پھر ایسا کیوں نہ کیا جائے مالا زونگا کہ ہم جہاز کے تمام کیبنوں کا جائزہ لیں۔ ایک ایک شخص کو تلاش کریں۔ ممکن ہے وہ کسی شکل میں ہمیں مل جائے۔"

"یہ کیسے ممکن ہے۔ ہم ہر کیبن میں تو نہیں جھانک سکتے آقا۔" مالا زونگا نے مایوسی سے کہا پھر بولا۔

"تم ایک کام کرو۔ تم نے کہا تھا کہ اس کیبن کے مکین تمہارے دوست ہیں کیا تم مجھے اس کیبن میں لے جا سکتے ہو؟"

"ہاں میرا خیال ہے اس میں مجھے کوئی دقت نہیں ہوگی۔" میں نے جواب دیا۔

"تو پھر ایسا ہی کرو مجھے اس کیبن میں لے چلو۔ میں اس کیبن کا بھی جائزہ لینا چاہتا ہوں۔ وہاں سے ممکن ہے مجھے کچھ معلومات حاصل ہو سکیں۔"

"تمہارا دل چاہے تو ابھی چلو۔" میں نے کہا اور مالا زونگا بھی تیار ہو گیا۔ احمد سلیم اور رشیدہ سے میری اتنی بے تکلفی ہو چکی تھی کہ میں کسی بھی وقت ان کے کیبن میں جا سکتا تھا۔ جب ہم کیبن کے پاس پہنچے تو دروازہ کھلا ہوا تھا۔ میں نے آہستہ سے دستک دی۔ اندر سے کوئی جواب نہیں ملا تھا۔ دوبارہ دستک دی تو کسی نے کہا "آ جاؤ"۔ آواز احمد سلیم کی سی محسوس ہوئی تھی۔ میں اندر داخل ہو گیا۔ کیبن میں بالکل تاریکی پھیلی ہوئی تھی۔

"ارے کیا کر رہے ہو تم لوگ؟" میں نے متعجبانہ انداز میں کہا

لیکن کوئی جواب نہ ملا۔ میں نے متحیر ہو کر روشنی جلا دی اور دوسرے لمحے میرے رونگٹے کھڑے ہو گئے۔ سامنے ہی بوڑھی بیٹھی ہوئی تھی۔ وہی بوڑھی جس نے اپنا نام سوزانا بتایا تھا۔ احمد سلیم اور رشیدہ کیبن میں موجود نہیں تھے۔ بوڑھی کے سامنے ایک سفید کاغذ کا بہت بڑا گولا رکھا ہوا تھا اور اس کے عقب میں وہ بیٹھی کسی چڑیل کی مانند نظر آ رہی تھی۔ اس کی آنکھیں جو پہلے اندر تھیں اب بالکل گول گول سرخ اور چمکدار نظر آ رہی تھیں۔ ہونٹ مڑے ہوئے تھے ناک کی چونچ نیچے کو جھک آئی تھی۔ وہی چہرہ تھا۔ لیکن تھوڑی سی تبدیلیوں کے ساتھ وہ مجھے دیکھ کر شیطانی انداز میں ہنس پڑی تھی۔

"آ گئے تم۔ آ گئے۔ بڑا اچھا کیا تم نے۔ مالا زونگا دروازہ بند کر دو۔ تم سے بہت سے حساب کتاب چکانے ہیں۔" مالا زونگا خونی نظروں سے اسے دیکھ رہا تھا۔

اس نے دونوں ہاتھ پھیلائے اور اپنے عقب میں دروازہ بند کر دیا۔ بوڑھی نے پھر ایک قہقہہ لگایا تھا۔

"کیا سمجھتے ہو تم۔ تم کیا سمجھتے ہو۔ کیا میرا جادو ہمیشہ کے لیے ختم ہو گیا۔ کیا میری عمر ختم ہو گئی۔ کیا تم مجھ پر قابو پا لو گے۔ نہیں مالا زونگا یہ تمہاری خام خیالی ہے۔ ابھی تو بغیر کسی وقت کے میں ہزاروں برس جی سکتی ہوں لیکن تم لوگ اب زندہ نہیں رہ سکو گے۔ میں نے ایسا انتظام کیا ہے مالا زونگا کہ اب تمہاری ساری قوتیں خاک میں مل جائیں۔ کیا سمجھے۔ دیکھو۔ یہ دیکھو۔ وہ دیکھو۔" اس نے سامنے رکھے ہوئے سفید گولے پر دونوں ہاتھ رکھ دیے اور اسے دبانے لگی۔ پھر ایک زوردار آواز کے ساتھ کاغذ کا یہ گولا ٹوٹ گیا اور کیبن میں سفید سفید دھواں بھر گیا۔ اس کے ساتھ ہی ہم دونوں کو اتنا زوردار جھٹکا لگا کہ ہم فرش پر لڑھک گئے۔

"آقا۔" مالا زونگا نے گھبرائی ہوئی آواز میں کہا۔ کیبن میں پھر تاریکی چھا گئی تھی لیکن اب کچھ عجیب سا احساس ہو رہا تھا۔ یوں لگتا تھا جیسے کیبن میں اب ہم دونوں کے علاوہ اور کوئی نہ ہو۔ میں بمشکل تمام دیوار کا سہارا لے کر کھڑا ہوا اور میں نے ایک بار پھر سوئچ دبا کر روشنی کر دی۔ میرا اندازہ درست تھا کیبن بالکل خالی تھا۔ وہ مسہری اور دوسرا سامان جو کونوں میں پڑا ہوا تھا وہاں پر ایسا ہی تھا اور نہ ہی وہ کاغذ کا ٹوٹا ہوا گولا۔ ایک ذرہ بھی نظر نہیں آ رہا تھا۔ دروازہ اندر سے بند تھا۔ دفعتاً دروازے پر دستک سنائی دی۔

"کون ہے اندر۔ کون ہے۔ دروازہ کھولو۔" یہ احمد سلیم کی آواز تھی۔ میری حالت غیر ہو گئی۔ جو صورتحال اچانک پیش آ گئی تھی

اس کے بارے میں مجھے اچھی طرح اندازہ تھا۔ احمد سلیم میرا ہم وطن اور اس کی بیوی مجھے اور مالا زونگا کو یہاں دیکھ کر کیا سوچیں گے۔ یقیناً کیا سوچیں گے وہ۔ میں نے دل میں سوچا۔ شرمندگی کے بارے میں سوچ کر میرا رواں رواں کانپ رہا تھا۔ یہ تو بالکل ٹھیک تھا لیکن میری پوزیشن کتنی خراب ہو گئی تھی۔ دفعتاً جہاز کو ایک اور جھٹکا لگا اور باہر بہت سی چیزوں کے ٹوٹنے پھوٹنے کی آوازیں سنائی دینے لگیں اس کے ساتھ ہی احمد سلیم اور رشیدہ کی چیخ ابھری تھی۔ میں نے یہ موقع غنیمت جانا اور پھرتی سے دروازہ کھولا۔ باہر افراتفری مچ گئی تھی۔ پتہ نہیں جہاز کو کیا حادثہ پیش آیا تھا۔

بہرطور میں اس افراتفری سے فائدہ اٹھا کر کیبن سے باہر نکل آیا۔ ایک بار پھر جھٹکا لگا اور میں اور مالا زونگا لڑھکتے ہوئے دور تک چلے گئے۔

اس طرح لڑھکنے سے میرے بدن کے کافی حصوں میں چوٹیں آئی تھیں لیکن جہاز پر جو شور قیامت بلند ہو گیا تھا اس نے مجھے ان چوٹوں کی پرواہ نہیں کرنے دی۔ مالا زونگا نہ جانے کس طرف چلا گیا تھا۔ میں اسے تلاش کرنے میں ناکام رہا اور یہ وقت تلاش کا تھا بھی نہیں۔ ایک ٹرنک میں آنکھیں پھاڑے پھاڑے چاروں طرف دیکھتا رہا۔ یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے عالم خواب میں ہوں لیکن یہ خواب نہیں حقیقت تھی جہاز کے لاؤڈ اسپیکر سے کوئی چیخ رہا تھا۔

"جلدی کرو۔ سمندر میں کود جاؤ۔ لائف بوٹ بائیں جانب ہے۔ جہاز غرق ہو رہا ہے۔" یہ ہولناک آوازیں میرے کانوں سے ٹکرا رہی تھیں۔ اس کے بعد پانی کی ایک تیز لہر آئی اور مجھے اپنی لپیٹ میں لے لیا۔

میں اب سمندر کے یخ بستہ پانی میں ڈبکیاں کھا رہا تھا اور بہت سے ڈوبتے ہوئے لوگ میری نگاہوں کے سامنے تھے بہت سے جہاز کی بلندی سے سمندر میں چھلانگیں لگا رہے تھے مجھے نہیں معلوم کہ میں کس طرح جہاز کے ایک تختے پر پہنچ گیا۔ اس تختے پر ایک اور آدمی پہلے سے سوار تھا۔ ہم دونوں اس تختے پر تیرتے ہوئے دور تک چلے گئے اور ہمارے دیکھتے ہی دیکھتے جہاز میں آگ بھڑک اٹھی جس نے چشم زدن میں سارے جہاز کو اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ خدا کی پناہ ایسا بھیانک منظر میں نے اپنی زندگی میں پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا۔ آگ کے شعلے آسمان کو چھو لینا چاہتے تھے اور ہر لمحہ دھماکوں کی آوازیں کانوں کے پردے پھاڑتی ہوئی نکل جاتی تھیں۔ جہاز آہستہ آہستہ پانی کے اندر غائب ہوتا جا رہا تھا اور بہت سے لوگ جو اب بھی اس پر موجود تھے فرار کی کوئی راہ نہ پا کر سمندر میں

چھلانگیں لگا رہے تھے اور بہت سے غرق ہو رہے تھے۔

اسی لمحے میں نے ایک لائف بوٹ دیکھی جو جہاز سے صرف پچاس ساٹھ گز کے فاصلے پر ہچکولے کھا رہی تھی جو لوگ تیر پا رہے تھے وہ جی جان سے ہاتھ پاؤں مار کر اس کشتی تک پہنچنے کی کوشش کر رہے تھے۔

ہوش و حواس کے قائم رہنے کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا تھا۔ ذہن میں اس کے علاوہ اور کوئی احساس نہیں تھا کہ زندگی بچانے کی کوشش کی جائے اس لمحے میں نے انسان کی بے وقعتی کو محسوس کیا۔ بہت سے مشن تھے میری زندگی میں میرے ذہن میں لیکن اس وقت میں بھول گیا تھا پروفیسر رازی اور ان کی یاد نہیں رہے تھے۔ مالا زونگا کا کوئی خیال دل میں نہیں تھا اور سب سے بڑی چیز جو کر سلمان، ہاں سلمان جسے میں نے اپنی اولاد کی طرح پالا تھا اور جس کے مشن کی تکمیل کے لیے میں نے اپنی زندگی وقف کر دی تھی اس وقت وہ بھی مجھے یاد نہیں آیا تھا۔

بس سمندر میں چاروں طرف ہولناک آوازیں گونج رہی تھیں اور میرا ذہن ان آوازوں میں الجھا ہوا تھا۔ ہمارا یہ تختہ جس پر ہم یعنی میں اور ایک نامعلوم شخص سوار تھے دوسری سمت کو جا رہا تھا اور یہ بات نہایت ہی خطرناک تھی نہ معلوم کب تک یہاں تختے سے چپکے ہوئے سمندر کی بپھری ہوئی لہروں میں بھٹکتے رہتے۔ میرا ساتھی شاید تیرنا جانتا تھا ہم دونوں نے تختے سے چھلانگیں لگائیں اور لائف بوٹ کی جانب بڑھنے لگے۔ کشتی میں کھڑے ہوئے چند لوگوں نے بمشکل تمام کھینچ کھانچ کر ہمیں اوپر چڑھا لیا۔

چڑھنے کو تو ہم کشتی میں چڑھ گئے لیکن یہ کشتی اس تختے سے بھی زیادہ غیر محفوظ تھی۔ ہر لمحہ یہ احساس ہوتا تھا جیسے اب یہ ڈوب ہی جانے والی ہے۔ تیس فٹ لمبی اور آٹھ فٹ چوڑی اس لائف بوٹ میں بے شمار آدمی بھرے ہوئے تھے جن کے بوجھ سے کشتی پانی کے اندر کناروں تک ڈوب گئی تھی۔

صبح تک یہ کشتی پانی کے رحم و کرم پر اسی طرح ایک انجانی منزل کی طرف بڑھتی رہی اور جب سورج نے اس دلچسپ منظر کو دیکھنے کے لیے سمندر کے مشرقی کنارے سے سر ابھارا۔

تو کشتی میں سوار تمام مصیبت زدہ افراد نے ایک دوسرے کا جائزہ لیا۔ ان لوگوں کی تعداد کا اندازہ لگانا مشکل نہ تھا جبکہ کشتی چند مسافروں کے لیے بنائی گئی تھی۔

خوب اندازہ لگایا جا سکتا تھا کہ لوگ اس میں کس طرح سمائے ہوں گے۔ اکثر لوگ ایک دوسرے پر لدے ہوئے تھے۔ بعض پشت سے پشت ملائے ہوئے تھے۔ کسی کو بیٹھنے کے لیے جگہ نہ تھی۔ میں نے

خشک ہونٹوں پر زبان پھیرتے ہوئے کشتی پر نگاہ ڈالی اور میرا دل لرزنے لگا۔ یہ خانماں برباد لوگ کتنے دن اس کشتی پر رہ سکتے ہیں۔ حد نگاہ طویل و عریض بے کراں سمندر اور چھوٹی سی کشتی جو خدا کے رحم پر تھی کسی بھی لمحے سمندر برہم ہو سکتی تھی۔ بڑی ناپائیدار حیثیت رکھتی تھی۔

میری پیاسی نگاہوں نے ان سب لوگوں کے چہروں کو بغور دیکھا اب دل میں ان تمام لوگوں کا احساس رہ جاتا تھا۔ سمندر کی زندگی بیزار اور ماکا زندگا۔

لیکن کشتی کے تمام آدمیوں کی شکل دیکھنے کے باوجود ان میں سے ایک چہرہ بھی نظر نہیں آیا اور میرا دل لرز کر رہ گیا۔ پتہ نہیں کہ اور بھی کشتیاں اس طرح سمندر میں آخری ہیں یا نہیں جہاز کو سنبھلنے کا موقع ہی انہیں ملا تھا تمام لوگ سکون کی نیند سو رہے تھے کہ یہ افتاد آ پڑی تھی۔ بد ورامی اور افتاد کی وجہ گر ان میں سے کوئی کسی جان سے گیا اس کی وجہ چند مسافر تھے جن میں سے میں بھی شامل ہوں تو یقیناً یہ لوگ میری تکا بوٹی بھی کر دیں گے۔ بہر حال بحری تھا کہ سب کمبخت البسرا کی جادوئی قوتوں کا نتیجہ تھا۔ بحر اعظم میں لا کر وہ بھیانک حالات دیکھ چکا تھا جب البسرا اپنی شیطانی قوتوں کے ساتھ عمل پیرا تھی اور اس کے بعد وہ مالا رنگا کی کوششوں سے ناکام ہو گئی تھی۔ بزدل ناکام عورت نے ہماری وجہ سے صرف ہماری وجہ سے ہزاروں زندگیوں سے کھیلنے کا فیصلہ کر لیا تھا اور اس وقت یہ ستم رسیدہ لوگ ہماری ہی آپس کی چپقلش کا شکار تھے لیکن ان میں سے کسی کو معلوم نہیں تھا اس وقت ان سب کے دلوں میں ہمدردی تھی۔ میں تنہا رہ گیا تھا اپنے ساتھیوں سے بچھڑ کر ہوا تھا۔

پتہ نہیں وہ اب تک زندہ بھی ہیں یا مچھلیوں کے پیٹ میں پہنچ چکے ہیں۔ میرے حلق سے ایک سسکی سی آہ نکل گئی۔ اس وقت میں نے جہاز کے عملے کے دو افراد کو دیکھا ان میں سے ایک شاید سیکنڈ آفیسر تھا اور دوسرا ملاح۔ لمبے چوڑے بدن کے مالک تھے یہ لوگ۔ سیکنڈ آفیسر ایک ساڑھے چھ فٹ لمبا نوجوان تھا اس کے گالوں پر چھوٹی چھوٹی داڑھی تھی عمر زیادہ نہیں تھی۔ وردی میں وہ اب بھی بہت ہی خوبصورت نظر آ رہا تھا اور عام لوگوں کی نسبت اس کے چہرے پر خوف کے آثار نہیں تھے اسی طرح ملاح بھی ایک کرخت چہرے والا اور چھوٹی چھوٹی آنکھوں والا شخص تھا جس کا بدن کسی پہلوان کے بدن کی طرح کسرتی تھا اور وہ ملاحوں کی وردی میں ملبوس تھا۔ یہ دونوں افراد کشتی کے کونے پر جا کھڑے ہوئے اور پھر سیکنڈ آفیسر نے مسافروں کا جائزہ لے کر زور سے پکار کر سب کو اپنی طرف متوجہ کر لیا۔ پھر اس نے باوقار اور بلند آواز میں کہا۔

"وہ تمام لوگ جو اس لائف بوٹ میں پناہ لے چکے ہیں میرے احکامات غور سے سنیں۔ میری ذمہ داری یہ ہے کہ میں اس کشتی میں کوئی گڑبڑ نہ ہونے دوں اور میں آپ سے بھی درخواست کروں گا کہ جب تک ہمیں کسی طرف سے مدد نہیں ملتی آپ لوگ ایک دوسرے سے تعاون کریں اور حتی الامکان کسی کو تکلیف نہ ہونے دیں یہ وقت بھائی چارہ کا ہے۔ ہمارے پاس پانی اور خوراک کی بہت تھوڑی سی مقدار موجود ہے ہم اسے صحیح طریقے سے استعمال کریں گے تا ہم پروگرام کرے۔ میں آپ لوگوں کی حفاظت اور تحفظ کی یہ ذمہ داری سنبھال رہا ہوں اور آپ سے درخواست کرتا ہوں کہ آپ مجھ سے مکمل تعاون کریں۔ خشک دودھ اور پانی کا ایک چمچہ اور ایک چمچہ شام کو تقسیم ہوا کرے گا۔ اور بس اس کے علاوہ ہمارے پاس گوشت کے چند ڈبے بھی موجود ہیں۔ ہر ڈبہ میں بارہ اونس گوشت موجود ہے حساب کے مطابق ہر ڈبہ بارہ آدمیوں میں تقسیم کیا جائے گا۔" تمام لوگ خاموشی سے پھٹی پھٹی آنکھوں سے اس کے الفاظ سن رہے تھے جہاز کے حادثہ اور اپنے دوستوں اور بال بچوں سے بچھڑ جانے پر سب غموں سے چور چور تھے۔

بہر حال فاقہ کشی اور تشنہ لبی کا ایک مہیب دور شروع ہو چکا تھا کشتی میں سوار افراد میں سے بیشتر زخمی بھی تھے کسی کے گہرے زخم تھا تو کسی کے سینے پر۔ چند لوگوں کے بازوؤں اور چہروں پر بھی خراشوں کے نشان تھے مگر ان کے لئے کہیں آرام کرنے کی جگہ نہ تھی سورج کی حدت سے محفوظ رہنے کا کوئی ذریعہ نہیں تھا پینے کو نہ پانی تھا اور نہ کھانے کو خوراک ان سب پر جانکنی کی سی کیفیت طاری تھی۔ بہت سوں کے آنسو بہہ رہے تھے۔

دوپہر کے وقت جب ہماری کشتی سمندر کی بپھری ہوئی لہروں کے تھپیڑے کھاتی کسی نامعلوم منزل کی طرف بڑھ رہی تھی۔ ایک اور آدمی ہمیں سمندر کی لہروں پر تیرتا ہوا نظر آیا۔ وہ بدبخت شخص نجانے کب سے کشتی کا تعاقب کر رہا تھا۔ بہر طور اسے کشتی پر گھسیٹ لیا گیا۔ اس نے کشتی پر پناہ لینے کے بعد اپنی کہانی سنائی۔

خوش قسمتی سے ہمارے ہاتھ ایک لمبا تختہ لگ گیا میں نے اس پر پناہ لی۔ میرے قریب ہی ایک عورت سمندر میں ڈبکیاں لے رہی تھی۔ میں نے بمشکل تمام اسے نکالا اور تختے پر سوار کر لیا جہاز جب ڈوبا ہے تو عورت کی ایک ٹانگ بھی اس حادثہ میں ضائع ہو گئی تھی۔ وہ اس وقت صحیح خیالی دو گھنٹے تک وہ میرے ساتھ اس تختہ پر رہی اور اسی بے ہوشی کے عالم میں اس کی حرکت قلب بند ہو گئی۔ میرے ارد گرد سمندر میں بے شمار عورتیں مرد اور بچے بکھرے

کمار ہے تھے۔ بہت سی لاشیں تیر رہی تھیں اور خود میرا بھی ذہنی
توازن بگڑنے لگا تھا۔ رات بھر میں مُردوں کی طرح [illegible]
مجھے یہ معلوم نہ تھا کہ ایک ملاح نے رات چند آدمیوں کو ہلاک کر دیا تھا۔
صبح کو جب میرے حواس کچھ بحال ہوئے تو میں نے
سوچا اس کشتی کا پیچھا کرنا چاہیے جو ابھی زیادہ دور نہیں گئی
ہوگی۔ "آنے والوں کی پشت پر بندھے ہوئے تھیلے میں بسکٹوں
کے چند ڈبے اور شراب کی دو بوتلیں تھیں۔ لیکن سیکنڈ آفیسر
نے شراب کی بوتلوں کو دیکھتے ہی اسے پانی میں پھینک
دیا۔ یہ چیز انتہائی قلیل مقدار میں کشتی پر ہنگامہ برپا کر سکتی ہے
سٹرا بیری وہ لے کے سمندر میں پھینک دیجئے۔" اس شخص نے
پہلے تو سیکنڈ آفیسر کو حیرت سے دیکھا پھر جہاز کے عملے کی وردی
اس کے بدن پر دیکھ کر جھنجلائے ہوئے انداز میں گردن ہلائی اور دونوں
بوتلیں اس کے حوالے کر دیں جنہیں سیکنڈ آفیسر نے سمندر میں
اچھال دیا۔

دو دن اور دو راتیں کشتی پر گزر گئیں کہیں سے کوئی مدد نہ آئی۔
ہمارے ارد گرد حد نظر تک سمندر ہی سمندر پھیلا ہوا تھا۔
جس میں ایک معمولی سی کشتی ہچکولے کھاتی چلی جا رہی تھی۔ دن بھر کی بھوک
پیاس اور گرمی کی شدت نے ہر شخص کو بدحواس اور بے چین
کر دیا تھا۔ زخمیوں کی حالت تو بڑی بگڑ چکی تھی۔ صاف معلوم ہوتا
تھا کہ وہ کوئی دم کے مہمان ہیں۔ ادھر کشتی کا یہ حال تھا کہ بار بار
ڈولنے لگتی ناقابل برداشت بوجھ کی وجہ سے اس کے ڈوب جانے کا خطرہ
ہو رہا تھا۔ اس صورت میں شاید کوئی بھی زندہ نہ بچتا۔

دوسرے دن ... علی الصبح جب خشک دودھ اور پانی
تقسیم ہونے لگا تو بہت سے لوگوں میں اتنی ہمت بھی نہ تھی کہ
اپنی خوراک لے سکتے۔ دفعتاً شور ہوا کہ کسی نے جان دے دی
ہے۔ یہ ایک ادھیڑ عمر کا [illegible] آدمی تھا۔
اس کی لاش [illegible] ہو گئی تھی۔ دوسری رات کسی وقت مر گیا تھا۔
سیکنڈ آفیسر کے حکم سے اس کی لاش سمندر کے حوالے کر دی گئی۔
دوپہر کو کشتی کے ساتھ [illegible] معلوم ہوا کہ [illegible]
[illegible] تختے [illegible] اچھلتے [illegible] ہیں۔ دفعتاً
آفیسر نے خلاصی کو حکم دیا۔
"ان تختوں کو حاصل کرنے کی کوشش کرو [illegible] اگر انہیں پکڑ
کر کشتی کے ساتھ باندھ لیا جائے تو بہت سے آدمیوں کے لیے جگہ نکل
سکتی ہے [illegible]
[illegible] تختوں کو نکال لانے کی کوشش کیجئے [illegible] بہت کام آ
سکتے ہیں۔"

سیکنڈ آفیسر نے خود اپنا بھی لباس اتارا اور صرف انڈرویئر
میں سمندر میں چھلانگ لگا دی۔ خلاصی بھی اس کے ساتھ تھا۔ ان
کی دیکھا دیکھی چند اور آدمی جن کے اعصاب ابھی مضبوط تھے ذرا
تیرتے ہوئے گئے اور تختوں کو کھینچ کر کشتی کے قریب لے آئے پھر
انتہائی جدوجہد اور استقلال سے ان تختوں کو کپڑے کی دھجیوں اور
رسیوں سے ایک دوسرے سے جوڑ دیا گیا اور کشتی کے پیچھے باندھ دیا
گیا اور پھر ایک ایک کر کے بیس آدمی اس تختے پر اتار دیے گئے۔
ان آدمیوں میں خلاصی بھی شامل تھا۔ اسی طرح کشتی کے اندر ذرا سی
جگہ نکل آئی اور وہ لوگ جو دو دن اور دو راتوں سے مسلسل ایک ہی
جگہ بیٹھے تھے اپنی اپنی جگہ ایک دوسرے سے لگ کر بیٹھ گئے لیکن
سب ہی ایک دوسرے سے بیزار تھے کوئی کسی سے بات کرنے
کے موڈ میں دکھائی نہیں دیتا تھا۔ ایک ایک انچ جگہ پر جھگڑا ہونے
لگا تھا۔ تیسرا دن بھی اسی طرح گزر گیا۔ آدھی رات کو جب کشتی کے
لوگ سب بے خبر پڑے سو رہے تھے ایک بے پناہ شور نے اٹھا دیا۔
معلوم ہوا کہ کشتی کے پیچھے بندھے ہوئے تختے جن رسیوں اور
کپڑوں کی دھجیوں سے بندھے ہوئے تھے وہ ٹوٹ گئی تھیں اور
ان پر سوار بیس آدمیوں کو سمندر کی لہریں بہائے جا رہی تھیں۔ بدقسمتی
سے ان میں کوئی بھی تیرنا نہیں جانتا تھا۔ سوائے خلاصی کے اور نہ
ان کی مدد کے لیے کشتی سے کوئی پہنچ پایا۔ یہ بیچارے سب کے سب
چیختے چلاتے غرق ہو گئے۔

لیکن خلاصی ابھی انتہائی جدوجہد اور طاقت ور بدن کے
ساتھ کشتی تک پہنچ سکا تھا۔ اسے اوپر کھینچ لیا گیا۔ صبح چند افراد
کی لاشیں کشتی سے کافی دور تیرتی ہوئی پائی گئی تھیں۔ لیکن کشتی
میں سوار کسی بھی آدمی کو ان کی موت کا صدمہ نہیں تھا۔ بلکہ میں نے
چند لوگوں کے چہروں پر اطمینان اور مسرت کی کرنیں رقص کرتی دیکھی
تھیں۔ ان بیس آدمیوں کے [illegible] ختم ہو جانے کا کوئی صدمہ
نہیں تھا۔ اس کے برعکس وہ خوش ہو رہے تھے کہ [illegible] والے
[illegible] کی خوراک بھی انہیں مل سکے گی۔

دن بھر لوگ یونہی تپ تپ کر [illegible] بے حال ہو گئے تھے۔
پیاس کی شدت کے باعث منہ خشک ہو کر [illegible] ہو گئے اور زبانیں اکڑ
کر رہ گئی تھیں۔ [illegible] بھوک اور مسلسل فاقہ کشی نے ہماری کمر
توڑ دی تھی تاہم ابھی اتنی قوت باقی تھی کہ ہم ایک دوسرے کی مدد کر
سکتے یا ادھر ادھر حرکت کر سکتے تھے۔

سیکنڈ آفیسر کے احکامات تھے کہ سمندر کا پانی کسی قیمت پر بھی
منہ کو نہ لگایا جائے لیکن یہ حکم رات کی تاریکی میں کھو جاتا اور لوگ سمندر کا
نمکین اور تلخ پانی پی لیتے تھے۔ دن کے وقت کوئی سمندر کا پانی نہ

پیتا تھا۔ آخر نتیجہ یہی نکلا کہ جو لوگ سمندر کا پانی پیتے رہے وہ یکے بعد
دیگرے ایڑیاں رگڑ رگڑ کر مر گئے اور مچھلیوں کی خوراک بننے کے لیے
سمندر میں پھینک دیے گئے۔ بہت سے لوگوں کا ذہنی توازن بگڑ
گیا تھا اور ان کے دماغ جواب دے گئے تھے۔ یہ دیوانے پن کا شکار
تھے۔ بے کاری کی حالت میں وہ عجیب و غریب خواب دیکھ کر ایک
دوسرے سے اپنے اپنے خواب بیان کرنے لگتے تھے۔

سیکنڈ آفیسر خود بھی بری کیفیت کا شکار ہو گیا تھا۔ پھر اسی
دوپہر کے وقت ایک آدمی سمندر کی طرف جھکا اور چلو میں پانی بھر کر
پینے لگا۔

"آہا۔ بڑا میٹھا اور تازہ پانی ہے۔" اس کے ساتھ ہی اس
نے سمندر میں چھلانگ لگا دی تھی اور چند ہی سیکنڈ میں لہریں اسے
اپنے ساتھ بہا لے گئیں۔ کوئی کسی کے لیے ہمدردی کا احساس نہیں رکھتا
تھا۔ ہر شخص دوسرے کے خون کا پیاسا نظر آ رہا تھا اور ہر شخص کی
یہی کوشش ہوتی کہ دوسرے کے حصے کا پانی اور خوراک چھین کر
ہضم کر جائے۔

جو طاقت ور تھے وہ کمزوروں کو دبانے اور ستانے لگے تھے۔ ابتدا
میں تو انہوں نے سیکنڈ آفیسر کا حکم مانا تھا لیکن حالات جوں جوں
خراب ہوتے گئے لوگوں نے لوٹ مار شروع کر دی۔

ایک رات ایسا ہوا کہ دو شخص آپس میں گتھم گتھا ہو رہے تھے
پھر ان میں سے ایک چیخا اور دوسرے لمحے سمندر میں کسی شے
کے پھینکے جانے کی آواز سنائی دی۔

دوسرے روز پتہ چلا کہ ہم میں سے ایک آدمی کم ہے۔ نامعلوم اسے کس
نے ہلاک کر کے سمندر میں پھینک دیا تھا۔ پھر تو ایسی قیامت آئی کہ
روزانہ ایک نہ ایک آدمی غائب ہونے لگا۔

یقیناً چند نامعلوم لوگ قتل و غارت گری کا سبب تھے۔ مقصد
وہی تھا کہ [illegible] خوراک پر قبضہ [illegible] ہو رہا ہے۔ اس رات سمندر
میں ایک ہولناک طوفان آیا اور ہماری کشتی اس ہولناک طوفان کے
رحم و کرم پر چلنے لگی۔

بڑی بڑی لہریں کشتی کو اوپر اور نیچے کر رہی تھیں۔ میں کشتی
کے ایک کونے میں گھٹنوں میں سر چھپائے بیٹھا تھا کہ دفعتاً کسی نے
میرا گریبان پکڑ لیا۔ حالات کا اثر مجھ پر بھی اسی طرح تھا جس طرح اور لوگوں
پر۔ میں نے گریبان پکڑنے والے کو غور سے دیکھا۔ وہ ایک قد آور
نہایت ہی لمبا تڑنگا [illegible] مخلوق افریقہ ہی سے معلوم
ہوتا تھا۔ اس کی آنکھوں میں خون اترا ہوا تھا۔ ایک لمحے کے لیے میرا
بدن لرز کر رہ گیا۔ مجھے اندازہ ہو گیا تھا کہ یقیناً وہی شخص ہے جو لوگوں
کو قتل کرتا رہا ہے۔ اور آج شاید میری باری ہے۔

میں اچھل کر کھڑا ہو گیا اور اس طرح اچھلنے سے وہ کئی قدم
پیچھے ہٹ گیا تھا۔ پھر اس کی ہیبت ناک آواز ابھری اور اس نے
تقریباً چھ انچ لمبے چاقو کو میری آنکھوں کے سامنے لہرایا۔ دفعتاً
عقب سے سیکنڈ آفیسر کی آواز سنائی دی۔

"پکڑو اس بدمعاش کو۔" اور کئی افراد اچھل اچھل کر اس کی
طرف لپکے۔ اس شخص نے چاقو کے وار کیے لیکن ابھی تک کوئی کامیابی
حاصل نہیں کر سکا تھا کہ عقب سے سیکنڈ آفیسر نے ہاتھ میں ایک
بوتل پکڑی اور اسے پوری قوت سے اس آدمی کے سر پر دے مارا۔
اس کا بھیجا باہر نکل آیا تھا۔ دوسرے لمحے اسے اٹھا کر پانی میں پھینک
دیا گیا۔ سیکنڈ آفیسر مجھ سے میری خیریت پوچھ رہا تھا۔ طوفان کا زور
اب بھی کم نہیں ہوا تھا۔ میں نے ٹوٹتی ہوئی سانسوں کے درمیان
اسے صورت حال بتائی اور اس نے گردن ہلا دی۔

"یہ منحوس شخص بہت سی انسانی زندگیوں سے کھیل چکا
ہے۔ مقصد یہی تھا اس کا کہ ایک ایک کو سمندر برد کر دے اور
پھر باقی خوراک پر قبضہ جما لے۔ افسوس۔ افسوس۔" سیکنڈ آفیسر
نے جواب دیا اور پھر کشتی کو بچانے کی فکر میں سرگرداں ہو گیا لیکن
طوفان [illegible] کرکے چلا رہا تھا کشتی پانی کی لہروں پر اس طرح
اچھلنے کودنے لگی کہ اس کی سلامتی کو خطرہ لاحق ہو گیا۔ گو اب اس
میں افراد بہت کم رہ گئے تھے لیکن اس کے باوجود اس کی حالت
بے پناہ خراب تھی۔

دفعتاً ایک ہولناک دھماکا ہوا اور اس کے ساتھ بے شمار انسانی
چیخیں۔ یقیناً کشتی کسی چٹان سے ٹکرا گئی تھی اور یہ چٹان سمندر
میں بہانے کہاں سے ابھر آئی تھی۔ بہرصورت آخری احساس یہی تھا
کہ لوگ میرے کانوں کے نزدیک چیخ رہے ہیں۔ اس کے بعد میرا ذہن
تاریک ہو گیا۔

دوبارہ ہوش آیا تو سورج غروب ہونے کے قریب تھا اور
فضا میں خنکی پھیلی ہوئی تھی۔ میرے بدن کے نیچے پانی کی لہریں نہیں
بلکہ کوئی ٹھوس چٹان تھی۔ میں نے اس چٹان کو محسوس کیا میرا بدن
تھر تھر کانپ رہا تھا پھر میں اٹھ کر بیٹھ گیا۔ یہ ایک چھوٹا سا جزیرہ
تھا یوں لگتا تھا جیسے اس سے پہلے کسی انسان نے یہاں قدم نہ
رکھا ہو۔

چٹان پر کھڑے ہو کر اس کے پھیلاؤ کا اندازہ ہو جاتا تھا۔
تقریباً آدھ میل لمبا اور چوتھائی میل چوڑا یہ ویران جزیرہ بالکل
بے آب و گیاہ تھا۔ چاروں طرف سے بدنما اور بدصورت چٹانیں
سینہ تانے کھڑی تھیں جن کا رنگ ہزاروں سال کی گردش لیل و نہار
کے باعث گہرا سیاہ پڑ گیا تھا اور جنہیں دیکھ کر ہیبت طاری ہوتی

تھی۔ مجھے یوں لگا جیسے یہ چٹانیں میری بے بسی پر قہقہے لگا رہی ہوں۔

حیرت انگیز بات یہ تھی کہ اس جزیرے پر کوئی جانور کوئی پرندہ۔ حتیٰ کہ کیڑے مکوڑے بھی نظر نہیں آتے تھے۔ ایک مقام پر مجھے پتھریلے گڑھوں کے اندر مینہ بارش کا پانی بھرا ہوا دکھا اور میں اس کی جانب بڑھ گیا۔ مجھے شدید پیاس لگ رہی تھی۔

گڑھوں کے نزدیک پہنچا تو ان میں سے ناقابل برداشت بدبو اٹھ رہی تھی اور ویسے بھی ان میں ریت کی اتنی آمیزش تھی کہ میں خواہش اور پیاس کے باوجود اس پانی کو چکھ نہ سکا پھر میں جزیرے کے مختلف حصوں میں گھومتا رہا اور سورج چھپ گیا۔ میں نے سوچا کہ رات کی تاریکی چھا جانے سے پہلے کوئی مناسب پناہ گاہ تلاش کر لوں۔

چنانچہ بمشکل تمام لڑکھڑاتے قدموں سے ایک چٹان کی جانب بڑھ گیا اس کے چاروں طرف اونچی اونچی چٹانیں اور ریتلی زمین پھیلی ہوئی تھی۔ تھوڑی دیر کے بعد میں چٹان کے قدرتی غار میں داخل ہو گیا۔

غار زیادہ کشادہ نہیں تھا لیکن ان تیز و تند ہواؤں سے محفوظ تھا جو شکوہ کر رہی تھیں۔ سردی سے بچنے کا اور کوئی ذریعہ میرے پاس نہیں تھا۔ میں رات بھر وہیں پڑا رہا۔ نیند کا احساس بھی نہ رہا تھا۔ البتہ سورج کی پہلی کرن جزیرے پر جوں ہی نمودار ہوئی۔ میں گھسٹتا ہوا غار کے دہانے تک آ گیا اور اپنی دھنسی ہوئی آنکھوں سے غار کا جائزہ لینے لگا۔

جزیرے کے ساحل پر اونچی اونچی مہیب چٹانوں سے ٹکرا رہی تھیں اور سفید سفید جھاگ فضا میں دور دور تک پھیل رہے تھے۔ میں سوچنے لگا کہ سمندر کے اس حصے میں مچھلیوں کا زندہ رہنا ممکن نہیں ہے۔ اس لیے یہاں سے خوراک حاصل نہیں کی جا سکتی۔ بس مجھے چپ چاپ اپنے آپ کو موت کے حوالے کر دینا چاہیے۔ وہ کہانی جو ملک سندباد خان کی حویلی سے شروع ہوئی تھی اس ویران جزیرے پر بالآخر ختم ہو جائے گی۔

کہانیاں کہیں سے شروع ہوں کہیں نہ کہیں ختم ہو جاتی ہیں۔ دوپہر کو میں غار سے باہر نکل آیا اور سوچا کہ پورے جزیرے کا چپہ چپہ دیکھنا چاہیے۔ شاید کھانے پینے کی کوئی چیز مل جائے۔ چنانچہ ہمت کر کے ایک جانب چل پڑا اور سہ پہر تک تقریباً جزیرے کے ایک ایک گوشے کو دیکھ ڈالا۔ ہر جگہ وہی تپتی ہوئی ریت اور خشک چٹانوں کے سوا کچھ نہیں تھا۔ میری مایوسی اب انتہا کو پہنچ رہی تھی۔ پہلی بار مجھے ان عجیب و غریب حالات میں اپنے اوپر ہنسی آئی۔ بھلا اس ویران جزیرے پر مجھے بھیجنے اور موت کے نرغے کو یہاں تکلیف لینے کی کیا ضرورت تھی؟

خدا کے کام بھی نرالے ہیں۔ کیا میری موت کسی اور جگہ قبض نہیں کی جا سکتی تھی؟ دو دن اور دو راتوں کے گزرنے کے بعد میری ٹانگوں اور بازوؤں کی جان نکل گئی تھی۔ اب میں کھڑا ہونے کے قابل نہ رہا تھا۔ اور بہت مشکل سے گھسٹ گھسٹ کر کچھ فاصلے طے کر سکتا تھا۔ میں جانتا تھا کہ اگر بدن کو حرکت نہ دی تو نہایت بے کسی کی موت مر جاؤں گا اور اس کے لیے میں تیار نہ تھا۔ اپنی بچی کچی طاقت جمع کر کے میں پھر جزیرے پر گھومنے کے لیے نکلا اور آگے بڑھتا چلا گیا۔

آج میں جزیرے کے جنوبی سمت گیا تھا۔ اس سے پہلے بھی اس طرف آ چکا تھا۔ اب جزیرے کا کون سا گوشہ تھا جو میں نے نہیں دیکھا تھا لیکن میری نگاہوں نے ایک عجیب منظر دیکھا اور میں ٹھٹھک گیا۔

سراب کے بارے میں بہت کچھ سن چکا تھا۔ یہ عجیب و غریب شکلوں میں نظر آتا ہے لیکن اس وقت جو کچھ نظر آ رہا تھا پتہ نہیں وہ سراب تھا یا حقیقت؟ ہاں، میں نے ایک چٹان کی آڑ میں دھواں اٹھتا دیکھا تھا۔ میرے بدن میں ایک نئی زندگی دوڑ گئی۔ دھواں کہاں سے آیا؟ یہ کون ہے؟ کون ہو سکتا ہے۔ کیا میری ہی طرح کوئی اور بدنصیب جسے آگ جلانے کی سہولت ہے۔ ممکن ہے کہ کوئی تباہ شدہ جہاز کا مسافر ادھر آ نکلا ہو اور اپنے ساتھ کچھ سامان بھی لے آیا ہو۔ یا پھر کوئی اور شخصیت۔

بہرطور میں نے تیزی سے اس جانب چلنا شروع کر دیا اور جلد ہی اس چٹان کے نزدیک پہنچ گیا۔ فاصلہ بہت زیادہ نہیں تھا۔ جزیرے کی لمبائی چوڑائی ہی کتنی تھی۔ بہرطور چٹان کے عقب میں پہنچ کر میں نے جو کچھ دیکھا وہ ناقابل یقین منظر تھا۔ یا تو میرا ذہن خراب ہو گیا تھا یا میری آنکھیں جاگتے میں خواب دیکھنے لگی تھیں۔ یا پھر یہ سب کچھ ـــ یہ سب کچھ ایک عجیب و غریب خدائی کرشمہ تھا۔ ہاں، دھواں آگ جلنے سے ہی اٹھ رہا تھا۔ چند لکڑیاں ترتیب سے جمع کر دی گئی تھیں اور ان میں سے شعلے بلند ہو رہے تھے۔ لیکن ان کے عقب میں جو کچھ تھا۔ وہ میرے لیے انتہائی حیرت ناک تھا۔

یہ ایک بھنا ہوا ہرن تھا جو ایک سیخ پر لٹکا ہوا تھا۔ غالباً اسے بھونے ہوئے بھی کافی دیر ہو گئی تھی۔ ہرن کا تصور بھی میرے لیے ممکن نہیں تھا۔ میں اپنی جگہ ساکت و جامد کھڑا رہا۔ میری سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کیا کروں؟

اتنی بھوک و پیاس میں ہرن تو کیا اگر کوئی کتا بھی مجھے مرا پڑا نظر آتا تو شاید اسے ہی کھانے کے لیے سوچنے لگتا۔ وہ دوسری بات ہے کہ طبیعت نہ لیتی اور [illegible] موت پر ترجیح دیتا لیکن ہرن کا گوشت دیکھنے کے بعد رکنا کیا معنی رکھتا تھا۔ چنانچہ ایک

لمحے کے بعد ہی سنبھل گیا اور دوسرے لمحے میں ہرن پر ٹوٹ پڑا تھا۔

یہ شبہ یہ خواب تھا یا واہمہ بلکہ ایک ٹھوس حقیقت تھی۔ کسی نے ہرن بھونا تھا اور کہیں چلا گیا تھا۔ شاید یہ سب کچھ میرے ہی لیے تھا۔

ہرن کا گوشت کھانے سے زندگی میں وہ لطافت محسوس ہوئی کہ بیان نہیں کر سکتا۔ پیچھے دیکھا تو ایک ناقابل یقین منظر نظر آیا۔ پانی بھی موجود تھا۔ ہاں، گوشت اور پانی انسان کی سب سے اہم ضرورت۔ اس کے بعد اگر موت بھی آ جائے تو کسی قسم کا افسوس باقی نہ رہتا۔ اتنا گوشت کھایا کہ شکم سیر ہو گیا۔ تھوڑا سا پانی پیا اور صحیح عرض کرتا ہوں کہ زندگی میں اس سے زیادہ تشکر کا احساس کبھی نہیں ہوا تھا۔

پیٹ بھر جانے کے بعد اس سلسلے میں سوچنے کی زحمت بھی گوارہ نہ کی کہ وہ کون تھا؟ وہ کون نیک نفس [illegible] تھا۔ جس نے میری مشکل آسان کی تھی۔ شاید یہ میرے لیے کوئی غیبی امداد تھی۔ ہرن ابھی کافی بچا ہوا تھا اور میں ابھی یہاں سے ہٹنے کے موڈ میں نہیں تھا کیونکہ شعلوں کی لپیٹ سے بہرحال [illegible] پیدا ہو رہی تھی اور ماحول کی یخ بستگی بھی کسی حد تک کم ہو گئی تھی۔ بدن ایک نئی کیفیت کا شکار ہو گیا تھا چنانچہ میں آگ کے بالکل قریب ہی سو گیا۔ دل چاہ رہا تھا کہ سو جاؤں حالانکہ سونے کا وقت نہیں تھا لیکن بہرطور آگ کے نزدیک ہی لیٹ گیا اور اس کی لطیف حرارت سے لطف اندوز ہونے لگا۔

کافی دیر کے بعد جب میرے حواس بحال ہوئے تو میں نے اس شخصیت کے بارے میں سوچنا شروع کیا جو اچانک یہاں نہیں پہنچی تھی۔ میری دلی آرزو تھی کہ کوئی [illegible] آ جائے اس ویرانے میں تنہائی بھی بڑی بھیانک ہوتی ہے۔ ابھی تک تو [illegible] منتظر تھا لیکن پیٹ بھرنے کے بعد یہ احساس بھی شدت سے سر اٹھانے لگا۔ میں نے سوچا کہ اس شخص کا انتظار کروں جس نے میری یہ مشکل حل کی ہے۔ میں اسی چٹان پر بیٹھ گیا جس کے عقب سے مجھے یہ آگ نظر آئی تھی۔

میری نگاہیں دور دور تک بھٹکتی رہیں لیکن کہیں انسانی وجود کا نشان بھی نہیں تھا۔ بھلا یہ سب کچھ کہاں سے آ گیا کیا فرشتوں نے مدد کی تھی۔ بہرصورت مسلمان تھا اور غیبی قوتوں کا قائل تھا۔ [illegible] میرے دل میں [illegible] جذبات ابھر آئے۔ اس نادیدہ ہستی کے لیے جس نے

میری یہ مدد کی تھی۔ لیکن اس مدد کا کوئی ذریعہ تو ہو گا۔ جب کچھ بھی نظر نہ آیا تو میں نے ٹھنڈی سانس لے کر وہیں آگ کے کنارے بیٹھ جانے کا قصد کیا اور وہیں بیٹھ گیا۔

دن اسی طرح گزار دیا تھا لیکن وہ شخص جس نے ہرن بھونا تھا۔ دوبارہ اس جگہ واپس نہیں آیا۔ رات کو بھی میں نے اس جگہ سے ہٹنا مناسب نہ سمجھا۔ آگ بجھ چکی تھی۔ لکڑیاں تمام سلگ چکی تھیں۔ اگر کوئی اور ذریعہ آگ جلانے کا ہوتا تو میں ان لکڑیوں کو محفوظ کر لیتا [illegible] اس جزیرے پر اس سے پہلے کوئی وجود نہ تھا۔ تاکہ رات کی شدید سردی میں وہ میری مددگار ثابت ہو سکیں۔ میں یہاں صرف اسی انتظار میں رہا تھا کہ ممکن ہے وہ شخص آ جائے۔ جس نے یہ سارا انتظام کیا تھا۔ لیکن کوئی نہیں آیا۔

بہرصورت رات میں نے اسی چٹان کی آڑ میں گزاری۔

آدھی رات کے وقت جب میں نیم خوابیدہ سی کیفیت میں تھا۔ میں نے جزیرے پر عجیب و غریب آوازوں کا شور سنا۔ دل ہی دل میں، میں سخت حیران ہوا کہ یہ شور کہاں سے بلند ہو رہا ہے؟ اس سے قبل ایسی کوئی آواز سنائی نہیں دی تھی۔ گھنٹوں کے بجنے اور گھنگروؤں کے چھنکنے کی سی آوازیں آ رہی تھیں۔ جو جزیرے میں [illegible] ہو کا سناٹا [illegible] میرے کانوں تک پہنچ رہی تھیں۔ میں دیر تک ان آوازوں کو سنتا رہا۔ اور پھر میں نے یہی فیصلہ کیا کہ یہ سب میرے ذہن کا کرشمہ ہے۔ میری ذہنی کیفیت خراب ہوتی جا رہی ہے اور یہ پراسرار آوازیں اسی کا نتیجہ ہیں۔

دوسری صبح [illegible] محسوس ہو رہی تھیں [illegible] گزری رات کی پراسرار آوازوں کے بارے میں [illegible] کسی نادیدہ قوت کے زیر اثر [illegible] ادھر ادھر [illegible] وہ شخصیت ابھی تک میرے سامنے نہیں آئی تھی۔ جس نے میری مدد کی تھی۔

ہرن کا گوشت اب بھی موجود تھا۔ [illegible] کے بعد [illegible] گوشت کھایا پانی پیا اور ایک بار پھر تازہ دم ہو گیا۔

میری نگاہیں [illegible] کی تلاش میں [illegible] جس نے میرے ساتھ یہ سلوک کیا۔ اگر کوئی ایسی شخصیت ہو [illegible] یہاں [illegible] کوئی نہیں آیا تھا [illegible] مقصد بھی تھا [illegible]

تم سے متعلق رہوں گی۔"

"نام نہیں بتاؤ گی اپنا؟"

"نہیں۔ تم پوچھنے کی کوشش بھی نہ کرو۔ یہ تمہارے حق میں بہتر ہوگا۔"

"لیکن میری محسنہ۔ میں اپنی محسنہ کے بارے میں کچھ تو جاننا چاہتا ہوں۔"

"بس یہی جان لو کہ میں ایک انسانی وجود میں تمہارے سامنے موجود ہوں۔"

"اور یہ بھی نہیں بتاؤ گی کہ یہ گوشت کہاں سے آیا؟"

"کہیں سے بھی آیا ہو تمہاری ضرورت تو پوری کرنے کا باعث بنا ہے۔"

"ہاں، اس میں کوئی شک نہیں ہے اگر تم واقعی وہی شخصیت ہو جو مجھے غذا دیتی رہی ہو تو میں یہ کہنے میں کوئی دریغ محسوس نہیں کروں گا کہ تم نے مجھے زندہ رکھا ہے۔"

"اس زندہ رکھنے کا ایک خاص مقصد بھی ہے۔"

"مقصد؟" میں نے تحیر خیز لہجے میں پوچھا۔

"ہاں۔"

"کیا مقصد ہے مجھے بتاؤ! میں تمہارے ہر حکم کی تعمیل کے لیے حاضر ہوں۔" میں نے کہا۔

"میں نے تم سے ایک بات کہہ دی۔ وقت پر جب ضرورت ہوگی میں تمہیں بتا دوں گی۔"

"آہ! میرے ذہن میں بے شمار سوالات ہیں ایک طویل عرصے کے بعد جب میں انسانی شکلیں بھول گیا تھا۔ میں نے ایک انسانی چہرہ کو دیکھا ہے اور یہ چہرہ بھی اتنا حسین ہے کہ دل کھنچا چلا جائے لیکن تم نے اپنے اوپر پراسراریت کے لبادے اوڑھ رکھے ہیں۔ مجھے بتا دو تم کون ہو؟ میں تمہارے لیے کبھی بھی ضرر رساں ثابت نہیں ہوں گا۔" جواب میں پھر وہی ہنسی سنائی دی اور پھر مخروطی لہجے میں کہا گیا۔

"مجھے کوئی ضرر نہیں پہنچا سکتا۔ سنو۔ میں نے ایک نیا روپ دھارا ہے۔ میں ایک نئی دنیا میں آئی ہوں اور اس نئی دنیا کے لیے تیاریاں کر رہی ہوں۔ یہ تمہاری دنیا ہے۔ اس دنیا میں مجھے رہبر کی ضرورت پڑے گی جو میرا ساتھ دے سکے جو مجھے اس دنیا سے روشناس کرا سکے اور وہ رہبر میں نے تمہیں منتخب کیا ہے۔ ہر چند کہ میں جانتی ہوں کہ تم کون ہو؟ اور کن قوتوں کا ساتھ دیئے ہوئے ہو لیکن اس کے باوجود میں نے تمہیں اپنے لیے منتخب کر لیا ہے۔ اور اب تمہیں وہ سب کچھ کرنا ہوگا جو میں چاہوں گی۔ جو کچھ تم کھاتے رہے ہو وہ میرا عطیہ تھا، تمہارے لیے اور اب تم مجھ سے انحراف نہیں کر سکتے۔ اگر انحراف کرو گے تو تمہیں ایک ایسا احساس ہوگا کہ تم موت کی آرزو کرنے لگو گے اور اگر تم نے مجھ سے تعاون کیا تو میری دوستی اور محبت پاؤ گے اور اس دنیا میں وہ سب کچھ حاصل کر لو گے جو تمہیں کبھی نہیں مل سکتا تھا۔"

میں نے اس کی بات کا کوئی جواب نہیں دیا تھا۔

پوری رات مجھے نیند نہیں آئی تھی۔ یہ کون تھی، کون تھی یہ؟ مجھے اس کی شخصیت سے احساس ہو گیا تھا کہ کوئی ماورائی قوت ہے، کوئی ایسی قوت جو اس جزیرے پر حکمراں ہوگی۔ مگر وہ۔ میں اس سے قبل اسے نہیں دیکھ سکا تھا۔ میں تو ۔۔۔ میں تو یہاں انسانی شکل کو ترس گیا تھا اور وہ ۔۔۔ وہ مجھ سے اس قدر قریب موجود تھی۔ اس نے جو کچھ کہا تھا پتہ نہیں اس پر عمل کرے گی یا نہیں۔ یہاں سے واپسی کا تصور میرے لیے بڑا ہی دلکش اور بڑا ہی سحر انگیز تھا۔ کیا میں یہاں سے واپس جا سکوں گا؟ کیا وہ جو کچھ کہہ رہی ہے درست ثابت ہوگا؟ رات بھر انہی خیالات میں غلطاں و پیچاں رہا۔

دوسری صبح میں نے دیوانہ وار اسے تلاش کرنا شروع کر دیا۔ جزیرے کا ایک ایک چپہ چھان مارا۔ لیکن کسی انسانی وجود کا پتہ نہیں تھا میں نے سوچا ممکن ہے وہ چٹانوں کے نیچے کسی غار میں رہتی ہو۔ چنانچہ ساری چٹانوں اور غاروں کو چھان مارا۔ لیکن اس کا کوئی پتہ نہ چلا۔ اور جب میں واپس اپنے غار میں پہنچا تو میں نے اسے وہیں پایا۔

آج موسم صاف تھا لیکن وہ مجھے دھندلی دھندلی سی نظر آ رہی تھی۔ مجھے یوں محسوس ہوا تھا جیسے وہ کسی شیشے کے پیچھے کھڑی ہو۔ شیشے کی ایک دھندلی چادر کے پیچھے، جہاں انسانی جسم ہیولا سا نظر آ رہا تھا۔

وہ میری نگاہوں میں واضح نہیں تھی اور یہ بھی اس کی کوئی طلسمی قوت تھی جس نے مجھے مسحور کر دیا تھا۔

میں اسے دیکھتا رہا۔ اس کے خدوخال اب بھی نظر نہیں آ رہے تھے۔ چہرے پر وہی باریک سی نقاب پڑی ہوئی تھی اور حسین آنکھیں اس نقاب کے عقب سے جھانک رہی تھیں۔

ان آنکھوں میں مسکراہٹ تھی اور مجھے ان آنکھوں کے باعث پورا چہرہ مسکراتا ہوا نظر آ رہا تھا۔

"کیسے ہو؟" پوچھا گیا۔

"ٹھیک ہوں۔" میں نے جواب دیا۔ پھر بولا۔ "ایک بات کا یقین کرو گی؟"

"ہاں، ہاں، تمہاری تمام باتوں کا یقین کروں گی بردار خیال، تم کہو تو سہی۔"

اس نے پرجوش لہجے میں کہا۔ انداز میں ذرا بھی سرد مہری نہیں تھی۔ "میں ساری رات نہیں سو سکا۔ تمہارے ہی بارے میں سوچتا رہا۔"

"کیا سوچتے رہے؟"

"تم ۔۔ میں ۔۔۔" میں کچھ نہ بول سکا۔

"ہاں بولو، کیا حسن و عشق کی باتیں سوچتے رہے تھے؟" اس نے بے باکی سے کہا۔

"نن ۔۔ نہیں نہیں۔ میں تمہاری پراسرار شخصیت کے بارے میں غور کرتا رہا۔"

"ہاں، یہی تمہارے لیے بہتر ہے۔ میرے لیے کوئی غلط نظریہ مت قائم کرنا۔" اس نے جواب دیا اور میں کچھ شرمندہ سا ہو گیا۔

"نہیں۔ مگر میرے لیے افسوسناک بات یہ ہے کہ میں تمہیں کس نام سے پکاروں؟"

"فی الحال اس سے باز رہو۔ ایک مناسب وقت آئے گا جب میں اپنے بارے میں تمہیں تفصیل بتا دوں گی۔ لیکن اس میں ابھی دیر ہے گی۔ تمہیں میرے لیے اپنی مہذب دنیا میں پہنچ کر وہ سب کچھ کرنا ہوگا جو میں تم سے کہوں اور اگر تم نے اس سے پہلو تہی کی تو تمہارے حق میں بہتر نہیں ہوگا۔"

"دھمکیاں دے رہی ہو۔ میں تم سے وعدہ کر چکا ہوں مگر تم نے بھی تو میرے اوپر احسانات کیے ہیں۔"

"ان احسانات کو جانے دو۔ تم لوگ بہت ہی ناسپاس ہوتے ہو۔ جب کچھ کرنے پر آتے ہو تو کسی کے احسان کو نہیں مانتے۔ تم کیا سمجھتے ہو، کیا میں تمہاری فطرت سے ناواقف ہوں؟"

"اگر عام انسانوں کی بات کر رہی ہو تو ٹھیک ہے۔ میں ایسے لوگوں میں سے نہیں ہوں۔" میرے اس جواب پر وہ استہزائیہ انداز میں ہنس پڑی تھی۔

"چلو اچھی بات ہے۔ تم ایسے لوگوں میں سے نہیں ہو ۔۔ مجھے خوشی ہوئی ۔۔۔ لیکن اب ایک بات اچھی طرح سمجھ لو۔"

"وہ کیا؟"

"اب تمہاری تمام محبت، تمام انسیت اور ساری دنیا میرے لیے وقف ہے۔ کسی اور کے بننے میں اگر تم نے سوچا تو صرف نقصان اٹھاؤ گے۔ تمہیں اس سے کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔"

"دھمکیاں، پھر دھمکیاں، اچھا یہ بتاؤ مجھے اس ہولناک جزیرے سے کب نکال رہی ہو؟"

"بہت جلد، میں تمہیں اطلاع دینے آئی تھی۔ تمہیں سمندر میں ایک طویل سفر کرنا ہوگا۔ طویل سے میری مراد یہ ہے کہ اتنے فاصلے پر جاؤ گے کہ تمہیں تکلیف بھی ہو سکتی ہے۔ کل صبح سات بجے دس اور گیارہ کے درمیان یہاں سے ایک جہاز گزرے گا۔ یہ جہاز راستہ بھٹک گیا ہے۔ طوفان میں گھر گیا تھا۔ لیکن سمندر کے پرسکون ہونے کے بعد یہ اپنا راستہ کھو چکا ہے۔ البتہ اسے اس طرف سے آنا پڑا ہے۔ یہاں سے وہ اپنی منزل پر چلا جائے گا اور بخیریت ہندوستان پہنچ جائے گا۔ تم اسی جہاز پر جاؤ گے۔ ایک ایسے مسافر کی حیثیت سے جو کسی طوفان کا شکار ہو کر یہاں تک پہنچ گیا ہو۔ اور ظاہر ہے کہ اس میں کوئی غلط بات بھی نہیں ہے۔ تم جہاز کے کپتان کو اس جزیرے کی طرف اشارہ کر کے یہ بتا سکتے ہو کہ تم نے یہاں زندگی کیسے گزاری؟"

"کیا واقعی؟ تمہیں ۔۔ تمہیں کیسے معلوم ہوا؟" میں نے حیرت زدہ انداز میں پوچھا۔ اور جواب میں مجھے وہی کھنکتا ہوا قہقہہ سنائی دیا۔ اور اس کے بعد وہ نگاہوں سے اوجھل ہو گئی۔

مجھے اس کے بارے میں یہ اندازہ لگانے میں کوئی دشواری پیش نہیں آئی تھی کہ وہ کوئی مافوق الفطرت ہستی ہی ہے۔

بہرصورت میرے لیے اطمینان کا مقام تھا۔ وہاں ایسی ہی حکومت تھی۔ اب یہاں کوئی دوسرا پہرا مجھ پر مسلط ہو جائے گا۔ کیا فرق پڑتا ہے؟ اگر زندگی تو بچ جائے گی۔ ہندوستان تو پہنچ جاؤں گا اور پھر یہ شکل و صورت ہے کہ مجھے یقین تھا کہ اس شکل و صورت میں اگر پروفیسر رازی، سلمان یا جمیل بھی مجھے دیکھیں تو پہچان نہ سکیں۔ ان لوگوں کے تصور کے ساتھ ہی دل میں ایک ٹیس کا سا احساس پیدا ہو گیا تھا۔ مجھے یقین نہیں تھا کہ وہ زندہ بچ سکے ہوں گے؟

بہرطور، اب ان کے لیے میں کچھ نہیں کر سکتا تھا۔ زندگی کی خواہش کس دل میں نہیں ہوتی میرے دل میں بھی وہ اسی طرح تھی۔ کوئی بھی انسان وقت سے پہلے مرنا نہیں چاہتا۔ وقت ہی کمالات مجبوری اسے موت قبول کرنے پر مجبور کر دیتا ہے۔ میں اس دوران یہی سوچتا رہا۔ بار بار میرا دل چاہتا تھا کہ وہ پھر نزدیک آئے، مجھ سے باتیں کرے۔ لیکن وہ پتہ نہیں کہاں غائب رہتی تھی؟

ویسے میری سمجھ میں یہ نہیں آیا تھا کہ وہ مجھے جہاز پر جانے کا

صورت رہی تھی۔ خود کیا کرے گی؟ خود کس طرح جہاز پر پہنچے گی؟ کوئی بات میری سمجھ میں نہیں آ رہی تھی۔
بہر طور میں نے اپنا ذہن جھٹک دیا۔ رات کو بھی اچھی طرح نیند نہیں آئی تھی حالانکہ پچھلی رات کا جاگا ہوا تھا۔
بہر صورت دوسری صبح میں نے تیاریاں کیں۔ دل میں خوف و دہشت بھی تھی کہ اگر میں سمندر میں دور تک تیرتا ہوا نکل جاؤں تو کہیں سمندر کا شکار نہ ہو جاؤں۔ پتہ نہیں جہاز آئے گا بھی یا نہیں اور جہاز آ بھی جائے اور میں اس جگہ تک نہ پہنچ سکوں جہاں کی نشاندہی کی گئی ہے تو جہاز نکل جائے گا اور پھر میں یہاں رہ جاؤں گا۔ بجانے کتنے عرصے کے لیے؟ یہ جہاز تو بھٹک کر اس طرف آ گیا ہے۔ عام جہازوں کی گزرگاہ یہ نہیں تھی۔
اس کا مقصد ہے کہ کوئی جہاز ادھر نہیں آئے گا۔ پھر میں نے سوچا، ویران جزیرے پر زندگی گزارنے سے تو بہتر یہی ہے کہ زندگی کے لیے جدوجہد کی جائے۔ اگر میں زندہ ہوں، حسن و جمال پا چکا ہوں، تندرست ہوں اور یہ یقین ہے مجھے کہ وہ گوشت مجھے اسی پراسرار وجود کی طرف سے مہیا کیا جاتا رہا ہے۔ تو پھر مجھے اس کی اس بات پر بھی یقین کر لینا چاہیے کہ سمندر سے ایک جہاز گزرے گا۔ چنانچہ تیسری صبح میں نے تیاریاں شروع کر دیں اور پھر اللہ کا نام لے کر پانی میں اتر گیا۔
بدصورت چٹانوں کا یہ جزیرہ آہستہ آہستہ پیچھے جا رہا تھا۔ اور میں تیرتا ہوا سمندر میں آگے بڑھ رہا تھا۔ میں نے آنکھیں بند کر لی تھیں۔ اور مجھے اندازہ نہیں لگایا جا سکتا تھا کہ میں جزیرے سے کتنی دور نکل آیا ہوں۔
ذہن میں طرح طرح کے وسوسے آ رہے تھے۔ دل ڈوب رہا تھا لیکن رہ رہ کر کے مصداق اپنی زندگی کی جدوجہد کے لیے سب کچھ کرنا پڑ رہا تھا اور ان الجھے ہوئے خیالات کو جھٹکنے کا طریقہ یہی تھا کہ میں سوچنا چھوڑ دوں۔ میں یہ سوچ رہا تھا کہ اگر جہاز نہ آیا تو کیا میں واپس جزیرے تک پہنچ سکوں گا۔ سمندر کی پرشور موجیں اب یہاں کافی تند ہو گئی تھیں اور ان کے درمیان تیرنا کوئی آسان کام نہیں تھا۔ لیکن میرے بدن کی قوت حیرت انگیز تھی۔ اس سے پہلے میں نے خود کو کبھی اتنا توانا محسوس نہیں کیا تھا۔
بہرصورت میں بہت دور نکل آیا۔ وقت بجانے کیا ہو گیا تھا۔ سورج خوب چمکنے لگا تھا۔ تب میں نے آنکھیں کھول دیں اور دفعتاً میرا دل اچھلنے لگا۔
وہ جہاز مجھ سے زیادہ فاصلے پر نہیں تھا۔ جہاز کے عرشے پر بہت سے لوگ کھڑے ہوئے تھے جو مجھے دیکھ رہے تھے۔ یقیناً مجھے دیکھ لیا گیا تھا۔ میں تو آنکھیں بند کر کے تیر رہا تھا۔ اس لیے مجھے اندازہ نہیں لگ سکا تھا اور ویسے یہ اچھا ہی ہوا تھا میرے حق میں۔ چونکہ جہاز والے ممکن ہے اگر دور سے مجھے دیکھتے تو کوئی خطرہ مول لینے کو تیار نہ ہوتے۔ وہ پہلے ہی مصیبتوں کا شکار ہو چکے تھے۔
میں آہستہ آہستہ جہاز کے نزدیک پہنچ گیا تھا۔ پھر جہاز سے نیچے ایک رسہ پھینکا گیا۔ رسہ کیا، سیڑھی تھی ایک باقاعدہ۔ میں نے اسے پکڑ لیا۔ اور آہستہ آہستہ مجھے کھینچا جانے لگا۔ میرا دل مسرت سے لرز رہا تھا اور میں ان لوگوں کو ایک کہانی سنانے کے لیے آہستہ آہستہ خود کو تیار کر رہا تھا۔ ویسے یہ کیا مسرت انگیز بات تھی کہ اس نے جو کچھ کہا تھا وہ حرف بحرف راست نکلا تھا۔ تھوڑی دیر کے بعد میں جہاز کے عرشے پر پہنچ گیا۔ کئی ہاتھوں نے مجھے سہارا دے کر نیچے اتارا اور میں عرشے پر لیٹ کر گہرے گہرے سانس لینے لگا۔ تھکن تو ہو ہی گئی تھی اور پھر میری حالت بھی زیادہ بہتر نہیں تھی۔
جہاز کا کیپٹن جو ایک طویل القامت اور سرخ و سفید انگریز تھا، میرے بالکل نزدیک جھک گیا اور مجھے دیکھنے لگا۔ پھر اس نے میرا کاندھا تھپتھپاتے ہوئے کہا۔
"فکرمند نہ ہو۔ اب تم بالکل محفوظ ہو۔ شاید تم سمندر میں گر گئے تھے۔ کسی جہاز سے؟ یا پھر ممکن ہے کسی تباہ شدہ جہاز کے شکار ہو؟"
میں نے کوئی جواب نہ دیا۔ آنکھیں کھولنے کی کوشش کی۔ سر پر سورج چمک رہا تھا۔ اس لیے آنکھیں اس کی چکاچوند سے دوبارہ بند ہو گئیں۔ تب کیپٹن کی آواز سنائی دی۔
"اسے کیبن میں لے جاؤ۔ ہاتھ پاؤں کی مالش کرو۔ دودھ پلاؤ۔ اس کی حالت بہتر ہو جائے گی۔ توانا آدمی ہے۔ میرا خیال ہے۔ برداشت کر جائے گا۔"
"او کے چیف۔" جواب ملا اور تھوڑی دیر کے بعد کچھ لوگ مجھے اٹھا کے کیبن میں لے گئے۔
گرم کیبن تھا۔ وہاں وہ لوگ میرے ہاتھ پیروں کی مالش کرنے لگے۔ پیٹ کو بھی سہلایا گیا۔ میں دل ہی دل میں ہنس رہا تھا۔ میری اتنی خراب حالت نہیں تھی۔ جتنی وہ لوگ سمجھ رہے تھے۔
بہرصورت گرم گرم دودھ کا ایک گلاس پینے کے بعد میں نے خود کو پرسکون ظاہر کیا۔ البتہ تھوڑا سا نڈھال رہنا ضروری تھا۔ ورنہ پتہ نہیں یہ لوگ میرے ساتھ کیا سلوک کرتے۔
"کیا تم ہمیں اپنے بارے میں بتانا پسند کرو گے؟"

"ہاں۔ میں ایک تباہ شدہ جہاز کا شکار ہوں۔" میں نے اپنے جہاز کا نام لیتے ہوئے کہا۔ جس پر میں نے سفر کیا تھا اور وہ لوگ حیران رہ گئے۔
"اوہ تو تم اس جہاز کا شکار ہوئے تھے؟"
"ہاں۔"
"کیا تمہیں اس کے بارے میں کچھ معلوم ہے؟"
"ہاں، وہ مکمل طور پر تباہ ہو گیا تھا پتہ نہیں کیا ہوا تھا؟ تحقیقات بھی نہ ہو سکی۔"
"اس میں موجود مسافر؟"
"کچھ بچ گئے تھے۔ لیکن کوئی فوری امداد وہاں نہیں پہنچ سکی تھی۔ بس قرب و جوار کے جزیروں سے انہیں بچایا گیا تھا۔ دو تین کشتیاں ملیں۔ جنہیں بہت دور جا کر سمندر میں پکڑا گیا۔ اور اس میں سے کچھ آدمی بچا لیے گئے۔ آہ۔ آہ۔ میں اس جہاز کا مسافر ہوں جس کے بے شمار افراد سمندر برد ہو گئے۔"
"اس میں تمہارے دوست اور عزیز و احباب بھی ہوں گے؟"
"ہاں۔"
"لیکن اس دوران تم کہاں رہے؟"
"دور بہت دور۔ ستم ظریفہ وہ سیاہ لکیر دیکھ رہے ہو۔ وہ ایک جزیرہ ہے۔ آدھا میل لمبا اور اتنا ہی چوڑا بے آب و گیاہ جزیرہ، ویران، جہاں مچھلیوں کے سوا کچھ نہیں تھا۔ میں وہاں مچھلیاں کھا کھا کر زندگی گزار رہا ہوں۔ تقدیر تھی کہ بچ گیا۔"
"کیا تم نے دور سے ہمارے جہاز کو دیکھ لیا تھا؟"
"ہاں۔" میں نے جواب دیا۔
"ڈاکٹر کو اطلاع دو کہ وہ ہوش و حواس میں ہے۔ اور صحیح الدماغ ہے۔ وہ اپنے جہاز کی تباہی کی داستان سنا رہا ہے۔" ان میں سے ایک شخص نے کہا۔ غالباً یہ ڈاکٹر تھا۔ دوسرا آدمی باہر چلا گیا۔
تھوڑی دیر کے بعد کپتان نے سوچتے ہوئے ایک لباس بھجوایا۔ اندازے سے یہ لباس بھجوایا گیا تھا۔ لیکن میرے بدن پر بالکل صحیح تھا۔ میں نے ان لوگوں سے معذرت کی اور پتلون و قمیص کے علاوہ ایک سوئیٹر بھی پہن لیا جو کپتان نے ازراہ عنایت میرے لیے بھیجا تھا۔ ننگے پاؤں تھا۔ چنانچہ ایک عام استعمال کی چپلیں بھی مجھے فراہم کر دی گئی تھیں۔
یہ بات کہ مجھے کس قدر مسرت ہو رہی تھی۔ میں بتا نہیں سکتا۔ میں تو زندگی سے ہی مایوس ہو چکا تھا لیکن میری محسنہ نے مجھے نئی زندگی دی تھی، میں اس کا ممنون و کرم تھا۔
جہاز کا نام پیلیڈر تھا اور اس کا کیپٹن جانسن فلوائڈ تھا۔ بڑا ہی نفیس آدمی تھا۔ مجھے انسانی ہمدردی کی بنیاد پر اس نے ہر سہولت مہیا کر دی تھی۔ یہ بات بھی درست نکلی تھی کہ وہ ہندوستان ہی جا رہا تھا۔
میں نے اسے اپنے بارے میں تفصیلات بتائیں تو اس نے کہا۔ "کوئی حرج نہیں ہے۔ وہ بتائے گا کہ میں حادثے کا شکار رہا ہوں۔"
بہرصورت جہاز میں سفر جاری رہا۔ دوران سفر ایک بار بھی مجھے اس کی آواز نہیں سنائی دی تھی اور نہ ہی مجھے کوئی شکل نظر آئی تھی۔ میں نہیں جانتا تھا کہ میری وہ محسنہ کس طرح مجھے ہندوستان لے سکے گی؟ میری سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا تھا کہ اب مجھے کیا کرنا چاہیے؟
بہرحال جب کچھ سمجھ میں نہ آئے تو خاموشی اختیار کرنا ہی زیادہ بہتر ہوتا ہے۔ جہاز کے عملے کے لوگ مجھ سے بہت بہتر سلوک کر رہے تھے۔ ویسے یہ مسافر بردار جہاز نہیں تھا۔ بلکہ کارگو شپ تھا اور سامان لے کر جا رہا تھا۔
جہاز کا سفر جاری رہا اور پھر وہ بمبئی کی بندرگاہ سے جا لگا۔ جہاز کے کپتان نے مجھے اپنے ساتھ رکھا تھا۔
پہلے وہاں سے سامان اتر رہا تھا۔ میں پریشان تھا کہ دیکھو۔ بجانے یہاں مجھے کن کن مشکلات سے گزرنا پڑتا ہے۔ بہرصورت جس کیبن میں مجھے رہنے کے لیے کہا گیا تھا۔ میں اسی میں بیٹھا ہوا تھا کہ دفعتاً مجھے اپنے عقب میں سرسراہٹ محسوس ہوئی۔
میں نے پلٹ کر دیکھا اور ششدر رہ گیا تھا۔ وہ ایک انسانی پیکر ہی تھا لیکن چمکدار لکیروں کی شکل میں۔ بس ایک پیکر تھا۔ روشن آؤٹ لائن اور اس کے اندر تاریکی۔ اس آؤٹ لائن سے مجھے ایک آواز سنائی دی۔
"بابر داد خان! تم خیریت سے تو ہو نا؟"
"تم۔ تم۔ یہ تمہاری نئی شکل ہے؟"
"ہاں، ابھی مجھے اپنی اصل حیثیت حاصل کرنے میں ایک طویل عرصہ درکار ہو گا۔ سمندر عبور کرنے کے بعد میں نے اپنی جو توانائی حاصل کی تھیں، وہ بھی فنا ہو گئیں۔ مجھے ایک طویل مجاہدہ کرنا ہے بابر داد خان! اور تم اس میں میرے معاون رہو گے۔" اس نے کہا۔
"میں تیار ہوں۔" میں نے جواب دیا۔
"ویسے کسی بھی مرحلے پر تمہیں پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ یہاں تمہارے لیے کوئی مشکل درپیش نہیں ہو گی۔ تم جہاز سے

نکل کر اپنی مہذب دنیا میں جانے کے بارے میں سوچ رہے ہو گے؟
جہاز کے کپتان ہونے کے ناطے اس سلسلے میں بہت سے وعدے کیے
ہیں۔ ان تمام چیزوں کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ میں تمہیں اپنے
ساتھ لے جاؤں گی اور باہر چھوڑ دوں گی۔ تمہیں کوئی مشکل پیش
نہیں آئے گی۔ لیکن ایک بات کان کھول کر سن لو۔"

"وہ کیا؟"

"تمہیں ہر حالت میں میرے احکامات پر عمل کرنا ہوگا۔ میں
نے تمہاری زندگی صرف اس لیے بچائی ہے کہ تم میرے ساتھ تعاون
کرو۔ اگر تم نے تعاون نہ کرنے کی سوچی یا میرے ساتھ غداری کی
کوشش کی تو ایسی عبرتناک سزا پاؤ گے، جس کا تصور تم نے کبھی
خواب میں بھی نہ کیا ہوگا۔ جو کچھ میں کہوں اس پر آنکھیں بند
کر کے عمل کرنا۔"

"مگر — مگر تم مجھ سے کیا کام لینا چاہتی ہو؟ اگر یہ بات
ہے تو میں تم سے اور بھی بہت سی باتیں کرنا چاہتا ہوں۔"

"ہاں ہاں ضرور کرنا۔ ابھی میں تمہیں صرف یہ بتانے آئی
تھی کہ تم پریشان نہ ہو۔ آؤ میں تمہیں باہر لے چلوں۔"

"ابھی — اور کسٹم حکام —؟"

"دیکھو مجھ سے بحث کرنے کی ضرورت نہیں۔ میرا ہاتھ پکڑو۔"
وہ چمکدار ہیولے نے اپنا ہاتھ آگے بڑھایا۔ بس مجھے یوں محسوس
ہوا تھا جیسے میرا ہاتھ روئی کے نرم نرم گالے میں جا دبا ہو۔ میں
اس کے ساتھ آگے بڑھنے لگا۔

میرے قدموں میں لرزش تھی۔

بمارک سے سامان اتارا جا رہا تھا۔ اس کی ہنسی کی کھنک
مجھے اپنے کانوں میں سنائی دی۔ اس وقت کرین ایک بہت بڑی
سی پیٹی اٹھا رہی تھی۔ اس نے مجھے اچک کے اس پیٹی پر بٹھا دیا۔

میرے حواس جواب دینے لگے تھے۔ پیٹی آہستہ آہستہ اوپر
اٹھ رہی تھی — پھر وہ اتنی اوپر اٹھ گئی کہ اگر میں یہاں سے
گر جاتا تو میری ہڈیاں پسلیاں چور چور ہو جاتیں۔

مجھے خوف تھا کہ دوسرے لوگوں نے مجھے دیکھا ہوگا اور
نجانے کیا سوچ رہے ہوں گے میرے بارے میں۔ کرین آہستہ
آہستہ اپنی جگہ گھوم رہی تھی اور پھر وہ گودی کے نزدیک پہنچ گئی۔
پیٹی نیچے اتری اور میں اچھل کر زمین پر آ گیا۔ قرب و جوار میں
بہت سے مزدور، سپروائزر اور دوسرے لوگ کھڑے ہوئے
تھے۔ ان میں کلرک وغیرہ بھی تھے لیکن کسی نے مجھ پر توجہ نہیں
دی۔ میں حیران ششدر وہاں کھڑا رہا اور سوچتا رہا کہ یہ لوگ
مجھے کچھ کہیں گے۔ لیکن دفعتاً وہی نرمی مجھے اپنے ہاتھ پر محسوس
ہوئی۔ البتہ اب چمکدار لائنیں بھی غائب تھیں۔ میں پُراسرار وجود
کی گرفت میں آہستہ آہستہ آگے بڑھنے لگا اور پھر اس نے مجھے
گودی سے باہر نکال کر چھوڑ دیا۔

پھر اس کی آواز میرے کانوں میں گونجی: "بابر داد خان!
یہ بمبئی ہے۔ کسی عمدہ سے ہوٹل میں جاؤ اور یہاں سے اپنی نئی
زندگی کا آغاز کرو۔"

"لیکن — تم — میں — ہوٹل میں؟"

"یہاں مجھے بھی تمہارے ساتھ مصیبت بھگتنا پڑے
گی۔ اچھا چلو، وہ سامنے ٹیکسی جا رہی ہے۔ اسے اشارہ کر کے
روکو۔" اس نے کہا۔

میں نے ایک لمحے کے لیے کچھ سوچا۔ پھر ٹیکسی کو اشارہ کیا۔
ٹیکسی رک گئی اور پھر ریورس ہو کر میرے قریب آ گئی۔ میں ٹیکسی
میں سوار ہو گیا۔

"ہوٹل امپیریل۔" میرے کانوں میں سرگوشی سنائی دی۔
مجھے اپنے نزدیک ہی کسی نرم سے وجود کا احساس ہو رہا تھا۔
کوئی میرے برابر بیٹھا ہوا تھا۔

سیٹ نمایاں طور پر دبی ہوئی تھی۔ میں نے لرزتی آواز
میں ڈرائیور سے کہا۔

"ہوٹل امپیریل۔" اور ڈرائیور نے ٹیکسی آگے بڑھا دی۔
راستے میں خاموشی رہی۔ بمبئی کی چمک دار سڑکیں، میرا
دلیس ہندوستان، سب کچھ مجھے عجیب محسوس ہو رہا تھا۔ بہر حال سفر
جاری رہا اور تھوڑی دیر کے بعد ہم ہوٹل امپیریل کی پُرشکوہ عمارت
کے پاس پہنچ گئے۔

یہاں میں ٹیکسی سے نیچے اتر آیا۔ میں خوف و دہشت میں یہ
سوچ رہا تھا کہ اب ٹیکسی ڈرائیور کا بل کہاں سے ادا کروں گا۔
میرا ہاتھ یونہی اپنی جیب کی طرف رینگ گیا۔ مجھے اپنی جیب میں
نوٹوں کی سرسراہٹ محسوس ہوئی تھی۔ میں نے جلدی سے نوٹ نکال
لیے۔ ڈرائیور منتظر نگاہوں سے مجھے دیکھ رہا تھا۔ میں نے جلدی
سے ایک نوٹ اس کی طرف بڑھا دیا۔

"کھلا نہیں ہے صاحب۔" ڈرائیور نے کہا۔

"کوئی بات نہیں ہے، رکھو۔" میں آہستہ سے بولا اور
ڈرائیور نے جھک کر سلام کر ڈالے۔ میں ٹیکسی کے واپس جانے کا
انتظار کر رہا تھا۔

"اب کیا کروں؟" میں نے سوالیہ انداز سے پوچھا۔

"اب آگے بڑھو۔ ہوٹل میں کمرہ حاصل کرو اور کمرے میں
مقیم ہو جاؤ۔"

"کمرہ کس نام سے حاصل کروں؟"

"بابر داد خان کے نام سے۔"

"مگر لیکن — میں — میں بل کی ادائیگی کہاں سے کروں گا؟"
میں نے پوچھا اور جواب میں مجھے وہی کھنکتی ہنسی سنائی دی۔

"بل کی ادائیگی بھی ہو جائے گی۔ فکر کیوں کرتے ہو؟ چلو آگے
بڑھو اور ہوٹل چل کر کمرہ حاصل کرو۔"

میں بھاری قدموں سے ہوٹل کی عمارت میں داخل ہو کر کاؤنٹر
کے پاس پہنچ گیا۔ کاؤنٹر کلرک نے سوالیہ نگاہوں سے مجھے دیکھا۔

"کمرہ چاہیے۔" میں نے کہا اور اس نے رجسٹر میرے سامنے
سرکا دیا۔

"اس میں اپنا نام اور پتہ لکھ دیجیے۔"

میں نے اپنا نام و پتہ اس کی ہدایت کے مطابق اصل ہی
لکھا تھا۔ کاؤنٹر کلرک نے چابی میری طرف بڑھا دی۔

"پانچ سو روپے ادا کر دیجیے جناب! باقی پیسے بعد میں
دے دیجیے گا۔"

"جی — پانچ سو روپے۔" میں نے بوکھلائے ہوئے انداز
میں جیب ٹٹولی۔ جیب میں پھر نوٹوں کی سرسراہٹ محسوس
ہوئی تھی۔ میں نے جیب سے ہاتھ نکالا، میرے ہاتھ میں پورے
پانچ سو روپے تھے۔ میں نے گردن جھٹکی اور نوٹ کاؤنٹر کلرک کے
حوالے کر دیے۔

کاؤنٹر کلرک نے فوراً بوائے کو بلوایا اور مجھے میرے کمرے
تک پہنچانے کے لیے کہا۔ میں اپنے کمرے میں آ گیا۔

آرام دہ اور کشادہ کمرہ تھا۔ بستر پر بیٹھ کر میں پریشانی سے
پیشانی مسلنے لگا۔ جو کچھ ہو رہا تھا، میری سمجھ اور توقع کے بالکل
خلاف تھا۔

جہاز میں، میں نے شیو وغیرہ درست کر لیا تھا۔ ایک باربر
نے میرے بال وغیرہ بھی کاٹ دیے تھے اور میں انسانی حُلیے میں ہی
تھا لیکن یہ سب کچھ تھا البتہ میری سمجھ میں یہ نہیں آ رہا تھا کہ
زندگی اب کن راستوں پر سفر کرے گی؟

آئندہ زندگی میں مجھے کیا کرنا ہوگا؟ یہ سوال نامکمل تھا۔ اب
ان لوگوں کا انتظار تو ناممکن ہی تھا۔ ان کا تو نام و نشان بھی مٹ چکا
تھا جن لوگوں کے ساتھ میں زندگی گزار رہا تھا۔ اس عجیب و غریب
زندگی کا کوئی واضح تصور میری سمجھ میں نہیں آ رہا تھا۔ سلمان بیچارہ،
بالآخر موت کا شکار ہو گیا تھا۔ اسی طرح جس طرح اس کے اجداد
پھر اس کو ہلاک کرنے میں ناکام رہے تھے۔ اس کا انجام بھی وہی ہوا
تھا جو اس کے بزرگوں کا ہوتا چلا آیا تھا۔ بلاشبہ اس نے جہاز کو
نقصان ضرور پہنچا دیا تھا۔ اسے اپنی صدیوں پرانی حالت کو چھوڑ
کر جانا پڑا تھا۔ لیکن بہر صورت اس کے بعد اس نے سلمان کو بھی
ٹھکانے لگا دیا تھا۔

مجھے وہ بوڑھی اچھی طرح یاد تھی جس کی وجہ سے جہاز میں ہنگامہ
ہوا تھا اور جہاز تباہ ہو گیا تھا۔ یقیناً وہ جادوئی قوتوں کا کارنامہ
تھا جس نے بے شمار انسانوں کو ہلاک کر دیا تھا۔ یہ سب سلمان
کی وجہ سے ہوا تھا۔

بہر طور میں کیا کر سکتا تھا؟ جو کچھ بیت چکی تھی وہ تو بیت ہی
گئی تھی۔ مجھے یہ نئی شکل و صورت مل گئی تھی اور میں کسی طلسمی جال
میں پھنس گیا — تھا۔ وہ بدروح جو میرے پیچھے اس جزیرے
سے لگ گئی تھی، اب بالکل قریب ہی تھی۔ اور نجانے کیا کام لینا
چاہتی تھی؟ نجانے وہ کیا چاہتی ہے؟

میں بیٹھا سوچتا رہا۔ دفعتاً مجھے اپنے عقب سے ایک آواز
سنائی دی اور میں چونک پڑا۔

"کتنی بے کار پریشانیوں میں الجھے رہتے ہو، یہ پریشانیاں تمہاری
اپنی پیدا کردہ ہیں۔ میرا اس میں کوئی قصور نہیں ہے۔ تم مجھے بدروح
سمجھو، یا کچھ اور — بہرصورت میں تمہارے سہارے یہاں تک پہنچی ہوں۔
تم کیا سمجھتے ہو، تمہاری ذات میرے لیے کوئی معمولی حیثیت رکھتی ہے؟
ہرگز نہیں بابر داد خان! شاید تمہیں اس کا احساس بھی نہ ہو کہ میں کسی
انسانی وجود میں سمندر پار نہیں کر سکتی تھی۔ اگر میں ایسا کر سکتی، تو اس
جزیرے سے تمہارے بغیر ہی آ جاتی۔ لیکن بے پناہ مشکلات تھیں مجھے۔
میں تمہارے ہی بدن پر ایک معمولی سی حیثیت اختیار کر کے جہاز تک
پہنچی، حالانکہ ایک لمحے کے لیے تم نے مجھے خطرے میں ڈال دیا تھا۔"

"کیا مطلب؟ میں نہیں سمجھا۔" میں نے کہا اور پھر وہی نقرئی
ہنسی میرے کانوں میں گونجی۔ اب مجھے کوئی ہیولہ وغیرہ نظر نہیں آ رہا
تھا۔ البتہ یہ محسوس کر رہا تھا کہ کمرے میں، میں تنہا نہیں ہوں۔ تب اس
نے کہا۔

"میں تمہارے سر میں ایک ننھا سا کیڑا بن کر رینگ رہی تھی۔
شاید تم اس کیڑے کو جوں کہتے ہو۔ میں اسی طریقے سے یہاں تک پہنچ سکتی
تھی۔ تمہارے سر اور داڑھی کے بال بڑھے ہوئے تھے۔ اس لیے میں
نے ان میں پناہ حاصل کی۔ اور اس وقت میں پریشان ہو گئی تھی جب
باربر تمہارے بال کاٹ رہا تھا۔ یقین کرو مرتے مرتے بچی تھی۔ ورنہ
میری طرح کی کہانی ایک ایسے معمولی انسان کے ہاتھوں ختم ہو جاتی جس
کا کوئی تصور بھی نہیں کر سکتا تھا۔"

"اوہ، پھر اس کے بعد کیا ہوا؟"

"اس کے بعد کچھ نہیں۔ ظاہر ہے پھر مجھے تمہارا تحفظ مل گیا۔"

"لیکن مجھے ایک بات بتاؤ؟"
"پوچھو۔"
"میں اس وقت جگہ پر سکون نہیں ہوں جو سکون ملا ہے۔ مجھے
یہ نہ پتہ چل جائے کہ تم مجھ سے کیا چاہتی ہو؟"
"دیکھو بابر دادخان: میں تم سے کچھ چاہتی ہوں اور جو کچھ میں
چاہتی ہوں وہ تمہیں کرنا ہوگا۔ ہر حالت میں، ہر قیمت پر۔ یہ بات بھی
ہوں بابر دادخان کہ یہ تمہارا آبائی وطن ہے۔ تمہارے بارے میں مجھے
بہت سی باتیں معلوم ہو گئی ہیں۔ تمہارا اپنا خاندان اسی ملک میں ہے۔
لیکن ابھی ان سے ملنے کی کوشش مت کرنا۔ اگر تم نے ایسی کوشش کی
تو ان کے بجائے بال بال بچ جاؤ گے۔ مجھے میرا مقصد حاصل کرنے میں
مدد دو۔ تمہیں پیسے ہے وہ سب کچھ کرنا ہوگا۔ جو عام حالات میں تم
کبھی نہیں کرتے۔ لیکن اب تمہیں کرنا ہے۔ میں اسی طرح اپنی اصل
زندگی حاصل کروں گی۔ ورنہ میرے ساتھ تمہیں بھی مرنا ہوگا۔"
"مگر بتاؤ تو سہی، مجھے کرنا کیا ہے؟"
"نہیں، ابھی کچھ نہیں بتاؤں گی۔ جوں جوں وقت گزرتا چلا
جائے گا، میں تمہیں اس بارے میں بتاتی چلی جاؤں گی۔"
"لیکن میری زندگی کا ڈھب کیا ہوگا؟"
"کیا مطلب؟"
"میرا مطلب ہے کہ میں زندگی کس طرح گزاروں گا؟"
"دیکھو، اب تک تمہیں کون سی مشکلیں پیش آئی ہیں؟ میں نے
تمہیں جہاز تک پہنچایا، جہاز کے ذریعے تم سفر کر کے تم یہاں تک پہنچے
تم کسی بھی الجھن کا شکار تھے۔ میں تمہاری اس بری سادہ لوحی پر چل گئی۔
مجھے نہیں پتہ کہ تمہاری دنیا میں زندگی گزارنے کے کیا طریقے کار ہوتے
ہیں۔ لیکن میں نے اپنی ذہانت سے کام لے کر تمہیں ان مشکلات کا
شکار نہیں ہونے دیا۔ کاغذ کے ٹکڑے جو تمہاری دنیا میں بہت
بڑی حیثیت رکھتے ہیں، تمہارے لیے کارآمد ثابت ہوئے ہیں۔ میں
نے دوسروں کی جیبوں سے نکال کر تمہاری جیب تک پہنچائے۔
میں تم سے سب سے پہلا کام یہ چاہتی ہوں بابر دادخان کہ تم مجھے
اپنی دنیا سے روشناس کراؤ۔"
"تم میرے سامنے کیوں نہیں آتیں؟ اب تک تو تم میرے
سامنے ایک بچے کی شکل میں آتی رہی تھیں۔"
"بابر دادخان، دیکھو میں تمہیں زیادہ تفصیلات نہیں بتا
سکتی۔ لیکن یہ بتا دوں کہ سمندر جانے والی بڑی کٹھن حیثیت رکھتا
ہے۔ یہ جو کچھ کھو چکی تھی اسے پانے میں اس حد تک کامیاب ہو گئی
تھی کہ تم پر اپنا بوجھ ڈال سکو۔ لیکن سمندر عبور کرنے کے بعد میں اپنی یہ
قوت پھر زائل کر چکی ہوں اور اب میں صرف ایک ہوا کی شکل میں ہوں
میں خود کچھ چاہتی ہوں کہ انسانی وجود میں آجاؤں اور اپنی آئندہ
زندگی اپنی مرضی کے مطابق گزارنے کے قابل ہو جاؤں۔ لیکن اس
کے لیے ابھی مجھے بہت کچھ کرنا ہے اور تم اس میں میرے معاون ہو گے۔
خبردار! مجھ سے انحراف نہ کرنا۔ اگر تم نے مجھ سے انحراف کیا تو تمہاری زندگی
عذاب کا شکار ہو جائے گی۔ اپنے طور پر تم جس طرح چاہو گزار سکتے ہو۔
مجھے اعتراض نہ ہوگا۔ لیکن جو کچھ میں کہوں، اس سے انحراف تمہارے
لیے قطعی ناممکن ہے اور میں ایک کوشش تمہارے لیے شدید نقصان
کا باعث بن سکتی ہے۔ تم مجھے یہی دنیا میں زندگی گزارنے کے گر بتاؤ۔
کیا ہوتا ہے یہاں، کیا کیا ممکن نہیں بابر دادخان؟ میں تمہارے ساتھ
رہوں اور تم مجھے اس زندگی سے روشناس کراؤ۔"

"کیوں ممکن نہیں ہے۔ یہ سب کچھ ہو سکتا ہے۔ لیکن سب
سے پہلی بات یہ ہے میری نادیدہ حسین! کہ اس دنیا میں ایک اچھا وقت
گزارنے کے لیے کرنسی کی ضرورت پیش آتی ہے۔" میں نے کہا۔
"کرنسی کیا چیز ہوتی ہے؟"
"وہی نوٹ جو تم نے میری ضرورت کے لیے مجھ تک پہنچائے تھے۔"
"اوہ! ٹھیک ہے۔ یہ کرنسی تمہیں کہاں سے تمہاری ضرورت
کے مطابق مل سکتی ہے؟"
"لاتعداد ذریعے ہیں اس کے حصول کے۔ نوکریاں اور جوا وغیرہ۔"
"جوا کیا ہوتا ہے؟"
"بہت سے طریقے ہوتے ہیں اس کے۔"
"مجھے بھی بتاؤ۔"
"ٹھیک ہے۔ میں تمہیں دکھا دوں گا۔"
"کب؟"
"آج ہی۔ لیکن اس کے لیے تمہیں ایک کام کرنا ہوگا۔"
"وہ کیا؟"
"تمہیں میری مدد کرنی ہوگی۔ میرا مطلب ہے ایسے ہی خوبصورت
سے کرنسی نوٹ مجھے مزید فراہم کرو۔ تاکہ میں اپنی حیثیت بنا لوں۔
مجھے کچھ چیزیں خریدنی ہیں۔ یہ ساری چیزیں بازار سے مل جائیں گی۔ میرا
مطلب کپڑوں وغیرہ سے ہے۔ اپنی حالت درست کرنے کے بعد
میں باقاعدہ اس زندگی کا آغاز کروں گا۔"
"ٹھیک ہے۔ تم تھوڑی دیر رکو۔ میں کرنسی تمہیں فراہم کر دوں

گی۔" اس نے جواب دیا اور میں نے گردن ہلا دی۔
ایک بار مجھے یوں محسوس ہوا جیسے میرے کمرے کا دروازہ
خود بخود کھلا اور بند ہو گیا۔ شاید وہ باہر چلی گئی تھی۔ میں ایک کرسی
کی پشت سے سر ٹکا کر گہری گہری سانسیں لینے لگا۔ یہ نادیدہ
دوست میرے لیے بڑی پراسرار حیثیت رکھتی تھی۔ تقریباً آدھا گھنٹہ
گزرا۔ جب دروازے پر ہلکی سی دستک سنائی دی۔ دروازہ اندر سے
بند نہیں تھا۔ میں نے بھاری آواز میں کہا۔
"آجاؤ۔"
دروازہ کھلا اور پھر بند ہو گیا۔ میں سمجھا تھا کہ شاید ہوٹل کا کوئی
ویٹر ہے۔ لیکن وہ کوئی ویٹر نہیں تھا۔ چند لمحات کے بعد مجھے اس کی
آواز سنائی دی۔
"یہ کرنسی میں نے تمہارے پاس رکھ دی ہے۔" میں نے بے اختیار
اپنی جیب میں ہاتھ ڈالا تو مجھے نوٹوں کی ایک موٹی سی گڈی محسوس ہوئی۔
یہ گڈی میری جیب میں نہیں تھی بلکہ تھوڑے تھوڑے نوٹ تھے۔ یہ جانے
یہ نوٹ کہاں سے آئے تھے۔ بہرحال، ان کی مالیت کئی ہزار کے
لگ بھگ تھی۔ میں مسرت سے انہیں دیکھنے لگا۔ پھر میں نے بھاری آواز
میں کہا۔
"تمہارا شکریہ، مجھے تھوڑی دیر کے لیے اجازت دو۔"
"میں بھی چل رہی ہوں تمہارے ساتھ۔" اس نے کہا۔
"تو پھر آؤ۔" میں نے کہا اور کمرے سے باہر نکل آیا۔ دروازے
کو تالا لگانے کے بعد میں نے چابی کاؤنٹر پر دی اور خود باہر آ گیا۔
زندگی بڑی عجیب عجیب لگ رہی تھی۔ بہرحال اب میں نے ان
حالات میں گزارا تھا۔ مصر کی زندگی بھی میرے لیے اچھی ہی دنیا کی زندگی
کی حیثیت رکھتی تھی۔ لیکن اپنا ملک اپنے اطراف کچھ عجیب سے لگ
رہے تھے۔ میں بستی کی سڑکوں پر مارا مارا پھرنے لگا۔ مجھے اپنے ساتھ اس وجود
کا احساس تھا۔ پھر ایک بہت بڑے اسٹور میں داخل ہو کر میں نے کافی
خریداری کی۔ خریداری کرتے کرتے دفعتاً مجھے اس کا خیال آیا اور میں
نے اس سے پوچھا۔
"کیا تم میرے ساتھ ہو؟"
"ہاں، تمہارے بالکل قریب، تمہارے ساتھ۔"
"کیا دیکھ رہی ہو؟"
"تمہاری دنیا کے انداز۔"
"کیسے لگے؟"
"دلچسپ۔ بہت دلچسپ۔"
"میں نے سامان خرید لیا ہے۔ اب میں اس کی قیمت ادا کروں گا۔"
"ہاں ہاں، تم اپنے کام میں مشغول رہو۔ میں سب دیکھ رہی ہوں۔"
اس نے جواب دیا۔
خریداری کرنے کے بعد میں نے ایک سوٹ کیس لیا۔ اس میں
تمام سامان بھرا اور پھر وہاں سے واپس چل پڑا۔ تھوڑی دیر کے بعد میں
نے ایک ٹیکسی لی اور وہاں سے اپنے ہوٹل پہنچا اور اپنے کمرے میں
آ گیا۔ وہ میرے ساتھ ساتھ ہی تھی۔ مجھے اپنے قریب کسی وجود کا
احساس ضرور ہو رہا تھا۔ میں نے تمام چیزیں رکھ دیں اور اس سے کہا۔
"رات ہونے والی ہے۔ اب میں تمہیں جوا خانے میں لے جاؤں
گا۔" میں نے اسے بتایا۔
"ٹھیک ہے۔ ٹھیک ہے۔ میں تمہارے ساتھ ہوں۔ تم
بالکل مطمئن رہو۔ مجھے گفتگو کرنا پسند ہے کوئی فرق نہیں ہے۔
میرا مقصد یہ ہے کہ میں تمہارے ساتھ ہوں گی۔ لیکن جب تم خود ہی
مجھ سے بات چیت کرنا مناسب خیال کرو گے تو میں تمہاری بات
کا جواب دوں گی۔ ورنہ خاموش رہوں گی۔"
"او کے۔" میں نے گردن ہلائی۔
تھوڑی دیر کے بعد میں ہوٹل کے ریکریشن ہال میں پہنچ گیا۔
سامنے ہی دروازے پر "GAMES" لکھا ہوا تھا۔ میں نے پردہ ہٹایا
اور اندر داخل ہو گیا۔
بہت وسیع و عریض ہال تھا۔ میزوں پر لاکھوں روپے کا جوا ہو
رہا تھا۔ تاش، رولنگ بال اور نہ جانے کیا کیا۔ میں تاش کے کھیل
میں بہت زیادہ مہارت نہیں رکھتا تھا۔ چنانچہ میں رولنگ بال کے
نزدیک پہنچ گیا۔ میں نے اپنی جیب سے کچھ نوٹ نکالے اور رولنگ
بال کے نزدیک کھڑے ہو کر ایک نمبر لگا دیا۔ پھر میں سرگوشی کے انداز
میں بولا۔
"یہ سفید گولی جو ایک خانے سے دوسرے میں گھوم رہی ہے، جب
رکنے ہونے نمبر چودہ پر رکنی چاہیے۔ اس طرح میں جیت جاؤں گا۔"
میری بات کا کوئی جواب نہ دیا گیا۔ لیکن اس وقت میری آنکھیں
حیرت سے پھیل گئیں، جب سفید گولی میرے نمبر پر رک گئی۔ پہلی ہی
کوشش میں پانچ سو روپے میرے پاس آ گئے۔
تب میں نے دوسرا داؤ لگانے کے بارے میں سوچا تب مجھے
اپنے کانوں میں سرگوشی سی سنائی دی۔
"اس بار نمبر [illegible] پر لگاؤ۔"
اور پھر میں نے ایک اچھی خاصی رقم اس نمبر پر لگا دی۔ اس بار بھی
میں ہی جیتا تھا اور لوگ میری جانب متوجہ ہو گئے تھے۔
میں اس رولنگ بال پر تقریباً پچاس ہزار روپے جیتا تھا اور وہاں
سے ہٹ گیا۔ ایک ساتھ ہی بہت ساری رقم جیت کر میں لوگوں کو
شک کا موقع دینا نہیں چاہتا تھا۔ وہاں سے ہٹ کر میں ایک اور

قمار بازی کی میز پر پہنچا۔ یہاں بھی میں نے دس ہزار کے تین داؤ لگائے۔
اور وہاں سے مجھے پندرہ ہزار روپے مل گئے۔ گویا آج کی کمائی اکیس
ہزار تھی۔ میں ایک دم سے امیر نہیں بن جانا چاہتا تھا لیکن میری قسمت
میری خوشی کی انتہا نہیں تھی۔ میں اپنی نادیدہ محسن کی وجہ سے اکیس
ہزار روپے کا مالک بن گیا تھا۔ اب اگر قسمت ساتھ دیتی رہی تو وہ
وقت زیادہ دور نہیں تھا جب میں بمبئی میں نمایاں شخصیت کا
حامل بن جاتا۔

جب میں واپس اپنے کمرے میں پہنچا تو میں بہت خوش تھا۔
میری نادیدہ محسن میرے ساتھ تھی۔ پھر میں نے اپنی آنکھیں بند کیں اور کہا۔
"ٹھیک ہے، اب بتاؤ، تم مطمئن ہو؟"
"بہت زیادہ مطمئن، تم نے تو میری زندگی ہی بدل ڈالی۔"
"بس تم جس طرح چاہو عیش و عشرت کی زندگی حاصل کر سکتے ہو
بس تمہیں میرے احکامات پر عمل کرنا ہوگا۔"
"میں تیار ہوں۔ تمہاری وجہ سے مجھے زندگی کی بہت سی مسرتیں
اور خوشیاں مل گئی ہیں، میں انہیں نظر انداز نہیں کر سکتا۔" میں نے جواب
دیا اور دوسری طرف سے آواز آنا بند ہو گئی۔
"سنو۔۔۔" میں نے تھوڑی دیر کے بعد اسے مخاطب کیا لیکن اب
کوئی آواز میرے نزدیک نہیں آ رہی تھی۔ میں پُر مسرت انداز میں جیب میں ٹھنسے
ہوئے نوٹوں کو نکال کر انہیں گننے لگا۔ اکیس ہزار سات سو بیس روپے
تھے۔

یہ رقم میرے لیے بہت کافی تھی۔ حالانکہ ایسی بات نہیں تھی
کہ میں نے دولت نہ دیکھی ہو۔ اگر میں سرزمین مصر چلا جاتا تو لاکھوں روپے
کی دولت کا مالک تھا۔ لیکن اتنے عرصے بعد اپنے وطن آ کر مجھے یہ سب
کچھ بہت عجیب لگ رہا تھا۔ یہاں دولت کا حصول میرے لیے آسان
کام نہیں تھا۔ لیکن بہر صورت وہ مجھے میری پسند کے مطابق حاصل ہو
رہی تھی۔ سرزمین مصر جا کر تو ویسے بھی میری شخصیت مشکوک ہو سکتی تھی۔ بھلا کون
اس بات کو تسلیم کرتا کہ میں بابر داد خان ہوں۔ سلطان کا اتالیق۔
مجھے علم نہیں تھا کہ فہمی وغیرہ وہاں پہنچے یا نہیں۔ بہر صورت
سلطان ہلاک ہو چکا تھا اور اس کی یاد جب بھی آتی، میرا دل دکھنے
لگتا تھا لیکن کیا کرتا؟

بہت سے احساسات اور خیالات ذہن میں تھے لیکن زندگی میں
ایک عجیب سی تبدیلی پیدا ہو گئی تھی۔ دل چاہتا تھا کہ جوانی لوٹ آنے
پر وہی ساری عادتیں اپناؤں۔ فطرت ہی بدل کر رکھ دی گئی تھی میری تو۔
رات ہو گئی۔ اپنے کمرے میں ہی کھانا منگوایا اور کھانا کھانے کے
بعد گہری نیند سو گیا۔ بڑی پُرسکون نیند آئی تھی۔ میں نے دل ہی دل میں
فیصلہ کر لیا تھا کہ میری زندگی میں جو تبدیلی پیدا ہوئی ہے اس سے پورا
پورا فائدہ کیوں نہ اٹھاؤں۔ ایسی زندگیاں تو بہت ہی کم لوگوں کو ملتی
ہیں۔
دوسری صبح ناشتے سے فارغ ہو کر سوچنے لگا کہ بمبئی کی سیر کو نکلوں۔
دفعتاً مجھے قدموں کی چاپ سنائی دی۔ اور میں اس طرف متوجہ ہو گیا۔
"شاید یہ تم ہو؟"
"ہاں۔"
"کیسے مزاج ہیں؟"
"ٹھیک ہوں۔"
"کوئی خاص بات؟"
"نہیں کوئی خاص بات نہیں۔ تم یہ بتاؤ آج کے لیے تم نے کیا
فیصلہ کیا؟ کیا سیر و تفریح کے لیے نہیں چلو گے؟"
"ہاں ہاں، کیوں نہیں۔ لیکن کیا تم میرے ساتھ جاؤ گی؟" میں
نے پوچھا۔
"ہاں، میں ہر روز تمہارے ساتھ جاؤں گی۔ اب میں یہاں کے ماحول
کو سمجھنے کی کوشش کر رہی ہوں۔ تم ساتھ ہو گے اور کوئی بات میری سمجھ
میں نہ آئی تو تم سے پوچھتی جاؤں گی۔"
"ٹھیک ہے، چلو۔" میں نے جواب دیا اور سیدھا ہوٹل سے باہر
نکل گیا۔
میں نے لباس تبدیل کر لیا تھا۔ باہر آ کر میں نے ایک ٹیکسی روکی
اور اس میں بیٹھ کر چوپاٹی چل پڑا۔ سمندر کے کنارے پہنچ کر وہ آہستہ
سے بولی۔
"اب کیا تم ان کشتیوں میں بیٹھو گے۔ جو ادھر ادھر گھوم رہی ہیں؟"
"نہیں نہیں، کیوں، تمہیں کشتیوں سے گھبراہٹ ہوتی ہے؟"
"ہاں، میں سمندر سے بے حد خوفزدہ رہتی ہوں۔"
"تو ٹھیک ہے، بہر صورت یہ دیکھو، یہ زندگی ہے۔ وہ ادھر
مچھیرا عورتیں کام کر رہی ہیں۔ یہ بے چاری محنت مزدوری کرتی ہیں
اور یہ رومان زدہ جوڑے ہیں جو سمندر کے کنارے اپنی محبت کی تکمیل
کرنے کے لیے آتے ہیں۔" وہ آہستہ سے ہنس پڑی۔ پھر عجیب سے لہجے
میں بولی۔
"تم نے کبھی کسی سے محبت نہیں کی؟"
"نہیں۔"
"کیوں؟"
"بس جو محبت کی جاتی ہے۔ وہ میں نے واقعی کبھی نہیں کی۔
حالانکہ ایک عورت میری زندگی میں آئی تھی۔"
"میں جانتی ہوں۔ تم مصر کی بات کر رہے ہو نا؟"
"اوہ، تمہیں کیسے معلوم ہوا؟" میں نے چونک کر سوال کیا اور

پھر وہ آہستہ سے ہنس پڑی۔
"تمہارے بارے میں تو مجھے سب ہی کچھ معلوم کرنا پڑا ہے۔ آخر
تم میرے ساتھی جو ہو۔"

مجھے اس نادیدہ وجود کا ساتھ خود بھی بے حد پسند تھا جس نے
میری فطرت بدل کر رکھ دی تھی۔ پھر وہ بولی۔
"رات کو پھر جوا کھیلو گے؟"
"ہاں۔ اب جب تم نے مجھے زندگی کی اس راہ پر ڈال ہی دیا
ہے۔ تو میں چاہتا ہوں کہ میرا ایک گھر ہو، ایک خوبصورت سی کوٹھی
بناؤں اور خوب دولت حاصل کروں۔"
"تو پھر یوں کرو۔ تم روزانہ مختلف ہوٹلوں اور کلبوں میں جوا
کھیلا کرو۔ میں تمہارا ساتھ دوں گی۔ جس طرح بھی کہو گے کرتی رہا
کروں گی۔" میں نے گردن ہلا دی۔
پھر یہی ہوا۔ رات کو پھر میں جوا کھیلا، اکیس ہزار کی رقم میں
نے تھوڑی تھوڑی کر کے داؤ پر لگانا شروع کر دی اور ہر داؤ میری
تقدیر کا ساتھ دے رہا تھا۔ تھوڑی ہی دیر میں میرے پاس تقریباً اٹھاون
ہزار روپے جمع ہو گئے۔ اکیس ہزار کی رقم کو اٹھاون ——
ہزار میں تبدیل کر کے میری مسرت کی انتہا نہیں رہی تھی۔ بہر صورت
میں نے وہیں پر اکتفا نہیں کیا اور اس ہوٹل سے نکل آیا۔ پھر اس ہوٹل
سے نکل کر میں ایک دوسرے ہوٹل میں پہنچ گیا اور میں نے اٹھاون ہزار
روپے کی رقم سے کھیلنا شروع کر دیا۔ اور رات کو جب میں سونے
گیا، جب وہاں سے اٹھا تو میرے پاس ایک لاکھ اٹھائیس ہزار روپے
تھے۔ میں بمشکل انہیں سنبھال رہا تھا۔ یہ رقم میں نے ایک بریف کیس میں
رکھی اور وہاں سے واپس چل پڑا۔ اتنی رقم اپنے پاس رکھنا مناسب
نہیں تھا چنانچہ میں نے سوچا کہ اسے اگلے دن بینک میں جمع کرا دوں گا
اور یہی ہوا۔
دوسرے دن میں نے اس میں سے ایک لاکھ بیس ہزار روپے
بینک میں جمع کرا دیے۔ صرف آٹھ ہزار روپے اپنے پاس رہنے دیے۔ میری
نادیدہ محسن میرے ساتھ تھی۔ اب مجھے کس بات کی پرواہ ہو سکتی
تھی۔ میں اسے دنیا کے بارے میں بتاتا رہا۔
اس طرح جاری یہ دن بھی تمام ہوا اور رات کو پھر میں جوا خانے
میں پہنچ گیا۔
بمبئی آئے ہوئے مجھے دس روز ہو چکے تھے۔ کسی نئے شہر میں
بغیر کسی ایجنسی کے جو دشواریاں پیش آ سکتی ہیں۔ ان کا خیال مجھے
بھی وقتی تھا۔ میرے پاس کوئی ریفرنس وغیرہ نہیں تھا لیکن میری
نادیدہ محسن کے طفیل میرے پاس لاکھوں روپیہ موجود تھا چنانچہ
آج میں نے یہاں کوئی مناسب جگہ تلاش کرنے کا فیصلہ کر لیا۔
میں ہوٹل چھوڑ دینا چاہتا تھا۔ زندگی جب مجھے اس قسم کے
مواقع مہیا کر رہی ہے تو میں اس سے پورا پورا فائدہ کیوں نہ اٹھاؤں؟
چنانچہ میں مختلف پراپرٹی ڈیلرز سے ملا اور اپنے لیے کوئی خوبصورت
بنگلہ تلاش کرنے لگا۔ تقریباً تیسرے دن ایک پراپرٹی ڈیلر نے مجھے
ایک بنگلہ دکھایا۔
بہت ہی خوبصورت بنگلہ تھا۔ مالابار کے علاقے میں تھا۔
میں نے اسے پسند کر کے اس کے دام چکا دیے۔ اسی دن میں اپنے اس
نئے بنگلے میں منتقل ہو گیا تھا۔۔۔ لیکن یہاں آ کر مجھے اتنی مسرت ہوئی
تھی کہ بیان سے باہر ہے۔ اب میں نئے سرے سے زندگی کا آغاز کرنا چاہتا
تھا۔ حالانکہ مجھ جیسا سنجیدہ آدمی جوانی کی ان حماقتوں کے بارے
میں اب سوچ بھی نہیں سکتا تھا لیکن کیا کرتا۔ بدن میں وہی قوت
پیدا ہو گئی تھی۔ طبیعت میں جوانی آ گئی تھی اور یہ سب میری نادیدہ
محسن کی بدولت ہوا تھا۔
ہاں میں اسے محسن ہی کہوں گا، کیونکہ اس کے بعد ایک مہینے
کے اندر اندر اس نے میرے پاس اتنی دولت جمع کر دی کہ میں نے
ایک چھوٹی سی کار خرید لی، اپنی خدمت کے لیے چند ملازم رکھ لیے
اور بنگلے کو بہترین ساز و سامان سے آراستہ کر ڈالا۔ اب میں درحقیقت
ایک آسودہ حال شخص بن چکا تھا۔ میں نے بینکوں میں اپنے اکاؤنٹس
کھول لیے تھے۔ جتنے روپے میری جیب میں آتے، اتنی ہی میری ہوس
بڑھتی چلی جاتی۔ میں بہت جلد دولت مند ترین شخص بننا چاہتا تھا چنانچہ
میں ہر رات جوا کھیلنے نکلتا۔ میری دوست میرے ساتھ ہوتی اور سب
کچھ میری مرضی کے مطابق ہی ہوتا رہتا۔
بمبئی کے جوئے خانوں میں اب میری حیثیت والی پہچان ہو گئی
تھی۔ لیکن میں بہت ترکیب سے کام کیا کرتا تھا کبھی کسی کو میرے اوپر
شبہ نہ ہو سکا۔ میں کبھی اپنے ہاتھ کی صفائی نہیں دکھاتا تھا۔
پھر مجھے واحد نامی ایک شخص ملا۔ اچھے خاصے تن و توش کا ایک
نوجوان آدمی تھا۔ اس نے مجھ سے دوستی بڑھانا شروع کر دی۔ میری
نادیدہ محسن نے اس سلسلے میں کوئی اعتراض نہ کیا تھا۔ میں نے اس سے
مشورہ کیا تو وہ ایک سرگوشی نما ہنسی کے ساتھ بولی۔
"تم کیا سمجھتے ہو، کیا وہ ویسے ہی تمہارے پاس آیا ہے؟"
"نہیں، لیکن تم اس کے بارے میں مجھے کچھ تو بتاؤ۔"
"سنو بابر داد خان، اب تک تم بابر داد خان تھے لیکن اب تمہیں
اپنا نام تبدیل کرنا ہوگا۔"
"کیا مطلب؟"

تمہارا نام رانا مسعود ہے، بچے۔ واحد کو تم اپنے گھر کا پتہ بھی بتا دو۔ وہ تم سے ملنے آئے تو تم یہ انکشاف کر دینا کہ دراصل حقیقت میں تم رانا مسعود ہو۔ ایک بہت بڑے بیوپاری واحد کو رانا مسعود کی تلاش ہے۔ وہ رانا مسعود کے ذریعے ایک کھیل کھیلنا چاہتا ہے۔ تم اس کے ساتھ بھرپور تعاون کرو گے۔ میں تمہیں ضروری ہدایت دیتی چلی جاؤں گی۔"

میں خیال کی آنکھوں سے اس نادیدہ ہستی کو دیکھنے لگا۔ اس کی کوئی بات میری سمجھ میں نہیں آئی تھی لیکن میں اس سے انحراف بھی نہیں کر سکتا تھا۔ اس نے میری حیثیت بدل دی تھی۔ ورنہ اس تباہی کے بعد اور اس تبدیلی کے بعد میرے لیے اس دنیا میں بے تعداد مشکلات پیدا ہو جاتیں۔ نجانے کس طرح میں خود کو اپنی دنیا میں ضم کر پاتا۔ اس کے سوا کوئی چارہ کار نہیں تھا۔

بہرحال زندگی کے شب و روز یونہی جاری رہے۔ دوسرے دن بھی واحد نے آ کر کلب میں مجھ سے ملاقات کی۔ بہت خلوص سے ملا تھا وہ مجھ سے۔ اس شام وہ بہت زیادہ چہک رہا تھا۔ میرے ساتھ چائے پیتے ہوئے اس نے کہا۔

"بابر داد خان! میں تم پر ایک انکشاف کرنا چاہتا ہوں۔"

"انکشاف؟" میں نے تیور دیکھا۔

"ہاں۔ یہ تصویر دیکھو۔ کیا تم نے اس شخص کو کبھی دیکھا ہے؟"

اس نے جیب سے ایک تصویر نکال کر میرے سامنے کر دی۔ میرے ذہن کو ایک شدید جھٹکا لگا تھا۔ میری آنکھیں تصویر پر جم سی گئیں۔ یہ تصویر۔ نا ممکن۔ یہ کیسے ممکن ہے؟ میں نے سوچا۔

میری ہی تصویر تھی لیکن فوجی وردی میں ملبوس تھا۔ اور میرے فوجی لباس پر لگے ہوئے نشانات کرنل کا عہدہ ظاہر کر رہے تھے جبکہ میں نے ساری زندگی میں کبھی تصور بھی ایسا کوئی لباس نہیں پہنا تھا۔

واحد گہری نگاہوں سے مجھے دیکھ رہا تھا۔ پھر اس نے گہری سانس لے کر کہا۔ "یوں بمبئی آپ کو بابر داد خان کے نام سے جانتی ہے لیکن واحد ... جو کہ ...... آپ کی اصل شخصیت پہچانتا ہے۔ کب تک خود کو چھپائے رکھو گے رانا صاحب۔ خاندان کو اس وقت تمہاری ضرورت ہے۔ کسی وقت بھی خود کے لئے ... کر دشمنوں کی زبان بند کر دو۔ میں تمہاری ... کرتا ہوں۔"

دل ہی دل میں میری حالت خراب تھی لیکن مجھے ہدایت دی گئی تھی اس لئے اب انحراف نہیں کر سکتا تھا۔ میں نے گہری سانس لی اور بولا۔

"اب جبکہ تم مجھے پہچان چکے ہو تو میں انحراف نہیں کر سکتا۔"

"بمبئی میں تم کیا کر رہے ہو؟"

"کاروبار۔ یہاں میرا کافی بڑا کاروبار ہے۔"

"بھول جاؤ اسے۔ میرے ساتھ رانا محل چلو۔ بڑے رانا چل بسے!"

"لیکن تم کون ہو؟ میں نے تمہیں نہیں پہچانا؟"

"ہاں تم مجھے نہیں جانتے لیکن میں تمہارے خاندان کا سب سے بڑا بہی خواہ ہوں۔"

"ٹھیک ہے واحد، میں تمہارے ساتھ چلنے کے لئے تیار ہوں۔" میں نے تھکے تھکے لہجے میں کہا۔

"اب میری آخری بات مان لی ہے تو ایک بات اور مان لو۔ ابھی اسی وقت میرے ساتھ چلو۔ نجانے وہاں حالات میں کیا تبدیلیاں رونما ہو رہی ہوں۔ تمہارا وہاں پہنچنا بے حد ضروری ہے۔" چونکہ میری نادیدہ محسنہ کی ہدایت تھی اس لئے میں نے انکار نہ کیا اور واحد خوشی سے مجھ سے لپٹ گیا۔

رانا محل بمبئی کے سرسبز مضافات میں گھری ایک حسین ترین عمارت تھی۔ قدیم و جدید طرز تعمیرات کا دلکش نمونہ۔ وسیع سبزہ زار، مہکتے ہوئے درخت، خوش نما آرائش، سنگ مرمر سے تراشے ہوئے خوبصورت مجسمے جو جگہ جگہ ہر نوع کی نفاست سے آراستہ تھے۔ رانا محل کی شاہانہ فضاؤں نے مجھے بہت متاثر کیا تھا۔ اس عظیم الشان محل کی دیکھ بھال کے لئے ملازموں کی پوری فوج موجود تھی۔

میں ان حالات سے بہت پریشان تھا۔ کچھ بھی تو نہیں جانتا تھا اس عمارت کے بارے میں۔ کسی ایک فرد کی شکل نہیں پہچانتا تھا اور لطف کی بات یہ بھی کہ جو شخص مجھے لایا تھا وہ خود بھی میری شخصیت سے ناواقف تھا اور مجھے کچھ اور ہی سمجھتا تھا۔ ایسی شکل میں اس سے بھی کچھ نہیں پوچھ سکتا تھا۔ تو نے مجھے کس مصیبت میں پھنسا دیا۔ میری نادیدہ دوست!

"پریشان کیوں ہوتے ہو بابر، میں جو تمہارے ساتھ ہوں۔" میرے کانوں میں اس کی آواز ابھری۔

"میں یہاں کسی کو نہیں جانتا۔"

"میں بتاؤں گی۔ تم خود کو پرسکون رکھو۔ ادھر دیکھو۔ وہ شخص جو تمہاری طرف بڑھ رہا ہے شاہ عالم ہے۔ تمہارے منجھلے بھائی اور رانا محل کے اصل مالک رانا جہانگیر کا سیکرٹری۔ تم پر اسے بہت اعتماد ہے۔ جہاں نہ سمجھو مجھ سے پوچھ لینا۔"

میں حیران رہ گیا۔ پُراسرار وجود میرے ساتھ تھا وہ ہر جگہ

میری مدد کر سکتا ہے۔ اس خیال نے بڑی ڈھارس دی اور میں پرسکون ہو گیا۔

بنے ٹھنے والا یہ شخص قریب پہنچ گیا۔ اس کے چہرے پر مجھے دیکھ کر مسرت کے آثار پھیل گئے تھے۔ چہرے مہرے سے وہ چالیس پینتالیس کے لگ بھگ نظر آتا تھا۔ اس کے انداز میں سلیقہ تھا اور لباس وغیرہ بھی اس نے نہایت مناسب پہنا ہوا تھا۔

"آہ رانا مسعود۔ آپ آ گئے۔ آپ کو دیکھ کر میرے رگ و پے میں نئی زندگی دوڑ گئی ہے۔ خدا کا شکر ہے کہ اب میرے کاندھوں کا بوجھ کچھ ہلکا ہو جائے گا۔"

"کیسے ہو شاہ عالم؟" میں نے بھاری لہجے میں پوچھا اور اس نے گردن جھکاتے ہوئے کہا۔

"میں ابھی تک تو اب ٹھیک ہوں اور بہت خوش ہوں۔ طویل عرصے سے محل کی حفاظت اور سارے کاروبار کی دیکھ بھال کا بوجھ صرف میرے شانوں پر تھا۔ تمہارے جانے کے بعد رانا مسعود یہاں جو تبدیلیاں پیدا ہو چکی ہیں، ممکن ہے تمہیں ان کے بارے میں معلومات حاصل ہوں۔ لیکن میرے اوپر جو عجیب و غریب ذمہ داریاں آ پڑیں، ان کے بارے میں یقیناً تمہیں علم نہیں ہو گا۔ مجھے تو دلی مسرت ہے کہ میری مشکلات کا حل تمہاری شکل میں مل گیا۔"

"شاید۔ بہرصورت اب میں آ گیا ہوں۔" میں نے جواب دیا۔

"کاش رانا جہانگیر تمہیں اس گھر میں بذات خود خوش آمدید کہہ سکتے۔ بہرطور تم سفر کی تھکن اتار لو۔ تازہ دم ہو جاؤ پھر باتیں ہوں گی۔ تمہاری خواب گاہ آج بھی جوں کا توں سجا ہوا ہے۔ روزانہ اس کی صفائی ہوتی ہے اور تمہارا انتظار کیا جاتا ہے۔"

میں نے اس سلسلے میں کوئی جواب نہیں دیا۔ ظاہر ہے خاموشی ہی بہتر تھی۔ ... پھر شام کی چائے پر شاہ عالم نے چند رسمی باتوں کے بعد کہا۔

"تم یقیناً بڑے رانا صاحب کے بارے میں جاننے کے لئے بے چین ہو گے۔ یا واحد نے تمہیں یہاں کے حالات کی تفصیل بتا دی ہے؟"

"نہیں میں نے اس دوران اپنی زندگی ان واقعات سے بالکل ہی الگ کر لی ہے اس لئے مجھے نہیں معلوم کہ میری غیر موجودگی میں کیا کیا تبدیلیاں پیدا ہو چکی ہیں؟"

"افسوس رانا جبار اپنی عادت کے مطابق رانا جہانگیر کی موت

کبھی جاننے کی کوشش نہیں کی کہ رانا محل پر کیا گزر رہی ہے۔ وہ بڑے عیش و عشرت سے اپنی زندگی کی جانب گامزن تھے کہ اچانک بڑی بیگم صاحبہ بیمار ہوئیں اور ایک مہینے کے اندر اندر چل بسیں۔ گویا بڑے رانا صاحب اب آزاد ہو گئے تھے۔ چونکہ اگر ان پر کوئی خاندانی پابندی تھی تو بڑی بیگم ہی کی تھی۔ خود تو ساری زندگی عیش و عشرت میں گزار دی۔ کبھی کچھ کر کے نہ دیا۔ رانا جہانگیر نے جو دولت کمائی کبھی اسے اپنی ملکیت نہیں سمجھا اور بڑے رانا صاحب کو ہمیشہ بڑے بھائی کی حیثیت دی۔ ان کی ہمیشہ کفالت کی۔ ان کے جائز و ناجائز اسراف برداشت کرتے رہے۔ کبھی اُف تک نہیں کی۔ مرحوم بڑے ہی اچھے انسان تھے وہ۔

رانا صاحب بڑی بیگم کی موت کے بعد سیر و تفریح کرنے کے لئے کہیں چلے گئے۔ اور جب واپس آئے تو ان کے ساتھ ایک حسین و جمیل عورت تھی جو پرلے درجے کی مکار اور آوارہ فطرت تھی۔

رانا محل کا نچلا حصہ رانا جبار نے اپنے لئے منتخب کر لیا اور وہاں عیش و عشرت سے رہنے لگے۔ بے چارے رانا جہانگیر نے اس پر بھی کسی ردعمل کا اظہار نہیں کیا اور دوسری بیگم کو بھی برداشت کیا جانے لگا۔ لیکن دوسری بیگم نے تھوڑے ہی عرصے کے بعد وہ تمام پابندیاں ختم کر دیں جو کسی شریف گھرانے کی ہوتی ہیں۔ انہوں نے آنکھیں دکھانی شروع کر دیں۔ رانا صاحب کی عائد کردہ پابندیوں سے ان کا دل گھبرانے لگا۔ اور اس نے بلا شرم و لحاظ شراب نوشی شروع کر دی۔ اس کے دوست یہاں آنے لگے۔ رانا محل کا نچلا حصہ رقص و سرود کی محفلوں سے ایک عجیب و غریب حیثیت اختیار کر گیا۔

کا مالک اور وارث ہے۔

رانا مسعود ان سب میں چھوٹا تھا۔ لیکن اس کی کہانی بہت عجیب ہے۔ رانا مسعود ایک لڑکی کو چاہتا تھا جس کا نام گل رخ تھا۔ گل رخ رانا خاندان کی لڑکی تھی، بلکہ اپنے گھرانے کی چشم و چراغ۔ جو کچھ بھی تھا یہ گھرانہ رانا فیملی سے متعلق ضرور تھا لیکن رانا فیملی کی تنزلی کے زمانے میں بھی اس کی ساکھ بہت زبردست تھی۔ اور گل رخ کے گھرانے کی لڑکیاں اچھے خاصے گھرانوں میں بیاہی گئیں۔

رانا مسعود گل رخ کو چاہتا تھا۔ بچپن ہی سے دونوں ساتھ رہتے تھے۔ شاید گل رخ کے ذہن میں بھی رانا مسعود کے لئے کوئی جگہ تھی۔

لیکن بدقسمتی یہ ہوئی کہ رانا جہانگیر بھی گل رخ سے متاثر ہو گیا۔ رانا مسعود چونکہ اپنے پیروں پر کھڑا نہیں ہوا تھا اس لئے وہ یہ کوشش نہیں کر سکتا تھا کہ گل رخ کو حاصل کرے۔ وہ چاہتا تھا کہ پہلے تھوڑا بہت اپنے آپ کو مستحکم کر لے، اس کے بعد گل رخ کے والدین سے رانا جہانگیر کے ذریعے بات کرے۔ مگر رانا جہانگیر کی دولت اپنے بھائیوں کے لئے کھلی ہوئی تھی۔ رانا جبار اس پر عیش کر رہا تھا۔ رانا مسعود چاہتا تو خود بھی اپنے بھائی کی دولت کا سہارا لے کر اپنا مقصد پا سکتا تھا لیکن وہ ذرا خوددار قسم کا آدمی تھا چنانچہ اس نے فیصلہ کیا کہ وہ یہاں سے چلا جائے اور دولت کمائے۔

اس نے اپنے خیال کا ذکر رانا جہانگیر سے کیا۔ رانا جہانگیر نے اس کی مخالفت کی اور کہا کہ اس کا اپنا کاروبار اتنا بڑا ہے کہ اگر وہ چاہے تو خود اسے فروغ دے سکتا ہے۔ رانا مسعود نے یہ بات تسلیم کر لی اور رانا جہانگیر کے ایماء پر ہانگ کانگ چلا گیا۔

کچھ عرصے کے بعد ہانگ کانگ میں اسے تار ملا کہ فوراً واپس پہنچے رانا جہانگیر کی شادی ہو رہی ہے۔

رانا مسعود خوشی خوشی واپس آیا لیکن یہاں اسے معلوم ہوا کہ رانا جہانگیر کون سے خاندان کی لڑکی کو اپنی شریک حیات بنا رہے ہیں۔ حقیقت سے اس پر ایک ہولناک انکشاف ہوا، اسے پتہ چلا کہ رانا جہانگیر کی شادی گل رخ سے ہو رہی ہے۔ سارے معاملات طے پا چکے تھے۔ اب وہاں کا دوہرانا فضول ہی تھا۔ گل رخ کی کیا کیفیت تھی یہ بھی ... رانا مسعود نے بھائی کے معاملے میں ٹانگ تو نہیں اڑائی لیکن وہ خود اس شادی میں شریک نہیں ہو سکا اور خاموشی سے کہیں چلا گیا۔ اس کے بعد رانا مسعود نے رانا محل کا رخ نہیں کیا۔ بہت عرصے تک اسے تلاش کیا گیا لیکن اس کا کوئی پتہ نہیں چل سکا۔

پھر رانا جہانگیر ایک حادثے کا شکار ہو کر مر گیا اور گل رخ بیوہ ہو گئی۔ رانا جہانگیر کا صرف ایک بیٹا ہے جس کا نام سلیم ہے۔ وہ صرف سات سال کا ہے۔ رانا سلیم کی زندگی کے کچھ گاہک پیدا ہو گئے ہیں۔ اس پر کئی خوفناک حملے ہو چکے ہیں۔ تقدیر یہ تھی کہ وہ بچ گیا اور اس سلسلے میں یہ شخص شاہ عالم رانا سلیم کی سخت حفاظت کرتا ہے۔ اس کے ذہن میں کچھ شبہات ہیں، لیکن وہ ان کا اظہار نہیں کر پاتا۔ بہرطور تم پر ان لوگوں کا بہت انحصار ہے۔ اور تمہارے واپس آنے کے بعد انہیں خاصی ڈھارس ہو گئی ہے۔ یہ ہیں یہاں کے حالات جنہیں اب تمہیں سنبھالنا ہے۔"

"کمال ہے، میں کیا سنبھالوں گا ان حالات کو، مجھے یہاں آخر کرنا کیا ہے؟"

"آہستہ آہستہ، آہستہ آہستہ۔ میں تمہیں سب کچھ بتاتی رہوں گی۔ فی الحال جتنا بتا دیا ہے، وہ تمہارے علم میں آ چکا ہوگا۔ اب ان حالات کے تحت تم اپنی مرضی کے مطابق کچھ کام کر سکتے ہو۔"

"مگر تم مجھے یہ نہیں بتاؤ گی کہ اس محل میں لانے سے تمہارا مقصد کیا ہے؟"

"ہاں، یہ ابھی میرے لئے ممکن نہیں ہے اور بابر داد خان یہ تمہارے لئے ضروری بھی نہیں ہے۔ تم صرف مجھ سے وہ معلومات حاصل کیا کرو بابر داد خان جتنی تمہارے لئے ضروری ہوں۔" اس کے لہجے میں ایک طرح کی سختی تھی۔ میں اس سختی کو محسوس کئے بغیر نہ رہ سکا۔ چند لمحات خاموش رہنے کے بعد میں نے اسے پھر پکارا۔ لیکن اب وہ میرے نزدیک موجود نہیں تھی۔

نجانے اس عجیب و غریب شخصیت نے مجھے کن الجھنوں میں پھنسا دیا تھا۔ بہرطور زندگی گزارنے کے لئے کبھی الجھنیں بھی معاون ثابت ہوتی ہیں ورنہ زندگی کا کوئی مقصد نہ رہ جائے۔ میں نے سوچا اور ایک گہری سانس لے کر اپنی اس رہائش گاہ کو دیکھنے لگا۔ جو میرے لئے پتہ نہیں کب سے مخصوص تھی۔

زندگی نے کیا رخ اختیار کر لیا تھا، تب ہم ساتھی بچھڑ گئے تھے اور یہ کہانی ناقابل یقین ہوتی تھی۔ لیکن دوسروں کے لئے، مجھ پر جو کچھ گزر رہی تھی مجھے تو اس پر یقین کرنا ہی تھا۔

رانا محل میں مجھے آئے ہوئے تقریباً ہفتہ ہونے کو تھا۔ اس دوران میری ملاقات ایک بار بھی نہ تو گل رخ سے ہوئی تھی

نہ کسی اور سے۔ بس زیادہ تر میرا تعلق شاہ عالم ہی سے رہتا تھا جو مجھے جائیداد کے حسابات وغیرہ سمجھاتا رہا تھا۔ اس نے مجھے زمینوں کے مسائل اور دوسری چیزیں بتائی تھیں، میں مجبوراً ان تمام الجھنوں میں الجھا رہتا تھا حالانکہ مجھے ان سے کوئی دلچسپی نہیں تھی۔

اس دوران میری ملاقات رانا جبار سے بھی نہیں ہوئی تھی۔ میری ہدایت پر شاہ عالم نے ابھی رانا جبار کو میری آمد کے بارے میں کچھ نہیں بتایا تھا۔ دوسرے تمام ملازموں کو بھی ہدایت کر دی گئی تھی کہ وہ رانا جبار کو اس سلسلے میں کوئی اطلاع نہ دیں۔ رانا محل کا مغربی حصہ ایک طویل راہداری سے گزرنے کے بعد شروع ہوتا تھا اور یہ طویل راہداری ایک منقش دروازے پر جا کر ختم ہوتی تھی۔

یہ دروازہ اس کمرے کا تھا جس میں رانا جہانگیر محصور تھے۔ اس تک رسائی کا یہ واحد راستہ تھا۔ چاروں طرف گھوم کر دیکھنے سے یہ کمرہ خاصا پراسرار معلوم ہوتا تھا۔ کمرے کی چوبی کھڑکیاں ہر وقت بند رہتی تھیں۔ کمرے کی گنبدی چھت کے اوپری حصے میں ایک روشندان تھا جو کھلا رہتا تھا۔

میں کئی بار رانا محل میں گھوم کر اس کا جائزہ لے چکا تھا اور پھر ایک رات کی بات ہے جب شاہ عالم رانا محل کے اوپری حصے میں بنے ہوئے میرے کمرے کی کھڑکی کے پاس بیٹھا مجھ سے گفتگو کر رہا تھا۔ مختلف موضوعات پر گفتگو ہو رہی تھی کہ دفعتاً رات کی تاریک فضاؤں میں ایک پراسرار سی موسیقی پھیل گئی۔ شاہ عالم اس موسیقی کو سنتے ہی اچھل کر کھڑا ہو گیا۔

"کیوں کیا بات ہے؟" میں نے اس کی اس بدحواسی کو دیکھ کر پوچھا۔

"رانا صاحب جلدی آیئے۔ جلدی آیئے براہ کرم جلدی آیئے۔" اس نے کہا اور میرا ہاتھ پکڑ کر محل کے اندرونی حصے کی جانب بھاگا۔ میں نے محل کے تمام حصے دیکھ رکھے تھے۔ صرف یہی ایک جگہ ایسی تھی جس طرف میں نہیں آیا تھا۔ لیکن آج میں محل کے اس حصے کی جانب بڑھ رہا تھا۔ شاہ عالم دوڑتا ہوا اسی جگہ پہنچ گیا۔ جو محل کا مکمل اندرونی حصہ تھی اور پھر اس نے محل کے ایک بڑے سے کمرے کے دروازے پر زور زور سے دستک دی۔ چند لمحات کے بعد دروازہ کھل گیا۔ دروازہ کھولنے والی ایک حسین سی عورت تھی۔ شاہ عالم کو دیکھ کر وہ چونک پڑی۔

"خیریت، کیا بات ہے عالم؟" اس نے بڑی بے تکلفی سے شاہ عالم سے سوال کیا۔

"سلیم کہاں ہیں؟"

"سو رہے ہیں۔ کیوں کوئی خاص بات؟"

"بس انہیں ہماری تحویل میں دے دو۔" شاہ عالم نے کہا۔

"اوہ۔ کیا پھر۔ کیا پھر؟" عورت نے آہستہ سے کہا۔ اسی وقت کمرے میں تیز روشنی پھیل گئی اور اس تیز روشنی میں مجھے ایک حسین شکل نظر آئی۔ سفید لباس میں ملبوس، نیم خوابیدہ آنکھیں، بکھرے ہوئے بال، حسین چہرہ، گلاب کی پتیوں جیسے خشک اور مرجھائے ہوئے ہونٹ، دراز قد و قامت۔ وہ بلاشبہ ایک حسین ترین عورت تھی۔ اس کی نگاہ مجھ پر پڑی اور وہ ٹھٹھک کر رہ گئی۔ دفعتاً میرے کان میں سرگوشی ابھری۔

"یہ گل رخ ہے اور تمہیں اپنے انداز میں اس بات کا اظہار کرنا ہے کہ تم اسے پہچان گئے ہو اور آزردہ ہو۔" میں چونک پڑا۔ میں نے گہری نگاہوں سے گل رخ کو دیکھا۔ وہ بھی پھٹی پھٹی آنکھوں سے مجھے دیکھ رہی تھی۔ ایک لمحہ سکوت کا گزر گیا اور اسی وقت شاہ عالم نے میرا بازو دباتے ہوئے کہا۔

"خود کو سنبھالئے رانا صاحب، موسیقی کی وہ آواز جو آپ نے سنی تھی خطرے کی گھنٹی ہوتی ہے۔"

"کیا مطلب؟"

"رانا محل میں ایک بھوت نظر آتا ہے۔ سفید لباس میں ملبوس ایک انوکھا سایہ، جسے دیکھ کر تمام ملازم خوفزدہ ہو جاتے ہیں اور وہ بھوت رانا محل کی وسعتوں میں سفر کرتا رہتا ہے لیکن میں جانتا ہوں کہ اسے سلیم کی تلاش ہوتی ہے۔ ہاں، وہ سلیم کا متلاشی ہوتا ہے تاکہ اسے ہلاک کر دے۔ براہ کرم یہ بات اپنے تک ہی رکھئے۔ سلیم کو اپنی تحویل میں لے لیجئے۔"

شاہ عالم کی اس سرگوشی پر میں چونک پڑا۔ دوسری طرف گل رخ بھی سنبھل گئی تھی۔ اس کی آنکھوں میں جو کیفیت پیدا ہوئی تھی وہ ختم ہو گئی اور اس نے آگے بڑھ کر پیچھے آنے والی عورت کے شانے پر ہاتھ دھرتے ہوئے کہا۔

"شمسہ، کیا بات ہے؟"

"کچھ نہیں، یہ عالم آئے ہیں۔ سلیم کی خیریت معلوم کرنا چاہتے ہیں۔"

"سلیم سو رہے ہیں، کیا انہیں جگانا ضروری ہے؟"

"نہیں بس ایسے ہی انہیں اٹھا لائے، میرا خیال ہے شاہ عالم انہیں اپنی تحویل میں لینا چاہتے ہیں۔"

"سونے دیجئے۔ ہم لوگ خود وہاں [illegible] ہیں [illegible] عالم

نے کھڑکی اور کمرے کی درمیانی کھڑکیاں بند کرنے لگا۔ گل رُخ کے چہرے پر خوف کے آثار نمودار ہو گئے تھے۔ میں اور شاہ عالم وہیں رک گئے تھے گل رُخ ہم سے چند قدم کے فاصلے پر ایک زرنگار کرسی پر بیٹھی تھی۔ وہ عورت جسے شمسہ کے نام سے پکارا گیا تھا وہ سلیم کے پاس بیٹھ گئی تھی۔ شاہ عالم تھوڑی دیر تک کمرے کے اطراف نگاہیں دوڑاتا رہا، اور جب اس نے چاروں طرف اطمینان پایا تو دروازہ کھول کر باہر نکل گیا۔ میں نے اٹھ کر اس کے ساتھ باہر جانے کی کوشش کی تو اس نے مجھے یہیں روک دیا اور کہنے لگا۔

"آپ یہاں کا خیال رکھیں، میں زیادہ دور نہیں ہوں کمرے سے۔ شمسہ تم آؤ میرے ساتھ آؤ۔" اس نے دوسری عورت کو آواز دی اور وہ عورت شانوں پر ایک شال ڈال کر کمرے سے باہر نکل گئی۔ اب کمرے میں صرف گل رُخ اور میں رہ گئے تھے یا پھر وہ بچہ جو گہری نیند سو رہا تھا۔ سات سال کا ایک خوبصورت سا بچہ جسے دیکھ کر باہوں میں بھر لینے کو دل چاہے۔ ایسے حسین بچے بہت ہی کم ہوتے ہیں۔ میں نے محبت بھری نگاہوں سے اُسے دیکھا گل رُخ مجھے تک رہی تھی۔ پھر میری اس سے نگاہیں ملیں تو اس نے آنکھیں جھکا لیں اور آہستہ سے بولی۔

"کیسے ہو مسعود؟"

"ٹھیک ہوں۔"

"ہمیں چھوڑ کر چلے گئے تھے نا۔" اس نے شکایت آمیز لہجے میں کہا۔ میں خاموش رہا۔ اوّل تو ذہنی طور پر عمر کی اس منزل میں تھا جب روحانی گفتگو کرنے میں خاصی دقت پیش آتی ہے۔ میں تو ان مراحل سے کبھی کا گزر چکا تھا لیکن میری عجیب و غریب شخصیت نے کم از کم زندگی کے بائیس سال کم کر دیئے تھے شکل و صورت، چہرہ و جسامت سے میں اب ستائیس اٹھائیس سال کا کوئی نوجوان نظر آنے لگا تھا۔

مجھے اپنی فطرت میں بھی نمایاں تبدیلی محسوس ہونے لگی تھیں اور یہ سب کچھ اسی کا عطیہ تھا۔ عام حالات میں میری ان باتوں پر کوئی بھی یقین نہیں کرتا لیکن جو کچھ میں دیکھ رہا تھا وہ تو میری نگاہوں کے سامنے تھا۔

"مجھ سے بات بھی نہیں کرو گے مسعود۔ میرا کیا قصور تھا، بتاؤ تم جس طرح مجھے چھوڑ کر گئے تھے اس کے بعد میں کس کے سہارے جدوجہد کرتی کوئی علم تھا مجھے تمہارے بارے میں کچھ کہہ کر گئے تھے تم مجھ سے؟" اس نے سوال کیا اور میں گہری سانس لے کر اسے دیکھنے لگا۔

"اب ان باتوں کی کیا ضرورت ہے گل رُخ تم میرے لئے ایک مقدس ہستی ہو چکی ہو، میں تمہارے بارے میں اب کسی غلط انداز میں نہیں سوچ سکتا۔"

"ہاں، تم میرے بارے میں کسی غلط انداز میں نہیں سوچ سکتے۔ لیکن میری زندگی کو جو زخم لگے ہیں انہیں کون بھرے گا تم یہاں کیوں آ گئے آخر۔ تم جانتے تھے مسعود کہ میں نے زندگی میں صرف تمہیں کو چاہا ہے تم میری پہلی اور آخری چاہت تھے۔ میرے سامنے نہ آتے تو میں باقی زندگی سکون سے گزار دیتی لیکن تم نے یہاں آ کر مجھے پھر سے بے سکون کر دیا ہے ایک ہفتہ ہو گیا تمہیں آئے ہوئے مجھ سے ملنے کی کوشش بھی نہ کی کہاں کہاں تمہیں نہ دیکھا۔ دنیا کا خیال بھی تھا ورنہ خود تمہیں تلاش کرتی ہوئی تم تک پہنچ جاتی۔"

"گل رُخ۔ اب ان باتوں کی ضرورت نہیں خیال رکھو کہ رانا محل کی عزت برقرار رہے تمہاری زبان سے نکلا ہوا کوئی بھی لفظ تمہیں رسوائی کے گڑھوں میں دھکیل دے گا۔ اور ہمارے وہ دشمن جو سلیم کی جان لینا چاہتے ہیں موقع پا کر ہماری ان باتوں سے فائدہ اٹھائیں گے۔"

"مسعود۔ میں مانتی ہوں کہ میں ایسی باتیں کر رہی ہوں۔ جو مجھے نہیں کرنا چاہئیں۔ لیکن مجھے میری زندگی کے ان ماہ و سال کا حساب تو دے دو جو میں نے یاس میں ڈوب کر کاٹے ہیں۔ رانا جہانگیر مرحوم بہت اچھے انسان تھے انہوں نے میری دلجوئی کی مجھے کبھی کسی تکلیف کا احساس نہیں ہونے دیا۔ لیکن انہیں یہ بات نہیں معلوم تھی کہ میرے اور تمہارے مابین کوئی ایسا سلسلہ چل رہا ہے ورنہ مجھے یقین ہے کہ وہ کبھی ہمارے درمیان نہ آتے۔"

"ٹھیک ہے گل رُخ۔ لیکن قصور میرا بھی تو نہیں ہے۔ تمہارے خاندان کی عائد کردہ شرطیں اس قدر سخت تھیں یا اس ماحول میں رہ کر رانا جہانگیر کی دولت کے بل بوتے پر میں تمہیں حاصل نہیں کر سکتا تھا۔ کیا تم اس سلسلے میں میری کوئی مدد نہیں کر سکتی تھیں کیا تم اس وقت جرأت سے کام لے کر یہ نہیں کہہ سکتی تھیں کہ تم رانا جہانگیر سے نہیں، رانا مسعود سے شادی کرنے کی خواہش مند ہو۔"

"میں نے کہا تھا، میں نے ایک ایک سے چیخ چیخ کر کہا تھا لیکن کسی نے میری نہ سنی۔"

"تو اس میں میرا قصور کیا ہے۔ مجھے جواب دو۔"

"تم چلے کیوں گئے تھے یہاں سے؟"

"میں تمہیں بتا چکا ہوں کہ میرے جانے کی وجہ کیا تھی، اگر مجھے میری اپنی حیثیت میں قبول کر لیا جاتا۔ تو مجھے جانے کی ضرورت نہ پڑتی اور ویسے بھی میں تمہیں ایک مطلق العنان زندگی دینے کی خواہش مند تھا۔ لیکن تقدیر ہم دونوں سے متفق نہیں تھی۔"

"ہاں ایسا ہی تھا ایسا ہی تھا۔" گل رُخ کی سسکیاں کمرے میں گونجنے لگیں پھر وہ چونک پڑی۔

"ارے یہ دونوں کہاں چلے گئے؟"

"کون۔ شاہ عالم اور شمسہ؟"

"ہاں۔"

"شمسہ کون ہے؟"

"شاہ عالم کی بیوی۔ بے چاری میرے پاس ہی رہتی ہے سلیم کی زندگی کی حفاظت کے لئے اس نے بھی خود کو وقف کر دیا ہے۔ دونوں بڑے ہی معاون رہے ہیں، میرے اگر یہ نہ ہوتے تو نجانے مجھے کن حالات کا شکار ہونا پڑتا۔"

"سلیم پر اس سے قبل حملے ہو چکے ہیں۔"

"بے شمار۔ کچھ لوگ اس معصوم کی جان لینے کے خواہاں ہیں ایک بار جب میں اس کے ساتھ باغ میں تھی خدا جانے کہاں سے سانپ نکل آیا وہ تو خیریت تھی کہ میں نے سانپ کو دیکھ لیا اور اس وقت مالی نے اپنی جان خطرے میں ڈال کر سانپ کو مار ڈالا۔ سانپ بے انتہا زہریلا تھا اس کی تصدیق بعد میں ہو گئی۔ اس کے بعد ایک روز میں سلیم کو سیر و تفریح کرانے باہر لے جا رہی تھی کہ کار اچانک بُری طرح بجلی کے ایک کھمبے سے ٹکرائی۔ ہمارے چوٹیں آئی تھیں۔ لیکن زخم معمولی نوعیت کے تھے اور پھر ایک شام سلیم کے اوپر ایک وزنی بوجھ آ گرا۔ ایک لمحہ اِدھر اُدھر ہو جاتا تو اس کا بدن کچل کر ختم ہو جاتا۔ اس کے علاوہ بھی کئی بار سلیم پر اسی طرح کے حملے ہو چکے ہیں جو بظاہر اتفاقیہ ہوتے ہیں۔ لیکن ان کی نوعیت ایسی ہی ہوتی ہے کہ سلیم کی جان چلی جائے۔ قاتل کھل کر اس پر حملہ نہیں کرنا چاہتے بلکہ اس طرح کی کوششیں کر رہے ہیں کہ وہ معصوم جان سے ہاتھ دھو بیٹھے۔"

"تمہیں سلیم سے کوئی ہمدردی نہیں ہے؟"

"کیا کہہ رہے ہو رانا مسعود، وہ میری اولاد ہے میرا بچہ ہے لیکن دل کی ایک بات میں تمہیں ضرور بتا دینا چاہتی ہوں۔"

"ہاں۔ ہاں کہو۔" میں نے پوچھا۔

"اس دولت، اس کر و فر، اس محل سے مجھے کوئی دلچسپی نہیں ہے میری زندگی میں میرا وہ کھو چکا ہے جو میری طلب میری آرزو تھا اس کے بعد تو یہ زندگی صرف گھٹنے کی چیز ہے کاش کوئی سلیم کو اپنی تحویل میں لے لیتا اور مجھ سے کہتا کہ تو آزاد ہے اور آزادی سے زندگی بسر کر سکتی ہے میں کسی گوشے کو اپنا لیتی اور باقی زندگی وہیں سکون سے گزار دیتی۔ یقین کرو مجھے اب اس دنیا کی طلب نہیں، میں اپنے لئے اب کچھ بھی حاصل کرنا نہیں چاہتی۔"

"ٹھیک ہے گل رُخ۔ لیکن تمہارا بیٹا ہے تمہیں اس کی زندگی کے لئے سب کچھ کرنا ہوگا۔"

"میں جانتی ہوں، لیکن میں بذاتِ خود مردہ کیفیت میں ہوں، رانا مسعود میں مردہ ہوں۔" گل رُخ کی سسکیاں ایک بار پھر ابھرنے لگیں۔ میری سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ کیا چاہتی ہے؟ کیا کہنا چاہتی ہے مجھ سے؟

بہر طور میں نے سمجھنے کی کوشش بھی نہ کی تھوڑی دیر کے بعد شاہ عالم اندر آ گیا۔

"اب حالات بہتر ہیں میں نے چار آدمیوں کو اسی کمرے کے گرد تعینات کر دیا ہے میرے خاص آدمی ہیں اور وہ جاگ کر یہاں کی حفاظت کریں گے۔ آؤ۔" میں شاہ عالم کے ساتھ باہر نکل آیا شاہ عالم آہستہ آہستہ ٹہلتا ہوا میری خواب گاہ کی طرف جا رہا تھا۔

"یہ بھوت بلا وجہ نہیں ہے میں بڑے غور و خوض سے اس کے بارے میں سوچ رہا ہوں۔ اکثر کبھی کبھی راتوں کو موسیقی کی آوازیں اُبھرتی ہیں اور سفید پوش کو یہاں دیکھا جاتا ہے۔ ملازمین ڈر کر اپنے کمروں میں دبک جاتے ہیں۔ یہاں تک کہ چوکیدار بھی اس بھوت سے خوفزدہ ہے۔"

"کیا اس نے کوئی ایسی کارروائی کی جس سے کسی ملازم کو کوئی نقصان پہنچا ہو۔؟"

"ہاں۔ ایک مرتبہ دو ملازموں نے اسے گرفتار کرنے کی کوشش کی۔ لیکن وہ اس کے بدن سے گزرتے ہوئے چلے گئے۔ اس وقت سے یہ روایت بہت زیادہ ہولناک ہو گئی ہے اور اب کوئی ملازم اس کے راستے میں آنے کی کوشش نہیں کرتا۔"

"تمہارا کیا خیال ہے شاہ عالم۔ یہ بھوت کیا چیز ہو سکتی ہے؟"

"سو فیصدی۔ کوئی فراڈ۔ کوئی ایسی مصنوعی چیز جسے کسی

خاص ذریعے سے محل میں گھمایا جاتا ہے۔ لیکن میں جانتا ہوں۔ میں بہت اچھی طرح جانتا ہوں۔ یہ ان لوگوں کی ایک سازش ہے۔ جب وہ اپنے اس طرح کے حملوں میں ناکام رہے تو انہوں نے بھوت کا یہ کھیل شروع کر دیا ہے تاکہ کسی خاص موقع پر سلیم کو کوئی حادثہ پیش آ جائے اور اس کا ذمہ دار اس بھوت کو قرار دیا جائے۔ بھلا کسی بھوت کی کارکردگی پر کون کیا کر سکتا ہے۔ مجھے یقین ہے کہ یہ اسی قسم کی کوئی سازش ہے۔"

"تم نے خود کبھی اس کے سامنے آنے کی کوشش نہیں کی ہے؟"

"سچی بات یہ ہے کہ میں فولادی انسان نہیں ہوں۔ میں بھی حالات سے کسی حد تک متاثر رہتا ہوں۔ تاہم جب بھی مجھے موسیقی کی آواز سنائی دیتی ہے میں سلیم کو اپنی تحویل میں لے لیتا ہوں۔ اس سے پہلے شمسہ اس بوجھ کو سنبھالے ہوئے تھی اور میری ساتھی تھی لیکن اب میں محسوس کرتا ہوں کہ تمہارے مضبوط بازو ہمارا سہارا بنیں گے۔"

"مسعود شاہ عالم ایک بات مجھے مکمل کر بتاؤ؟"

"جی۔"

"وہ لوگ کون ہو سکتے ہیں جو سلیم کو ہلاک کرنے کے خواہش مند ہیں؟" میرے اس سوال پر شاہ عالم گردن جھکا کر خاموش ہو گیا پھر آہستہ سے بولا۔

"رانا مسعود صاحب۔ جب تک میں یہاں موجود تھا اور تنہا تھا۔ رانا سلیم کی حفاظت کر رہا تھا۔ میری زندگی کا مقصد صرف اتنی ہی تھی کہ رانا سلیم کو کسی ایسے عمل کا شکار نہ ہونے دوں۔ اس سلسلے میں میں نے گل رخ بی بی سے کہا تھا کہ اگر وہ مناسب سمجھیں تو رانا محل چھوڑ کر کہیں اور چلی جائیں۔ رانا محل کے انتظام میں سنبھال لوں گا۔ یہ بہت ضروری ہے اس لئے کہ رانا محل میں رہ کر وہ زیادہ خطرات میں گھری ہوئی ہیں۔ میں انہیں کسی ایسی جگہ پہنچا دوں گا۔ جہاں ان کے دشمن ان تک نہ پہنچ سکیں۔ انہیں زندگی گزارنے کی کوئی تکلیف نہ ہوگی۔ میں سارے انتظامات کر دوں گا۔ اور اس وقت تک انہیں روپوش رہنا پڑے گا۔ جب تک کہ رانا سلیم جوان نہ ہو جائیں۔ لیکن گل رخ بی بی نے میری اس بات کو تسلیم نہیں کیا وہ تنہا رہنے کے لئے تیار نہیں ہیں۔ چنانچہ مجبوراً مجھے ان کی بات ماننا پڑی اور میں یہاں بڑی پریشانی کی زندگی گزار رہا تھا۔ میں صرف ایک ملازم ہوں رانا صاحب میری یہ مجال نہیں کہ میں کسی پر جبر کروں یا زبردستی کوشش کر سکوں۔"

"لیکن اندازہ تو لگا سکتے ہو تم۔"

"نہیں رانا صاحب۔ یہ بھی میرے بس کی بات نہیں آپ کو اشارہ بھی نہیں دے سکتا۔" اس نے جواب دیا۔ میں کسی گہری سوچ میں گم ہو گیا۔ میں سوچ رہا تھا ایسی شخصیت ہو سکتی ہے جس کے احترام میں شاہ عالم خاموش ہے آخر کوئی نہ کوئی تو ایسا ہوگا۔ جس پر شاہ عالم کو شبہ ہے وہ ذہین آدمی ہے صرف کچھ نامعلوم لوگوں کا تصور ہی اس کے ذہن میں نہ ہوگا۔ بلکہ اس نے کسی پوائنٹ پر غور بھی کیا ہوگا۔ سوچتے سوچتے دفعتاً میرے ذہن میں ایک روشنی سی چمکی۔ رانا جبار۔ کیا شاہ عالم کو رانا جبار پر شبہ ہے اور جو یقیناً اس کے علاوہ اور کون ہو سکتا ہے جس کا شاہ عالم کو احترام کرنا پڑتا ہو۔ لیکن یہ رانا جبار کیا شے ہے یہ بات بھی دیکھنا چاہیے وہ گوشہ نشین کیوں ہو گیا ہے۔ ایسی کون سی بات ہے؟ میں نے سوچا۔

خاصی رات گئے تک ہم دونوں جاگتے رہے ایک بجے کے بعد کوئی آواز سنائی نہ دی مجھے نیند آ رہی تھی۔ چنانچہ میں نے شاہ عالم سے کہا۔

"کیا خیال ہے کیا ہمیں اب بھی جاگتے رہنا چاہیے؟"

"میرا خیال ہے اب آپ آرام سے سو جائیے۔ موسیقی کی آواز ختم ہو چکی ہے اسے آج بھی ناکامی ہوئی ہے اس لئے وہ واپس چلا گیا ہوگا اب آپ سو سکتے ہیں۔"

میں اپنے کمرے میں واپس آ گیا۔ نیند ضرور آ رہی تھی لیکن ذہن میں بے شمار خیالات بھی تھے آخر یہ سب کچھ کیا ہے بھوت کا یہ چکر۔ کون ہے جو بے چارے معصوم سلیم کو قتل کرنا چاہتا ہے میں نے اس بچے کی شکل دیکھی تھی اور مجھے اس پر بہت پیار آیا تھا۔ نجانے کیوں میرے دل میں ایک خواہش جاگی تھی مجھے اس کی حفاظت کرنا چاہیے۔ یہ ہلاک نہیں ہونا چاہیے۔ اسے زندگی کی لطافتوں سے لطف اندوز ہونا چاہیے۔ بہر صورت یہ خیالات میرے ذہن میں آتے رہے اور پھر میں گہری نیند سو گیا۔

دوسری صبح جاگا۔ رانا محل کے معمولات میں کوئی تبدیلی نہیں آئی۔ میں ناشتے وغیرہ سے فارغ ہو کر شاہ عالم کے ساتھ بیٹھ گیا۔ شاہ عالم مجھے ایک نئی جائیداد کے بارے میں کچھ حسابات دے رہا تھا میں نے اس سے کہا۔

"شاہ عالم۔ یہ تمام حسابات تم مجھے کیوں دے رہے ہو۔ آخر میرا ان سے کیا واسطہ؟"

"میری خواہش ہے رانا صاحب کہ آپ ایک متولی کی حیثیت

سے یہ ساری ذمہ داریاں خود سنبھال لیں۔ یہ ہمارا فرض بنتا ہے کہ رانا جہانگیر کے بیٹے کو اس وقت تک تحفظ دیں جب تک وہ جوان ہو کر خود یہ تمام کاروبار سنبھالنے کے قابل نہ ہو جائے۔"

"مجھے تو یوں محسوس ہو رہا ہے جیسے اس بچے کا مستقبل شدید خطرے میں ہو۔"

"اس کی زندگی ہی خطرے میں ہے مستقبل کی بات آپ کیا کرتے ہیں۔"

"اس کی تعلیم وغیرہ کا کیا بندوبست ہوگا۔ اس کا کوئی معقول انتظام بھی نہیں ہو سکا ہے ابھی تک جب کہ یہ سات سال کا ہو چکا ہے؟"

"حالات ہی ایسے ہیں۔ رانا صاحب۔ اب آپ ہی بتائیے کہ تعلیم وغیرہ کا سلسلہ کیسے شروع کیا جائے کون ہے جو اس کے تحفظ کی ذمہ داری قبول کرے گا اپنے طور پر گل رخ بیگم اسے تعلیم دیتی ہیں وہ پڑھنا لکھنا جانتا ہے لیکن کسی اسکول یا کالج میں اسے نہیں داخل کرایا جا سکتا۔ جو نکہ ہر جگہ اس کے تحفظ کے لئے وہ بندوبست نہیں ہو سکتا۔ جو رانا محل میں موجود ہے۔ میں نے اپنے طور پر سلیم کے گرد حصار قائم کر رکھا ہے اور کوشش یہ کرتا ہوں کہ وہ ایک لمحے کے لئے اپنے محافظوں کی نگاہوں سے اوجھل نہ ہونے پائے۔ اس کے باوجود اس پر اتنے حملے ہو چکے ہیں کہ اگر ایک بھی بار قدرت اس کی مدد نہ کرتی تو وہ اب تک موت کی آغوش میں جا سویا ہوتا۔ بس ایسے حالات ہیں۔ اب آپ ہی بتائیے کہ ہم اسے اسکول یا کالج میں کیسے داخل کرا سکتے ہیں؟"

"تو کیا وہ جاہل رہے گا؟"

"ہاں اس حد تک جاہل رہے گا کہ اسے باقاعدہ کوئی ڈگری نہیں مل سکے گی لیکن اس کی ضرورت بھی نہیں ہے اس کے پاس اتنی جائیدادیں ہیں کہ وہ ساری زندگی عیش و عشرت میں گزار سکتا ہے اس کے علاوہ گل رخ بیگم اسے جو تعلیم دے رہی ہیں وہ بھی نہایت مناسب ہے میں تو کسی ایسے استاد کے چکر میں بھی تھا۔ جو اسے گھر پر تعلیم دے سکے۔ لیکن پھر یہی خیال آ جاتا ہے کہ کہیں استاد اس کے دشمنوں سے مل نہ جائے اس طرح اسے با آسانی ہلاک کیا جا سکتا ہے۔"

"تم کب تک اس طرح اس کی حفاظت کرتے رہو گے۔ شاہ عالم؟"

"جب تک میرے دم میں دم ہے۔ قاتلوں کی توجہ ابھی اس طرف نہیں گئی ہے کہ شاہ عالم کو قتل کر دیا جائے۔ میں جانتا ہوں کہ جس دن ان کے ذہن میں یہ بات آ گئی وہ سب سے پہلی کوشش یہی کریں گے کہ مجھے ہلاک کر دیں اور اب تو آپ بھی آ گئے ہیں۔ اوہ۔" دفعتاً شاہ عالم چونک پڑا۔

"کیوں۔ کیا بات ہے؟"

"رانا صاحب ایک بات کہوں۔"

"ہاں کہو۔"

"رانا صاحب آپ کی زندگی کو بھی یہاں خطرات لاحق ہو سکتے ہیں۔"

"کیوں؟"

"اس لئے کہ آپ بھی وہ ہیں جو رانا جہانگیر کی جائیداد کے حصے دار ہو سکتے ہیں یعنی ان کے بھائی، اس حیثیت سے آپ کو بھی تشویش کی نگاہ سے دیکھا جا رہا ہوگا۔" میرے ذہن میں ایک لمحے کے لئے پھلجھڑیاں سی چھوٹ پڑیں۔ اگر اس محل میں میری زندگی خطرے میں ہے تو پھر۔ تو پھر لیکن اسی وقت مجھے اپنی نادیدہ محسنہ کا خیال آ گیا جو ہزاروں آنکھوں سے میری حفاظت کرتی تھی اور ایک لمحے کے لئے دل کو ڈھارس سی ہوئی۔

"ارے میری فکر نہ کرو تم شاہ عالم میں اپنے معاملات سے خود نمٹنے کی صلاحیت رکھتا ہوں۔"

"وہ تو ٹھیک ہے لیکن اب اگر محتاط رہیں تو کیا حرج ہے میں نے ایک وفادار کی حیثیت سے آپ سے یہ الفاظ کہہ دیئے ہیں۔"

"شاہ عالم میں آج رانا جبار سے ملنا چاہتا ہوں۔"

"ممکن نہیں ہے ویسے آپ کوشش کر دیکھیں۔"

"کیا کچھ لوگوں کو اس سلسلے میں مقرر کر دیا گیا ہے کہ وہ رانا جبار کی رہائش گاہ پر پہرہ دیں۔"

"ہاں دو ملازم رہتے ہیں اور رانا جبار نے انہیں ہدایت کی ہے کہ وہ اس طرف کسی کو نہ آنے دیں۔"

"کیا مجھے بھی اس سلسلے میں روکا جائے گا۔"

"میرا خیال ہے نہیں۔ کیونکہ آپ ان کے بھائی ہیں آپ سے زیادہ قریبی آدمی اور کوئی ایسا آج تک اس محل نہیں آیا۔ جو رانا جبار کے بعد حیثیت رکھتا ہو ممکن ہے ملازم آپ کو روکنے کی کوشش نہ کریں۔"

"ٹھیک ہے میں آج رانا جبار سے ملاقات کی کوشش کروں گا۔" میں نے کہا۔

دن کو تقریباً ساڑھے گیارہ بجے میں تیار ہو کر چل پڑا۔ میں

اس شخصیت سے ملنا چاہتا تھا جو بے حد پُراسرار تھی۔ ہر چند کہ وہ میرا بھائی تھا لیکن ظاہر ہے دنیا کی نگاہوں میں عام لوگ تو یہی سمجھتے اصل بات تو میں ہی جانتا تھا۔

تھوڑی دیر کے بعد میں اس حصے میں پہنچ گیا جہاں جانے کے لئے ایک راہداری سے گزرنا پڑتا تھا۔ راہداری کے سرے پر دو ملازم کھڑے ہوئے تھے وہ مجھے دیکھ کر تذبذب کا شکار ہو گئے میں ان کے قریب پہنچا تو انہوں نے جھک کر مجھے سلام کیا تھا

"میں اندر جانا چاہتا ہوں۔"

"جناب۔ رانا صاحب سے پوچھے بغیر؟" ان میں سے ایک نے سوال کیا۔

"تم جانتے ہو مجھے کہ میں کون ہوں؟"

"جی ہاں جانتے ہیں لیکن ہمیں حکم ملا ہے کہ کوئی بھی ہو اسے اس طرف نہ آنے دیا جائے۔ ہمیں دھمکی بھی دی گئی تھی کہ اگر ایسا ہوا تو ہماری زندگی بھی خطرے میں پڑ سکتی ہے۔"

"اس کے باوجود میں رانا صاحب سے ملنے کا خواہش مند ہوں۔"

"اگر آپ اجازت دیں تو ہم میں سے ایک اندر جا کر رانا صاحب سے ملنے کی اجازت لے آئے۔"

"تمہارا نام کیا ہے؟" میں نے ایک ملازم سے پوچھا

"فضلو حضور۔"

"کب سے رانا محل میں کام کرتے ہو؟"

"نو سال ہو گئے۔"

"اور تم؟" میں نے دوسرے کو مخاطب کیا۔

"میرا نام شریف الدین ہے۔ بڑے صاحب اور میں سات سال سے یہاں نوکر ہوں۔"

"مالک کی وفاداری اچھی چیز ہوتی ہے شریف اور فضلو۔ لیکن اگر مالک کی جان خطرے میں ہو تو اصول بدلنے پڑتے ہیں۔ کیا خیال ہے؟"

"ہم نہیں سمجھے مالک؟"

"تم جانتے ہو کہ میں رانا صاحب کا بھائی ہوں۔"

"جی سرکار۔"

"اور تمہیں یہ بھی معلوم ہو گا کہ میں طویل عرصے کے بعد واپس آیا ہوں۔"

"معلوم ہے سرکار۔"

"مجھے یوں معلوم تھا کہ میرے بھائی کے ساتھ یہ سلوک ہو چکا ہے۔ اگر میں یہاں ہوتا تو ان کی یہ حالت نہ ہوتی۔"

"ہاں سرکار۔ بڑے مالک مٹ گئے۔" فضلو بولا۔

"یہاں صرف تم دونوں کی ڈیوٹی ہی رہتی ہے یا ڈیوٹی بدلتی بھی ہے؟" میں نے پوچھا۔

"نہیں مالک۔ بس ہم دونوں یہاں رہتے ہیں۔"

"خوب"

"کھانا وغیرہ بھی تم ہی دیتے ہو گے۔"

"جی سرکار۔"

"تم نے رانا صاحب کا چہرہ دیکھا ہے؟"

"نہیں مالک۔"

"کبھی نہیں دیکھا؟"

"نہیں مالک۔ بڑے سرکار کے سامنے جب ہم جاتے ہیں تو وہ منہ پر کپڑا لپیٹ لیتے ہیں کالے رنگ کا۔"

"تم اس وقت موجود تھے یہاں جب بڑے سرکار کو یہ حادثہ پیش آیا؟"

"نہیں مالک۔ ہم تو اندر کام کرتے تھے۔"

"ہوں۔ بڑے سرکار کبھی باہر نہیں نکلتے؟"

"کبھی نہیں مالک۔ لمبے عرصے سے بے چارے بس یہیں رہتے ہیں۔"

"کوئی اور بھی نہیں آتا یہاں؟"

"نہیں سرکار۔"

"اچھا ٹھیک ہے میں اندر جا رہا ہوں تم کسی بات کی فکر مت کرو۔" میں نے کہا، اور وہ دونوں خاموش ہو گئے۔ میں راہداری عبور کر کے کمرے کے دروازے پر پہنچ گیا۔

پھر میں نے کمرے کے دروازے پر دستک دی اور انتظار کرنے لگا دوسری طرف خاموشی چھائی رہی۔ جب میں نے دوبارہ دستک دی تو قدموں کی آواز مجھے دروازے کے نزدیک سنائی دی اور پھر ایک بھرائی ہوئی آواز ابھری۔

"کون ہے؟ کیا بات ہے اس وقت کیوں آئے ہو؟"

"دروازہ کھولئے بھائی جان میں آپ کا بھائی رانا مسعود ہوں" میں نے کہا۔

میرے الفاظ پر تھوڑی دیر تک دوسری طرف خاموشی چھائی رہی پھر وہی بھرائی ہوئی آواز سنائی دی۔

"تم کب آئے رانا مسعود؟"

"مجھے تو یہاں آئے ہوئے کئی دن ہو گئے۔ لیکن بدنصیبی نے

مجھے آپ سے ملنے کی اجازت نہیں دی۔"

"اسے اپنی بدنصیبی نہ کہو مسعود، بلکہ یہ میری بدنصیبی ہے کہ میں اس وقت بھی تم سے نہیں مل سکتا۔"

"نہیں رانا صاحب آپ کو مجھ سے ملنا ہی ہو گا۔"

"یہ کسی طور ممکن نہیں ہے مسعود، میں اب اس دنیا کو اپنی منحوس شکل نہیں دکھا سکتا۔"

"رانا صاحب میں نے آپ سے کہہ دیا ہے میں اس گھر کا ملازم نہیں ہوں، آپ کا بھائی ہوں، میں آپ سے ملے بغیر نہیں جاؤں گا۔"

"مسعود ضد نہ کرو، میں اب کسی سے نہیں مل سکتا۔"

"میں نے کہا نا آپ کو مجھ سے ملنا ہو گا۔"

"میں نہیں ملوں گا، کوئی مجھے مجبور نہیں کر سکتا، میں کسی کو اپنی شکل دکھانے کے قابل نہیں ہوں۔" رانا چندر کی بھرائی ہوئی آواز ابھری۔

"میں آپ کا بھائی ہوں مجھے آپ کی شکل سے کوئی دلچسپی نہیں، مجھے آپ کی شخصیت سے پیار ہے، مجھے آپ کے دل سے پیار ہے، میرا دل تڑپ رہا ہے آپ کو دیکھنے کے لئے، آپ مجھے جانتے ہیں رانا صاحب، اتنے عرصے کے بعد میں آپ کے پاس آیا ہوں اور آپ مجھ سے ملنا نہیں چاہتے۔"

"میں نے کہا نا میں اس قابل ہی نہیں ہوں۔"

"کیوں آخر کیوں؟"

"بس مسعود میں نے اپنی برائیوں کی سزا پالی ہے اور اب، اب میں صرف یہ سزا بھگتنے کے لئے زندہ ہوں، جب تک کہ زندگی ہے۔"

"میں آپ کو نہیں مرنے دوں گا، آپ براہ کرم دروازہ کھولئے۔"

"یہ دروازہ کبھی نہیں کھلے گا رانا مسعود، آئندہ اس طرف آنے کی کوشش مت کرنا، بس میں نے تم سے جو کچھ کہہ دیا وہ کہہ دیا۔"

"تو پھر ٹھیک ہے رانا صاحب اس کے بعد جو کچھ ہو گا اس کے ذمہ دار آپ ہوں گے۔"

"کیا مطلب؟" اندر سے وہی بھرائی ہوئی آواز سنائی دی۔

"میں مطلب بھی نہیں بتانا چاہتا، میں واپس جا رہا ہوں" میں نے کہا اور واپسی کے لئے قدم اٹھا دیئے، دوسری طرف کوئی حرکت نہیں ہوئی تھی۔ بہر طور میں واپس آ گیا اس وقت میں کوئی ضد یا جلدی نہیں کرنا چاہتا تھا، لیکن میں نے فیصلہ کر لیا تھا کہ آنے والے وقت میں، میں اس سلسلے میں کوئی کارروائی ضرور کروں گا، مجھے اب کسی بات کی پرواہ نہیں تھی۔

اس رات میں نے اپنی نادیدہ قوت سے رابطہ قائم کیا لیکن کئی آوازیں دینے کے باوجود اس کا کوئی پتہ نہیں چل سکا، یہ صورت حال بھی میرے لئے تشویشناک تھی، گویا وہ اب ہر لمحے میرے ساتھ نہیں رہتی، بلکہ کبھی کبھی مجھ سے دور بھی ہو جاتی ہے میری سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کیا کروں، بہر صورت اس رات پوری رات میں [illegible] شاہ عالم ایسی شخصیت تھی، جس سے میں تھوڑی بہت گفتگو کر کے دل کا بوجھ ہلکا کر سکتا تھا۔ واحد میرے ساتھ آیا تھا، وہ دو دن رہا تھا اور اس کے بعد یہ کہہ کر چلا گیا تھا کہ وہ دوبارہ مجھ سے ملاقات کرے گا، میں یہاں کے معاملات کو سنبھال لوں اس کے بعد وہ میرے پاس پہنچے گا۔

چنانچہ وقت گزرتا رہا، اس دن میں نے بیلا کو باہر آتے ہوئے دیکھا۔ گل رخ اس کے ساتھ ساتھ تھی، دونوں ماں بیٹی باہر آئے تھے، میں جلدی سے ان کے نزدیک پہنچ گیا گل رخ نے سادہ سی نگاہوں سے مجھے دیکھا اور پھر اس کی نگاہوں میں ایک شکایت آمیز کیفیت پیدا ہو گئی، وہ مجھے دیکھتی رہ گئی تھی بڑی وارفتگی تھی اس کے انداز میں۔

قرب و جوار میں کوئی موجود نہیں تھا، میں اس کے نزدیک پہنچ گیا۔

"آپ کیسے باہر آ گئیں گل رخ؟" میں نے سوال کیا۔

"کیوں میں انسان نہیں ہوں، کبھی کبھی ان دیواروں میں میرا دل گھبرانے لگتا ہے، ایسے لمحات میں، میں باہر نکل آتی ہوں۔"

"لیکن سلیم؟"

"ہاں سلیم، سلیم کی زندگی بھی میرے لئے ایک عجیب سی شے بن کر رہ گئی ہے خوف و ہراس، خوف و ہراس، اس کے علاوہ اور کچھ نہیں ہے اس محل میں، کہنے کو یہ محل ہے لیکن میرے لئے ایک زندان سے کم نہیں۔"

"گل رخ خود کو سنبھالو، یوں سمجھو کہ اب تم اپنے بچے کے لئے اپنی زندگی وقف کر چکی ہو۔"

"میں نے اپنی زندگی میں کون سا سکھ دیکھا ہے، شروع سے جلتی رہی ہوں اب بھی جل رہی ہوں، میں نہیں جانتی کہ میرا یہ مقدر کب ختم ہو گا، کیا میں اسی طرح جان دے دوں گی۔"

"لیکن بعض اوقات قربانیاں بھی دینا پڑتی ہیں گل رخ جو کچھ ہو چکا اس کو اب واپس تو نہیں لایا جا سکتا، تمہیں اپنی اولاد کے لئے خود کو قربان کر دینا چاہئے۔"
"کیسی نادانی کی بات کر رہے ہو، تم خود کوئی قربانی نہیں دے سکتے۔"
"مجھ سے کیا قربانی لینا چاہتی ہو؟" میں نے سوال کیا۔ اور گل رخ عجیب سی نگاہوں سے مجھے دیکھنے لگی اس وقت شاہ عالم ہمارے پاس پہنچ گیا تھا۔
"کوئی ضرورت ہے چھوٹی بیگم؟" اس نے سوال کیا۔
"نہیں ایسے یونہی سیر کرنے نکلی ہوں، سلیم گھبرا رہے تھے۔" گل رخ نے کہا۔
"سلیم میاں آپ اپنے انکل سے تو مل لئے ہوں گے، انکل آپ کو بہت اچھی اچھی کہانیاں سنائیں گے آپ کو بہت سی چیزیں دیں گے۔"
سلیم نے اپنی معصوم سی نگاہوں سے مجھے دیکھا اور مجھے اس بچے پر بے اختیار پیار آ گیا میں نے اسے گود میں اٹھا لیا تھا۔
"چلو شاباش ہم سے جو کچھ مانگو گے، ہم دیں گے۔ بتاؤ بیٹا تمہیں کیا چاہئے؟"
"انکل مجھے کھلونے چاہئیں، خوب صورت خوب صورت، رنگین رنگین۔"
"کمال ہے بھئی تم نے پہلے کیوں نہیں کہا۔ شاہ عالم سلیم کے لئے جتنے بھی کھلونے بازار میں مل سکتے ہوں، خرید لاؤ۔"
"میں ابھی ہدایت کئے دیتا ہوں۔"
"اور سلیم میاں؟"
"اور کھلونے مجھے اچھے لگتے ہیں۔" سلیم نے جواب دیا۔
"شاہ عالم کھلونے بھی لا دیں گے۔"
"جی بہتر سلیم میاں جو حکم دیں گے وہ حاضر ہو جائے گا۔"
"انکل آپ ہمارے ساتھ فٹ بال کھیل سکتے ہیں؟"
"ارے بھئی کیوں نہیں، فٹ بال کھیلیں گے ہم۔" میں نے کہا۔ شاہ عالم مجھے عجیب سی نگاہوں سے دیکھنے لگا تھا۔ میں نے اس سے کہا کہ فٹ بال مہیا کی جائے اور تھوڑی دیر کے بعد فٹ بال مہیا کر دی گئی۔
میں سلیم کے ساتھ فٹ بال کھیلنے لگا۔ میں نے ایک ایسی جگہ منتخب کی تھی جہاں سے چاروں طرف نگاہ رکھی جا سکے۔ شاہ عالم بھی ساتھ شامل تھا۔ واقعی بڑی عجیب سی زندگی تھی سلیم کی، ہر لمحہ موت کی آغوش میں۔ کافی دیر تک وہ میرے ساتھ کھیلتا رہا۔ بہت خوش نظر آ رہا تھا۔ معصوم بچہ، پھر اس نے مجھ سے بڑی پیاری پیاری باتیں کہیں۔ گل رخ خاموشی سے ایک جگہ بیٹھی رہی تھی، تھوڑی دیر کے بعد وہ سلیم کو لے کر اندر چلی گئی۔
شاہ عالم نے سکون کی گہری سانس لی تھی، پھر وہ میرے نزدیک پہنچ گیا۔
"آپ نے بڑا خطرہ مول لیا تھا، آنا مسعود۔" اس نے کہا۔
"یہ خطرہ مول لینا ہی پڑے گا، میں ان حالات کو مزید آگے بڑھانا چاہتا ہوں، میں بھی تو دیکھوں سلیم پر حملہ کرنے والے کون ہیں۔ تم یوں کرو میرے لئے پستول مہیا کر دو۔"
"پستول میں آپ کو پیش کر دوں گا بلکہ اس وقت بھی میرے پاس ایک چھوٹی آٹو میٹک موجود ہے، یہ آپ رکھ لیجئے۔" اس نے اپنی جیب سے ایک پستول نکال کر میرے حوالے کر دیا۔
"ٹھیک ہے۔ میں سلیم کو اب آہستہ آہستہ باہر لاؤں گا۔ ہمیں اس خوف و ہراس کی فضا سے نکلنا چاہئے۔ دیکھیں تو سہی وہ نادیدہ دشمن کون ہیں؟"
شاہ عالم نے کوئی جواب نہیں دیا۔ پھر اس نے مجھ سے کہا۔
"سلیم میاں کے لئے کھلونے وغیرہ منگوانے کا بندوبست کر دوں، آپ نے ان سے وعدہ کیا ہے۔"
"ہاں ضرور ضرور، جو کچھ اس نے کہا ہے وہ اس کے لئے مہیا کر دو۔ بے چارہ باپ کی محبت سے بھی محروم ہے اور... اور....."
"اور کیا؟" شاہ عالم نے کہا۔ میں نے جلدی سے خود کو سنبھالا اور کہنے لگا۔
"میرا مطلب ہے زندگی کی لطافتوں سے بھی۔"
"ہاں، یہ اس بے چارے کی بدنصیبی ہے۔" شاہ عالم نے کہا اور چلا گیا۔ میں نے خود کو سنبھال لیا تھا ورنہ میں یہ کہنے والا تھا کہ وہ ماں کی محبت سے بھی محروم ہے۔ گل رخ نے اسے وہ پیار نہیں دیا تھا جو ایک ماں اپنی اولاد کو دیتی ہے، نجانے کیوں، وہ ماں کی ممتا سے محروم تھی، اس کی ایک ہی وجہ سمجھ میں آتی تھی اور وہ شاید یہ کہ اس نے زاہد کو کبھی دل سے قبول نہیں کیا تھا۔ دل سے بھی اور ذہن سے بھی، جس طرح وہ کھوئی رہتی تھی اس سے تو یہی اندازہ ہوتا تھا۔ لیکن اس

میں بے چارے سلیم کا کیا قصور تھا۔ وہ تو بلا وجہ ہی دوسروں کی نفرتوں کا شکار ہو رہا تھا۔ ابھی اس معصوم زندگی میں اس نے دیکھا ہی کیا تھا۔ مجھے اس بچے پر بے پناہ ترس آیا۔ شاہ عالم نے سلیم کے طلب کردہ تمام کھلونے وغیرہ لا کر میرے سامنے ڈھیر کر دیئے اور میں یہ سب لے کر سلیم کے پاس پہنچ گیا۔ انتہائی خوش ہوا تھا وہ بچہ، ان تمام چیزوں کو دیکھ کر جیسے اسے کائنات کی تمام دولت مل گئی ہو۔ گل رخ مسکراتی نگاہوں سے مجھے دیکھ رہی تھی۔ میں نے اس سے نگاہیں ملائیں تو وہ ہنس پڑی۔
"کیوں، اس میں ہنسی کی کیا بات ہے۔!"
"میں دیکھتی ہوں کہ وہی والی مثل آتی ہے کہ بن مانگے موتی ملیں مانگے ملے نہ بھیک۔"
"کیا مطلب ہوا اس بات کا۔"
"کچھ لوگوں کو خوشیاں کسی کو کس قدر عزیز ہوتی ہیں اور کچھ لوگ ساری زندگی اداسیوں میں ڈوبے رہتے ہیں!"
"تمہیں ایسی باتیں نہیں کرنا چاہئیں گل رخ تم بہر طور میرے بھائی کی بیوی ہو۔"
"ہوں نہیں بھی تھی۔ اور وہ بھی اپنی مرضی سے نہیں بنائی گئی تھی بلکہ یہ شادی مسلط کی گئی تھی۔"
"لیکن اب تو وہ سب کچھ ہو چکا ہے جو ہونا تھا اب ان باتوں سے کیا حاصل؟"
"ٹھیک ہے۔" گل رخ نے بے رخی سے کہا۔ میں وہاں سے باہر نکل آیا۔ کچھ سمجھ میں نہیں آیا تھا کہ اب مجھے کتنا وقت یہاں گزارنا چاہئے اپنے کمرے میں آ کر ایک بار پھر میں نے اپنی نادیدہ شخصیت کو پکارا اور اس بار اس کی آواز مجھے اپنے کانوں میں سنائی دی تھی۔
"کیا بات ہے؟ کچھ الجھے ہوئے نظر آتے ہو؟"
"حالات سے تم واقف ہو۔ مجھے کب تک یہاں اس سوگوار ماحول میں زندگی بسر کرنا ہوگی؟"
"ایک مخصوص وقت تک، جب تک میں چاہوں۔"
"لیکن تمہارا یہاں سے کیا مفاد وابستہ ہے؟"
"ہیں۔ وقت آنے پر تمہیں بتا دوں گی تم خواہ مخواہ الجھ رہے ہو کیوں پھنسے ہوئے ہو یہاں سب کچھ موجود ہے لوگ تمہاری عزت کرتے ہیں، تمہارا احترام کرتے ہیں بلکہ تم اگر چاہو تو یہ سب کچھ جو یہاں موجود ہے اس کے مالک بھی بن سکتے ہو واحد اور تنہا مالک۔"
"وہ کیسے؟" میں نے متعجبانہ انداز میں پوچھا۔
"دیکھو بابر داد خان۔ زندگی عیش کرنے کی چیز ہے تم نے خواہ مخواہ اپنے آپ پر بڑھاپا طاری کر لیا ہے آئینہ دیکھو میں نے تمہیں جو کچھ واپس کیا ہے اس سے لطف اندوز کیوں نہیں ہوتے تم۔ دولت کے شائق تو نظر آتے ہو لیکن دولت کے ساتھ جو اور لوازمات ہوتے ہیں ان سے منہ کیوں موڑتے ہو۔؟"
"اور لوازمات سے تمہاری کیا مراد ہے۔؟"
"عیش و عشرت، حسن و جمال، رقص و موسیقی یہ سب کچھ انسان کی زندگی میں اس طرح شامل ہیں کہ ان سے الگ نہیں رہا جا سکتا جوانی ایسی ہی چیز ہے اور وہ جوانی جو کھو کر واپس آ جائے پہلے سے زیادہ قیمتی محسوس ہوتی ہے۔"
"لیکن میں اس قسم کا آدمی نہیں ہوں۔"
"نہیں ہو تو بنو۔ ورنہ اس بے لطفی کی زندگی گزارتے ایک بار پھر بوڑھے ہو جاؤ گے۔ جسمانی طور پر نہ سہی ذہنی طور پر، جسمانی طور پر تو میں نے تمہیں وہ سب کچھ دے دیا ہے جس کا تم یا کوئی بھی شخص تصور بھی نہیں کر سکتا تھا کسی سے پوچھو۔ کسی ایسے شخص سے پوچھو جو اپنی جوانی کھو چکا ہو اور اپنی جوانی میں اپنی آرزوئیں پوری نہ کر پایا ہو اگر اسے پھر سے جوانی مل جائے تو وہ کس طرح اس جوانی کو استعمال کرے گا کبھی تم نے اس سلسلے میں بھی سوچا بابر داد خان۔"
"کیا کروں۔ ذہن اس طرف راغب نہیں ہوتا۔ دل نہیں مانتا۔"
"کیوں نہیں مانتا دل، آخر مجھے بتاؤ تو سہی۔ کیا تکلیف ہے تمہیں۔"
"کاش تم میرے حالات زندگی جان سکتیں۔"
"جانتی ہوں۔ ایک ایک بات جانتی ہوں تمہارے بارے میں مجھ سے کیا چھپا ہوا ہے۔؟"
"او ہو۔ تو پھر تم میرے ان پیاروں کو بھی جانتی ہو گی جن کی مجھے آرزو ہے۔"
"میں نے کہا نا سب کچھ جانتی ہوں لیکن ابھی اس سلسلے میں کوئی بات نہ کرنا وقت آنے پر تمہیں بہت کچھ بتا دوں گی میں۔"
"پتہ نہیں وہ وقت کب آئے گا۔؟"
"جب بھی آئے لیکن اس وقت تک تمہیں میرے احکامات پر چلنا ہوگا ورنہ اگر تم نے میرے احکامات سے انحراف کیا تو نقصان بھی اٹھا سکتے ہو۔ میں کسی کو کچھ نہیں دیتی لیکن اگر دیتی ہوں تو پھر یہ چاہتی ہوں کہ وہ میرے اس دینے کا احترام کرے تم ہو کیا چیز بابر داد خان۔ جس انداز میں تم اس ملک میں داخل ہوئے ہو وہ یہاں کے قانون کے لئے بھی قابل اعتراض ہے میں اگر چاہوں تو کوئی بھی لمحہ تمہیں زنداں میں پہنچا سکتا ہے میں اگر چاہوں تو تم اپاہج ہو سکتے ہو میں اگر چاہوں تو تمہارا بڑھاپا واپس آ سکتا ہے لیکن میں یہ سب نہیں چاہتی میں نے تمہارا انتخاب کیا ہے تمہیں اپنا شکار

بلکہ میں وہ سب حاصل کرنا چاہتی ہوں جو مجھے مل نہیں سکے گا۔ اور اس کے عوض تم مجھ سے زندگی کا معاہدہ کرو گے۔ یعنی جو کچھ میں کہوں گی وہ تم کرو گے۔ اس کے عوض تمہیں دولت ملے گی۔ میرا مطلب ہے روپیہ، مال و دولت، جائیداد اور یہ ساری کی ساری چیزیں تمہاری ملکیت بن سکتی ہیں بشرطیکہ ایک اشارے پر، بولو کیا تم یہ سب پسند کرو گے۔"

"اور یہ کاروبار بہت وسیع ہے اگر میں تم کو دولت مند بنا دوں تو۔"

"تم بن سکتے ہو۔ بالکل بن سکتے ہو لیکن میں نے تمہارے لیے دوسرے جہانوں کا انتخاب کیا ہے اس ایک دولت پر اکتفا مت کرو زندگی ایک جگہ محدود ہو جانے کا نام نہیں نئی نئی چیزیں دیکھو، نئے نئے رنگ دیکھو، اس دنیا میں بہت کچھ ہے جو میں تمہیں یہ سب کچھ دکھاؤں گی۔ دولت کا مقصد اگر تمہارے ذہن میں ہے کہ تم خود کو شہنشاہ بنا لو تو میں تمہیں شہنشاہ بنا دوں گی لیکن شرط یہی ہے کہ میرے احکامات پر عمل کرتے رہو۔"

"میں تیار ہوں۔"

"اور یہ بھی بتاؤ کہ تم اپنی مرضی سے کچھ چاہتے ہو یا میں تمہارے لیے جو راستہ چاہوں منتخب کروں۔"

"مطلب جب مجھے تمہارے احکامات کی پابندی کرنا ہے تو پھر تم ہی میرے لیے صحیح راستوں کا انتخاب کرو گی۔"

"تو پھر جو کچھ میں کہتی ہوں کرتے رہو۔"

"میں تیار ہوں۔"

"اور اس سلسلے میں سب کچھ سوچنا چھوڑ دو۔ میں ہزار آنکھوں سے تمہاری حفاظت تمہاری نگرانی کروں گی تمہیں کوئی تکلیف نہیں ہوگی۔" اس نے کہا اور میں نے گردن ہلا دی میری اس نادیدہ دوشیزہ نے ایک بار پھر مجھے مطمئن کر دیا تھا دفعتاً میں نے اس سے سوال کیا۔

"ایک بات بتاؤ۔"

"ہاں ہاں پوچھو۔ سو باتیں پوچھو۔ میں نے کب انکار کیا ہے۔"

"کل رات کو تم یہاں نہیں تھیں۔"

"ہاں۔ میری بھی مصروفیات ہیں کبھی کبھی ایسا ہوتا ہے کہ میں تم سے الگ ہوتی ہوں۔"

"اور اگر ایسے لمحات میں، میں کسی الجھن میں پھنس جاؤں تو پھر ـــ؟"

"تم اس کی پرواہ مت کرو میری نگاہیں دور رہ کر بھی تمہاری حفاظت کرتی ہیں اس سلسلے میں کبھی پریشان ہونے کی ضرورت نہیں اگر تم کسی الجھن کا شکار ہو گے تو میں تم سے دور نہیں ہوں گی۔"

"اس کے علاوہ بعض اوقات میرے ذہن میں کچھ خیالات آتے ہیں اگر میں ان پر عمل کرنے لگوں تو تمہیں ناگوار تو نہیں گزرے گا۔"

"مجھے صرف ایک بات ناگوار گزرے گی کہ تم میرے احکامات سے انحراف کرو جو کچھ میں کہوں وہ ضرور کرتے رہنا اس کے خلاف اگر تم نے کچھ کیا تو پھر تکلیف پاؤ گے اس کے علاوہ تمہارے ذہن جو کچھ آئے وہ کرتے رہو تمہارا کوئی بال بیکا بھی نہیں کر سکے گا۔" میں نے گہری سانس لے کر گردن ہلا دی تھی یہ الفاظ میرے لیے بڑی اہمیت کے حامل تھے۔ اس سے زیادہ مجھے اور کیا چاہیے تھا اس سے بڑا تحفظ اور کیا مل سکتا تھا گویا میری لعنت کے لیے کوئی دعوہ باقی نہیں رہا ہے۔ یہ بہت بڑی بات تھی اور اس کا عملی ثبوت بھی مل گیا۔ شاہ عالم کہیں باہر گیا ہوا تھا اس نے جاتے ہوئے مجھ سے درخواست کی تھی کہ میں سلیم کا خیال رکھوں اور میں نے اس سے وعدہ کر لیا تھا۔

نفسیاتی علاج

ایک صاحب نے ماہر نفسیات سے اپنا مسئلہ بیان کیا۔ "میں پلنگ پر لیٹتا ہوں تو یہ محسوس ہوتا ہے کہ پلنگ کے نیچے کوئی ہے۔ میں تنگ آ کر نیچے جا لیٹتا ہوں مگر وہاں یہ خیال ستاتا ہے کہ کوئی اوپر ہے۔ اس کشمکش میں ساری رات نیند نہیں آتی۔"

"مسئلہ گمبھیر ہے۔" نفسیات داں بولا۔ "علاج میں دو مہینے اور چار ہزار روپے لگیں گے۔"

وہ صاحب گھر چلے گئے۔ پھر لوٹ کر نہیں آئے چند دنوں بعد ماہر نفسیات نے انھیں ایک باغ میں چہل قدمی کرتے دیکھا۔ اس نے پوچھا۔ "آپ علاج کے لیے نہیں آئے۔" انھوں نے جواب دیا۔ "علاج میں نے کر لیا ہے۔"

"کیسے؟" نفسیات داں نے جاننا چاہا۔

"میں نے ایک بڑھئی کو بلا کے دس منٹ اور چار روپے میں پلنگ کے چاروں پائے کٹوا دیے۔"

سلیم اب مجھ سے بہت بے تکلف ہو گیا تھا۔ اس صبح ناشتے پر میرے ساتھ تھا۔ "انکل۔" اس نے کہا۔

"کہو بیٹے کیا بات ہے۔"

"انکل آپ باہر جاتے ہیں۔"

"کہاں باہر ـــ؟"

"اس کوٹھی سے باہر۔"

"کبھی نہیں۔ مگر تم کیوں پوچھ رہے ہو۔"

"میرا دل بھی باہر جانے کو بہت چاہتا ہے مجھے تو اب یہ بھی یاد نہیں رہا تھا کہ سڑکیں اور بازار کیسے ہوتے ہیں۔"

"وہ تم کب سے باہر نہیں گئے۔"

"بہت دن ہو گئے انکل اب تو یاد بھی نہیں ہے۔"

"تم نے کسی سے باہر جانے کے بارے میں کہا نہیں ہوگا۔"

"کہتا ہوں لیکن ممّی کہتی ہیں باہر میری زندگی کو خطرہ ہے میں باہر نہیں جا سکتا۔"

"تو پھر تیار ہو جاؤ ہم تمہیں باہر لے چلیں گے۔" میں نے کہا اور معصوم بچہ خاموشی سے کھل اٹھا۔

"سچ انکل۔"

"ہاں جاؤ تیار ہو جاؤ۔" میں نے کہا اور وہ اندر دوڑ گیا۔

شاہ عالم کی بیوی نے مجھ سے کہا۔

"بھائی صاحب کیا یہ مناسب ہوگا۔"

"ہاں کوئی حرج نہیں ہے۔" میں نے جواب دیا۔ اور وہ خاموش ہو گئی۔ سلیم نے نیا لباس پہن لیا وہ بہت خوش نظر آ رہا تھا۔ میں اسے اس کے کمرے سے لینے گیا تو وہاں نگہ رخ بھی کھڑی ہوئی عجیب سی نگاہوں سے مجھے دیکھ رہی تھی۔ شاہ عالم کی بیوی اس وقت اس کے پاس نہیں تھی۔

"شنو۔ میں نے بھی طویل عرصے سے باہر کی دنیا نہیں دیکھی ہے۔"

"کیوں۔ کیا تمہاری زندگی کو بھی خطرہ ہے۔" نگہ رخ بولی۔ میں نے شریر انداز میں کہا۔

"یہ بات نہیں ہے۔"

"پھر ـــ؟"

"دل ہی نہیں کیا تھا کسی کے ساتھ جانے کو ساتھ میں نہیں رہ گئے ہیں جس میں انھیں حسن بخشتا ہے۔"

"شاید ـــ" میں نے آہستہ سے کہا۔

"تم بھی تیار ہو جاؤ نا۔"

"مناسب نہیں ہوگا نگہ رخ ـــ" میں نے رسانیت سے کہا۔

"کیوں ـــ؟"

"لوگ کیا سوچیں گے۔"

"لوگوں کی زبان بند نہیں کر سکتے تم۔"

"اس موضوع پر تم سے بعد میں بات کروں گا اس وقت وقت دو۔" میں نے کہا اور سلیم کو ساتھ لے کر باہر نکل گیا۔ نگہ رخ شکتی ہوئی آنکھوں سے مجھے دیکھتی رہ گئی تھی میں اس کے بارے میں عجیب انداز میں سوچ رہا تھا کیسی ہے یہ عورت۔ سلیم سے اپنے اکلوتے بیٹے سے اسے کوئی خاص رغبت نہیں محسوس ہوتی تھی۔ وہ ماں تھی جس نے سلیم کی زندگی کے بارے میں کبھی خوشی کا اظہار نہیں کیا تھا حالانکہ اسے سب سے زیادہ فکر ہونی چاہیے تھی ـــ اس پر اسرار عورت سے میں واقعی گھبرانے لگا تھا۔

جیپ لے کر میں باہر نکل آیا۔ سلیم کی خوشیوں کی انتہا نہیں تھی وہ اس دنیا کو بالکل اجنبی نگاہوں سے دیکھ رہا تھا جیسے زندگی میں پہلی بار یہ سب دیکھ رہا ہو۔

میں نے اسے شہر گھمایا اہم مقامات پر لے گیا۔ پستول میرے پاس موجود تھا میں ضرورت سے زیادہ لاپرواہ بھی نہیں تھا اس وقت شہر میں میں نے سلیم کو کافی شاپنگ کرائی تھی اور پھر میں اسے جہانگیر کے باغ میں لے گیا۔ سلیم نے خوب سیر سپاٹے کیے اور کسی ننھے پرندے کی طرح دوڑتا پھرا ـــ پھر کئی گھنٹے کے بعد میں نے واپسی کا فیصلہ کیا۔ سلیم کا دل ابھی واپسی کے لیے نہیں چاہ رہا تھا لیکن میں نے اسے دلاسہ دیتے ہوئے کہا۔

"تم فکر مت کرو سلیم۔ اب میں اکثر تمہیں سیر کرانے لایا کروں گا۔"

"وعدہ انکل ـــ؟"

"وعدہ بھئی پکا وعدہ ـــ" میں نے کہا۔ اور اسے جیپ میں بٹھا کر واپس چل پڑا۔ جیپ ایک سنسان سڑک سے گزر رہی تھی کہ اچانک اس پر دونوں طرف سے گولیوں کی بوچھار ہو گئی گولیاں میرے اور سلیم کے بالکل قریب سے گزر رہی تھیں۔ کئی گولیاں جیپ کی باڈی میں اور ایک ونڈ اسکرین میں لگی تھی۔

جتنی تعداد میں گولیاں چلائی گئی تھیں ان سے بچ جانا حیرت انگیز تھا۔ جیپ اچھلنے لگی میں نے بڑی مشکل سے اسے سنبھالا اس کے ساتھ ہی میں نے سلیم کی گردن پر ہاتھ رکھ کر اسے نیچے جھکا دیا۔ کچھ اور گولیاں ہم پر سے گزر گئیں۔ لیکن اس بار بھی کوئی گولی کارگر نہ ہوئی۔ سلیم بری طرح سہم گیا تھا۔

میں نے پستول نکال لیا۔ لیکن جتنی تعداد میں گولیاں چلائی گئی تھیں ان سے حملہ آوروں کی تعداد کا پتہ چلتا تھا۔ تنہا میں ایک پستول سے اتنے لوگوں کو کیا بگاڑ سکتا تھا۔ ابھی میں یہ سوچ ہی رہا تھا کہ دفعتاً سڑک کے دونوں طرف سے دو آدمی

پستول میں سنبھالے باہر نکل آئے۔ یہ سب نقابوں میں چہرہ چھپائے ہوئے تھے۔

لیکن ابھی وہ جیپ کے قریب پہنچے بھی نہ تھے کہ دفعتاً ٹھٹک گئے۔ پستول ان کے ہاتھوں سے نکل کر فضا میں معلق ہو گئے تھے۔ وہ بدحواس ہو کر پستول پکڑنے کے لیے لپکے لیکن پستول فضا میں تیر رہے تھے۔ جونہی کسی کا ہاتھ پستول کے قریب پہنچتا پستول آگے بڑھ جاتا اور چند ہی لمحات کے بعد یوں محسوس ہوا جیسے وہ ——— والی بال کھیل رہے ہوں۔ یہ خطرناک پوزیشن اچانک مضحکہ خیز ہو گئی تھی۔ سارے کے سارے نقاب پوش بدحواسی میں پستول پکڑتے پھر رہے تھے۔ پھر میں نے اپنا پستول سنبھال لیا۔ اب میں ان میں سے ایک ایک کو نشانہ بنا سکتا تھا۔

دفعتاً میرے کانوں میں سرگوشی ابھری۔ "کیا فائدہ یہ سب کرانے سے تو ہیں ———؟"

"یہ آواز میری نادیدہ محسنہ کی تھی۔ میرا ہاتھ رک گیا۔

"کون ہیں یہ ———؟" میرے منہ سے بے اختیار نکل گیا۔ لیکن اس بات کا کوئی جواب نہیں ملا تھا۔

بدحواس لوگ تھوڑی دیر تک تو پستول پکڑنے کے چکر میں ادھر سے ادھر بھاگتے رہے اور جب انہیں صورت حال کا احساس ہوا تو وہ بری طرح خوف زدہ ہو گئے۔ پھر ان میں سے کوئی نہیں رکا تھا۔ چند لمحات کے بعد میدان صاف ہو گیا۔

سلیم اب بھی سہما ہوا تھا۔ میں نے اسے سہارا دے کر اوپر اٹھایا۔ اسے کچھ نہیں بتایا جاسکتا تھا چنانچہ رسیدہ ہو کر اس نے سہمی ہوئی آواز میں کہا۔

"یہ ——— یہ کیا ہوا انکل ———؟"

"کچھ نہیں بیٹے۔ جیپ کا ٹائر پنکچر ہو گیا تھا۔"

"اور وہ گولیاں ———"

"کونسی گولیاں ———؟"

"بھوت ہم پر گولیاں برسا رہے تھے۔"

"ارے۔ کون سے بھوت۔ دیکھو میاں کوئی بھوت نہیں تھے۔ گولیاں تو برس رہی تھیں۔" اس نے چاروں اطراف دیکھتے ہوئے کہا۔

"نہیں غلط فہمی ہوئی ہے آؤ ٹائر تبدیل کر لیں۔" میں نے کہا اور اسے سہارا دے کر نیچے اتار دیا۔ پھر میں نے جیپ کا ٹائر تبدیل کیا اور اسے اسٹارٹ کر کے چل پڑا۔ میری نادیدہ محسنہ نے بروقت میری مدد کی تھی۔ اگر وہ مدد نہ کرتی تو اس وقت زندگی بچانا محال تھی راستے میں سلیم نے معصومیت سے کہا۔

"آپ مانیں نا مانیں انکل۔ ایک بھوت میرے پیچھے لگا ہوا ہے۔"

"تم سے کس نے کہا ———؟"

"میں نے خود دیکھا ہے اسے۔"

"اوہ۔ وہم ہو گا تمہارا۔ بھوت خود انسانوں سے ڈرتے ہیں۔ وہ انسانوں کو دیکھتے ہی بھاگ جاتے ہیں اور پھر تم تو خود ایک بہادر لڑکے ہو۔ بھوت تمہارا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔"

رانا محل پہنچا تو سب انتظار کر رہے تھے۔ خاص طور سے شاہ عالم ہمیں دیکھ کر کھل اٹھا۔

"خوب میرے بیٹے ہو۔ میں بہت پریشان تھا۔"

"کیوں ———؟" میں نے سوال کیا۔

"بس ایک خوف میرے ذہن میں بیٹھا ہوا ہے لیکن یوں لگتا ہے جیسے" میں نے شاہ عالم کو خاموش رہنے کا اشارہ کیا اور وہ خاموش ہو گیا۔ سلیم کو اس کی بیوی لے گئی تو میں نے اس سے کہا۔

"تم لوگوں نے سلیم کو بہت خوف زدہ کر دیا ہے یہ خوف اس کے لیے نقصان دہ بھی ہو سکتا ہے۔"

"اوہ۔ لیکن یہ ضروری تھا رانا صاحب۔"

"کیوں ———؟"

"بچہ ہے اس کے اپنے محل ہی میں اس کی زندگی کو خطرہ تھا۔ میں کیا کرتا وہ سیر و تفریح کے لیے ضد کرتا تھا۔ باہر کھیلنے کی کوشش کرتا تھا مجبوراً اسے روکنے کے لیے اسے بتانا پڑا کہ اس کی زندگی خطرے میں ہے۔"

"اب اس کی ضرورت نہیں ہے۔ آئندہ اس سے ایسی کوئی بات نہ کی جائے۔"

"ہاں یہی لگتا ہے جیسے سلیم کے دشمن آپ کی آمد سے خوف زدہ ہو گئے ہیں اس مسئلے کا کوئی حل نکلنا چاہیے رانا مسعود۔ کب تک ہم اس طرح اس کی حفاظت کریں گے ———؟"

"بہت جلد حل نکل آئے گا تم فکر نہ کرو۔" میں نے گہری سانس لے کر کہا اور شاہ عالم گردن ہلانے لگا۔

رات کو میں اپنے کمرے میں بیٹھا دیر تک ان حالات کے بارے میں سوچتا رہا تھا۔ اپنی نادیدہ محسنہ بھی بار بار میرے ذہن میں آتی رہی تھی وہ اس عمارت سے کیا چاہتی ہے اس نے مجھے یہاں کیوں بھیجا ہے۔ لیکن کچھ بھی ہے وہ واقعی اپنے قول کے مطابق میری نگرانی کرتی ہے۔ اس وقت بھی اگر اس کی پراسرار مدد شامل نہ ہوتی تو میرے لیے ان دشمنوں پر قابو پانا ممکن نہ ہوتا۔ کوئی بھی گڑبڑ ہو سکتی تھی۔

رات کے تقریباً بارہ بجے تھے۔ سلیم محل کے سارے دریچے

اور دریاں سنسان ہو چکی تھیں۔ باہر کی ساری آوازیں بند ہو گئی تھیں میں بھی سونے کی کوشش کرنے لگا۔ لیکن ابھی اس کوشش میں کامیاب بھی نہیں ہوا تھا کہ دفعتاً مجھے دروازے پر ہلکی ہلکی دستک محسوس ہوئی۔ اور میں چونک پڑا۔

میں نے جلدی سے سرہانے رکھا پستول سنبھالا اور دبے قدموں دروازے کے قریب پہنچ گیا۔ "کون ہے ———؟" میں نے سرگوشی کے انداز میں پکارا۔

"دروازہ کھولو مسعود۔ پلیز دروازہ کھولو میں گل رُخ ہوں۔" باہر سے التجا آمیز سرگوشی سنائی دی۔ اور میں نے جلدی سے دروازہ کھول دیا۔

"خیریت ہے گل رُخ ———"

"ہاں۔"

"سلیم کہاں ہے ———؟"

"شمسہ کے پاس سو رہا ہے۔" اس نے اندر داخل ہوتے ہوئے کہا اور پھر پلٹ کر دروازہ بند کر لیا۔ میں نے تیز روشنی کرنے کی کوشش کی تو وہ جلدی سے بولی "نہیں مسعود روشنی نہ کرو ——" اور میں رک گیا۔ وہ میرے بستر پر آ بیٹھی تھی۔

میں اسے دیکھنے لگا! وہ خاموشی سے گہری گہری سانسیں لے رہی تھی۔

"کوئی الجھن کوئی پریشانی ———؟" میں نے سوال کیا۔

"ہاں بہت بڑی الجھن۔ بہت بڑی پریشانی ہے۔"

"کیا بات ہے ———؟"

"میرے بارے میں غور نہیں کرو گے ———؟"

"اوہ۔ کیا غور کروں گل رُخ ———؟"

"میں کوئی غلط قدم نہ اٹھا بیٹھوں مسعود۔ تمہیں دیکھ کر میری رُوح کی پیاس جاگ اٹھی ہے مسعود۔ بیتا ہوا ایک ایک لمحہ میرے ذہن میں زندہ ہو گیا ہے۔ مسعود تم جانتے ہو میں اتنی بے باک کبھی نہیں تھی۔ تمہیں ضرور یاد ہو گا مسعود۔ کبھی انسان کچل کچل کر مسخ ہو جاتا ہے۔ بھول جاتا ہے اپنی انا اپنی خودداری کو۔ پکا ہوا پھل بن جاتا ہے۔ میری حیثیت گر گئی ہے۔ کیونکہ کیونکہ میں باسی پھول ہوں تمہارے قابل نہیں رہی۔ لیکن میری رُوح کنواری ہے۔"

"لیکن تم میرے بھائی کی بیوی ہو گل رُخ۔"

"ہوں نہیں تھی۔ تھی نہیں بنا دی گئی تھی کیونکہ ——— کیونکہ تم نے مجھے حاصل کرنے کی کوشش نہیں کی تھی۔" گل رُخ جذباتی لہجے میں بولی۔

"جو ہونا تھا ہو چکا ہے گل رُخ۔"

"میں نہیں مانتی۔ میرے دل نے اب تک نہیں مانا۔"

"دنیا مان چکی ہے گل رُخ۔"

"میں جانتی ہوں مسعود ——— اب تم مجھے پیار نہیں کرتے۔ تمہارا رویہ وہ نہیں رہا۔"

"مجبوری ہے گل رُخ۔"

"کوئی مجبوری نہیں ہے مسعود۔ اگر تم چاہو تو کوئی مجبوری نہیں ہے۔ تم تم مجھ سے شادی کر سکتے ہو۔"

"شادی ———؟"

"ہاں اگر چاہو تو ——— نہ چاہو تو ہزاروں دشواریاں ہیں۔ کوئی انوکھی بات تو نہیں ہو گی۔ دولت ہے جائیداد ہے سب کچھ ہے اور پھر سلیم کے خلاف جو کچھ ہو رہا ہے وہ اس لیے ہو رہا ہے کہ وہ لاوارث ہے اگر اسے تمہارا سہارا مل جائے تو ——— تو اس کے دشمن ٹھنڈے ہو جائیں گے۔"

"لیکن گل رُخ ———"

"میں تمہیں جانتی ہوں مسعود۔ ممکن ہے تمہیں میری باتیں پسند نہ آئیں۔ لیکن میں نے کبھی جہانگیر کو اپنا نہیں سمجھا۔ تم میرے سامنے نہیں تھے لیکن میں تمہیں یاد کرتی تھی اور اب ——— تمہارا حصول میری زندگی کا سب سے بڑا مقصد ہے۔ جائز یا ناجائز۔ یہ تم سوچتے رہو۔" وہ اٹھی اور تیز قدموں سے کمرے سے باہر نکل گئی۔

میں خاموشی سے بند دروازے کو دیکھتا رہا تھا۔ دفعتاً میرے کانوں میں سرگوشی ابھری۔

"بابر۔ یہ کیا حماقت ہے ———؟"

"اوہ۔ کیوں۔ کیا حماقت ہو گئی ———؟"

"پہلے بھی کہہ چکی ہوں۔ زندگی جوانی کچھ حاصل کرنے کا نام ہے تم نے اسے مایوس لوٹا دیا۔"

"اوہ شاید ذہنی طور پر میں بو[illegible] ہوں۔"

"ذہن کو بدلو۔"

"کوشش کروں گا۔ اول تو میں ان واقعات میں ہی الجھا ہوا ہوں تم اس سلسلے میں میری مدد کیوں نہیں کرتیں۔"

"تھوڑا سا انتظار کرو۔ سب ٹھیک ہو جائے گا۔ اور شمشو خود کو بدلو میں تمہارے ذہن کو بھی جوان دیکھنا چاہتی ہوں یہ میرے مشن کے لیے بھی ضروری ہے۔"

"میں نے کہا نا کوشش کروں گا۔" میں نے کہا۔ اس کے بعد مجھے کوئی آواز نہیں سنائی دی۔ ایک بار پھر سونے کے لیے لیٹ گیا لیکن

رات کو ٹھیک سے نیند نہیں آئی تھی۔

دوسرا دن حسبِ معمول تھا۔ گیارہ بجے کے قریب واحد آگیا۔ اس کے ہونٹوں پر پُراسرار مسکراہٹ پھیلی ہوئی تھی۔ "ہیلو رانا مسعود—!"

"ہیلو واحد—!"

"کیسی گزر رہی ہے—؟"

"ٹھیک ہوں"

"واحد بے کے کوئی خدمت—؟"

"کیا کر سکتے ہو—؟"

"پکوڑا نکالا ہے۔ اسے پہنچا جانتا ہوں۔ پھل بھی کھاؤں گا۔!"

واحد بولا۔

"کھل کر بات کرو واحد—" میں نے اُلجھ کر کہا۔

"آپ کو بھی کھلنا پڑے گا رانا صاحب۔"

"کیا مطلب—؟"

"آپ کو یہاں تک لانا میرا کام تھا رانا صاحب۔ صورتِ حال کا اندازہ آپ نے تو لگا لیا ہوگا۔"

"ہاں ظاہر ہے۔"

"سلیم کی زندگی کا سوال ہے۔ اس وقت تک اس کے خلاف سازشیں ہوتی رہیں گی جب تک جائیداد کا فیصلہ نہ ہو جائے۔ اور جائیداد کا اس کے علاوہ اور کوئی فیصلہ نہیں ہوگا کہ اس کا صحیح نگران پیدا ہو جائے۔"

"صحیح نگران کون ہے—؟"

"آپ۔"

"میں کیا کر سکتا ہوں—؟"

"شادی رانا صاحب۔ گل رُخ سے شادی۔ یہ جائیداد آبائی نہیں ہے بلکہ رانا جہانگیر کی اپنی پیدا کی ہوئی ہے اس لیے اس کا حق دار بانو سلیم ہے یا۔ وہ جو سلیم کا باپ ہو۔"

میں خاموشی سے واحد کی شکل دیکھ رہا تھا۔ پھر میں نے کہا "میں رانا جبار کی شکل دیکھنا چاہتا ہوں۔"

"واحد خود واحد ہے۔"

"کیا مطلب—؟"

"میں دکھا سکتا ہوں"

"کیسے—؟"

"بہروپ بدل کر"

"میں نہیں سمجھا—؟"

"آج رات کو دس بجے پہنچ جانا۔ میں وہیں ملوں گا۔" واحد نے کہا۔ میں سنسنی محسوس کیے بغیر نہ رہ سکا— رات تک اور کوئی خاص بات نہیں ہوئی۔ میں بے چینی سے دس بجے کا انتظار کر رہا تھا۔ دس بجے میں چوروں کی طرح چھپا ہوا مغربی علاقے میں پہنچ گیا۔ واحد اس جگہ موجود تھا جہاں وہ دونوں پہرے دار ہوتے تھے۔

واحد وہ کہاں گئے—؟

"بے ہوش پڑے ہوئے ہیں۔"

"اب کیا کرنا ہے—؟"

"چلے جائیے۔ دستک دیجیے۔ جرأت سے کام لینا ہوگا۔ اس وقت اور کوئی نہیں ہوگا—!" میں نے ایک لمحے کے لیے سوچا۔ اور پھر دروازے کے پاس پہنچ گیا۔ میں نے دروازے کے پاس پہنچ کر دستک دی۔

"آجاؤ—" بھاری آواز سنائی دی۔ اور میں اندر داخل ہو گیا۔ رانا جبار سامنے ہی بیٹھے تھے۔ اس وقت ان کا چہرہ بھی کپڑے میں نہیں چھپا تھا۔ جھلسا ہوا خوفناک سا چہرہ۔

مجھے دیکھ کر وہ اُچھل کر کھڑے ہو گئے۔ "تم—؟"

"ہاں بھائی صاحب۔" میں آپ کا بھائی ہوں۔

"تم کیوں آئے یہاں—؟"

"آپ کو دیکھنا چاہتا تھا۔"

"تو دیکھ لو۔ اب میں اس قابل نہیں ہوں کہ کسی کے سامنے آؤں۔ دیکھے تم— میں اپنے کیے کی سزا بھگت رہا ہوں۔

"جو ہونا تھا ہو چکا ہے بھائی صاحب۔ آپ کو ہمت سے کام لینا چاہیے۔"

"وہ بدبخت میری شکل بگاڑ کر چلی گئی۔ اب میں صرف موت کا انتظار کر رہا ہوں۔" خاموشی سے اس کونے میں سانسیں لے رہا ہوں موت کے انتظار میں۔ رانا جبار کی گلوگیر آواز اُبھری۔

"آپ کو مایوس نہیں ہونا چاہیے۔ پورا خاندان ہے آپ کا۔"

"کیا منہ لے کر اس خاندان کے سامنے جاؤں گا۔" "مسعود میں نے فیصلہ کر لیا تھا کہ اب لوگ موت کے بعد ہی میری شکل دیکھیں گے نہیں میرے بھائی۔ تم نے مجھے دیکھ لیا۔ کیا اب بھی تم کہو گے کہ میں عام لوگوں کے سامنے آؤں۔

"وہ سب آپ کے اپنے ہیں۔"

"ہیں۔ لیکن اب میں ان کا نہیں ہوں۔ میں— میں خودکشی کر لوں گا لیکن کسی کے سامنے نہیں جاؤں گا۔ میں نہیں چاہتا کہ لوگ میری شکل دیکھ کر چیخیں ماریں۔ مجھے اس کے لیے مجبور نہ کرنا مسعود۔

"مجھے اس کے لیے کبھی مجبور مت کرنا۔ میں بے غیرت بن کر رانا محل میں زندگی گزار رہا ہوں میں جانتا ہوں کہ رانا محل کی تعمیر

میں میرا اپنا کوئی حصہ نہیں ہے بلکہ اسے میرے مرحوم بھائی رانا جہانگیر نے ترتیب دیا تھا اس نے اس خاندان کی عزت ایک بار پھر سمیٹ کر یکجا کر دی تھی مجھے چاہیے تھا کہ اس عزت میں اضافہ کرتا لیکن میں نے اسے اور ملیامیٹ کرنے کی کوشش کی اور مجھے ان تمام باتوں کا بخوبی احساس ہے۔ ہاں مجھے حق نہیں تھا کہ میں اس بدبخت عورت کو یہاں لا کر رکھتا جو اس معیار کی نہ تھی کہ شریف لوگوں میں گزارہ کر سکے اس نے اس گھر کو گندگی کے ڈھیر میں تبدیل کر دیا تھا اور جب میں نے اسے سرزنش کی تو اس نے میرے ساتھ یہ سلوک کیا۔ مسعود میں اسے تلاش کر کے قتل کر دینا چاہتا تھا لیکن میری صورت ایسی ہو گئی کہ جب میں نے پہلی بار آئینہ دیکھا تو میں نے محسوس کر لیا کہ اب میں مر چکا ہوں۔ اب مجھ میں دُنیا کے سامنے جانے کی سکت نہیں ہے۔ تم یقین کرو میں یہاں سے کہیں دُور چلا جاتا ایسی جگہ جہاں میرے اہلِ خاندان میری بُو بھی نہ تلاش کر سکتے لیکن میں جانتا ہوں کہ جہاں جہاں سے میں گزروں گا نفرتوں کا ایک انبارِ عظیم لیتا چلا جاؤں گا مجھ میں انسانوں کے درمیان سے گزرنے کی ہمت نہیں ہے اس لیے میں نے یہ اور تکلیف رانا محل والوں کو دینا گوارہ کر لی ہے اس گوشے میں اب زندگی کی آخری گھڑیاں گن رہا ہوں اور میری تم سے درخواست ہے کہ مجھے یہاں پڑا رہنے دو مجھے صرف اس دن یہاں سے نکالنا جب میری لاش ہی نکلنے لگے۔— میں نے کوئی جواب نہیں دیا اس شخص کے بیٹے کی چھٹی کا کوئی پتہ نہیں چلا تھا۔ پھر خود میں نے افسوس کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔

"مجھے انتہائی افسوس ہے بھائی صاحب کہ میں آپ کو اس حال میں دیکھ رہا ہوں اگر آپ چاہیں تو میں اس عورت کو تلاش کرنے کی کوشش کروں—؟"

"نہیں مسعود نہیں۔ بس میرے اس مسئلے کو اسی جگہ ختم کر دو تم آج میرے سامنے آگئے ہو براہِ کرم آج کے بعد کبھی یہاں نہ آنا میری تم سے درخواست ہے مسعود، میری تم سے درخواست ہے—"

"ٹھیک ہے بھائی جان اگر آپ کی یہی خواہش ہے تو میں چلتا ہوں۔" میں نے کہا اور واپسی کے لیے پلٹ پڑا۔

تھوڑی دیر کے بعد میں رانا جبار کے کمرے سے نکل آیا میرے ذہن میں ایک عجیب سی کیفیت طاری تھی باہر واحد موجود تھا اور پُراسرار انداز میں مسکرا رہا تھا۔ وہ تو بے ہوش پہرے داروں کے قریب سے گزرتے ہوئے اس نے کہا۔

"بس ابھی یہ چند لمحات کے بعد ہوش میں آجائیں گے بے تمہارا کام بن گیا—؟"

"ہاں۔ میں نے گہری سانس لے کر کہا۔"

"کیا کیفیت پائی رانا جبار کی—؟"

"ان کا چہرہ تیزاب سے بُری طرح جھلس گیا ہے—"

"تم نے ان کی شکل دیکھی—؟" واحد نے پوچھا۔

"ہاں بخوبی کیوں تمہارے ذہن میں کوئی خاص بات ہے کیا—؟" میں نے پوچھا۔

"نہیں نہیں۔ میں پوچھ رہا تھا کہ کیا واقعی وہ اس قدر بھیانک ہو چکے ہیں کہ اب دُنیا کے سامنے نہیں آسکتے—" واحد نے سوال کیا۔

"دُنیا میں تو بہت سی بھیانک چیزیں دیکھنے کو ملتی ہیں واحد بہر طور آؤ میرے ساتھ— میں نے اس سے کہا اور واحد کو لیے ہوئے اپنے کمرے میں داخل ہو گیا میں واحد کا راز بھی کھول لینا چاہتا تھا۔ کمرے میں پہنچ کر میں نے اسے بیٹھنے کا اشارہ کیا اور وہ میرے سامنے بیٹھ گیا۔"

"واحد میں تمہارے بارے میں جاننا چاہتا ہوں۔"

"کیا مطلب—؟"

"مطلب یہ کہ تم کون ہو اور ان سارے معاملات سے کیا دلچسپی رکھتے ہو—؟"

"میں تمہیں اپنے بارے میں اتنا بتانا ضرور پسند کروں گا رانا مسعود کہ میں بھی تمہارے خاندان کا پُرانا واقف کار ہوں میرا معاملہ براہِ راست تم لوگوں سے رہا ہے۔ مجھے یقین ہے کہ تم مجھے نہیں جانتے ہو گے نہ ہی تم نے مجھے کبھی دیکھا ہو گا لیکن میں تمہاری پوری کہانی سے واقف ہوں اگر تم مجھے معاف کر دو میرے دوست تو میں ذرا اضافہ کروں کہ کام ہوں مجھے علم ہے کہ تم گل رُخ سے محبت کرتے تھے تم اسے چاہتے تھے پاگلوں کی طرح، لیکن رانا خاندان کے بگڑے ہوئے حالات کی بناء پر شاید تم اس بات کی ہمت نہیں کر پائے تھے کہ گل رُخ کے اہلِ خانہ سے گل رُخ کو مانگ لو اور اسی کے لیے تم باہر نکل گئے تھے تمہاری غیر موجودگی میں رانا جہانگیر بھی بذاتِ خود اتنی دولت پیدا کر چکا تھا کہ اب اس کا شمار رانا خاندان کے بہترین افراد میں ہوتا تھا اور اس نے صحیح معنوں میں رانا خاندان کی ساکھ سنبھال لی تھی تمہاری فطرت کے خلاف رانا جبار دوسری طبیعت کے آدمی تھے جہانگیر تم سے بھی پیار کرتا تھا اور اپنے بڑے بھائی سے بھی اس نے کبھی یہ بات نہیں سوچی تھی کہ جو کچھ اس نے بنایا ہے وہ خاندان کی ساکھ کی طرح اس نے بحال کی ہے وہ صرف اس کی اپنی ملکیت ہے وہ اپنے بھائیوں کو بھی اس میں شریک رکھنا چاہتا تھا جب تم چلے گئے تو اسے بہت دُکھ ہوا تھا لیکن وہ یہ نہیں جانتا تھا کہ تمہارے جانے کی وجہ کیا

ہے میں اچھی طرح جانتا ہوں کہ رانا مسعود کہ اگر رانا جہانگیر کو یہ بات
معلوم ہوتی کہ تم بھی گل رُخ کو چاہتے ہو اور اس کے حصول کی خواہش
دل میں رکھتے ہو تو وہ بخوشی تمہارے لیے یہ قربانی دے دیتا لیکن
وہ نہیں جانتا تھا۔ تمہاری خودداری تمہیں یہاں سے دور لے گئی
لیکن رانا جبار تمہاری طرح خوددار نہیں تھے وہ اس دولت پر
عیش کرتے رہے اور بے چارے رانا جہانگیر نے کبھی یہ بات نہیں سوچی
کہ یہ دولت اس کی ہے اور اس کا بڑا بھائی کس طرح اسے برباد کر رہا
ہے یہاں تک کہ رانا جہانگیر موت کی آغوش میں جا سویا اور رانا جبار
کو کھل کھیلنے کا موقع مل گیا میں ابھی تک اس داستان میں کہیں شامل
نہیں رہا لیکن یوں سمجھو کہ میں ہمیشہ تم لوگوں سے متعلق رہا ہوں ایک
اور خاندان ہے جو تمہارا پڑوسی ہے اور تم لوگوں سے اس کے گہرے
تعلقات تھے میں اپنے آباؤ اجداد کی بات کر رہا ہوں اب یہ دوسری بات
ہے کہ درمیانی وقفے میں ہمارے تعلقات ٹوٹ گئے لیکن میں انہیں
پھر سے استوار کرنا چاہتا ہوں۔" واحد نے جواب دیا۔
"بمبئی میں کیا کر رہے تھے۔۔؟"
"تقدیر آزما رہا تھا۔ بہت سے ایسے مسائل تھے جن کا تعلق
بمبئی سے ہے یوں سمجھو کہ میں زندگی تو بمبئی میں ہی گزارتا ہوں لیکن
بس تھوڑا سا وقفہ ایسا بھی ہوتا ہے جب میں بمبئی سے ہٹ کر کچھ کام
کرتا ہوں۔"
"ویسے میری نگاہ میں تم بھی پُراسرار آدمی ہو۔" میں نے
مسکراتے ہوئے کہا۔
"نہیں رانا مسعود، میں بہرطور بہی خواہ ہوں ہاں۔ اس بات
سے انکار نہیں کروں گا کہ اگر تمہارے تمام مسائل حل ہو گئے تو تم سے
کچھ مانگوں گا اور یوں سمجھو کہ میری وہ مانگ ہی میری ان کاوشوں کا
محرک ہے۔"
"ٹھیک اور الجھن میرے ذہن میں پیدا کر دی کون سی ایسی
چیز مانگو گے مجھ سے جو بڑی قیمتی ہو۔"
"مانگ لوں گا اور مجھے یقین ہے کہ وہ ایسی چیز نہیں ہوگی کہ
تمہیں اسے دینے میں میرے لیے پریشانی ہو۔"
"ہوں۔ اچھا اب یہ بتاؤ کہ کرنا کیا چاہیے۔۔؟"
"یہ سوال بہت ٹیڑھا ہے رانا صاحب۔ تنہا بیٹھ کر اس کا جواب
بیٹھ کر میں دے سکتا ہوں لیکن دینے کی جرأت نہیں کر سکتا۔"
"واحد تم مجھے یہاں لائے ہو اور تمہارا بھی تھوڑا بہت مفاد
ان باتوں سے وابستہ ہے میں کسی بیتے دوست کی مدد چاہتا ہوں
جو مخلص ہو اور میں تمہیں اپنا مخلص دوست۔۔۔ خیال کرتا ہوں۔"
"سنیے رانا صاحب بعض اوقات خلوص بھی ایک مصیبت
بن جاتا ہے۔"
"کس کے لیے۔۔؟" میں نے سوال کیا۔
"مشورہ دینے والے کے لیے۔"
"اگر یہ بات ہے واحد۔ تو میں وعدہ کرتا ہوں کہ تمہارے الفاظ
کچھ بھی ہوں اور مجھے ان سے شدید اختلاف بھی ہوا تو تمہارے خلوص پر
شک نہیں کروں گا۔"
"رانا صاحب۔ بہت بڑی بات کہہ رہے ہیں نباہ نہیں پائیں
گے۔"
"کوشش کروں گا میرے دوست۔" میں نے جواب دیا۔
"لیکن اگر آپ برداشت نہ کر سکے تو میری کیا حیثیت ہوگی
میں اس بات کو سوچ رہا ہوں۔"
"اگر بات کوئی بہت ہی سخت ہوئی اور ایسی ہوئی جو میرے
لیے ناقابلِ برداشت ہوئی تب بھی میں وعدہ کرتا ہوں کہ تم سے اس
سلسلے میں کوئی تعرض نہیں کروں گا۔"
"اس کا مقصد ہے کہ میں جو کچھ کہنا چاہتا ہوں کہہ دوں۔"
"ہاں میرے دوست۔ تم سب کچھ کہہ سکتے ہو فکر کرنے کی کوئی
بات نہیں۔"
"تو سنیے رانا صاحب۔ ہمارے سامنے دو صورتیں ہیں میں نہیں
جانتا کہ رانا جہانگیر کی بیوہ کے ذہن میں آپ کے لیے کیا گنجائش تھی
آپ ان کو چاہتے تھے آپ ان کو حاصل کرنے کے خواہشمند تھے تو
کیا ان کے دل میں بھی یہی آرزو پروان چڑھ رہی تھی کیا آپ مجھے اس
کا جواب دیں گے۔۔؟"
"ہاں۔ اس وقت یہی بات تھی۔" میں نے اپنے الفاظ کا محتاط
استعمال کرتے ہوئے کہا۔
"اور اب۔" واحد نے مجھے گہری نگاہوں سے دیکھتے ہوئے کہا۔
وہ بہت چالاک آدمی تھا میں آہستہ آہستہ اس کی فطرت سے واقف
ہوتا چلا جا رہا تھا وہ جو کچھ نظر آتا تھا وہ نہیں تھا بلکہ اندر گہرائیوں میں
بھی بہت کچھ تھا بہرطور میں نے محتاط لہجے میں جواب دیا۔
"اب کیا کہا جا سکتا ہے ظاہر ہے وہ شادی شدہ عورت ہے
بیوہ ہو چکی ہے بیوگی کی زندگی گزار رہی ہے اس کے ذہن کی گہرائیوں
میں جھانکنا اب میرے لیے ممکن نہیں ہے۔"
"لیکن یہی وہ مرحلہ ہے رانا صاحب جہاں آپ کو پوری ذہانت
سے کام لینا ہے۔"
"کیا مطلب۔۔؟"
"آپ۔ مسز جہانگیر کے ذہن کی گہرائیوں میں جھانکیے یہ آپ کے
لیے بہت ضروری ہے۔"

"اس سے فائدہ۔" میں نے بغور واحد کی شکل دیکھتے ہوئے کہا۔
"میں نے کہا نا یہی ایک شکل ہے کہ آپ رانا محل کو بچا سکتے ہیں۔"
واحد نے کہا۔
"مگر کس طرح یہ بات تو بتاؤ۔"
"ٹھہریے ایک منٹ۔" واحد نے کہا اور دبے قدموں دروازے
کی جانب بڑھا پھر اس نے پھرتی سے دروازہ کھولا اور باہر جھانکنے لگا
میں اس کی ان حرکات کا دلچسپی کی نگاہ سے دیکھ رہا تھا اس نے ادھر
ادھر دیکھا اور پھر دروازہ بند کر کے مطمئن انداز میں میرے پاس آ بیٹھا۔
"آپ کو یہ بات اچھی طرح ذہن نشین کر لینی چاہیے کہ جو کوئی بھی
سلیم کو قتل کرنے کا خواہشمند ہے اس کے ذہن میں اس کے علاوہ
اور کوئی بات نہیں ہے کہ وہ رانا محل کی دولت پر اپنا قبضہ جمائے سلیم
اس دولت کا جائز اور واحد وارث ہے کسی کو سلیم کے علاوہ یہ حق نہیں
پہنچتا کہ وہ اس دولت کو اپنے تصرف میں لائے کیا آپ اس بات
سے متفق نہیں ہیں۔ میرا خیال ہے کہ آپ بھی انہیں لوگوں میں شمار
ہیں کہ اگر آپ رانا محل سے کچھ حاصل کرنا چاہیں تو قانونی طور پر نہیں حاصل
کر سکتے۔"
"ہاں۔ میں جانتا ہوں۔"
"کیا جانتے ہیں آپ۔۔؟"
"یہی کہ یہ دولت رانا جہانگیر کی اپنی ملکیت ہے اس نے اپنے
بازوؤں سے یہ سب کچھ کمایا ہے اور کسی کو اس کا حق نہیں پہنچتا کہ
وہ اس کے حصول کے لیے کوشش کرے۔"
"ویری گڈ۔ یہی میں کہنا چاہتا تھا اور یہی وہ نکتہ ہے رانا صاحب
جو بہت سے راز افشا کرتا تھا یعنی اب اس بات میں کوئی شک و شبہ
نہیں رہنا چاہیے کہ سلیم کو قتل کرنے کی کوشش کرنے والا رانا محل
کی دولت کے حصول کا خواہشمند ہے۔"
"لیکن وہ کون ہو سکتا ہے۔۔؟"
"کوئی بھی ہو۔ دولت کا لالچ ہر ایک کے ذہن میں پیدا ہو
سکتا ہے میں اس سلسلے میں کسی کا نام نہیں لوں گا لیکن جو کوئی
بھی ہے ہم اس سے چھٹکارا حاصل کر سکتے ہیں۔"
"وہ کس طرح۔۔؟"
"رانا سلیم کے تحفظ کے لیے اگر ہم محل میں کسی کو ہلاک بھی
کر دیں تو ہم پر کوئی باقاعدہ جرم عائد نہیں ہوتا کیونکہ یہاں کے
معاملات کی اطلاع پولیس کے کانوں تک پہنچ چکی ہے۔"
"کیا مطلب۔" یہ انکشاف میرے لیے بھی نیا تھا۔
"جی ہاں۔ پولیس اس علاقے میں ملوث ہو چکی ہے کئی بار پولیس
کے محکمے کے بہت سے افراد یہاں آ کر راتیں گزار چکے ہیں۔"

راتیں گزار چکے ہیں۔" "لیکن کمال کی بات ہے مجھے اس
سلسلے میں کبھی اطلاع نہیں ملی۔"
"بات خاصی پرانی ہے اتنی پرانی کہ اب لوگوں کے ذہن
میں بھی نہیں رہی ہے اس لیے آپ سے اس کا تذکرہ نہیں کیا
گیا ہوگا۔"
"لیکن یہ بات تمہارے علم میں ہے۔"
"ہاں میں نے عرض کیا نا کہ باقاعدہ اس کی رپورٹ موجود
ہے پولیس آفیسران یہاں کے چکر بھی لگا چکے ہیں اور یہاں کے
لوگ ان سے اس قدر بددل ہو چکے تھے کہ اس کے بعد انہوں نے
محل میں ہونے والے واقعات کی اطلاع پولیس کو دینا ضروری نہیں سمجھی
کیونکہ پولیس اس سلسلے میں کچھ بھی نہیں کر سکتی تھی۔"
"اچھا پھر ٹھیک ہے چلو مان لیا کہ پولیس کے کاغذوں میں ان
واقعات کی تفصیل موجود ہے تو پھر۔۔؟" میں نے سوال کیا۔
"تو پھر یہ کہ کیوں نہ اس بھوت کا شکار کر لیا جائے۔"
"بھوت کا شکار۔" میں نے تعجب خیز نگاہوں سے واحد کو
دیکھتے ہوئے کہا۔
"جی ہاں۔ وہ بھوت جو رانا سلیم کی تاک میں ہے اور یقیناً
کبھی نہ کبھی کسی نہ کسی سے چوک ہو ہی جائے گی اور رانا سلیم قتل کر
دیا جائے گا۔" واحد نے سنسنی خیز لہجے میں کہا۔ میں خاموشی سے اس
کے چہرے کے تاثرات دیکھ رہا تھا تب واحد بولا۔
"اور اس سے قبل کہ رانا سلیم کے خلاف یہ سازش کامیاب
ہو جائے ہمیں اس بھوت کو ہلاک کر دینا چاہیے۔"
"لیکن لیکن۔ تمہارے خیال میں وہ بھوت کون ہو سکتا ہے۔"
"میں نے عرض کیا نا کہ اس سلسلے میں، میں اتنی بڑی
حیثیت نہیں رکھتا کہ حقیقتوں کو سمجھ پاؤں لیکن رانا سلیم کا کوئی بھی
دشمن اس قابل نہیں ہے کہ وہ اس محل میں رہے یا زندہ رہے۔"
"ہوں۔ کیا اس بھوت کو شکار کرنا اتنا ہی آسان کام ہوگا۔
کیا اس سے پہلے اس کی کوشش نہیں کی جا سکی۔۔؟"
"نہیں اس کو ہلاک کرنے کی ایسی کوئی کوشش نہیں کی گئی
اگر کبھی اس کے خلاف۔ کوئی خفیہ کارروائی کی بھی گئی تو اس کی
اطلاع اس بھوت کو ہو گئی اور وہ ہفتوں نظر نہیں آیا آپ نے
بھی دیکھا ہوگا کہ آپ کے آنے کے بعد وہ شاید ہی کبھی نظر آیا
ہو۔"
"ہوں۔ لیکن واحد ہم اسے ہلاک کیسے کریں گے۔"
"اس سلسلے میں بھی واحد کی خدمات حاضر ہیں بشرطیکہ آپ
اس کا بیڑہ اٹھائیں۔"
"میں تم سے اس موضوع پر ذرا ایک دو دن کے بعد بات

کروں گا واحد۔ اگر یہ بات ہے تو ٹھیک ہے ہم کوشش کریں گے کہ
سلیم کو اس مصیبت سے نجات دلائی جائے بہرصورت بھوت کو ہلاک
کرنے کے بعد کیا ہوگا۔۔؟"
"ایک دوسری صورت بھی میں آپ کو پیش کرنا چاہتا تھا رانا
مسعود۔" واحد بولا۔
"وہ کیا۔۔؟"
"مجھے اُمید ہے کہ رانا مسعود اپنی فراخدلی سے کام لے کر میری
کسی بات کا بُرا نہیں مانیں گے۔ رانا صاحب سلیم کے تحفظ کے لئے
یہی ضروری نہیں ہے کہ صرف ایک بھوت کو ہلاک کر دیا جائے
ایسے ایسے ہزاروں بھوت رانا محل میں پیدا ہو سکتے ہیں دولت بڑی
خراب شے ہے انسان اس کے چکر میں پھنس کر ایسی مصیبتوں کا
شکار ہوتا ہے کہ ان سے نکلنا اس کے لیے ناممکن ہو جاتا ہے لیکن
اگر سلیم کی زندگی آپ کو عزیز ہے اگر آپ چاہتے ہیں کہ رانا جہانگیر
کی نسل و نشان باقی رہے تو پھر آپ کو ایک اور کوشش کرنا ہوگی
رانا مسعود۔"
"کیسی کوشش۔۔؟" میں نے سوال کیا۔
"گل رُخ کو اس کا ماضی یاد دلانے کی کوشش اسے ماضی
میں واپس لانے کی کوشش۔ یہ کوشش کہ وہ آپ سے دوبارہ شادی
پر رضامند ہو جائے۔"
"یہ تم کیا کہہ رہے ہو واحد؟" میں نے اسے گھورتے ہوئے
کہا حالانکہ یہ بات میرے لیے جتنی آسان تھی واحد نہیں جانتا تھا میری
ایک تھوڑی سی کوشش گل رُخ کو اپنی زندگی میں شامل کر سکتی تھی
وہ تو اس بات کا اظہار کر بھی چکی تھی لیکن ظاہر ہے میں کسی دوسرے
کو اس سلسلے میں کوئی تفصیل نہیں بتا سکتا تھا۔
"اس کے علاوہ اور کوئی ترکیب نہیں ہے رانا مسعود کہ
آپ دشمنوں کی زبان ہمیشہ ہمیشہ کے لیے بند کر دیں ان کے ارادوں
پر پانی پھیر دیں۔ رانا جہانگیر کی دولت اس کی بیوی کی ہے اور اس کے
ساتھ ساتھ اس کے بیٹے کی ہے آپ رانا سلیم کو اپنی تحویل میں لے
لیں گے دولت کے منتظم اور مالک آپ ہوں گے کم از کم اس وقت
تک جب تک رانا سلیم جوان نہیں ہو جاتا اور پھر جوانی ہی سے کیا ہے
ظاہر ہے کہ گل رُخ آپ کی بیوی ہوگی اس کی دولت آپ کی دولت
ہوگی اس طرح رانا مسعود صاحب سارے لوگوں کے حوصلے پست
ہو جائیں گے اور آپ اس دولت کے واحد مالک ہوں گے آپ
اس دولت کا ذرا تصور کریں رانا صاحب۔ یہ کسی طرح اس دولت
سے کم نہیں ہے جو کبھی آپ کے خاندان میں تھی۔ آپ کتنے ہی بڑے
جوہری ہوں کتنا ہی کماتے ہوں۔ لیکن اتنی دولت آپ کے لیے
حاصل کرنا مشکل کام ہوگا۔"

"ہاں۔ میں جانتا ہوں۔"
"بس واحد کو یہی کہنا تھا اب مجھے اجازت دیجیے۔"
"پھر کبھی ملاقات کرو گے واحد۔۔؟"
"آپ کے حکم کا منتظر رہوں گا جب آپ حکم دیں حاضر ہو جاؤں گا۔"
"تمہارا کوئی فون نمبر وغیرہ۔۔؟"
"ہاں۔ کیوں نہیں۔ آپ نوٹ کر لیجیے۔" واحد نے کہا اور میں
نے اس کا فون نمبر ذہن نشین کر لیا تھا۔
"اس فون پر ہمیشہ ملتے ہو؟"
"ہاں ملوں گا۔ اس وقت تک جب تک آپ دوبارہ طلب نہیں
کرتے۔"
"ٹھیک ہے میں تمہیں فون کر کے صورتحال سے آگاہ کر دوں گا۔"
"فون پر نہیں۔ فون کو ٹیپ بھی کیا جا سکتا ہے۔ آپ فون کر کے
صرف مجھے طلب کر لیں ہمارے اور آپ کے درمیان جو گفتگو بھی ہوگی
آمنے سامنے بیٹھ کر ہوگی۔"
"ٹھیک ہے۔ واحد اپنی جگہ سے اُٹھ گیا اس کے جانے کے بعد
میں گہری سوچ میں ڈوب گیا تھا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا تھا کہ میں
گل رُخ سے شادی کر کے اس محل میں بیٹھ جاؤں میری نادیدہ محسنہ مجھ
سے نا جانے کیا چاہتی تھی ابھی تک تو اس نے اپنے کسی ارادے کا اظہار
نہیں کیا تھا ویسے بڑی عجیب، غریب کیفیت تھی واحد بھی مجھ سے کچھ
چاہتا تھا اور میری وہ محسنہ بھی مجھ سے کچھ چاہتی تھی لیکن یہ کچھ میری سمجھ
سے باہر تھی۔ کیا کرنا چاہیے؟
جتنا سوچتا اتنا ہی حیرتوں میں ڈوبتا چلا جا رہا تھا۔ میں
یہ سب کچھ تو نہیں تھا میں تو زندگی کا ایک طویل سفر طے کر کے
ایک مخصوص نقطے تک پہنچ چکا تھا اس کے بعد جتنی زندگی باقی
رہ گئی تھی اسے سکون سے گزارنے کا خواہشمند تھا۔
کہاں سے کہانی شروع ہوئی تھی اور کہاں پہنچ گئی تھی
سلمان پراسرار شخصیت کا مالک اگر اپنے آبائی دشمن سے
انتقام لے لیتا تو یقیناً ہم مصر واپس آجاتے اور باقی زندگی
وہیں گزار دیتا۔ لیکن حالات میں ایسی تبدیلی پیدا ہوئی
تھی کہ ساری صورت حال بگڑ کر رہ گئی تھی سلمان اب
اس دنیا میں نہیں تھا کیا کہا جا سکتا ہے یا پھر یہ بھی ممکن
ہے کہ جس طرح میں بچ گیا تھا وہ بھی بچ گیا ہو۔ مالکندو لگا
وہ پراسرار شخصیت پروفیسر رزی اور منزل سب سے گرداں تھے
میرے ذہن میں، اگر کچھ اور ماضی میں چلا جاتا تو پھر اپنا خاندان
بھی یاد آجاتا تھا۔ جو بہرطور ہندوستان میں ہی تھا پتہ نہیں
ان لوگوں میں سے کوئی موجود ہوگا یا نہیں لیکن کیا کہا جا سکتا

تھا حالات اگر اجازت دیتے تو میں انہیں تلاش کرنے کی
کوشش کر سکتا تھا۔
لیکن... لیکن یہ میری اپنی شخصیت اب ایسی ہے کہ میں
اپنے لوگوں میں جاؤں۔ میں تو ایک عجیب و غریب حیثیت کا مالک
بن گیا تھا زندگی کے ایک طویل سفر کے بعد پھر اسی منزل پر
لوٹ آنا کوئی معمولی بات نہ تھی لیکن آئینہ گواہ تھا میرے ساتھ
پاؤں گواہ تھے میرے دل کی امنگیں گواہ تھیں کہ میں وہیں کا وہیں
تھا جہاں سے چلا تھا جوانی مجھ پر پھر سے واپس آگئی تھی اور
یہ میرے لئے قابل یقین ہو لیکن دوسروں کے لئے قابل یقین
کبھی نہیں ہو سکتی تھی کوئی یہ نہیں کہہ سکتا تھا کہ وہی بابر زاد
خان ہوں جو اب سے ایک طویل عرصہ قبل یہاں سے گیا تھا
آخر وقت کچھ تو آگے بڑھتا لیکن مجھے وقت میں واپس
ڈھال دیا گیا تھا یہ سب کچھ میرے لئے برا نہیں تھا اگر کبھی
اپنے اندر کا جائزہ لیتا تو محسوس ہوتا کہ زندگی بڑی عجیب سی
چیز ہے۔
جوانی واپس آجانے سے مجھے جتنی مسرت ہوئی تھی
میرے رگ و پے میں اس کا احساس دوڑتا تھا کون بوڑھا
ہونا چاہتا ہے کون مرنا چاہتا ہے حالانکہ حقیقی انسان کو
قبول کرنی چاہیں میں اب ان تمام حقیقتوں کو قبول کر لیتا بلکہ
کر لیا تھا لیکن اب جبکہ کچھ واپس مل گیا تھا تو دل نہیں چاہتا
تھا کہ اس کو گنوا دیا جائے ہاں ذرا حیرت ضرور ہوتی تھی
اور اب یہ سب کچھ میری اسی محسنہ کا عطیہ تھا میں
اسے کیسے نظرانداز کر سکتا تھا اس کے احکامات پر چل کر ہی
تو میں زندگی کے بہتر راستے تلاش کر سکتا تھا۔ ہاں وہ
زندگی جسے میں ابھی دنیا میں مزید گزارنے کا خواہشمند تھا۔
میری محسنہ نے مجھے ہر طرح کی آزادی دی تھی اس نے
مجھ پر کوئی پابندی عائد نہیں کی تھی خواہ میں اخلاق حدود سے
گزر جاؤں خواہ کچھ بھی کر ڈالوں۔
لیکن میری اپنی فطرت ذرا مختلف تھی میں تھوڑا سا انسانی
حدود میں رہنا بھی چاہتا تھا ہمیشہ ہی اس کی پابندی کی تھی میں
نے لیکن اب۔ اب کیا کرنا چاہیے گل رُخ کو میں وہ دھوکا
نہیں دے سکتا تھا۔ اول تو میں رانا مسعود نہیں تھا اور اگر
ہوتا بھی تو یہ سب کچھ میرے بس کی بات نہیں تھی۔
بہرطور مجھے اس نے سوچنے پر مجبور کیا تھا۔ ضروری نہیں تھا
کہ میں وہ سب کچھ اسی انداز میں کر لوں پہلے اس بھوت کو تو دیکھ لوں

لیکن اس سے قبل میں تھوڑی سی گفتگو شاہ عالم سے کر لینا
چاہتا تھا۔
چنانچہ دوسرے دن ناشتے کے بعد میں نے شاہ عالم کو
طلب کیا اور اسے لے کر ایک تنہا گوشے میں پہنچ گیا۔
"شاہ عالم! اب آئندہ کے بارے میں تمہارے خیالات
جاننے کا متمنی ہوں۔"
"میں کیا عرض کر سکتا ہوں رانا مسعود میں تو آپ کے
خادموں میں سے ایک ہوں۔"
"یہ بتاؤ رانا سلیم کی زندگی کے تحفظ کے لئے قانون سے
درخواست کی گئی تھی۔"
"ہاں یہ خاصی پرانی بات ہے جب شاید رانا سلیم پر
دوسرا یا تیسرا حملہ ہوا تھا میں نے خود پولیس میں رپورٹ درج
کرائی تھی، اس پر توجہ بھی دی گئی تھی تین چار ہفتے تک پولیس
کے سپاہی ہماری کوٹھی میں پہرہ دیتے رہے تھے خود پولیس انسپکٹر
بھی ہمارے ارد گرد چکر لگاتے رہے لیکن وہ بھوت نظر نہیں
آیا اس کے بعد تفتیش ہوتی رہی وہ لوگ کافی عرصہ تک کوشش
کرتے رہے اور پھر کسی حد تک جھنجھلا گئے انہوں نے کہا یہ
سب ہمارا وہم ہے ایسی کوئی بات نہیں ہے اس کے بعد بھی
پولیس والے کئی بار ہمارے ہاں آئے لیکن بھوت کبھی اس
وقت نظر نہیں آیا جب پولیس کوٹھی میں موجود ہوتی تھی چنانچہ ہم
کوئی ثبوت پیش نہ کر سکے اور اس کے بعد خود ہی شرمندہ ہو کر
بیٹھ گئے۔"
"ہوں۔ بہرطور یہ رپورٹ پولیس میں موجود ہے کہ رانا سلیم
کی زندگی کو خطرہ لاحق ہے۔"
"ہاں۔ پولیس نے یہ فائل بند کر دیا ہے صرف اس نظریے
کے تحت کہ یہ سب کچھ ہمارا وہم ہے۔ ایسی کوئی بات نہیں ہے۔"
"اور جو حملے ہوئے۔ رانا پر ان کی اطلاع پولیس کو دی
گئی؟"
"نہیں۔ حالات کچھ ایسے ہو گئے تھے کہ اس کے بعد اس کی
گنجائش ہی نہ رہی۔" شاہ عالم نے جواب دیا۔
"ہوں۔ تم لوگوں نے کبھی اس بھوت کو پکڑنے یا ہلاک کرنے
کی کوشش کی؟"
میں نے سوال کیا۔
"نہیں صاحب۔ یہاں اس کوٹھی میں کوئی بھی اتنا دلیر نہیں
ہے یہاں تک کہ میں بھی نہیں، ہم لوگ بہت خوفزدہ ہیں"

"مگر واحد کی ہدایت کے پاس — دوسری طرف —" میں نے
انگلی سے ایک سمت اشارہ کیا۔
"نہیں — واحد نہیں ہے۔ میرا خیال ہے آج کا سپاہی بھوت
قدم قدم پر دیکھ رہا ہے۔"
"مو کیا ہے۔"
"سو فیصدی — شاید کوئی ملازم نہیں جاگ رہا ورنہ اب
تک اس کا اعلان ہو جاتا۔"
"آؤ —" میں نے کہا۔ اور واحد میرے ساتھ پیچھے چل پڑا۔
راستے میں اس نے کہا۔
"احتیاط اور ہوشیاری کی ضرورت ہے رانا صاحب۔ اگر آج
وہ ہمارے ہاتھ سے نکل گیا تو پھر اسے کبھی نہیں پا سکیں گے۔"
"کیوں؟"
"وہ سمجھ سکے گا کہ لوگ اس سے خوفزدہ نہیں۔ کوئی اس کے سامنے
آنے کی جرأت نہیں کرپاتا۔ یہ اس کے لیے پہلا تجربہ ہوگا کہ کوئی
اس کے سامنے آیا۔ اسے خطرے کا احساس ہو جائے گا اور پھر
ممکن ہے ہمیشہ کے لیے یہ سلسلہ ختم ہو جائے۔"
"ہاں، یہ تو تم درست کہتے ہو۔"
ہم دونوں دبے قدموں لیکن نہایت پھرتی سے نیچے آئے
تھے۔ اور ہم بیرونی دیوار سے چپک گئے۔
"وہ دیکھیے رانا صاحب — وہ اس طرف جا رہا ہے۔" واحد
نے ایک سمت اشارہ کیا۔
"کہاں —؟"
"وہ اسی سمت۔ آپ کو اندازہ ہے اس طرف سے رانا محل
میں داخل ہوا جاسکتا ہے؟"
"ہاں۔"
"واحد وہاں سے گل رخ صاحبہ کے کمرے تک پہنچنے کا راستہ
آسان ہے۔"
"بالکل —" میں نے واحد کی بات سے اتفاق کیا۔
"میرا خیال ہے آج وہ اس کو کر لینا چاہتا ہے۔ اب یوں
کریں کہ آپ ادھر سے جائیں، میں دوسری طرف سے اس کے پیچھے
لگتا ہوں۔ یہ فیصلہ کن مراحل ہیں۔" واحد نے کہا۔
"اوکے —" میں سرگوشی کے انداز میں بولا اور پستول ہاتھ
میں لے کر بے آواز قدموں سے دیوار کے ساتھ ساتھ چلتا رہا۔ سفید سایہ میری
نگاہوں میں تھا اور میں اس کی چال پر غور کر رہا تھا۔ اس کے پاؤں
زمین پر پڑتے محسوس نہیں ہوتے تھے۔ یہ مخصوص چال تھی اور
یوں لگتا تھا جیسے چلنے والا زمین سے بلند ہو کر تیر رہا ہو۔ اس کے
علاوہ اس کے لباس کی چوڑائی بھی بہت زیادہ تھی۔ اس کا پھیلاؤ
عام قد سے کم نہیں ہوگا۔ اگر کوئی انسان یہ کوشش کرتا تو بہت
مشکل بھی نہیں تھا کسی بھی قد سے ایک ڈیڑھ فٹ ڈھیلے ڈھالے
سفید لباس کو پھیلایا جاسکتا تھا۔
میرا سفر احتیاط اور احتیاط سے جاری تھا اور میں بڑی کامیابی
سے اس بھوت کا تعاقب کر رہا تھا۔ وہ عمارت کے عقبی حصے
کی طرف جا رہا تھا۔ پھر میں نے اسے ایک جگہ رکتے دیکھا۔ واحد
کی بات درست ہی معلوم ہوتی تھی۔ آج وہ فیصلہ کن مرحلے میں
داخل ہونا چاہتا تھا۔ میں نے اسے عمارت کے اس حصے میں دیکھا
جہاں گندے پانی کی نکاسی کے پائپ لگے ہوئے تھے۔ وہ پائپ
اسے چھت تک لے جاسکتے تھے۔ پھر چھت سے نیچے اتر کر اندر
عمارت میں داخل ہونا زیادہ مشکل نہیں تھا۔
میں ایک جگہ چھپ کر اسے دیکھنے لگا۔ البتہ ایک بات چونکا
دینے والی میرے ذہن میں داخل ہو گئی تھی۔ وہ یہ کہ یہ جو کوئی بھی ہے کم از کم
بھوت نہیں ہے۔ بھلا بھوت کو کیا پڑی ہے کہ وہ پائپ کے ذریعے
اوپر پہنچنے کی کوشش کرے۔ وہ تو فضاؤں میں پرواز کرتا ہوا اوپر
جا سکتا تھا۔ واحد بھی دوسری طرف سے چلتا ہوا اس جگہ آ گیا جہاں
میں موجود تھا۔
"اوہ — وہ شاید اوپر چڑھنا چاہتا ہے؟"
"ہاں یقیناً۔"
"کیا کسی بھوت کو پائپ کے سہارے کی ضرورت ہوتی ہے؟"
واحد بولا۔
"یہی میں سوچ رہا تھا۔"
"صاف ظاہر ہے وہ بھوت نہیں ہے۔ اور میرے خیال میں
رانا صاحب اب اسے زیادہ موقع دینا مناسب نہیں ہے۔"
"کیا مطلب؟"
"اگر وہ چھت پر پہنچ گیا تو پھر ہم اسے نہ پاسکیں گے۔ اول تو
ہمارے لیے اس طرح پائپ کے سہارے اوپر پہنچنا ممکن نہ ہوگا۔
دوسری بات یہ کہ اس کے اندر داخل ہونے کا خطرہ مول نہیں لیا
جاسکتا۔ نہیں رانا صاحب گولی چلائیے۔" واحد نے کہا۔
سفید سایہ پائپ پر تقریباً دس فٹ اوپر پہنچ چکا تھا۔ میں
تیار ہوگیا۔ پستول سیدھا کر کے میں نے اس کی پشت کا نشانہ لیا
اور پھر فضا میں گولی کا دھماکا ہوا۔
دوسرے لمحے بھوت پائپ سے نیچے آ پڑا۔ نشانہ ٹھیک
لگا تھا۔
"وہ مارا —" واحد خوشی سے چیخا۔ بھوت نے نیچے آتے

ہی اٹھ کر بھاگنے کی کوشش کی لیکن اب جب میں نے پہلی گولی
چلادی تھی تو دوسری گولی چلانے میں مجھے کیا عذر ہو سکتا تھا۔
میں نے بھاگتے بھوت پر دوسرا نشانہ لگایا اور پھر تیسرا فائر بھی
کر دیا۔ وہ ڈھیر ہو گیا تھا۔
"آیئے۔ ہم کامیاب ہو گئے۔" واحد نے بھوت کی طرف
چھلانگ لگا دی۔ میں نے بھی اس کی تقلید کی تھی۔ آن کی آن میں
ہم اس کے سر پر پہنچ گئے۔ بھوت کا سفید لباس خون سے رنگین
ہو گیا تھا۔ گو ابھی اس نے تڑپنے کی حالت بھی نہیں دی اور وہ
سرد ہو گیا۔ واحد نے بے صبری سے اس کا چہرہ کھول لیا۔ میں بھی
اس کی شکل دیکھنے کی کوشش کر رہا تھا۔
ایک نامانوس چہرہ ہمارے سامنے تھا۔ "یہ کون ہے؟"
میں نے تعجب خیز لہجے میں کہا اور واحد چونک کر مجھے دیکھنے لگا۔
اس کی آنکھوں میں شدید حیرت کے آثار تھے۔
اس وقت رانا محل میں اندر روشنیاں ہونے لگیں۔ بہت سی
آوازیں ابھر رہی تھیں۔
واحد جلدی سے کھڑا ہو گیا۔ "میں چلتا ہوں رانا صاحب
اب میری یہاں موجودگی مناسب نہیں ہے۔ کل کسی وقت آپ
سے ملاقات کروں گا۔ اور ہاں، میرا نام کہیں نہ آنے پائے۔ ورنہ یہ
بات آپ کے حق میں بہتر نہ ہوگی۔"
واحد نے جھاڑیوں کی طرف چھلانگ لگا دی۔ عمارت کا عقبی
دروازہ کھلا اور ٹارچوں کی روشنیوں نے مجھے احاطے میں لے لیا۔
دوسری طرف سے ملازمین بھی دوڑتے آ رہے تھے۔ ان میں چوکیدار
بھی تھا۔ شاہ عالم کی آواز سب سے پہلے سنائی دی تھی۔ "خبردار اپنی
جگہ سے جنبش کی کوشش کی تو میں اسے چھلنی کر دوں گا۔"
میں نے کوئی جواب نہیں دیا۔ ذرا سی دیر میں کئی افراد
میرے پاس پہنچ گئے۔ "ارے — رانا مسعود — آپ — اوہ —
یہ —" اس نے لرزیدہ لہجے میں کہا۔
"ہاں۔ میں نے بھوت کا شکار کر لیا ہے۔" میں نے آہستہ
سے کہا۔
"سرکار۔ ہم نے اسے آتے دیکھا تھا۔" چوکیدار بولا۔
"کہاں سے آتے دیکھا تھا؟" میں نے پوچھا۔
"بس ہم ہو رہے تھے ... یہ جھاڑیوں کے پیچھے نکلا تھا۔"
"لیکن یہ — لیکن —" شاہ عالم ٹارچ کی روشنی میں اس بھوت
کی شکل دیکھنے لگا۔ پھر میرے حلق سے بھرائی ہوئی آواز نکلی۔ "ارے
رانا جبار —" لیکن یہ آواز اتنی آہستہ تھی کہ میرے علاوہ کسی نے
نہیں سنی۔ اس نے جلدی سے بھوت کا چہرہ ڈھک دیا تھا۔
اب رانا محل کے سارے ملازم اس جگہ جمع ہو گئے تھے۔ "اسے
اٹھاؤ اور اندر لے چلو۔" شاہ عالم نے بھاری لہجے میں کہا لیکن
ملازم اس مردہ بھوت کو ہاتھ لگانے کی ہمت بھی نہیں کر پا رہے تھے۔
"رانا صاحب، آپ ذرا مدد کریں۔" شاہ عالم بولا اور میں نے
اور اس نے مل کر بھوت کی لاش اٹھائی اور اندر لے گئے۔ اندر بھی
سب لوگ پریشان تھے۔ گل رخ اور شہلا اپنے کمرے کے دروازے
پر کھڑی ہوئی تھیں۔
گل رخ نے شہلا سے کہا۔ "شہلا! تم جاؤ کمرے میں۔" لیکن آگئی
اور وہ ہمارے پاس آ گئی۔
"کون ہے؟ کیا ہوا — ارے — یہ — یہ کیا ہے؟" وہ
"یہ بھوت — بھوت —" وہ سہمے ہوئے انداز میں بولی۔
"بھوت نہیں، بھوت کی لاش۔" میں نے جواب دیا۔
گل رخ بھی ہمارے ساتھ کمرے میں آ گئی تھی۔
"کیا یہ — اوہ — خون — گویا یہ بھوت نہیں کوئی انسان
تھا۔" وہ سہمے ہوئے لہجے میں بولی۔ "اسے کس نے ہلاک کیا؟"
"رانا مسعود نے۔ اور کون یہ جرأت کر سکتا تھا۔" شاہ عالم
نے فخریہ لہجے میں کہا۔
"لیکن یہ کون ہے؟"
"چھوٹی بیگم صاحبہ! اچھا ہوا آپ آ گئیں۔ آپ کی موجودگی
بہت ضروری تھی۔" شاہ عالم بولا۔
"کون ہے یہ؟" گل رخ نے سہمی ہوئی آواز میں کہا اور شاہ عالم
نے لاش کا چہرہ کھول دیا۔
"اوہ — اوہ میرے خدا — بڑے بھائی جان۔ رانا جبار۔"
"ایک بات کہوں رانا صاحب؟" شاہ عالم بولا۔
"ہاں، کہو۔"
"خدا کی قسم میرے دل میں یہ شبہ موجود تھا لیکن ساری
زندگی میں کبھی یہ کہنے کی جرأت نہ کر پاتا۔ میں کبھی نہیں کہہ سکتا تھا۔
میں سمجھ بھی نہ سکتا تھا۔"
"میں سخت حیران ہوں شاہ عالم۔"
"حیرانی کی بات ہے کون سوچ سکتا تھا کہ یہ۔"
"نہیں، میری حیرانی کی وجہ کچھ اور ہے۔"
"کیا؟"
"میں نے رانا جبار سے اس کی رہائش گاہ میں ملاقات کی
تھی۔"

"کب ——؟"
"تقریباً ایک ہفتہ قبل۔"
"انہوں نے آپ سے ملاقات کرلی؟"
"ہاں۔ میں چالاکی سے اندر گھس گیا تھا۔ پھر انہوں نے مجھے منع کیا۔ لیکن میں نے ان کا جھلسا ہوا چہرہ دیکھا۔"
"اوہ ——" شاہ عالم حیرت سے بولا۔
"یہ وہ چہرہ نہیں ہے —— یہ تو بالکل صاف ہے۔"
"خدا بہتر جانتا ہے۔"
"اب کیا کرنا چاہیے؟" میں نے پوچھا۔
"میری رائے میں ہمیں فوری طور پر پولیس کو اطلاع کردینی چاہیے۔ رانا صاحب کی موت کی خبر چھپی نہ رہ سکے گی۔ اور ظاہر ہے کہ ہمیں خبر چھپانی بھی نہیں چاہیے۔"
"مسعود پر تو کوئی آنچ نہیں آئے گی؟" گل رخ نے طفلانہ انداز میں کہا۔
"سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ سلیم کی زندگی کے لیے یہ ضروری تھا اور ہم میں سے کون یہ کام انجام دے سکتا تھا۔ پولیس خود بھی ناکام ہو کر بیٹھ چکی تھی۔ جو کچھ کیا گیا اپنے تحفظ کے لیے کیا گیا۔ کون سوچ سکتا تھا کہ رانا جبار یہ مجرمانہ کارروائی کر رہے ہوں گے۔ ہم نے صرف سلیم کے دشمن کو ختم کیا ہے جو اسے قتل کرنا چاہتا تھا" شاہ عالم نے کہا۔

گل رخ خاموش ہوگئی۔ میں نے شاہ عالم کو روکنے کی کوشش نہیں کی تھی۔ پولیس نے پہنچنے میں دیر نہیں لگائی۔ ایک انسپکٹر، ڈی۔ ایس۔ پی اور تقریباً دس پولیس کانسٹیبل آگئے تھے۔ لاش ان کی تحویل میں دے دی گئی۔

ڈی۔ ایس۔ پی نے ابتدائی کارروائی کی اور پھر مجھ سے اس سلسلے میں معلومات حاصل کرنے لگا۔ شاہ عالم میرے ساتھ تھا۔ اس نے ڈی۔ ایس۔ پی کو صورت حال بتائی اور پھر میں نے بھوت کے اس قصے کو بتایا۔
"آپ کو شبہ تھا کہ وہ کوئی بھوت نہیں ہے؟"
"میں صرف صورت حال جاننا چاہتا تھا۔ میں نے اسے انسان سمجھ کر گولی نہیں چلائی تھی۔ میں دیکھنا چاہتا تھا کہ گولی کا اس پر کیا اثر ہوتا ہے؟"
"رانا صاحب۔ ایک خاص سوال کرنا چاہتا ہوں۔ رانا جبار آپ کے بھائی تھے۔ ان حالات میں ان کا قتل آپ کے لیے کیا حیثیت رکھتا ہے؟"
"میں کسی مجرمانہ کارروائی کی حمایت کبھی نہیں کرسکتا۔ رانا جبار آپ کے بھائی تھے۔ اگر رانا صاحب کا کوئی مسئلہ تھا تو وہ مجھے بحیثیت بھائی کی حیثیت سے بتا سکتے تھے۔ یہ سب کچھ کرنا ضروری تو نہیں تھا۔"

"ٹھیک ہے۔ براہ کرم آپ مجھے رانا جبار صاحب کی رہائش گاہ کی تلاشی کی اجازت دیں۔"
"پولیس کی کارروائی میں کوئی مداخلت میرے لیے ممکن نہیں ہے۔" میں نے جواب دیا۔
"میں اس تعاون کے لیے شکر گزار ہوں۔" ڈی۔ ایس۔ پی نے کہا۔ پھر مجھے اور شاہ عالم کو بھی ڈی۔ ایس۔ پی کے ساتھ وہاں جانا پڑا۔ رات کے پُراسرار سناٹے میں وہ جگہ بہت پُراسرار نظر آ رہی تھی۔ اس وقت دونوں نوکر بھی یہاں موجود نہیں تھے۔ تیز روشنیاں کرکے پولیس افسر اس کمرے کا جائزہ لینے لگا۔ وہ بڑی ذہانت سے ایک ایک چیز کو دیکھ رہا تھا۔

بڑا مختصر سامان تھا اس کمرے میں۔ مسہری، ایک میز، چند کرسیاں، ایک آرام کرسی، مینٹل پیس، آتش دان۔ مینٹل پیس پر ایک خانہ نظر آیا جو گہرائی میں تھا۔ اس میں ہاتھ ڈالا تو ایک گول کیل ابھری نظر آئی۔ اسے دبایا تو ایک سمت کی دیوار میں ایک آواز کے ساتھ دروازہ نمودار ہوگیا۔

ڈی۔ ایس۔ پی نے ٹارچ منگوائی اور ہم لوگوں کو ساتھ آنے کا اشارہ کرکے اندر داخل ہوگیا۔ ایک راہداری تھی جس کا اختتام ایک اور کمرے پر ہوا تھا۔ یہ کمرہ اصل جگہ سے بہت دور تھا۔ کیونکہ راہداری بھی کافی لمبی تھی۔ اس سارے کمرے میں ایک بڑے صندوق کے علاوہ اور کچھ نہیں تھا۔ صندوق میں تالا نہیں تھا ——!

ڈی۔ ایس۔ پی نے دو کانسٹیبلوں کو یہ صندوق کھولنے کا حکم دیا اور انہوں نے ڈھکن کھول دیا۔ اندر ایک انسانی ڈھانچہ رکھا ہوا تھا۔ اس کے پاس اس کا لباس بھی موجود تھا۔ یہ زنانہ لباس تھا۔

شاہ عالم نے یہ لباس پہچان لیا۔ یہ اس عورت کا لباس تھا جسے رانا جبار بیوی بنا کر لائے تھے۔
"اوہ۔ اس کا مقصد ہے کہ وہ عورت یہاں سے فرار نہیں ہوئی تھی بلکہ اسے قتل کیا گیا تھا۔"
"ہاں۔ اس سے یہی ظاہر ہوتا ہے۔" اس کمرے میں ایک اور دروازہ دستیاب ہوا۔ اس کے دوسری سمت تھوڑی سی گہرائیوں میں گزرگاہ تھی۔ یہ لائن خشک پڑی ہوئی تھی لیکن اس کا اختتام بلندیوں پر ہوا تھا۔ ان جھاڑیوں کے قریب جہاں سے وہ بھوت نمودار ہوتا تھا۔

تمام صورت حال سامنے تھی۔ رانا جبار ایک لمبا کھیل کھیل رہا تھا۔ اس نے اس عورت کو قتل کر دیا تھا جس نے اس سے تعاون نہیں کیا تھا۔ اور اس نے رانا جہانگیر کی اس دولت کو ہڑپ کرنے کے لیے سلیم کے قتل کی تیاریاں مکمل کرلی تھیں۔

ڈی۔ ایس۔ پی نے بھی یہی خاکہ پیش کیا تھا۔ پولیس کی کارروائی صبح تک جاری رہی۔ سب کے بیانات لیے گئے اور پھر رانا جبار کی لاش پولیس ہسپتال بھجوا دی گئی۔ رانا جبار کی اس پُراسرار رہائش گاہ میں پولیس کو میک اپ کا سامان بھی مل گیا تھا اور میرا ایک مسئلہ حل ہوگیا تھا۔

پولیس چلی گئی —— صرف دو جوان اس رہائش گاہ پر متعین کر دیے گئے تھے۔ شاہ عالم عجیب سنسنی خیز کیفیت میں تھا۔ اس نے پریشان لہجے میں کہا۔
"اب کیا ہوگا رانا صاحب؟"
"تمام مسئلے حل ہوگئے۔ اب سلیم کو کوئی خطرہ نہیں ہے۔"
"آپ رانا جبار سے ملے تھے؟"
"ہاں۔ اور ان کا چہرہ جھلسا ہوا تھا۔"
"میک اپ ——؟"
"اس کے علاوہ اور کیا کہا جاسکتا ہے؟"
"میں اب بھی وہی درخواست کروں گا رانا صاحب! آپ گل رخ سے شادی کرلیں۔ سلیم ابھی بچہ ہے۔ آپ جیسے نیک انسان کے زیر سایہ پرورش پائے گا تو اس کا مستقبل سنور جائے گا۔"

"یہ وقت ایسی باتیں کرنے کا نہیں ہے شاہ عالم۔"
"معافی چاہتا ہوں۔ دل کی بات تھی کہے بغیر نہ رہ سکا۔" میں خاموش ہوگیا۔
تین دن گزر گئے، چوتھے دن واحد مجھ سے ملنے آیا۔ اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ تھی۔ "کیسے مزاج ہیں رانا صاحب؟"
"ٹھیک ہوں۔"
"پولیس نے کوئی مسئلہ تو نہیں پیدا کیا ——؟"
"نہیں —— لیکن کچھ باتیں میرے ذہن میں اب بھی الجھی ہوئی ہیں واحد ——!"
"کیا —— ہو سکتا ہے میں ان کا حل پیش کرسکوں۔"
"رانا جبار اس وقت میک اپ میں کیوں تھے؟ کیا میری آمد ان کے لیے متوقع تھی۔"
"ہاں۔" واحد نے جواب دیا۔
"کیا مطلب؟"
"وہ آپ کا انتظار کر رہے تھے۔"
"خدا کی پناہ۔ انہیں کیسے پتہ چلا کہ میں ان کے پاس آنے کی کوشش کروں گا؟"
"میں نے انہیں بتایا تھا۔" واحد نے جواب دیا اور میرے کانوں کے قریب جیسے بم پھٹا۔ میں پھٹی پھٹی نگاہوں سے واحد کو دیکھتا رہ گیا۔ پھر بمشکل میں نے کہا۔
"تم نے —— تم نے واحد۔ کیا تمہارا رابطہ رانا صاحب سے تھا؟"
"واحد فرد واحد ہے جسے رانا صاحب کی ایک ایک کارروائی معلوم تھی۔" واحد نے دوسرا دھماکہ کیا۔ "یہ شخص —— یہ شخص میرے حواس خراب کیے دے رہا تھا۔"
"کیا بکواس کر رہے ہو؟"
"صحیح عرض کر رہا ہوں رانا صاحب —— بلکہ بابر داد خاں صاحب۔ کیونکہ واحد ہی فرد واحد ہے جسے ایک اور راز معلوم ہے۔" واحد کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔
"کونسا راز؟"
"یہی کہ آپ رانا مسعود نہیں ہیں۔" اس نے سرگوشی کی۔

واحد نے مجھے متحیر کیا تھا۔ یہ شخص سب سے ہی زیادہ پُراسرار تھا۔ چند لمحات کے لیے میری زبان گنگ ہو کر رہ گئی تھی۔ واحد شرارت بھری نگاہوں سے مجھے دیکھ رہا تھا۔
"کیا کہنا چاہتے ہو؟" تھوڑی دیر کے بعد میں نے خود کو سنبھال کر کہا۔
"کچھ نہیں حقیقت حال عرض کر رہا ہوں۔"
"تم نے مجھے بابر داد خان کے نام سے پکارا تھا؟"
"ہاں۔"
"کیوں؟"
"اس لیے کہ یہ آپ کا اصل نام ہے۔"
"تم یہ بات کب سے جانتے تھے؟"
"ہمیشہ سے۔ لیکن آپ کی شکل و صورت رانا مسعود سے اس قدر ملتی تھی کہ کوئی بھی دھوکہ کھا سکتا تھا۔ واحد فرد واحد ہے کہ جو حقیقتوں سے آگاہ تھا۔"
"تم بہت چالاک آدمی معلوم ہوتے ہو واحد! ایک سازشی ذہن کے مالک۔ مجھے بتاؤ اس سازش سے تمہارا مقصد کیا ہے؟"
"ڈیئر بابر داد خان! تم مجھے کچھ بھی کہو لیکن اعتراف کرو گے کہ میں تمہارے لیے فرشتہ ہی ثابت ہوا۔ اس عظیم

"ہاں۔ آج سے پورے ایک ہفتہ بعد رانا سلیم پورے نو سال کا ہو جائے گا۔"
"رانا سلیم؟" میں نے چونک کر کہا۔ اور اس کا ہلکا سا قہقہہ سنائی دیا۔
"ہاں، رانا سلیم۔"
"تم اس سے تمہارا کیا کام ہے؟"
"اچھا آرام کرو۔ میں وقت سے پہلے تمہیں اس بارے میں کچھ نہیں بتاؤں گی۔ اب چلتی ہوں۔" آواز بند ہو گئی لیکن میرے لیے وہ سینکڑوں الجھنیں چھوڑ گئی تھی۔ بھلا رانا سلیم جیسے بچے سے اس کو کیا کام ہو سکتا ہے؟"
لیکن اس سوال کا جواب میرے پاس نہیں تھا۔ الجھنوں کے، حالات جوں کے توں رہے۔ واحد دو دن تک ملنے نہیں آیا تھا۔ تیسرے دن بھی اس سے سرسری ملاقات ہوئی۔ کوئی خاص بات نہیں کی اس نے۔ لیکن اسی رات گلرخ سب کے سو جانے کے بعد میرے کمرے میں آ گئی۔ اس کا چہرہ جذبات سے سرخ ہو رہا تھا۔
"رانا مسعود!" اس نے جذبات بھری آواز میں مجھے مخاطب کرتے ہوئے کہا۔
"کہو گل رخ؟"
"آپ نے سلیم کی زندگی محفوظ کر دی۔ اسے آپ نے ایک نئی زندگی دے دی۔ اس لیے اب وہ آپ کا خون ہے۔"
"یہ میرا فرض بھی تھا گل رخ!"
"میرے لیے آپ کے پاس کچھ نہیں ہے۔ میں بھی تو مظلوم ہوں۔ کتنا توڑیں گے مجھے۔ کیا میں بقیہ زندگی ایسے ہی گزار دوں گی؟"
"اس کے جواب میں میں تم سے صرف ایک بات کہہ سکتا ہوں گل رخ!"
"کیا؟"
"بہت جلد تمہیں اندازہ ہو جائے گا کہ مجھ سے منسلک نہ ہو کر تمہیں فائدہ ملا ہے۔"
"مجھے بچہ سمجھتے ہیں؟"
"نہیں، جو کچھ کہہ رہا ہوں وہ ٹھوس حقیقت ہے۔"
"خیر میں جانتی ہوں کہ آپ قبول نہیں کریں گے کیونکہ۔ کیونکہ میں تمہارے قابل نہیں ہوں۔ میں تمہیں مجبور بھی نہیں کروں گی۔ مسعود! آخری بار تم سے اس سلسلے میں گفتگو کرنے آئی تھی۔"
"یہی تمہارے حق میں بہتر ہے۔" میں نے جواب دیا۔

سلیم کی سالگرہ قریب آ گئی تھی۔ رانا محل میں ایک حادثہ ہو چکا تھا۔ لیکن یہاں کے مکینوں نے اسے حادثہ تسلیم نہیں کیا تھا۔ رانا جبار جو کچھ کر رہے تھے اس کے بعد ان سے ہمدردی کوئی معنی نہیں رکھتی تھی۔ چنانچہ سالگرہ پہلے سے بھی کچھ زیادہ دھوم دھام سے منانے کا فیصلہ کیا گیا اور تیاریاں شروع ہو گئیں۔ سالگرہ بڑے اعلیٰ پیمانے پر منائی گئی۔ سارا دن اور ساری رات ہنگامہ رہا تھا۔ میں بھی اس میں برابر کا شریک رہا تھا۔ دوسری رات جب سونے کے لیے لیٹا تو مجھے میری محسنہ کی آواز سنائی دی۔
"بابر! کیا کر رہے ہو؟"
"اوہ! کچھ نہیں۔ تم سناؤ اس وقت کیسے؟"
"میرے کام کا وقت اب قریب آ گیا ہے۔"
"خوب! میں تیار ہوں۔" میں نے کہا۔
"تو سنو! یہاں سے بارہ میل دور دھوراولی کا علاقہ ہے۔ جہاں کھنڈرات بکھرے ہوئے ہیں۔ کل دوپہر ٹھیک تین بجے تم سلیم کو لے کر یہاں پہنچ جاؤ۔ تمہیں اس میں کوئی دشواری نہیں ہوگی۔"
"س۔۔۔ سلیم کو؟" میں نے ہچکچا کر کہا۔
"میں تمہارے انداز میں کوئی ہچکچاہٹ برداشت نہیں کروں گی۔ میں نے تمہارے لیے عیش و عشرت کے دروازے کھول دیے ہیں، اور تم میرے کام میں الجھن محسوس کر رہے ہو۔ بولو کیا نہیں دیا میں نے تمہیں؟ اور کیا چاہتے ہو مجھ سے تم؟ ایک بار کہو تمہارے قدموں میں ڈھیر کر دوں۔ اس کے باوجود تم۔۔۔"
"لیکن میں تمہارے کام سے انحراف نہیں کر رہا۔ بس سلیم معصوم بچہ ہے۔ اسے نقصان پہنچانا میرے بس کی بات نہیں ہے۔"
"کل ٹھیک تین بجے تم اپنا کام انجام دو گے۔" اس کے لہجے میں حکم تھا۔ اس کے بعد مجھے اس کی آواز نہ سنائی دی۔ میں سخت پریشان ہو گیا۔ دل کی حالت کچھ عجیب ہو رہی تھی۔ خود اپنی ذات کے لیے اسرار بن گیا تھا۔ کس طرح زندگی بدلی تھی۔ کیا تھا کیا ہو گیا تھا۔ کئی بار دل میں اک ہوک سی اٹھی تھی۔ یہ میری سرزمین تھی۔ میرے اپنے بھی یہاں تھے۔ اب نہ جانے کون زندہ ہو، کون مر چکا ہو۔ اگر انہیں تلاش کروں تو شاید کسی کا پتہ چل جائے۔ لیکن میں ایک انوکھے جنجال میں پھنس گیا تھا۔
اس کے بعد کا وقت سخت پریشانی کے عالم میں گزرا۔ کوئی بات سمجھ میں نہیں آ رہی تھی۔ لیکن سارا دن اور ساری رات کے سوچ بچار کے بعد یہی فیصلہ کیا کہ اس کی ہدایات پر عمل کیا جائے۔

دوسرے دن میں اپنے اس ارادے میں پختہ تھا۔ البتہ میں نے ایک فیصلہ اور بھی کیا تھا۔ اگر سلیم کی زندگی خطرے میں ہوئی اور اگر اسے کوئی نقصان پہنچا تو میں اس کی اجازت نہیں دوں گا۔
دوپہر کے کھانے کے بعد میں نے سلیم سے کہا "سلیم! تمہیں وہ باغ یاد ہے جہاں ہم گئے تھے؟"
"ہاں، کیوں نہیں؟"
"ابھی تھوڑی دیر کے بعد ہم وہاں چلیں گے۔"
"سچ۔۔۔؟" سلیم خوش ہو کر بولا۔
"ہاں، تمہیں وہ جگہ پسند تھی نا؟"
"بہت۔"
"تو پھر تیار ہو جاؤ۔ ہم چل رہے ہیں۔"
مجھے سلیم کا محافظ سمجھا جاتا تھا اور میرے ساتھ اس کے جانے پر کوئی غور بھی نہیں کرتا تھا۔ چنانچہ کسی نے نہ پوچھا کہ میں سلیم کو کہاں لے جا رہا ہوں، میں اسے لے کر جیپ میں چل پڑا۔ دھوراولی کا علاقہ بارہ میل دور تھا۔ چلچلاتی دھوپ پڑ رہی تھی، اور دور دور تک ویران کھنڈر بکھرے ہوئے تھے۔ جب میں نے جیپ یہاں روکی تو سلیم بولا۔
"یہ کونسی جگہ ہے؟"
"آؤ تھوڑی دیر تک کھنڈر میں رہیں گے۔ دھوپ بہت تیز ہے۔ ذرا کم ہو جائے تو باغ چلیں گے۔"
"ٹھیک ہے انکل!" اس نے کہا۔ میرا دل لرز رہا تھا۔ کھنڈر ویران پڑے تھے۔ دفعتاً مجھے اس کی آواز سنائی دی۔
"بابر! آ گئے تم۔"
"ہاں، میں آ گیا ہوں۔" میں نے کہا۔
"انکل! یہ کس کی آواز تھی؟" سلیم نے پوچھا۔
"تم نے سنی؟"
"ہاں، کوئی کسی بابر کو پکار رہا تھا۔ مگر آپ نے اس کا جواب کیوں دیا؟"
"آؤ سلیم! آ جاؤ۔" میں نے کہا اور معصوم بچہ میرے ساتھ آگے بڑھنے لگا۔
"چلے آؤ۔ اس طرف چلے آؤ۔" میری نادیدہ دوست کی آواز ابھری اور میں آگے بڑھ گیا۔
"یہ آواز کہاں سے آ رہی ہے انکل! کوئی نظر تو نہیں آ رہا۔"
"خاموشی سے چلے آؤ۔" میں نے کسی قدر کرخت لہجے میں کہا اور وہ سہم کر خاموش ہو گیا۔ آواز میری رہنمائی کر رہی تھی۔

اور کھنڈرات کے دروں میں یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے کوئی سایہ میرے آگے آگے چل رہا ہو۔ مجھے یہ بھی محسوس ہو رہا تھا کہ میں اس سایے کا محکوم ہو گیا ہوں۔ میں اس کی آواز کے سحر میں گرفتار ہو گیا ہوں، اور اس آواز کی تعمیل کرنا میری سرشت بن گئی ہے۔ میں اگر چاہوں بھی تو یہاں سے بھاگ نہ سکوں۔
لیکن بھاگنا تو ویسے بھی نہیں چاہتا تھا۔ اس آواز نے میری بڑی رہنمائی کی تھی۔ اس آواز نے مجھے اس نئے ماحول میں ایک نئی زندگی بخش دی تھی۔ اور سب سے حیرتناک بات یہ تھی کہ اس نے میری جوانی واپس لوٹا دی تھی۔ ہاں، انسان خواہ کتنا ہی غرور کرے۔ اپنی ذات پر کیسے ہی تہذیب کے خول چڑھا لے، لیکن جوانی بڑی دلکش چیز ہوتی ہے اور اس کے جانے کے بعد یہ آرزو رہتی ہے کہ کاش! یہ لمحات پھر واپس آ سکتے۔ کاش جوانی پھر آ سکتی۔
لیکن مجھے تو ایک طویل زندگی مل گئی تھی۔ مجھے اپنی ذات میں جو تبدیلیاں محسوس ہوئی تھیں انہیں میں خود بھی یقین کی نگاہ سے نہیں دیکھتا تھا لیکن بہرطور وہ حقیقت تھی۔ میں عمر کی اس منزل پر پہنچنے کے باوجود پھر سے اپنی عمر کے بہت سے سال پیچھے کی طرف لوٹ گیا تھا۔
سلیم میرے ساتھ ساتھ آ رہا تھا۔ اب اس کے چہرے پر خوف کے آثار نمودار ہوتے چلے جا رہے تھے۔ شاید میرے کرخت لہجے نے اسے اور بھی زیادہ خوفزدہ کر دیا تھا۔ آخر میں اس کے لیے اجنبی ہی تو تھا۔ بہرطور وہ اب تک مجھ پر اعتبار کرتا آیا تھا۔ اس لیے اس وقت بھی اعتبار کر رہا تھا۔ میں نہیں جانتا تھا کہ میری نادیدہ محسنہ مجھے کہاں لے جا رہی ہے۔ بہت سے دروں اور بہت سی راہداریوں سے گزرتا ہوا میں ایک ایسی جگہ پہنچ گیا جسے اس حویلی یا پراسرار کھنڈر کا صحن کہا جا سکتا تھا۔
یہ صحن خاصا وسیع اور مربع تھا۔ چاروں طرف محرابیں بنی ہوئی تھیں۔ ایک ویران بارہ دری میرے سامنے تھی اور درمیان میں ایک چھوٹے سے چبوترے پر ایک مجسمہ ایستادہ تھا۔ میں نے اس مجسمے پر کوئی توجہ نہیں دی اور وہاں کھڑا ہو کر چاروں طرف دیکھنے لگا۔ تب ہی اس کی آواز ابھری۔
"بابر! یہ میرا نیا مسکن ہے۔ اس مجسمے کے نزدیک پہنچو۔" اس نے کہا۔
اور میں حیران سی نگاہوں سے ادھر ادھر دیکھتا ہوا اس مجسمے کے پاس پہنچ گیا۔ مجسمہ کسی عورت کا تھا۔ ایک بدہیئت اور مکروہ عورت، انتہائی گھناؤنا چہرہ۔ خوب صورت

اور سلیم اب بھی میرا دامن پکڑ کر چلا رہا تھا۔ اور کہہ رہا تھا۔ "انکل واپس چلئے۔ پلیز چلئے، یہاں سے چلئے۔"

لیکن میرے چہرے میں اب تبدیلیاں ہوتی جارہی تھیں۔ میرے سر کے بال کھڑے ہوتے جارہے تھے۔ میری آنکھوں میں خون لہرانے لگا تھا۔

ہاں خون جس کا رنگ سرخ نہ تھا بلکہ ہلکا نارنجی تھا۔

میں نے سلیم کے سر پر ہاتھ رکھا اور اس کے ننھے ریشمی ملائم بال میری مٹھی میں آ گئے۔

"انکل!" اس کی ہولناک چیخ ابھری لیکن اب میرے دل میں اس کے لیے رحم کا شائبہ نہیں تھا۔ میں نے مضبوطی سے اس کے بال مٹھی میں جکڑ لیے تھے۔ پھر میں نے اسے جھکایا اور طشت پر اس کی گردن رکھ دی۔

وہ تڑپ رہا تھا۔ چلا رہا تھا۔ میں نے اپنا گھٹنا اس کے پیٹ پر رکھا۔ طشت میں رکھی ہوئی تیز دھار والی چھری اٹھائی اور دوسرے لمحے یہ چھری سلیم کی گردن پر پھیر دی۔

سلیم کی گردن سے خون ابلنے لگا۔ طشت خاصا وسیع تھا۔ ابلتا ہوا خون تھا۔ اور اس ابلتے ہوئے خون کی چند چھینٹیں میرے لباس پر بھی پڑیں۔ لیکن میں اسے دبوچے رہا۔ اس کا نرخرہ کٹ گیا تھا۔ اور خون کی کلیاں بہہ رہی تھیں۔ خون طشت میں گر رہا تھا۔

لیکن میں ایک بے رحم قصائی تھا۔ ایک جانور تھا۔ درندہ تھا۔ پاگل ہو گیا تھا میں۔ میرا دماغ اس کم بخت اپسرا کے زیر اثر تھا اور مجھے اس معصوم بچے کے بہتے ہوئے خون کی ذرہ برابر پرواہ نہیں تھی۔ مجھے محسوس ہوا کہ وہ مسکرا رہی ہے۔ خوش ہو رہی ہے۔

لیکن اب، اب میرے احساسات کچھ بھی نہیں تھے۔ سلیم کا پھڑکتا ہوا بدن آہستہ آہستہ سرد ہو گیا۔ اب اس نے ہاتھ پاؤں ڈال دیئے تھے۔

تب میں نے اسے طشت سے اٹھایا اور ایک طرف دھکیل دیا۔ طشت خون سے بھرا ہوا تھا۔ اس کے بعد میں تھکے تھکے سے انداز میں پیچھے ہٹ گیا۔ چھری میں نے ایک طرف ڈال دی تھی۔ پھر اس کی منحوس آواز ابھری۔

"شکریہ بارداد خان! اب ایک کام اور کرو۔"

"کیا؟"

"اس طشت کو اٹھاؤ اور میرے سر پر ڈال دو۔"

"تمہارے سر پر؟"

"ہاں، میرے سر پر۔ تمہارے سامنے میرا مجسمہ موجود ہے۔" اس نے کہا اور میں نے گردن ہلا دی۔

میں نے اس طشت کو اٹھایا سر سے بلند کیا اور اپسرا کے مجسمے کو خون سے نہلا دیا۔ سفید مجسمہ خون سے تر ہو گیا تھا۔ میں نے محسوس کیا کہ اس کے اعضاء میں جنبش ہو رہی ہے۔ اس کے ہونٹوں پر ہلکی سی مسکراہٹ پیدا ہو گئی۔ میں دو قدم پیچھے ہٹ کر اس مجسمے کو دیکھنے لگا۔ خون کے قطرات سر سے پاؤں تک بہہ رہے تھے۔ لیکن ایک بھی قطرہ زمین پر نہیں گرا تھا۔ مجسمے کا پتھر ان قطرات کو جذب کر رہا تھا۔ اور اس کے چہرے پر ایک ہلکی سی تازگی دوڑتی جارہی تھی۔ ہاں، یہ میرا وہم نہیں تھا۔ یہ صرف میرا احساس نہیں تھا۔ بلکہ یہ ایک حقیقت تھا۔ سو فیصدی حقیقت تھی کہ اس کے خدوخال میں تبدیلی سی پیدا ہوتی جارہی تھی۔ وہ بوڑھے اور بھیانک خدوخال جو تھوڑی دیر پہلے نہایت مکروہ نظر آ رہے تھے۔ اب قدرے بہتر ہو گئے تھے۔ لیکن قدرے ان کی نحوست اور کرختگی اور نحوست اب بھی باقی تھی۔ تب مجھے اپسرا کی آواز سنائی دی۔

"تمہیں میرے لیے ایسے بہت سے کام کرنے ہوں گے۔ بارداد خان! اس کے بعد۔ اس کے بعد میں نئی زندگی نیا حسن حاصل کر لوں گی۔ ہاں، مجھے وہ سب کچھ مل جائے گا جو میری ملکیت تھا۔ سمجھے تم! تم نے ہی یہ سب کچھ ضائع کیا تھا۔ اور اب تم ہی مجھے میری جوانی اور حسن واپس دو گے۔ یہ میرا فیصلہ تھا، اور اسی فیصلے کے تحت میں نے تمہیں ایک نئی زندگی دی۔ ورنہ تم کیا سمجھتے ہو اس ویرانے میں بجو تمہارے پیٹ کی انتڑیاں نکال کر کھا جاتے۔ تمہاری آنکھیں نکال لیتے۔ تمہارے وجود کا ایک ایک ذرہ ہڑپ کر جاتے۔ لیکن میں نے تمہیں نئی زندگی دی ہے۔ میرے شکر گزار ہو بارداد خان! میرے شکر گزار ہو۔ میں نے تمہیں نئی زندگی اور نئی جوانی دی ہے۔"

میں نے اسے کوئی جواب نہیں دیا۔ شاید میرا ذہن اس کے اثر سے آزاد ہوتا جارہا تھا۔ وہ دیوانگی اور وہ وحشت جو تھوڑی دیر پہلے مجھ میں سرایت کر گئی تھی۔ اب ختم ہو چکی تھی۔

میرے بدن کو سردی کا احساس ہو رہا تھا۔ ہاں، مجھے احساس ہو رہا تھا کہ میں نے خون کر دیا ہے۔ میں نے وحشیانہ انداز میں ایک معصوم بچے کو قتل کر ڈالا ہے۔ اس معصوم بچے کی لاش میرے سامنے پڑی ہوئی تھی اور اس کی آواز میرے کانوں میں گونج رہی تھی۔

"انکل۔ انکل! آپ نے ایسا کیوں کیا؟ آپ نے کیوں مار دیا انکل! انکل! میں نے کیا بگاڑا تھا آپ کا؟ انکل! انکل!"

"نہیں۔" میں وحشت سے چیخ پڑا۔ میرے چاروں طرف انکل انکل کی پکار رچی ہوئی تھی۔ میں نے اپنے دونوں کانوں پر ہاتھ رکھ دیے۔ آنکھیں سختی سے بھینچ لیں اور پھر وحشیانہ انداز میں نہیں نہیں کی گردان کرتا ہوا وہاں سے واپس پلٹ پڑا۔

میرے وجود میں ہلچل مچی ہوئی تھی۔ کانوں میں سائیں سائیں کی آوازیں بلند ہو رہی تھیں۔ میرا دل چیخ چیخ کر کہہ رہا تھا۔ میں نے بہت برا کیا ہے، بہت برا کیا ہے۔ آہ! بہت برا کیا ہے میں نے۔ بہت ہی برا کیا ہے۔

میری سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا تھا۔ باہر نکلا سامنے ہی میری جیپ کھڑی ہوئی تھی۔ میں نے جیپ اسٹارٹ کی اور واپس چل پڑا۔

اب کس منہ سے رانا محل جاتا۔ میں نے رانا محل کا چراغ بجھا دیا تھا۔ ہاں، میں نے وہی چراغ بجھا دیا تھا جس کی حفاظت کے لیے میں نے رانا جبار کو قتل کر دیا تھا۔ اس وقت میں مخلص تھا۔ لیکن۔ لیکن میں تو اب بھی مخلص تھا۔ لیکن کون مانتا میری بات کو۔ اگر میں وہاں جا کر یہ کہتا کہ میں مجبور تھا۔ میں نے کسی سحر کے زیر اثر یہ سب کچھ کیا ہے ہاں، میں نے افریقہ کی خونی ملکہ کے جادو کے شکنجے میں جکڑ کر سلیم کو قتل کیا ہے۔ تو سب میرا مذاق اڑائیں گے۔ سب یہی سمجھتے کہ میں جھوٹ بول رہا ہوں۔ سلیم کو قتل کرنے سے میرے کچھ اور مقاصد بھی ہوں گے۔

ہاں یہ مقاصد تو کھل کر سامنے بھی آ جاتے۔ اگر میں گل رخ سے شادی کر لیتا تو۔ اس کی تمام دولت فی الحال میرے تصرف میں ہوتی۔ لیکن یہ خدشہ ہمیشہ میرے ذہن میں رہتا کہ تھوڑے عرصے کے بعد سلیم اس کا مالک و نگران بن جائے گا۔ یہ اس کے باپ کی جاگیر تھی۔ میرا کچھ نہیں تھا۔

اوّل تو میں رانا مسعود کی حیثیت سے ان لوگوں کو دھوکا نہیں دے سکتا تھا۔ لیکن اگر دے بھی دیتا تب بھی یہ سب کچھ میرے قبضہ میں نہ آتا۔ مجھے اس کی ضرورت بھی نہیں تھی۔ اب میں اس محل کی طرف رخ بھی نہیں کر سکتا تھا۔

جیپ کا رخ شہر سے باہر جانے والی سڑک کی جانب ہو گیا۔ میں بس جیپ دوڑائے جا رہا تھا۔ کافی دور پہنچنے کے بعد میرے حواس کچھ بحال ہوئے۔ میرا دل اب بھی دکھ رہا تھا۔ میرے پورے اعضاء پر ایسا بوجھ طاری تھا۔ جیسے منوں بوجھ لاد دیا گیا ہو۔ یا جیسے میں ساری رات اور سارا دن شدید مشقت کرتا رہا ہوں۔

کیا سوچیں گے محل والے۔ کیا سلیم کا انتظار کریں گے۔ گل رخ بیچاری کا کیا ہو گا۔ وہ ویسے ہی بڑی مظلوم عورت تھی۔ بڑا مظلوم بچہ تھا۔ کاش وہ میرے ہاتھوں فنا نہ ہوتا۔ کاش وہ۔ میرے ہاتھوں قتل نہ ہوتا کاش۔

ضمیر کی چبھن چین نہیں لینے دے رہی تھی۔ معصوم بچہ بار بار نگاہوں کے سامنے آ جاتا تھا۔ لیکن بہر طور مجھے اس چبھن کو سہنا تھا۔ میری اپنی کوئی کوشش اس میں شامل نہ تھی۔ میں تو مجبور ہو گیا تھا۔ میرے ہاتھ تو خالی تھے۔

میں سفر کرتا رہا۔ کافی دور چلنے کے بعد پٹرول کے ختم ہونے کا احساس ہوا۔ اور میری نگاہیں پٹرول کی تلاش میں بھٹکنے لگیں۔ کافی فاصلے پر ایک پٹرول پمپ نظر آیا تھا۔ میں وہاں پہنچا جیپ کی ٹنکی فل کرائی اور ادائیگی کر کے آگے بڑھ گیا۔

میری کوئی منزل نہیں تھی۔ بس جہاں بھی پہنچ جاتا۔ لیکن اس دیوانگی کے سفر کے بعد میں نے خود کو بمبئی میں پایا۔

میں بائی روڈ بمبئی پہنچ گیا۔ بمبئی پہنچنے کے بعد میں تھکا ماندہ اپنی رہائش گاہ میں آ گیا۔ اپنی رہائش گاہ میں داخل ہو کر میں نے اپنے کمرے میں پناہ لی تھی۔

ذہن کی عجیب سی حالت تھی کہ الامان الحفیظ۔ کچھ سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ کیا کروں۔ ذہن پر زبردست بوجھ طاری تھا۔ اپنے کمرے میں لیٹے ہوئے مجھے ابھی تھوڑی ہی دیر گزری تھی کہ مجھے پھر وہی منحوس آواز سنائی دی۔ جسے اب میں پہچان چکا تھا۔ میں اسے اپنی نادیدہ محسنہ کہا کرتا تھا۔ لیکن درحقیقت وہ میری دشمن تھی۔ میری بدترین دشمن تھی۔ ہاں اپسرا۔

اپسرا جس نے مجھے زندگی کی شدید اذیت میں گرفتار کر دیا تھا۔

"بارداد خان! کیا تم پاگل ہو گئے ہو؟"

"ہاں، میں پاگل ہو گیا ہوں۔ تم نے مجھے پاگل کر دیا ہے۔ خونی ملکہ تو نے مجھے پاگل کر دیا ہے۔"

"اگر تم نے یہ فضول باتیں جاری رکھیں تو پھر میں تم پر لعنت بھیج دوں گی۔ اور اس کے بعد تمہارے ساتھ جو کچھ ہو گا۔ اس کے ذمہ دار تم خود ہو گے۔"

"ہاں، میں تیار ہوں۔ میں مرنے کے لیے تیار ہوں۔"

لیے کسی چیز سے کوئی خوف محسوس نہیں ہوتا۔ میں ڈرتا نہیں ہوں۔ لعنت تم نے جو منصوبہ کام کیا ہے کر لیا ہے وہ میری ساری زندگی کے لیے کافی ہے۔ میں اپنے ضمیر کی اس خلش کو بھی معاف نہیں کر سکتا مجھے افسوس معصوم بچے نے تمہارا کیا بگاڑا تھا؟ بولو۔ جواب دو۔ جسے اس معصوم بچے کو زندگی سے کیوں محروم کر دیا۔" میں پیچ و تاب انداز میں چیخنے لگا۔

"بابر داؤد خان! مجھے جو کچھ بھی چکا ہے۔ اس کا حصول میرے لیے بہت ضروری ہے۔ اگر میں نے اپنی تباہ زندگی نہ بچائی تو میں بھی تمہاری ہی طرح موت کی آغوش میں جا سوؤں گی۔ اور اذیت کا شکار رہوں گی۔ مجھے حیات ابدی کے حصول کے لیے یہ سب کچھ کرنا ہے۔ اور اس کے ذریعہ واضح ہو کہ تم ہو اس لیے تمہیں ہی میری مقصد براری کے لیے عمل بھی کرنا ہے۔" اس نے کہا۔

"خدا کے لیے، خدا کے لیے مجھے معاف کر دے۔ میں تیرے لیے کچھ نہیں کر سکتا۔ میں نے جو کچھ کر دیا ہے وہی میری ساری زندگی کے لیے کافی ہے۔"

"بھلا دو ان تمام باتوں کو بھلا دے بے وقوف انسان زندگی کی لطافتوں سے لطف اندوز ہو۔ میں تجھے بھی عیش کرا دوں گی۔ دیکھو تمہیں اتنا باحوصلہ دشمن ملنا ناممکن ہے۔ تم نے مجھ سے میری حکومت کیوں چھینی، کیوں لے گئے تھے اس بے وقوف فرعون زادے کے پاس میری سرکوبی کے لیے؟ تم نے میرے قتل کے لیے سلمان کا ساتھ دیا اور جب میں قتل ہو گئی تو میرا ساتھ تم نہیں دے سکتے۔ تم نے مجھے کیوں تباہ کیا؟ اس بچے کی موت کے لیے تم اتنے افسردہ ہو اور میری جو صدیوں کی کاوشیں اور صدیوں کی زندگی تم نے چھینی اس کا کوئی احساس تمہارے دل میں باقی نہیں ہے۔"

"تم ۔۔ تم غلیظ مکار، جادوگرنی ہو، تم خونی ہو، نہایت مکروہ عورت ہو۔"

"ٹھیک ہے۔ اس سے کیا فرق پڑتا ہے۔ میں جو کچھ بھی ہوں۔ بہرطور انسان ہوں۔ تم میرے دشمن بن کر کیوں آئے؟ تم نے مجھے فنا کرتے ہوئے یہ کیوں نہیں سوچا کہ تم کسی کو تباہ کر رہے ہو؟"

"میں اپنے لیے نہیں تباہ نہیں کرنا چاہتا تھا۔"

"کس کے لیے؟ کس کے لیے ہی سہی سلمان تمہارا کون تھا؟ اس سے تمہارا کیا رشتہ تھا؟ ایک غیر آدمی کا بیٹا! ایک غیر شخص کی اولاد جو تم کیوں اس پر اتنے مہربان ہو گئے کہ میری تباہی کے لیے چل پڑے۔ تم اسی کے مستحق ہو بابر داؤد خان! اور مجھ سے بھی

وہ اگر تم نے میرے احکامات کی تعمیل نہ کی تو میں تمہیں اس طرح تباہ و برباد کر دوں گی کہ تم موت کو ترس جاؤ گے۔ ہاں۔ میں تمہیں موت نہیں دوں گی بابر داؤد خان! میں تمہیں ایسی اذیتیں دے دے کر مارا کروں گی کہ تم بار بار مرو گے، زندگی بھر۔"

"دیکھو! ایسا نہ کرو مجھے معاف کر دو۔ میں نے جو کچھ کیا تھا میں حالات کے ہاتھوں مجبور ہو کر کیا تھا۔ سلمان سے مجھے بہت محبت تھی۔ میں نے بچپن سے اسے پرورش کیا تھا۔ اس کی خواہش پر میں مجبور ہو گیا تھا۔ میری تم سے کوئی ذاتی دشمنی نہیں تھی۔ تم کسی اور کو اس کام کے لیے منتخب کرو۔ مجھے مر جانے دو۔ جس حالت میں بھی ہوں وہ سکون سے رہوں گا لیکن تمہارے لیے اب میں کچھ نہیں کر سکوں گا۔"

"ہرگز نہیں، ہرگز نہیں۔ تمہیں وہی سب کچھ کرنا ہو گا جو میں چاہتی ہوں۔ اب اٹھو اور کسی بار میں چلے جاؤ۔ تم شراب پیو اور اس نئی زندگی کا سکون محسوس کرو گے۔ شراب ہی تمہارے ذہنی سکون کا حل ہے مجھے! میں تمہیں ایک دوست کی حیثیت سے مشورہ دے رہی ہوں۔ مجھے اس بات پر آمادہ نہ کرو کہ میں تمہاری دشمن بن جاؤں۔"

"شراب ۔۔" میرے ذہن میں شراب کی ہلکی سی خواہش بیدار ہو گئی۔ واقعی میں اس وقت خود کو بہک جانا چاہتا تھا۔ بہتر یہی تھا کہ میں شراب کا سہارا لوں۔ کم از کم اس وقت اس نے یہ بات بہتر کہی تھی۔

دفعتاً میرے ذہن میں ایک خیال گزرا اور میں نے اس سے کہا۔

"اب سلمان تو مر گیا۔ تم اپنی بچی زندگی لے کر اب کہاں جاؤ گی؟ کیا کرو گی اس طویل و عریض زندگی کا؟ کیا تمہیں زندگی سے اکتاہٹ محسوس نہیں ہوتی؟"

"فضول باتیں کر رہے ہو، جذباتی ہو رہے ہو۔ زندگی کھونے کی چیز نہیں ہے۔ بستر مرگ پر پڑے ہوئے سو سالہ بوڑھے سے سوال کرو کہ اس کی آخری خواہش کیا ہے تو وہ جواب دے گا کہ اسے زندگی دے دی جائے۔ ہاں زندگی اتنی ہی قیمتی چیز ہے۔ اتنی ہی حسین شے ہے۔ تم جس چیز سے فرار حاصل کرنے کی کوشش کر رہے ہو، اگر تمہیں یقین ہو جائے کہ وہ ختم ہو چکی ہے۔ موت اگر تمہاری شہ رگ کے قریب پہنچ جائے تو تم زندگی مانگو گے۔ اس وقت تم اپنے سارے افکار و خیالات بھول جاؤ گے اور تمہارے دل میں صرف ایک ہی آرزو ہو گی۔ کاش، تم زندہ رہتے۔ انسان تصور تو کر

سکتا ہے۔ لوگ خودکشی بھی کر لیتے ہیں مگر وہ صرف ایک جذباتی لغزش ہوتی ہے۔ اگر اس لغزش سے ایک لمحے بھی انہیں سنبھلنے کا موقع مل جائے تو موت کی بجائے زندگی کی آرزو کریں۔ چنانچہ موت کو اتنا آسان نہ سمجھو۔ موت بہت ہولناک چیز ہے۔ میں ابھی زندگی کی خواہاں ہوں۔ رہی سلمان کی بات تو سنو! میں تمہیں یہ بتانا پسند کروں گی کہ سلمان ابھی زندہ ہے۔"

"کیا؟" میں اچھل پڑا۔

"ہاں، وہ زندہ ہے۔"

"مگر ۔۔ کہاں ہے وہ؟"

"یہ سوال غیر ضروری ہے۔ بس تمہارے لیے اتنا جاننا کافی ہے کہ وہ زندہ ہے اور پروفیسر رازی بھی زندہ ہے۔ رزی بھی زندہ ہے اور وہ شخص جس نے میرے خلاف ایک طویل محاذ بنایا تھا، وہ بھی زندہ ہے۔ وہ سارے کردار ابھی موجود ہیں۔ لیکن مجھے ان میں سے کسی سے دلچسپی نہیں ہے۔ میں اپنے دشمنوں سے انتقام تو لوں گی لیکن مناسب وقت آنے پر۔ میں اس کے لیے ایک ایسا جال بچھا دوں گی کہ وہ سب خود ہی کسی مکھی کی طرح اس میں آ پھنسے۔ میں نے کسی کو معاف نہیں کیا ہے۔ اور، ہاں سلمان تو سلمان میرے تحفظ میں ہے۔ میں اس کی حفاظت کر رہی ہوں۔ تم نہیں جانتے، تم نہیں جانتے وہ میرا صدیوں کا پیار ہے۔ ہاں، بابر داؤد خان میں ہزاروں سال سے اسے چاہتی ہوں۔ اب سے بہت پہلے۔ بہت پہلے۔ بہت پہلے وہ ایک بار میرے سامنے آیا تھا۔ ہزاروں سال قبل کی بات ہے۔ میں نے اسے دیکھا اور جی جان سے اس پر فریفتہ ہو گئی لیکن وہ میری ملکیت نہیں تھا۔ میں نے اس عورت کو قتل کرا دیا۔ جس نے مجھ سے پہلے اس پر تسلط قائم کر رکھا تھا اور اس کے بعد وہ مجھ سے نفرت کرنے لگا۔

تب مجبوراً مجھے اسے بھی موت کی نیند سلانا پڑا لیکن میں جانتی تھی کہ وہ آئے گا۔ وہ پھر دنیا میں آئے گا۔ اس کی اولاد تھا میرے قتل کا منصوبہ بنا کر مجھ تک پہنچی۔ میں لیکن ۔ وہ شخص مجھے تو اسی کا انتظار تھا اور ایک طویل عرصے کے بعد وہ آیا۔ لیکن میرے ہی دشمن کی حیثیت سے۔ بابر داؤد خان! اب میں اس دشمنی کو دوستی میں بدلنا چاہتی ہوں۔" اس نے اور تم نے اور ہلاکو زادہ نکلنے لگے

میری مملکت سے محروم کر دیا۔ میری حکومت مجھ سے چھین لی جا چکی ہے میں شدید بحران کا شکار ہو گئی، لیکن اس کے باوجود میں ان سب سے پیار کرتی ہوں۔ سلمان میرا مرکز ہے۔ میں نے اس کے اجداد میں سے ایک کو چاہا تھا، لیکن اب وہ ۔۔ یہ میرے سامنے پھر آ گیا ہے۔ میں اسے بے پناہ پیار کرتی ہوں۔ میں اسے حاصل کر کے رہوں گی تم مجھے بتا لیکن عنقریب وہ میری ملکیت ہو گا۔ وہ اپنا انتقام بھی بھول جائے گا۔ مجھے بس اس سے زیادہ کچھ نہیں تم سے کچھ نہیں کہنا چاہتی۔ میں جا رہی ہوں۔ جاؤ تم بھی شراب سے دل بہلا لو یہی تمہارے غم کا مداوا ہے۔" آواز بند ہو گئی۔

میں گم سم کھڑا رہا لیکن اس کی آواز میرے کانوں میں سائیں سائیں کرتی رہی۔

سلمان زندہ ہے۔ لیکن وہ کہاں ہے، آہ وہ کہاں ہے؟ کاش وہ مجھے مل جائے۔ مجھے اس سے بے پناہ محبت تھی۔ میں اسے بہت چاہتا تھا۔ اگر وہ مجھے مل جائے تو میں اسے لے کر مصر چلا جاؤں۔ سرزمین مصر پہنچ کر اپنے اس پرسکون ماحول میں پناہ لوں اور زندگی کے آخری ایام کا انتظار کروں۔

مجھے نہیں جانا چاہیے تھی یہ جوانی، ایسی جوانی جو صرف کو قتل کر کے حاصل ہو، مجھے نہیں چاہیے تھی یہ زندگی جب کچھ ذہنی سکون میں اٹھا باہر نکلا اور جیپ میں بیٹھ کر بار کی جانب چل پڑا۔

بار پہنچ کر میں نے شراب طلب کی اور پھر خود کو شراب میں غرق کر دیا۔ درحقیقت شراب نے میرے ذہن کو سکون بخشا تھا۔ اس کا مشورہ بھی غلط نہیں تھا۔

جب چند پیگ پی لینے کے بعد میرے ذہن کا انتشار کچھ کم ہوا تو میں نے اس قتل کے بارے میں دوسرے انداز سے سوچا۔

سلیم میرے ساتھ کھنڈرات تک گیا تھا۔ یہ بات سب کو معلوم تھی، رنا مسعود کی حیثیت سے میں وہاں جاتا پہچانا جاتا تھا۔ اگر میں یہاں آنے کے بعد خود کو اپنے ہی ماحول میں گم کر لوں اور بابر داؤد خان کہلاؤں تو وہ لوگ مجھے تلاش نہیں کر سکیں گے لیکن ہمارے درمیان ایک ایسا شخص موجود تھا یعنی واحد ۔۔ واحد وہ واحد شخصیت تھی جو مجھے اور رنا مسعود کو جانتی تھی۔ جسے علم ہو جائے گا اگر میں نے سلیم کو قتل کر دیا اور اس کے بعد وہ مجھے با آسانی پہچان سکتا ہے

واقعی وہ میرے لئے نعمت بن سکتی ہے۔

ہر چند کہ مجھے یقین تھا کہ ابسرا میرا ساتھ دے گی۔ میرا تحفظ کرے گی۔ لیکن بہر طور دل کے اس خوف کو میں فراموش نہیں کرسکتا تھا۔ میں نے شراب کے چند اور پیگ پیئے اور میرے دل سے یہ خوف بھی مٹ گیا۔ میں خاصا مسرور نظر آنے لگا۔

پھر میں نے سوچا کہ اب اس جیب کو اپنے ساتھ رکھنا مناسب نہیں ہے اسے یہیں چھوڑ دیا جائے اور ٹیکسی سے گھر واپس چلا جائے۔ یہ جیب میرے لئے نعمت بن سکتی ہے۔

نشے کے باوجود احساس بڑی سمجھداری کا تھا چنانچہ میں واپس ایک ٹیکسی سے گھر آگیا۔ شراب کا نشہ بھی میرے ذہن پر مسلط تھا۔ میں نے اپنے نوکر کو بلایا اور اس سے مزید شراب لانے کے لئے کہا۔ ملازم نے مجھے شراب لاکر دے دی تھی۔ میں پیتا رہا اس وقت تک پیتا رہا، جب تک میرے حواس میرا ساتھ دیتے رہے اور اس کے بعد میں بے ہوش ہو گیا۔

میری زندگی کے معمولات پھر سے جاری ہو گئے تھے۔ عرصے تک میرے ذہن پر یہ احساسات سوار رہے سلیم کی موت میرے ہاتھوں واقع ہوئی تھی میں اس کے لئے اپنے آپ کو کبھی معاف نہیں کرسکتا تھا رات کی تنہائیوں میں جب کبھی اس کا خیال آجاتا تو میرے کانوں میں اس کی معصوم چیخیں گونجنے لگتیں۔

"انکل، انکل میں نے آپ کا کیا بگاڑا تھا انکل میں نے آپ کا کیا بگاڑا تھا؟"

میں بے چین ہو جاتا لیکن ایسے موقعوں کے لئے میں نے اب باقاعدہ شراب کا استعمال شروع کر دیا تھا درحقیقت شراب مجھے ہر تصور سے آزاد کر دیتی تھی وہ میرا بہترین سہارا بن چکی تھی حالانکہ میں نے تو یہ سنا تھا کہ یہ انسانی زندگی کے لئے نقصان دہ ثابت ہوتی ہے لیکن میرے لئے تو وہ امرت بن گئی تھی مجھے ہر احساس سے نجات دلا دیتی تھی میری زندگی کے معاملات جاری رہے کوئی خلا پیدا نہیں ہوا تھا ان میں اب میں نے مختلف تفریحات میں حصہ لینا شروع کر دیا تھا کچھ غلط قسم کی موڑ بھی میرے نزدیک کوئی خاص حیثیت نہیں رکھتی تھی کوئی تکلیف نہیں تھی۔

کبھی کبھی اپنا جاکر ریس کھیلتا تھا لیکن اس سلسلے میں بھی میری تقدیر حیرت انگیز طور پر میرا ساتھ دے رہی تھی میں نہیں جانتا کہ یہ میری تقدیر تھی یا ابسرا کی مہربانیاں میں گھوڑے پر داؤ لگاتا اسے جیتنا ہی ہوتا تھا۔

یہاں تک کہ میں پورے ریس گراؤنڈ میں بہت مشہور ہو گیا لوگ میرے پیچھے پھرنے لگے بڑے بڑے جواری میرے کھیل پر حیران رہ جاتے تھے وہ تعجب سے مجھے دیکھتے تھے میں جان بوجھ کر ایسے گھوڑوں کا انتخاب کرتا تھا جو مریل ہوتے تھے اور جن کے جیتنے کا کوئی امکان نہیں ہوتا تھا۔

میری یہی کوشش ہوتی تھی کہ کم از کم اندازہ تو لگاؤں کہ یہ سب کچھ کیسے ہو جاتا ہے لیکن حیرت انگیز بات تھی کہ وہ گھوڑا غیر متوقع طور پر جیت جاتا تھا چنانچہ میں ریس کورس میں شہنشاہ کی حیثیت سے پہچانا جانے لگا لوگ مجھے گھوڑوں کا بادشاہ کہنے لگے نہ جانے کیا کیا نام رکھ دیئے تھے ان لوگوں نے میرے بہت سے تو میرے اردگرد ہی چکراتے رہتے تھے ان میں بڑے بڑے لوگ تھے وہ سب کے سب اس بات کا اندازہ لگانے کے لئے میں کس گھوڑے پر داؤ لگاتا ہوں یہاں تک کہ ریس کورس کے جاکی بھی میری وجہ سے پریشان ہو گئے تھے

ان کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ میں کیا جادو کرتا ہوں چنانچہ میرے سلسلے میں اب لوگ کافی محتاط ہو گئے تھے لیکن یہ تو کھیل تھا کوئی مجھ پر اعتراض کیسے کرسکتا تھا اس سلسلے میں میری دوستی بہت سے لوگوں سے ہو گئی جن میں کوشل نامی ایک ہندو جوان بھی تھا کوشل بہت خوبصورت جوان تھا بہت ہنس مکھ طبیعت کا مالک مجھے اس کی شخصیت بہت پسند آئی تھی۔

میں دوسرے لوگوں سے صرف رسمی سی سلام دعا کرتا تھا لیکن کوشل سے ذرا سی انسیت سی پیدا ہو گئی تھی چنانچہ اس سے اچھی خاصی دوستی ہو گئی تھی میری ریس کورس میں ملاقات ہوئی تھی میں ریس کورس میں کھیلنے نہیں جاتا تھا بس جب کبھی دل چاہا تو حالات سے اکتا کر وہاں پہنچ جاتا آج بھی میں آیا ہوا تھا [?]

میں بمبئی سے اپنی گاڑی میں ہی آیا کرتا تھا جس کے لئے میں نے ایک ڈرائیور رکھا ہوا تھا آج جب میری گاڑی ریس کورس پہنچی تو کوشل میری گاڑی سے ٹیک لگائے کھڑا میرا انتظار کررہا تھا۔

"چلو یار! میں کئی ریسوں میں تمہارا انتظار کر چکا ہوں ہر ریس میں کیوں نہیں آتے یار؟" اس نے بے باکی سے ہاتھ ملاتے ہوئے کہا۔

"بس کوشل میں جیتنے کے لئے کھیلنے نہیں آتا۔ دل گھبراتا ہے تو کھیلنے آجاتا ہوں۔"

"تم نہیں جانتے ہزاروں آنکھیں تمہاری راہ میں بچھی رہتی ہیں بہت سے لوگ تمہارے منتظر رہتے ہیں تم آجاتے ہو تو لوگوں میں ایک نئی زندگی دوڑ جاتی ہے اس دن ریس کا لطف بڑھ جاتا ہے۔"

"خیر یہ تو تم لوگوں کی اپنی اختراع ہے ورنہ میں کس قابل ہوں۔"

"یار آؤ کہیں بیٹھ کر باتیں کریں گے ریس شروع ہونے میں ابھی کافی دیر باقی ہے آؤ ہوٹل چلتے ہیں۔" وہ مجھے ساتھ لئے ہوئے ایک ریستوران کی طرف بڑھ گیا ریس کورس کے اطراف میں بہت سے ریستوران بکھرے ہوئے تھے پرسکون ریستوران کے ٹھنڈے ماحول میں ہم ایک میز پر بیٹھ گئے اور اس نے میری اجازت سے میرے لئے ایک مشروب منگوالیا۔

"میں تمہارے بارے میں کچھ بھی نہیں جانتا ابسار خان ہماری ملاقات ریس کورس گراؤنڈ میں ہوئی ہے لیکن میرے خیال میں ہمارے درمیان اتنے فاصلے نہیں رہے ہیں کہ ایک دوسرے سے کوئی واقفیت حاصل نہ کرسکیں۔"

"ہمارے درمیان یہی رابطہ کافی ہے کوشل کہ ہم دونوں دوست ہیں۔"

"دوست نہ کہو میرے دوست! ابھی تو ہم صرف شناسائی کی حد میں ہیں۔"

"حدیں یہاں تک بھی مقرر کردی جائیں انسان کی اپنی ہی کاوش ہوتی ہے۔"

"کیا مطلب؟ کیا تم مجھے حد سے آگے جاتے ہو؟" [?]

"میں دوسری فطرت کا آدمی ہوں کوشل مجھے معاف کرنا میں حدود کا یقین ہی نہیں کرتا۔"

"میں تمہاری شخصیت میں بہت دلچسپی لے رہا ہوں ابسار خان یقین کرو اس لئے نہیں کہ تم ریس جیتنے والوں میں سے ہو بس میں تم سے متاثر ہو گیا ہوں ممکن ہے تم اس بات کو یہی سمجھو کہ میں تمہارے ذریعے دولت ڈھونڈنا چاہتا ہوں۔"

"نہیں کوشل میں یہ نہیں سمجھتا۔ دولت تو آنی جانی شے ہے کوئی بھی کہیں سے حاصل کرسکتا ہے یہ ساری باتیں ہی فضول ہیں۔"

"تو پھر تمہارے بارے میں میں تم سے سوالات کرسکتا ہوں؟"

"کرو۔ لیکن براہ کرم مجھے جواب کے لئے مجبور نہ کرنا۔"

"اچھا یوں کرو کہ جس سوال کا جواب مناسب نہ سمجھو مت دینا۔ یعنی کوشل کو کم از کم دوسروں سے سرفراز ہونے کا اتنا موقع تو ضرور دو۔" اس نے کہا اور میں آنکھیں بند کر کے ہنسنے لگا میں مشروب کے چھوٹے چھوٹے گھونٹ لے رہا تھا اس نے بھی اپنا گلاس اٹھایا چند گھونٹ لئے اور بولا

"تم لئے لئے سے کیوں رہتے ہو کچھ پریشان ہو کیا بات ہے میں نے تمہاری شخصیت میں کبھی تر و تازگی نہیں پائی۔ حالانکہ جسمانی کمالات سے اور چہرے سے تم انتہائی صحت مند نوجوان معلوم ہوتے ہو لیکن تمہارے انداز میں ایک بجھی بجھی سی کیفیت چھپائی جاتی ہے۔"

"یہ وہ سوال ہے جس کا جواب میرے لئے ممکن نہیں۔" میں نے کہا۔

"کمال ہے یار! پہلے ہی مرحلے پر گھپلا ہو گیا اچھا دوسرا سوال بتاؤ۔ بمبئی میں کہاں رہتے ہو؟"

میں نے اسے اپنا پتہ بتا دیا۔

"شکریہ۔ اگر میں کبھی تم سے ملنا چاہوں تو وہاں آکر مل سکتا ہوں؟"

"کوئی حرج نہیں ہے۔" میں نے جواب دیا۔

"دوسری بات یہ بتاؤ کہ عورت کا تمہاری زندگی میں کیا دخل ہے؟"

"کوئی نہیں۔"

"لیکن میں نے یہاں ریس کورس میں کچھ عورتوں کو تمہارے اردگرد منڈلاتے دیکھا ہے۔"

"اس میں میرا کوئی قصور نہیں ہے۔" میں نے مسکرا کر جواب دیا۔

"ہاں خیر یہ بات میں جانتا ہوں یہاں جو خواتین آتی ہیں وہ اچھے گھرانوں کی بھی ہوتی ہیں لیکن ایسے گھرانوں کی جن میں مردوں سے بے تکلفی کو برا نہیں سمجھا جاتا۔"

"میں ان پر کوئی توجہ نہیں دیتا کوشل تم نے بھی محسوس کیا ہوگا۔"

"یہ تو تمہاری اچھائی ہے بابر داد خان تمہاری شرافت ہے
یہ تمہارے لئے مجبوریں تم ان کے لئے مجبور نہیں" کوشل
نے کہا۔
"مگر میں تو ان میں سے کسی کو بھی اپنے لئے مجبور نہیں
سمجھتا تم مجھے بتاؤ کون سی ایسی خواتین ہیں جو ضرورت سے
زیادہ میرے ساتھ دیکھی جاتی ہوں یا جنہیں میں نے خاص
اہمیت دی ہو؟"
میں نے جواب دیا۔
"بار کی بات تو یہ ہے کہ تم خود ہی ان کے لئے پُر سحر
ہو تم ان تمام باتوں کا کوئی خاص مقصد نہ اخذ کرنا بابر بس میں
تمہارے بارے میں سب کچھ جاننے کے لئے یہ سوالات کر رہا ہوں"
"ہاں۔ ہاں کوئی حرج نہیں ہے میں اس بات کو بُرا نہیں
محسوس کرتا" میں نے جواب دیا۔
"تم شادی شدہ ہو؟" کوشل نے سوال کیا۔
"نہیں"
"اور اہل خاندان میں کون کون ہے تمہارے ساتھ؟"
"کوئی نہیں ہے تنہا ہوں"
"کمال ہے ہر چیز انوکھی اور نئی ہے پھر مجھے یہ بتاؤ کہ
کوئی عورت تمہیں صحیح معنوں میں متاثر کیوں نہیں کر پائی ہے؟"
"بس اس پر توجہ نہیں دی ہے"
"اس کی کوئی خاص وجہ ہوگی کوئی لگاؤ ہوگا سینے میں
کوئی نہ کوئی بات ضرور ہے جو تمہارے وجود میں ایک عجیب سی
کیفیت پیدا کئے ہوئے ہے تم اس دنیا سے بے زار بے زار
نظر آتے ہو تمہیں دلچسپی نہیں لیتے ان سارے معاملات میں
گھوڑے کھیلتے ہو اس میں کوئی شک نہیں یوں محسوس ہوتا ہے
جیسے گھوڑے تمہارے اشارے پر چلتے ہوں ایسے ایسے دبل
گھوڑے جنہوں نے کبھی کوئی ریس جیت کر نہیں دی جب تم
اس پر داؤ لگا دیتے ہو تو اس میں ایسی زندگی دوڑ جاتی
ہے جیسے وہ نئے سرے سے پیدا ہوا ہو یہ ساری باتیں۔
ہیں لیکن تمہارے اندر وہ زندگی اور وہ جولانی کیوں نہیں
ہے جو نوجوانی کا خاصا ہوتی ہے؟"
"کوشل تم میرے بارے میں خواہ مخواہ جذباتی ہو رہے ہو
ایک عام سا آدمی ہوں کوئی اہمیت کوئی خاصیت نہیں ہے
مجھ میں اب اس اتفاق کو میں کیا کروں کہ وہ گھوڑے جیت
جاتے ہیں جن کو میں بھی ناکارہ سمجھ کر لگاتا ہوں اچھا یوں کرو
آج تم جس گھوڑے کو کہو میں لگا دوں۔"

"ہوں وعدہ" کوشل نے کہا۔
"ہاں"
"تو پھر فلائنگ کنگ پر آج داؤ لگاؤ یہ گھوڑا لوگوں کی
توقع کے مطابق ہمیشہ جیتا ہے لیکن ڈربی ریس میں فلائی
کنگ کے ساتھ جو گھوڑے دوڑ رہے ہیں وہ سب ہی نامی
گرامی گھوڑے ہیں اور فلائی کنگ کی حیثیت بہت مشکوک ہو گئی
ہے"
"ٹھیک ہے یہ رقم تو میری طرف سے جاؤ اور فلائی کنگ
پر لگا دو۔"
میں نے نوٹوں کی چند گڈیاں نکال کر اسے دیں
کوشل ہنسنے لگا تھا۔
"میں جانتا ہوں وہ جیت جائے گا" اس نے کہا۔
"لگا دو۔ لگا دو میں خود بھی نہیں لگا رہا۔" میں نے کہا
اور کوشل خاموش ہو گیا تھوڑی دیر کے بعد ہم اٹھ گئے پہلی
ریس شروع ہونے میں چند منٹ باقی تھے۔ گھوڑے ٹیپ پر
پہنچ چکے تھے اور لوگ اپنی جگہ پر چلے گئے تھے میں نے اس ریس میں
کوئی گھوڑا نہیں لگایا میں جس طرف سے بھی گزرتا تھا لوگوں
کا جم غفیر میرے پیچھے ہوتا تھا ہر شخص یہ جاننے کی کوشش
کرتا تھا کہ کون سا گھوڑا میں نے لگایا ہے۔
اس وقت بھی لوگ اسی توقع پر میرے پیچھے پیچھے
چل رہے تھے لیکن میں آرام سے جا کر انکلوژر میں اپنی سیٹ
پر بیٹھ گیا کوشل میرے ساتھ تھا کوشل نے بھی میری تقلید
میں ریس نہیں کھیلی تھی دوسری ریس میں اس نے پوچھا۔
"بابر کوئی گھوڑا کھیلنا ہے؟"
"آج کا کھیل تمہارے ذمے ہے کوشل جیسا تم پسند کرو"
میں نے کہا۔
"تو پھر کیا خیال ہے اس ریس میں ہم شہر فلائی کو لگا دیں؟"
"لگا دو" میں نے جواب دیا۔
"تمہاری طرف سے بھی کچھ لگانا ہے؟"
"ہاں۔ ہاں میری طرف سے بھی لگا دو" میں نے جیب
سے ایک نوٹوں کی گڈی نکال کر کوشل کو دے دی کوشل جا
کر گھوڑا لگا آیا۔ میری دیکھا دیکھی بہت سے لوگوں نے شہر فلائی
پر رقم لگائی اور نتیجہ وہی ہوا کہ شہر فلائی جیت گیا تھا۔
جیکی میرے سلسلے میں بیشتر پریشان رہتے تھے اور
کتراتے تھے کہ میں ریس نہ کھیلوں مجھے ریس کورس میں کم از کم
جیکی کا بھی لگا دے نہیں دیکھتے تھے کوشل گھوڑا لگانے گیا ہوا

تھا دفعتاً ایک حسین و جمیل خاتون میری جانب بڑھیں اور
بڑی بے تکلفی سے بولیں۔
"ہیلو بابر!"
"ہیلو" میں نے اجنبی نگاہوں سے انہیں دیکھتے ہوئے
کہا۔
"اجازت ہے بیٹھ جاؤں تمہارے پاس۔؟"
"تشریف رکھئے یہ سیٹ میرے دوست کی ہے وہ آنے والا ہے"
"کون کوشل؟"
"ہاں"
"کون سا گھوڑا کھیلنے گیا ہے؟"
"اب یہ تو وہی جانے"
"تم نے اسے ٹپ نہیں دی؟"
"نہیں۔ میں کسی کو کوئی ٹپ نہیں دیتا"
"مجھے تمہاری اس بات پر یقین کر لو کئی جنتوں سے کھیل رہی ہوں
لیکن ایک بار بھی نہیں جیتی"
"تم اپنے بارے میں کچھ بتاؤ میں تم سے ناواقف ہوں"
"میرا نام شیری ہے۔ جان شیری"
"شکریہ شیری۔ میرا نام تو تم جانتی ہی ہو اس لئے اپنا
تعارف کرانے کی ضرورت باقی نہیں رہتی"
"تم ریس کے شہنشاہ ہو"
"شاید ایسی بات ہو" میں نے لاپروائی سے جواب
دیا۔
"پلیز مجھے بتا دو اس ریس میں تم کون سا گھوڑا کھیل
رہے ہو؟"
"کوشل سے پوچھ لینا"
"دیر ہو جائے گی۔ میں کوشل کا تعاقب کروں"
"جیسا تم پسند کرو" میں نے جواب دیا۔ اور وہ اٹھ کر
دوڑتی ہوئی چلی گئی۔ مجھے ہنسی آ رہی تھی کیسے بے وقوف ہیں
یہ لوگ حالانکہ سچی بات یہ تھی کہ میں اپنے طور پر کوئی کوشش
نہیں کرتا تھا میں جانتا تھا کہ ایسرا مجھ پر مہربان ہے اور وہ
میرے لئے بہت کچھ کر رہی ہے درحقیقت خاصی دولت
جمع ہو گئی تھی ریس کھیل کھیل کر میرے پاس اور میرے لئے تفریح،
عیش و آسائش ہی آسائشیں بکھر گئی تھیں لیکن سلیم کے قتل کے
بعد دل کچھ بجھ سا گیا تھا میں اس معصوم بچے کی چیخوں کو کبھی نہیں
بھول سکتا تھا۔
میرے ذہن پر ہمیشہ ایک بوجھ سا مسلط رہتا تھا شراب

پی لیتا تو یہ بوجھ تھوڑی دیر کے لئے رفع ہو جاتا تھا لیکن
اس کے بعد پھر وہی احساس پھر وہی عجیب سا کرب میری
ذات پر مسلط رہتا ابھی تک میرے سلسلے میں کوئی کارروائی نہیں
ہوئی تھی پتہ نہیں راما مل کے مکینوں پر کیا گزری۔ پتہ نہیں
میرے بارے میں کس نے کس انداز سے سوچا لیکن ابھی تک
مجھ پر کوئی ضرب نہیں آئی تھی۔
میں وہاں بیٹھا رہا دفعتاً میری نگاہ ایک بوڑھے آدمی
پر پڑی وہ اس قابل نہیں تھا کہ ریس کھیلتا۔ داڑھی سفید تھی
بھوؤں کے بال تک سفید تھے عمر اسی بیاسی سال کے درمیان
ہوگی لیکن پتہ نہیں کیوں ریس کھیلنے آ جاتا تھا اس سے پہلے بھی
ایک دو بار میری نگاہ اس پر پڑی بڑا عجیب سا لگتا تھا معمولی
قسم کے کپڑے پہنے ہوتا تھا البتہ جب اس کا گھوڑا ہار جاتا تو اس
کی آنکھوں میں عجیب سی غم کی کیفیت نظر آتی۔
ایک دو بار میں نے اس پر غور کیا تھا لیکن ظاہر ہے اس
قابل نہیں تھا کہ اس پر توجہ دی جاتی آج وہ میرے سامنے
کے حصے میں خاموشی سے کھڑا ہوا حسرت بھری نگاہوں سے
گھوڑوں کی طرف دیکھ رہا تھا۔ دفعتاً کوشل کی آواز نے مجھے چونکا
دیا۔
"بابر لوگ ڈیزی کنگ پر لگا رہے ہیں شہر فلائی پر کسی نے
توجہ نہیں دی حالانکہ اچھا گھوڑا ہے"
"جس پر لگا رہا ہے لگانے دو کوشل تم شہر فلائی پر لگا
آئے؟"
"ہاں" کوشل نے جواب دیا اور میرے نزدیک آ کر بیٹھ
گیا تھوڑی دیر کے بعد ریس شروع ہو گئی ریس شروع ہونے
سے چند ساعت قبل میری جان شیری میرے پاس آ گئی تھی کوشل نے
اسے دیکھ کر مسکراتی آنکھوں سے مجھے دیکھا۔ اور کہنے لگا۔
"مس جان شیری بھی شہر فلائی پر لگا کر آئی ہیں"
"ٹھیک ہے۔ جیسا انہوں نے مناسب سمجھا" میں نے
گہری سانس لے کر کہا۔
"تم نے بھی شہر فلائی پر لگایا ہے نا کوشل"
"جی ہاں یہ بھی کاروباری راز میں ہیں راز کو راز رہنا چاہئے" کوشل
نے جواب دیا اور شیری مسکرانے لگی اس نے کچھ نہیں کہا تھا تھوڑی
دیر کے بعد ریس ختم ہو گئی لیکن حیرت انگیز طور پر اس ریس میں
ایک اور گھوڑا جیت گیا تھا جس کا نام بلیشم تھا میں نے اس
بارے میں کوئی توجہ نہیں دی۔ جان شیری کا چہرہ بجھ گیا لیکن
کوشل مسکراتے ہوئے میرے نزدیک بیٹھا ہوا تھا۔

"یہ کیا ہوا بابر داد خان آج پہلی بار تمہارا گھوڑا ہار گیا ہے۔"

"یہ تم لوگوں کی حماقت ہے کوشل۔ میں نے کبھی یہ دعویٰ نہیں کیا کہ جس گھوڑے کی طرف میں اشارہ کردوں گا وہ جیت جائے گا تم یقین کرو وہ صرف اتفاقات ہی ہیں کہ وہ گھوڑا جیت جاتا ہے۔"

"تم سچ کہہ رہے ہو بابر داد خان۔"

"ہاں کوشل میں سچ کہہ رہا ہوں۔" دفعتاً جان میری کوشل کے پاس پہنچ گئی۔

"تم۔ تم ذلیل آدمی تم نے میرے ساتھ دھوکا کیا ہے۔"

"ارے دماغ خراب ہو گیا ہے آپ کا۔"

"تم نے بٹر فلائی پر لگایا ہے نا؟"

"میں نے کہا نا میں نے جس پر چاہا لگا دیا آپ کو یہ فضول باتیں کرنے کا حق کس نے دیا۔"

"آہ، میں ہار گئی، میں ہار گئی" وہ دونوں ہاتھوں سے سر پیٹتی وہاں سے آگے بڑھ گئی کوشل کے ہونٹوں پر مسکراہٹ تھی پھر اس نے میرا بازو پکڑ کر کہا۔

"بابر داد خان اپنے کوشل کو بھی نہیں بتاؤ گے ——— یہ سب کیا چکر ہے؟"

"کیا ہوا یار کیوں پریشان کر رہے ہو؟" میں نے بے زاری سے کہا۔

"بابر داد خان میں نے بٹر فلائی پر نہیں لگایا میں نے تمہارا نام لے کر اس گھوڑے پر لگایا تھا جو جیتا ہے ہاں یہ وہ گھوڑا ہے جو کبھی نہیں جیتا بس میں نے کہا بابر داد خان کے نام پر یہ گھوڑا جیتنا چاہیے اور یہی گھوڑا جیت گیا بلکہ آج تک کسی ریس میں نہیں جیتا۔ تم بھی یہ بات جانتے ہو گے۔"

"تو اب اس میں بھلا میرا کیا قصور جب کیا ارے بھائی تم نے جس پر چاہا لگا دیا اب میں کیا کر سکتا ہوں؟"

"بابر داد خان نہیں۔ یہ تو بتانا ہوگا۔ خدا کے لیے مجھے بتاؤ۔"

"دیکھو کوشل فضول باتوں سے گریز کرو۔ بس اس قسم کی الجھنوں میں نہیں پھنستا جیت گیا تو جیت گیا ہار جاتا تو ہار جاتا میں نے تو تم سے کچھ نہیں کہا۔ بٹر فلائی ہار گیا مجھے کوئی حیرت نہیں ہوئی اگر وہ جیت جاتا اگر تم اس پر رقم لگا کر جیت جاتے تو بھی مجھے کوئی حیرت نہ ہوتی۔ یہ سب تو اتفاق ہے۔ بہر نوع خوامخواہ کسی چیز کو اتنی اہمیت نہیں دینا چاہیے۔"

"میں حیران ہوں۔ میں واقعی حیران ہوں" جب کوشل نے جیت کی رقم حاصل کی تو جان میری اس کے قریب ہی موجود تھی وہ پھوٹ پھوٹ کر رو پڑی تھی۔

"تم نے مجھ سے فراڈ کیا ہے کوشل۔ تم نے مجھ سے فراڈ کیا ہے۔"

"کمال کی خاتون ہیں آپ خوامخواہ میرے سر پڑ رہی ہیں۔ کیا میں آپ کے لیے کسی کی مدد لوں یا۔" جان میری جھلائے ہوئے قدموں سے آگے بڑھ گئی تھی۔ کوشل نے میری رقم لا کر میرے حوالے کر دی اور چہکنے لگا۔

"اس کے بعد دو ریس نہیں کھیلیں گے۔ پانچویں ریس میں کھیلیں گے۔"

"مجھے تنہا اوں چلے کرو۔" میں نے جواب دیا پتہ نہیں مجھے اب اس سے کچھ بے زاری سی ہو گئی تھی۔ ضرورت سے زیادہ ہی ریس کی باتیں کر رہا تھا۔ میں تو بس دلچسپی کے لیے یہاں آ گیا تھا گھوڑا جیت جائے یا ہار جائے مجھے اس سے کوئی سروکار نہیں تھا۔ دفعتاً میری نگاہ ایک بار پھر اس بوڑھے شخص پر پڑی اور نجانے میرے ذہن میں کیا خیال آیا۔ میں اپنی جگہ سے اٹھا اور اس کے نزدیک پہنچ گیا۔

"ہیلو۔" میں نے اسے مخاطب کیا۔

"ہیلو۔ بوڑھے نے آنکھیں اٹھا کر مجھے دیکھا اور پھر اس کی نگاہوں میں چمک آ گئی۔

"اس ریس میں آپ کون سا گھوڑا کھیل رہے ہیں۔"

"فیصلہ نہیں کر پایا۔" اس نے جواب دیا۔

"میرے خیال میں گولڈن اینجل کھیل لیجئے۔" میں نے کہا۔

"کیا۔؟" وہ آنکھیں پھاڑ کر بولا۔

"اگر آپ پسند نہ کریں تو دوسری بات ہے۔ بس میں نے آپ کو یہ مشورہ دیا ہے۔"

"کھیل لوں۔" اس نے عجیب سے لہجے میں مجھ سے کہا۔

"ہاں۔ گولڈن اینجل کھیل لیجئے۔" میں نے جواب دیا اور وہ اپنی وہیل چیئر موڑنے لگا۔ بہت تھوڑے سے پیسے تھے اس کے پاس۔

"کیا آپ گولڈن اینجل پر صرف یہی رقم کھیلیں گے۔"

"ہاں۔ میرے پاس یہی ہے۔"

"اگر آپ چاہیں تو مجھ سے ادھار لے لیں۔"

"ریس کے اصولوں کے خلاف ہے۔ مجھے اسی سے کھیلنے دو۔" بڑے میاں نے جواب دیا اور آگے بڑھ گئے۔

گولڈن اینجل ہی جیتا تھا جب وہ جیتا تو بڑے میاں میرے نزدیک پہنچ گئے۔

"میں جانتا ہوں کہ تم لوگوں کی تقدیریں بنا دیتے ہو لیکن میں نے کبھی تم سے بھیک نہیں مانگی۔ تم نے خود ہی مجھے دیدیا ہے تو تمہارا شکریہ ادا کرنا بھی ضروری ہے۔"

"بزرگ میں نے آپ کو کچھ نہیں دیا۔ میرا خیال تھا کہ گولڈن اینجل جیتے گا۔ اس لیے میں نے آپ سے اس کے بارے میں کہہ دیا۔"

"بیٹے میں تم سے کچھ مزید گفتگو بھی کرنا چاہتا ہوں۔ کیا مجھے کچھ وقت دو گے۔" کوشل بھی میرے نزدیک ہی تھا بے چین نگاہوں سے انہیں دیکھنے لگا تھا۔ پھر اس نے آہستہ سے مجھ سے کہا۔

"ایسے لوگوں کو منہ نہ لگایا کرو۔ یہ بڑے میاں ہر ہفتے ریس کورس آتے ہیں اور رستے پیٹتے گھر چلے جاتے ہیں اگر تم نے ایسے لوگوں کو لفٹ دینا شروع کر دی تو مصیبت میں پھنس جاؤ گے۔"

"کوشل یہ میرا ذاتی معاملہ ہے پلیز اس سلسلے میں تم مجھ سے کوئی تعرض نہ کرو۔" میں نے اس سے کہا اور کوشل برا سا منہ بنا کر دوسری طرف دیکھنے لگا۔ بڑے میاں خاموش تھے۔ کوشل کی باتیں انہوں نے بھی سنی تھیں لیکن ان کا برا نہیں مانا تھا۔ پھر وہ میری طرف دیکھ کر سوالیہ انداز میں بولے۔

"مجھے کچھ وقت دو گے؟"

"ہاں۔ ہاں آئیے، اس طرف آ جائیے۔ کوشل پلیز ہم لوگ کچھ گفتگو کر رہے ہیں۔" میں نے کہا اور کوشل کسی قدر ناراض سا ہو گیا۔ وہ آگے بڑھ گیا تھا۔

"جی۔"

"میرا نام تصور بیگ ہے۔ مرزا تصور بیگ کے نام سے پکارا جاتا ہوں۔ میں تمہیں صرف ایک بات بتاؤں۔ ریس کھیلنا میری عادت نہیں۔ نہ ہی مجھے اس سلسلے میں کوئی مہارت ہے۔ بس میں اس جگہ تقدیر کے کھوٹا ہوں [illegible] بیٹے میری دو بیٹیاں ہیں جوان ہیں کنواری ہیں۔ میں نے زندگی میں بہت کچھ کمایا۔ [illegible] میں باقاعدہ ریس بھی کھیلتا رہا ہوں۔ بہت کچھ بنایا تھا میں نے بیٹے لیکن ریس ہی کے شوق نے مجھے تباہ کر دیا بیٹیوں کے لیے جو کچھ جمع کیا تھا وہ بھی ریس میں ہار گیا اور اب میری زندگی میں صرف یہی حسرت ہے۔ [illegible] تم کیا خیال ہے۔" میں نے سوال کیا۔

"میں نے اندازہ نہیں کیا بیگ صاحب۔" میں نے جواب دیا۔

"میری اتنی عمر نہیں ہے بیٹے جتنی نظر آتی ہے۔ بامشکل تریسٹھ سال کی عمر ہے میری لیکن اسی سال کا بوڑھا ہو کر رہ گیا ہوں صرف اس احساس کے ساتھ میں نے اپنے بچوں کا حق مارا ہے۔"

"واقعی۔ اس حساب سے تو آپ کی صحت عمر کے مقابلے میں بہت خراب ہے۔"

"اس کی وجہ یہی ہے۔ اب بھی ریس کورس آتا ہوں سوچتا ہوں جہاں تقدیر بگڑی تھی ممکن ہے یہیں سے بن جائے۔ تم شاید یقین نہ کرو کہ کئی سال کے بعد آج میں پہلی ریس جیتا ہوں۔"

"ہوں۔ بہر طور بابا یہ شوق اس حیثیت سے برا ہے اگر آپ کے پاس چند فالتو پیسے ہوں اور آپ اپنے شوق کی تکمیل کے لیے انہیں پھینک دیں تو کوئی حرج نہیں ہے لیکن باقاعدگی سے جہاں اپنی زندگی داؤ پر لگا دینا عقل کی بات نہیں ہے۔"

"ہاں میں جانتا ہوں۔ میں جانتا ہوں۔"

"بابا۔ آپ کو اپنی بیٹیوں کے لیے کتنی رقم درکار ہے؟"

"قرض لوں گا نہ خیرات ہاں۔ تم جو کچھ ہو میں جانتا ہوں۔ اگر تم اس سلسلے میں کوئی رہنمائی کر سکو تو میں تا زندگی تمہارا احسان مند رہوں گا۔"

"لیکن میں ایک شرط کے ساتھ۔" میں نے کہا۔

"ہاں۔ ہاں بتاؤ۔"

"اگر آپ اپنی مطلوبہ رقم جیت جاتے ہیں تو اس کے بعد آپ ریس کورس نہیں آئیں گے۔"

"بیٹے میں اس قابل نہیں ہوں کہ اب ان فضول کاموں میں دلچسپی لوں۔ دراصل میرا کوئی بیٹا نہیں ہے بس یہ مصیبت ہے جو میرے ساتھ ہے۔"

"ٹھیک ہے۔ کتنی رقم موجود ہے آپ کے پاس؟"

"تقریباً سو روپے ہیں میرے پاس۔"

"یہ سو روپے آپ اگلی ریس میں اس گھوڑے پر لگا دیں جس کی جانب میں اشارہ کروں۔"

نوادر کے شوقین امریکی سیاحوں کو مصر کے لوگ نادر و نایاب چیزیں دکھا رہے تھے "یہ دیکھیے!" انھوں نے ایک سکہ امریکیوں کی جانب بڑھایا "یہ نہایت قدیم سکہ ہے۔ صدیوں سے میرے خاندان میں محفوظ ہے اور دست بدست مجھ تک پہنچا ہے۔"

"لیکن ہمیں تو یہ کچھ زیادہ قدیم معلوم نہیں ہوتا۔"

"غور تو کیجیے" سکہ پلٹ کر دکھایا گیا۔ "سکے پر اجرا کی تاریخ درج ہے۔ ۲۵۰ قبل مسیح۔"

آئی تھیں۔ لیکن میں نے اس کی جانب کبھی توجہ نہیں دی تھی لیکن اس سے نگاہ ہے گا کہ ہم دونوں ترکیا بھی نہیں ہو سکتے۔ کوشیا ہندو تھی اور میں مسلمان اور پھر ظاہر ہے کہ کوشل کی منگیتر تھی کوشل میرا دوست تھا بھلا یہ کیسے ممکن تھا کہ میں کوشل کو دھوکہ دے سکوں حالانکہ یہ دوستی بہت زیادہ پرانی نہیں تھی لیکن جس طرح ہم دونوں بے تکلف ہو گئے تھے۔ اسے مدنظر رکھتے ہوئے یہ احساس ہی بڑا تکلیف دہ تھا کہ میں کوشل کی منگیتر کو اس سے چھین لوں۔

اور چھیننے کا سوال اس لئے بھی نہیں پیدا نہیں ہوتا تھا کہ ہم دونوں کے مذہب میں فرق تھا ظاہر ہے وہ مسلمان ہوگی اور نہ میں ہندو تو کیا یہ معاشقہ یوں ہی چلتا رہے گا۔ اس کا کوئی وقت نہ ہوگا کیا یہ وقت ایسا ہے کہ میں یہ سب کچھ کروں۔

کوشیا نوجوان ہے پتہ نہیں کیوں کوشل اسے پسند نہیں اور وہ اپنے منگیتر سے اتنی دلچسپی نہیں رکھتی جتنی لڑکیاں رکھتی ہیں بلکہ وہ تو اس کے برعکس اپنے دوست سے ہی پینگیں بڑھانے لگی ہے حالانکہ وہ جانتی ہے کہ میں اس کے دھرم سے تعلق نہیں رکھتا لیکن میری عمر تو کم از کم ایسی ہے کہ میرے پاس ایک طویل تجربہ ہے اس تجربے کی بنیاد پہ مجھے خود ہی سنبھل جانا چاہئے۔ کوشیا کا کیا ہے وہ تو آگے قدم بڑھا رہی ہے۔ کیا کروں کیا نہ کروں سوچتا رہا اور پھر جب کافی پریشان ہو گیا تو ایک بار پھر رات ہی کی خاطر میں نے اپسرا کو آواز دی وہ اپنے وعدے کے خلاف اب میرے پاس نہیں آتی تھی بلکہ غائب ہو گئی تھی نہ جانے کہاں جا مری تھی۔

"اپسرا کہاں چلی گئی ہے تو؟"

"میں کہاں جاؤں گی جان من تمہارے پاس موجود ہوں"

اس کی آواز مجھے کانوں کے قریب سنائی دی اور میں ایکدم اچھل پڑا اس وقت تنہائی تھی میں ہر طرح کی گفتگو اس سے کر سکتا تھا۔ میں نے متحیرانہ انداز میں ادھر ادھر دیکھا اور اس کی ہنسی کی آواز میرے کانوں میں ابھری

"کیا بات ہے بہت پریشان ہو بابر داد خان"

"تم پریشانی کی بات کرتی ہو اپسرا میں زندگی سے بے زار ہوں"

"ارے ارے کیسے ناشکرے انسان ہو میں نے تمہیں زندگی کی تمام لطافتوں سے بہرہ ور کر دیا ہے کیا نہیں ہے تمہارے پاس مجھے بتاؤ کیا کچھ نہیں ہے تمہارے پاس اور تم زندگی سے بے زاری کا رونا رو رہے ہو بابر داد خان یہ تو بڑی عجیب بات ہے کہ تم اپنے آپ کو دیکھو اور دوسروں کو دیکھو کتنا فرق ہے تم میں اور ان میں تم عیش و عشرت کی زندگی گزار رہے ہو جبکہ یہاں کروڑوں افراد کو میسر نہیں اس کے باوجود تم اس زندگی سے بے زاری کا اظہار کر رہے ہو؟"

"مجھے ہی منطق نہ جھاڑو میرے سامنے تم دنیاداری کے مسائل سے واقف ہو تم ان تمام چیزوں سے بہتر ہو جہاں چاہو جا سکتی ہو جہاں چاہو آ سکتی ہو لیکن میں اس دنیا کا ایک فرد ہوں میرے اردگرد قربت ہے ہنگامے ہیں ہر جگہ میرے لئے خطرات موجود ہیں چنانچہ میری سوچ تم سے مختلف نہ ہوگی تو اور کیا ہوگی۔"

"اس کی بنیادی وجہ صرف یہ ہے بابر داد خان کہ تم نے دوستوں پر اعتماد کرنا نہیں سیکھا اگر تم اپنے ساتھی کی طرف لوٹ جاؤ تو تمہیں ہزاروں شخص مل جائیں گے۔ تم نے کبھی کسی پر اعتماد نہیں کیا یہ بہت بری بات ہے اعتماد کرنا سیکھو۔"

"دوست ہونہہ" میں نے طنزیہ انداز میں کہا۔

"میں نے کہا نا کہ تم ناشکرے ہو کیا میں تمہاری دوست نہیں ہوں؟"

"دوست نہیں تو چلی کہاں گئی تھیں؟"

"کہیں بھی چلی گئی تھی اس سے تمہیں کوئی غرض نہیں ہونی چاہئے جب تم کسی الجھن میں پھنسو گے اور میں تمہارے پاس موجود نہ ہوں گی تو تم مجھ پر طنز کرنے میں حق بجانب ہو گے بات دراصل یہ ہے بابر داد خان کہ تم میرے محبوب بھی ہو میں تم پر جان چھڑکتی ہوں اور یہ بات یقیناً میں تمہارے بارے میں ابھی کہہ سکتی ہوں ہم دونوں ایک دوسرے کے تعاون کار ہیں۔

"اور اب تو میں کھل کر تمہارے سامنے آ گئی ہوں چنانچہ یہ میری ذمہ داری ہے کہ تمہیں ہر طرح کی الجھنوں سے بچاؤں لیکن صرف اس شرط پر کہ تم میرے لئے آنکھیں بند کر کے کام کرتے رہو میں بھی تمہارے لئے آنکھیں بند کر لوں گی اور ہر وہ خواہش جو تمہارے دل میں پیدا ہوگی اسے پورا کرنا میرا فرض ہوگا یہی کام تمہیں بھی کرنا ہوگا اب مجھے بتاؤ تم کون سی مشکل میں ہو۔ اچھے کھانے پینا کے رئیس کورس میں شہنشاہوں کی طرح پہنے جا رہے ہو، ہر طرح کی آسائشیں مہیا ہو گئی ہیں اور تم زندگی سے بیزاری کا رونا رو رہے ہو۔"

"مگر مجھے تمہاری ضرورت ہوتی ہے تو تم کیوں نہیں ملتیں؟"

"ارے کہ وہ ضرورت بے معنی ہوتی ہے ایسی مشکلات جن کا حل تم خود تلاش کر سکتے ہو، ان میں مجھے شامل کرنا ہے تو بلکہ زیادتی ہے یہ میرے ساتھ ہاں۔ جہاں کہیں میں تمہارے ذہن میں شدید الجھن محسوس کروں گی وہاں تم سے دور نہیں رہوں گی یہ اپسرا کا وعدہ ہے۔"

"تو اس وقت کی الجھن سے واقف ہو تم؟"

"کیوں نہیں، لیکن تم اسے الجھن سمجھ رہے ہو نا پتہ نہیں

کیوں تم اپنے ذہن میں یہ حماقتیں لئے بیٹھے ہو میں تم سے کہہ چکی ہوں کہ کوئی تمہارا کچھ نہیں بگاڑ سکتا اس وقت تک جب تک کہ میں نہ چاہوں۔ چنانچہ جو دل چاہے کرتے رہو جہاں اپنی زندگی کے لئے خطرہ محسوس کرو یا اپنے ذہن میں شدید پریشانی محسوس کرو مجھے آواز دے لینا اس وقت اگر میں تمہارے پاس نہ پہنچوں تو پھر آئندہ تم میرے احکامات پر عمل نہ کرنا۔"

"اوہ۔ اوہ اب مجھے بتاؤ اس لڑکی کا کیا کروں؟"

"کوشیا کی بات کر رہے ہو؟"

"ہاں۔ وہ ہندو ہے لیکن میری بیوی تارہ خانم کی وہ ہمشکل ہے۔ میرا دل اس سے متاثر بھی ہوتا ہے لیکن مستقبل کے احساسات مجھے کوئی غلط قدم اٹھانے سے روکتے ہیں۔"

"غلط قدم۔ بیوقوف آدمی انسان اپنی خواہشات کے تابع ہوتا ہے اور جو خواہش اس کے دل میں پیدا ہو جائے وہ غلط نہیں ہوتی وہ مجبور ہے اس خواہش کی تکمیل کے لئے تمہارے دل میں اس لڑکی کے لئے جو بھی تاثرات ہیں تم انہیں قبول کرو اور دل کی ہدایات پر عمل کرو۔ عقل سے سوچنا چھوڑ دو کیونکہ وہ شعبہ میں نے سنبھال لیا ہے۔ میں تمہاری مددگار کی طرح تم تک موجود رہوں گی۔"

"تو پھر کوشل۔ میرا دوست ہے ... اس کا میں کیا کروں؟"

"فضول باتیں ہیں تمہارے بارے میں دنیا میں کسی نے سوچا اگر آج میں تمہارے ساتھ نہ ہوتی اور تم کسی نہ کسی طرح یہاں پہنچ جاتے تو جانتے ہو کیا ہوتا۔ بمبئی کی کسی سڑک پر بیٹھے بھیک مانگ رہے ہوتے لوگ تمہیں بھیک بھی نہ دیتے تمہارے چہرے اور بدن پر جو اس وقت جھریاں ہوتیں، بال سفید ہو چکے ہوتے اور یہ سب چیزیں بہت بڑی حیثیت دے رہی ہیں تمہاری طرف تھوکنا بھی پسند نہیں کرتے تھے۔ جب دنیا تمہارے لئے نہیں سوچتی تو تم دنیا کے لئے کیوں سوچتے ہو۔ سنو تم نے حیات ابدی کی جانب قدم بڑھا دیئے ہیں یہ تو ابھی ابتدا ہے اگر تم میرے معاون کار رہے تو میں تمہیں دیکھتے رہو کیا سے کیا بنا دیتی ہوں۔"

"مگر میں اس دنیا میں بہت زیادہ عرصے جینا نہیں چاہتا۔"

"مرنا چاہتے ہو۔" اپسرا نے پوچھا اور میں خاموش ہو کر ادھر ادھر نگاہیں دوڑانے لگا۔

"بولو جواب دو۔ اگر تم یہ خواہش بھی کرو تو میں اسی وقت پوری کر سکتی ہوں۔" مجھے ہنسی آ گئی ظاہر ہے میں مرنا نہیں چاہتا تھا۔ زندہ نہ رہنے کی جس بات کا تذکرہ میں نے ابھی کیا تھا وہ بھی پتہ نہیں کیوں جھنجلاہٹ میں میرے ذہن سے نکل گئی تھی۔ انسان تو واقعی بڑی کمزور شے ہے۔ بہرحال میں زندگی سے چمٹے رہنا چاہتا ہے اور پھر میرے لئے تو زندگی بے حد آسان ہو گئی تھی بس یہ وقتی جھنجلاہٹ تھی جس کی شکایت میں اپسرا سے کر رہا تھا چنانچہ چند لمحات کے بعد میں نے خود کو سنبھال لیا اور مسکرا کر بولا۔

"نہیں اپسرا میں مرنا نہیں چاہتا۔"

"تو پھر جیو اور اسی طرح جیو جیسے انسان جیتے ہیں کسی پریشانی کا شکار ہونے کی ضرورت نہیں میں تمہیں ہدایت دیتی رہوں گی۔"

"ٹھیک ہے بھائی ٹھیک ہے میں تو اب تمہارے جال میں پھنس ہی گیا ہوں جو کچھ تم کہو گی کرنا ہوگا۔"

"دیکھو بابر داد خان ایسی باتیں آئندہ مت کرنا۔ تم میری فراخدلی کا کوئی اندازہ یا احساس نہیں رکھتے تم وہ ہو جس نے مجھے تباہ کیا جس نے میری ہزاروں سالہ قدیم سلطنت چھین لی اور میں نے تمہیں پکڑ کر کہا حالانکہ تم میرے لئے کوئی حیثیت نہ رکھتے تھے۔ جب چاہوں تمہیں چٹکیوں میں مسل دوں لیکن میں، میں دوسری طبیعت کی مالک ہوں، میں اپنے دشمنوں ہی سے اپنا کام نکالنا جانتی ہوں اور اب دیکھ لو کہ ہم دشمنی کی حدود سے نکل کر دوستی کے کون سے مراحل میں داخل ہو گئے ہیں چنانچہ تم خود بھی اعتماد کرو اور مجھ

ٹھنڈی مچھلی

رملا ایک چھوٹی مچھلی کا نام ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس میں یہ خوبی رکھی ہے کہ اگر یہ ماہی گیر کے جال میں پھنس جائے اور جال کی رسی ماہی گیر کے ہاتھ میں رہے تو ماہی گیر اس کی ٹھنڈک سے کانپنے لگے گا۔ ماہی گیر مچھلی کے اس وصف کو جانتے ہیں چنانچہ جب انہیں پتا چلتا ہے کہ ان کے جال میں رملا مچھلی پھنس گئی ہے تو وہ جال کی رسی کو درخت سے باندھ دیتے ہیں۔ حتیٰ کہ وہ مر جاتی ہے۔ پھر اسے نکال لیا جاتا ہے۔ کیونکہ مرنے کے بعد اس کی ٹھنڈک والی صفت باقی نہیں رہتی۔

پر بھی بس اس کے علاوہ میں اور کچھ نہیں کہوں گی۔"

آواز بند ہو گئی میرے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی تھی۔ واقعی اس سے گفتگو کرنے سے ذہنی تکدر دور ہو گیا تھا بہت ہی بڑا بوجھ میرے ذہن سے ہٹ گیا تھا۔ پھر میں نے گہری سانس لے کر سوچا کہ آئندہ اس سلسلے میں پریشان نہیں کروں گا۔ ہاں جب کبھی میرے احساسات جاگے تو خود کو سمجھانے کی کوشش کروں گا۔ اور اس کے تعاون سے زندگی کی تمام تر دلچسپیاں حاصل کرنے کی کوشش کروں گا۔ یہ فیصلہ کرنے کے بعد میں کافی حد تک مطمئن ہو گیا تھا۔

دوسرے دن حسب وعدہ گیلارڈ میں پہنچ گیا۔ ابھی چند ہی لمحات ہوئے تھے گیلارڈ میں داخل ہوئے کہ میں نے دروازے سے کویتا کو اندر داخل ہوتے ہوئے دیکھ لیا پیاک جیسے کلر کی ساڑی میں وہ قیامت لگ رہی تھی میں نے بے شمار نگاہیں اس کی جانب اٹھتی ہوئی دیکھی تھیں۔

میک اپ سے بے نیاز چہرہ، بلے بنے گئے بال، درازقامت درحقیقت وہ دیکھنے کے قابل لڑکی تھی نگاہیں اسی کا تعاقب کر رہی تھیں، اس نے بھی مجھے دیکھ لیا ہم دونوں ایک کیبن میں داخل ہوئے تو بہت سی ٹھنڈی آہیں ہمارے کانوں میں گونج اٹھیں، کویتا کے ہونٹوں پر مسکراہٹ کھیل رہی تھی کیبن کا پردہ کھینچ کر ہم دونوں اطمینان سے بیٹھ گئے۔

"بڑی مشکل ہے یار صاحب انسان کا گھر سے نکلنا دوبھر ہو گیا ہے۔"

"یہ بات نہیں یہ مشکل تو آپ نے ان لوگوں کے لئے پیدا کی ہے کویتا۔" میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"میں نے کیوں؟"

"اتنی خوبصورت رنگ کی ساڑھی اور ایسے خوبصورت کھلتے ہوئے رنگ پر لوگ پریشان نہ ہوں گے تو کیا ہوگا۔" وہ آہستہ سے ہنس پڑی تھی۔ پھر ہم دونوں دنیا جہان کی باتیں کرنے لگے اور اپنا مستقبل بھی زیر غور آیا کویتا نے اس سلسلے میں کوئی بات نہ کہی تھی بس گردن جھکائے بیٹھی رہی پھر جب میری بات ختم ہو گئی تو وہ آہستہ سے بولی۔

"کچھ بھی ہو یار جی سب سے پہلا کام تو آپ یہ کیجئے کہ کوشل کو میرے راستے سے ہٹا دیجئے۔ آپ یہ بات کان کھول کر سن لیں کہ اگر میں آپ کی نہ ہوئی تو پھر اس جیون میں کسی کی نہ ہوں گی۔"

"لیکن کویتا کیا تم میرے لئے اپنا دھرم بدلنے کو تیار ہو؟" میں نے سوال کیا اور وہ عجیب سی نگاہوں سے مجھے دیکھنے لگی۔

"کیوں۔ کیا اس دھرم میں رہ کر میں تمہاری دھرم پتنی نہیں بن سکتی؟" اس نے سوال کیا۔

"دیکھو کویتا میں ہر چند کہ زیادہ مذہبی انسان نہیں ہوں لیکن زمانہ تمہاری نگاہوں کے سامنے ہے میرے لئے سخت مشکل ہوگا کہ میں اپنا دین تبدیل کرنے کے بارے میں سوچوں یہ میں مر کر بھی نہیں سوچ سکتا کویتا۔"

"مگر میں تو سوچ سکتی ہوں۔"

"کیا مطلب؟"

"مطلب یہی کہ اگر دھرم بدلنے ہی کی بات ہے تو میں اس کے لئے بھی تیار ہوں۔"

"اوہ۔" میں نے عجیب سی نگاہوں سے اسے دیکھتے ہوئے کہا اور جذبات سے مغلوب ہو کر اس کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھ دیا کویتا تو واقعی بڑی ہی وفاداریوں کا ثبوت دے رہی تھی۔ وہ میرے اس قدر قریب ہو جائے گی اس کے بارے میں تو میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا۔ میں نے اس سے اس سلسلے میں ایک سوال کر ڈالا۔

"کویتا برا نہ مانو تو ایک بات کہوں؟"

"کہو نا کون برا مان رہا ہے تمہاری باتوں کا۔" وہ آپ سے تم پر اتر آئی۔ آہستہ آہستہ وہ بے تکلف ہوتی جا رہی تھی۔

"کویتا۔ کوشل اچھی خاصی شکل و صورت کا مالک ہے اور پھر تمہارا منگیتر بھی ہے مجھ میں کیا رکھا ہے جو تم اسے چھوڑ کر میری طرف راغب ہو رہی ہو؟"

"یار داد جی پتہ نہیں کس انسان میں کیا رکھا ہوتا ہے۔ آپ مجھے ایک بات بتائیے کہ مجھ جیسی دوسری آپ کو نہ ملی ہوں گی۔ لیکن آپ یہاں میرے پاس موجود ہیں باہر ہال میں بہت سی لڑکیاں ہیں کیا ان میں سے کوئی آپ کی دوست نہیں بن سکتی آپ یہ بتائیے کہ آپ نے میری بات کیوں مان لی؟"

"ہاں۔ کویتا اس میں کوئی شک نہیں کہ انسان خاص حالات میں کسی نہ کسی کی جانب راغب ہو ہی جاتا ہے تمہارے جانے کے بعد میں تمہارے بارے میں بہت دیر تک سوچتا رہا۔"

"اور پھر گہری نیند سو گئے۔" کویتا مسکراتی ہوئی بولی۔

"کیا مطلب؟"

"مطلب یہ کہ میں رات کو ایک پل بھی نہیں سو سکی میری آنکھوں میں ہلکی سی سرخی دیکھ رہے ہوں گے آپ۔ میں جاگتی رہی ہوں نیند ہی نہیں آئی۔"

"اوہ کویتا اتنی پریشان نہ ہو میرے لئے۔"

"ہوں، اس سے گو ہمارے راستوں میں رکاوٹیں ہیں اور کوشل ہمارے راستے کی سب سے بڑی رکاوٹ ہے۔"

"حالانکہ وہ میرا دوست ہے۔"

"میں بھی تو آپ کی دشمن نہیں ہوں۔" اس نے جواب دیا۔

"اچھا کویتا سوچیں گے اس بارے میں ایسی سنجیدگی سے سوچیں گے کہ کوئی ہنگامہ بھی نہ کھڑا ہو۔"

"کچھ بھی ہو جائے بس میں نے آپ سے کہہ دیا کہ میں آپ کو نہیں چھوڑ سکتی یار جی چاہے مجھے یہ سارا سنسار چھوڑنا پڑے۔" اس نے کہا اور میں گردن ہلانے لگا میرے ذہن میں بہت سے خیالات ابھر رہے تھے حالانکہ الیسرا نے مجھے یقین دلایا تھا کہ میری راہ کی مشکلات دور کرنے میں وہ میری معاون ہوگی۔ اس میں یہ خوبی تھی کہ وہ ایک عورت کی حیثیت سے میری راہ میں مزاحم نہیں ہوئی تھی۔ بلکہ اس نے اس سے پہلے بھی مجھے بہت کچھ کہا تھا۔ اس معصوم عورت کے سلسلے میں جو اپنا سب کچھ میرے ہاتھوں کھو چکی تھی جس نے اپنا سب کچھ میرے حوالے کرنے کی کوشش کی تھی۔ الیسرا نے کہا تھا کہ میں اسے حاصل کروں لیکن میں اتنا غلیظ انسان نہیں تھا۔ اب یہ کویتا میرے راستے میں آئی تھی ہر چند کہ تمام اشتمائیل کی مشکل ہونے کی حیثیت سے میرا دل اس کی جانب کھنچتا تھا۔ لیکن اس کے باوجود میں جانتا تھا کہ کتنی مشکلات پیدا ہو جائیں گی اگر وہ اپنا گھر چھوڑ دے۔ اگر میں اسے یہاں سے لے کر نکل جاؤں تب بھی جتنے ہنگامے کھڑے ہوں گے اور مجھے جن جن نگاہوں سے بچنا پڑے گا ان تمام باتوں کا مجھے احساس تھا لیکن دل سرکشی پر آمادہ تھا۔ میں نے سوچا کہ جو کچھ ہوگا دیکھا جائے گا۔

بہرطور خاصی دیر تک میں کویتا کے ساتھ رہا اور پھر ہم دوسرے دن اپنے مکان پر ہی ملنے کا وعدہ کر کے اٹھ گئے۔ باہر کویتا کی کار موجود تھی وہ اپنی کار میں بیٹھ کر چل پڑی اور میں اپنی کار میں بیٹھ کر گھر آ گیا۔

دوسرے دن صبح تقریباً گیارہ بجے ہوں گے کہ ایک کار میرے گھر کے دروازے پر آ کر رکی اور میں نے فوراً پہچان لیا۔ کوشل کی کار تھی۔ کوشل پونا سے آیا ہوا تھا۔ میں نے عجیب سے انداز میں اس کا استقبال کیا۔ آج میرے استقبال میں وہ گرمجوشی نہیں تھی جو کوشل کے لئے ہوتی تھی لیکن وہ مسکراتا ہوا اندر آ گیا تھا۔

"سیدھا پونا سے آ رہا ہوں بس ایک ہفتہ تم سے دوری بھی برداشت نہیں ہو سکی۔" اس نے کہا۔

"اوہ کوشل ڈیئر تم واقعی اچانک ہی آ گئے۔" میرے ذہن میں کچھ گھبراہٹ کا پیدا ہو گئی تھی کیونکہ تھوڑی دیر کے بعد کویتا آنے والی تھی۔ میں نہیں جانتا تھا کہ اگر وہ یہاں آئی تو کوشل پر اس کی آمد کا کیا اثر پڑے گا۔" میں نے اس سے سوال کیا۔

"کویتا سے ملے؟"

"نہیں ابھی کہاں سیدھا تمہارے پاس آیا ہوں اب تو یوں لگتا ہے جیسے کویتا سے زیادہ مجھے تم سے پریم ہے۔"

"کوشل ایک بات بتاؤ کیا کویتا کا اور تمہارا سلسلہ بہت عرصے سے چل رہا ہے۔"

"بہت عرصے سے تو نہیں جب سے وہ میری منگیتر بنی ہے میں اسی کے ساتھ رہتا ہوں یہاں جب میں آتا ہوں ہم دونوں کی شامیں بلکہ دن ساتھ ساتھ ہی گزرتے ہیں۔"

"ہوں۔ کویتا تم سے متاثر ہے؟"

"یہ تو میں نہیں کہہ سکتا لیکن میری منگیتر ہے آج نہیں تو کل متاثر تو ہونا پڑے گا اسے۔" کوشل نے بڑے اعتماد سے جواب دیا اور پھر وہی ہوا جس کا مجھے خدشہ تھا۔ چند ہی لمحات کے بعد ایک اور کار رکی اور اس سے کویتا برآمد ہوئی۔ کوشل کے چہرے پر حیرت کے آثار پیدا ہو گئے لیکن پھر فوراً ہی اس نے خود کو سنبھال لیا۔ کویتا ہنستی مسکراتی آ رہی تھی۔ آج بھی وہ ایک ہلکے گلابی رنگ کی ساڑی میں ملبوس تھی اور اتنی ہی پیاری لگ رہی تھی جتنے ہلکے دوسری کلر کی ساڑھی میں۔ وہ جس بے تکلفی سے یہاں آئی تھی کوشل کو اس سے کچھ احساس سا ہو گیا اور ایک لمحے کے لئے اس کا چہرہ پھیکا پڑ گیا۔ کویتا نے کوشل کو دیکھا اور ٹھٹک گئی۔

"ارے تم۔ تم کب آئے کوشل جی؟"

"بس ابھی تھوڑی دیر ہوئی۔" کوشل نے جواب دیا۔

"اچھا بغیر اطلاع کے آ گئے اور اب میرے پاس آنے کے بجائے تم یار جی کے پاس آئے ہو۔"

"نہیں نہیں بس اب ہم تمہارے ہی پاس آنے والے تھے۔"

"اچھا۔" کویتا کے لہجے میں بیزاری کے سے آثار تھے۔ اس نے شکایتی نگاہوں سے مجھے دیکھا جیسے کہہ رہی ہو کہ اس بھنگ کو کیوں گلے لگا لیا ہمارا تو کچھ اور ہی پروگرام تھا۔ میں نے دیکھا کہ کوشل اس کی اسی طرح بے تکلفی سے یہاں آمد کو بڑی خوبی سے محسوس کر رہا ہے۔ چند لمحات تو کویتا کچھ کھنچی کھنچی سی رہی، لیکن اس کے بعد اس نے مجھ سے بے تکلفی کا اظہار کر دیا۔

"کل شام کو ہمارا کیا پروگرام طے ہوا تھا یار جی۔" اس نے کہا۔

"ک۔ کیسا پروگرام؟"

"اوہ، اچھا اچھا بھول گئے ہم نے یہ فیصلہ نہیں کیا تھا کہ اس کام کے لئے چلیں گے اب آپ تیار ہو جائیے میں کوئی بہانہ نہیں سنوں گی۔" میں ایک لمحے کے لئے چکرا کر رہ گیا تھا کون سے کام کی بات کر رہی تھی وہ لیکن پھر میں فوراً سمجھ گیا کو کوشل کو وہ درمیان سے کاٹنا چاہ رہی تھی وہ۔

"کوئی پروگرام تھا آپ لوگوں کا۔" کوشل نے پھیکے سے لہجے میں پوچھا۔

"کوئی خاص بات نہیں کوشل تم بھی ہمارے پروگرام میں شریک رہ سکتے ہو۔" میں نے کہا۔

"نہیں نہیں یہ کیسے ہو سکتا ہے میں تمہاری ان لوگوں سے ملاتا تھا۔ کوشل میں شام کو تمہارا انتظار کروں گی۔ شام کو تم گھر پر آ جانا آج دن میں ہم لوگ مصروف ہیں۔"

"کوئی حرج نہیں ہے میں شام کو آ جاؤں گا۔ اچھا بابر صاحب میں چلوں۔" کوشل نے پوچھا اور میں منہ کھول کر رہ گیا۔ کوشل خود ہی چلا گیا تھا۔ کوریتا اس کے جانے کے بعد گہری سانس لے کر مسکرانے لگی۔

"کیسی رہی؟" اس نے کہا۔

"یہ اچھا نہیں ہوا کوریتا۔" میں نے جواب دیا۔

"اچھا ہوا برا مجھے اس کی پرواہ نہیں ہے۔ جب میرا اس سے کوئی واسطہ ہی نہیں رہتا تو پھر خواہ مخواہ اس کے لئے اتنی گہرائی سے کیوں سوچا جائے۔"

"مگر کوریتا کوشل تم پر فریفتہ ہے۔"

"دیکھو بابر جی! اگر تم نے ایسی باتیں کیں تو اچھا نہیں ہوگا۔ بس ہم کہیں نہیں جائیں گے یہیں بیٹھیں گے شام کو وہ آئے گا تو میں اس سے معذرت کر دوں گی کہ تھک گئی ہوں اسے خود ہی احساس ہو جائے گا۔"

"کوریتا تم آگ سے کھیل رہی ہو۔"

"میں آگ سے کھیلنا پسند کرتی ہوں، آپ مجھے اس سے نہ روکیں۔" کوریتا نے جواب دیا۔

میں نے ایک گہری سانس لے کر گردن ہلا دی۔ کوریتا بہت مضبوط نظر آ رہی تھی۔ لیکن میں اپنے آپ کو اس کی طرح مطمئن نہیں پا رہا تھا۔ ایک طوفان کھڑا ہو جائے گا۔ ایک ہنگامہ کھڑا ہو جائے گا۔ کوریتا کو خیر اس سے نقصان ہی ہوگا لیکن میں بھی اس فساد سے نہیں بچ سکوں گا آخر کوریتا ایک اچھے گھرانے کی لڑکی ہے۔ اس کے ماں باپ ہیں سب کے سب میرے پیچھے پڑ جائیں گے یہ کہا جائے گا کہ میں نے ایک معصوم لڑکی کو ورغلا کر چکر میں پھنسا لیا۔ لیکن کوریتا کی ضد کے آگے یہ ساری باتیں ہیچ معلوم ہو رہی تھیں۔ وہ رات کو تقریباً آٹھ ساڑھے آٹھ بجے تک میرے ساتھ رہی۔ شام کو تقریباً پانچ بجے ہم سمندر کے کنارے نکل گئے تھے اور باقی وقت وہیں گزارا۔ پھر کوریتا کو اس کے گھر چھوڑنے کے بعد میں واپس اپنے گھر آ گیا۔ دل میں خدشہ تھا کہ کوشل کہیں میرے گھر پر موجود نہ ہو۔ ظاہر ہے کوریتا نے جو وقت اسے دیا تھا اس وقت وہاں نہیں پہنچی تھی۔ کوشل اسے میرے ساتھ دیکھ کر گیا تھا۔

اس نے اس کے گھر والوں کو بھی آگاہ کیا ہوگا کہ وہ میرے ساتھ ہے۔ پتہ نہیں اس دوران کیا ہنگامہ آرائیاں ہوئی ہوں۔ گھر پہنچ کر ملازموں سے پوچھا تو انہوں نے کسی ایسے شخص کی آمد کی اطلاع نہ دی اور ایک حد تک اطمینان ہو گیا۔ کوشل دوسرے دن بھی نہیں آیا تھا۔ صبح کو کوریتا کا فون آیا اور اس نے کہا۔

"ہیلو۔ بابر کیا کر رہے ہو؟"

"کچھ نہیں بس پریشان بیٹھا ہوں۔"

"بس تم نے تو پریشانیاں اپنے آپ پر طاری کر لی ہیں۔"

"کوشل کی سناؤ کیا ہوا؟"

"وہ میرے گھر نہیں آیا۔"

"نہیں آیا؟" میں نے تعجب سے پوچھا۔

"ہاں۔ وہ کچھ [illegible] آدمی معلوم ہوتا ہے واپس پونا چلا گیا ہوگا۔" کوریتا نے کہا پھر بولی۔ "اب یہ بتاؤ ملاقات کب ہو رہی ہے؟"

"جب تم چاہو چھٹی میں کیا کر سکتا ہوں۔" میں نے کہا۔

"تو پھر ٹھیک ہے شام کو بلیو مون ریسٹورنٹ میں ہی مل رہی ہوں۔" کوریتا نے جواب دیا۔ اور میں خاموش ہو گیا کوریتا نے ٹیلی فون بند کر دیا تو میں کوشل کے بارے میں سوچنے لگا میرا ضمیر مجھے ملامت کر رہا تھا مگر میں نہیں سمجھ پا رہا تھا کہ کوشل کے سلسلے میں کیا کروں۔

ہر چند کہ اس سے میرا کوئی گہرا تعلق نہیں تھا بس وہی میرا احسان مند تھا جبکہ میں نے اس کا کوئی احسان نہیں لیا تھا۔ لیکن دل اس کے لئے شرمندہ تھا۔ میری وجہ سے اس کی محبت کو ٹھیس پہنچ رہی تھی۔ لیکن قصور میرا بھی تو نہیں تھا۔ شام کو کوریتا سے ملاقات ہوئی۔ بہت خوش تھی اور کوشل کے درمیان سے ہٹ جانے پر بہت مسرور نظر آ رہی تھی۔

حسب معمول ہم لوگ گفتگو کرتے رہے پھر میں نے کوریتا سے کہا۔

کہ جاری اس اپنائیت اور قربت کا انجام کیا ہوگا۔ کیا اس کے والدین کسی طرح اسے میرے ساتھ رہنے کی اجازت دے سکتے ہیں جس پر کوریتا ہنسنے لگی۔

"دیکھو بابر جی اب ہمارے تمہارے درمیان ایسی کوئی بات نہیں رہی ہے جسے مد نگاہ رکھتے ہوئے ہم یہ سوچیں کہ ہمارا ملاپ کسی طرح ممکن ہے۔ میں تو اپنے من میں تمہیں اپنا سب کچھ مان چکی ہوں۔ میں نے اپنے من میں تمہیں سب کچھ مان لیا ہے تو پھر دوسروں کی کیا پرواہ، میں جانتی ہوں میرے گھر والے کبھی مجھے اس کی اجازت نہیں دیں گے کہ میں تمہیں اپنا لوں لیکن دنیا تو بہت بڑی ہے ہم دنیا کے کسی گوشے میں اپنے لئے کوئی خوبصورت پناہ گاہ تلاش کر لیں گے۔ اور پھر بمبئی ہی اتنی بڑی جگہ ہے کہ ہمیں باہر جانے کی ضرورت نہیں۔ تمہارا کاروبار ٹھیک ٹھاک ہے مجھے جو کچھ تم چاہو وہ میں مہیا کر سکتی ہوں۔ ہم دونوں کسی خوبصورت گوشے کو اپنا لیں گے انداز ایسا رکھیں گے جیسے لوگ یہ سمجھیں کہ ہم یہاں سے کہیں باہر چلے گئے لیکن ہم بمبئی ہی میں رہیں گے میری نگاہ میں ایسے کئی ٹھکانے ہیں جو ہمیں پناہ دے سکتے ہیں۔ ہم اپنا حلیہ اپنی شکل و صورت بالکل ہی بدل لیں گے اور اس کے بعد ہمیں زندگی کی دلچسپیوں میں حصہ لینے سے کوئی بھی نہیں روک سکے گا۔" کوریتا کے ذہن میں بڑے بڑے پروگرام تھے لیکن میں بدستور الجھا ہوا تھا۔ میں نے کوریتا کو رخصت کیا اور اپنے گھر آ گیا۔ رات کو پھر میں نے اپسرا کو پکارا اور وہ میرے پاس پہنچ گئی۔ اس کی آواز مجھے اپنے کانوں میں سنائی دی تھی۔

"جی فرمائیے بابر داد خان صاحب۔"

"اپسرا میں بڑی پریشانیوں کا شکار ہوں۔"

"مجھے تمام پریشانیوں کے بارے میں معلوم ہے خواہ مخواہ اپنے ذہن کو پریشان کر رہے ہو میں بار بار تم سے کہہ چکی ہوں کہ ادھر کی باتیں کیوں سوچتے ہو۔ تم ان جھمیلوں کے لئے نہیں ہو تمہارا مقام تو بہت بلند ہے بابر داد خان میری جنت میں تم ایسی زندگی کا سفر کرو گے جس کا تم نے تصور بھی نہیں کیا ہے خود کو دوسروں کی الجھنوں کا شکار ہونے دو کوشل جیسے لوگ بے شمار ہیں مجھے تم ایک کوشل کے لئے کیوں پریشان ہو اور پھر کوریتا۔ خیال ہے تم ساری زندگی کے لئے اسے اپنے ساتھ منسلک نہیں کر سکتے۔ یہ ضروری نہیں کہ انسان ہر وہ زندگی کی لذتوں سے لطف اندوز ہو اور اس کے بعد نئے جہانوں کی تلاش شروع کر دو۔"

"تمہارا مقصد ہے کہ میں کوریتا کو دھوکا دے دوں۔"

"ہاں۔ تم کوریتا کو دھوکا دو اسی طرح جیسے تم نے اپسرا کو دھوکا دیا تھا۔"

"گویا تم مجھ سے انتقام لے رہی ہو۔"

"اگر انتقام لے رہی ہوتی بابر داد خان تو تم جس مقام پر پہنچے ہو وہاں نہ ہوتے بھلے مجھ سے معذرت کیا کرو۔ انتقام لینے کے طریقے ایسے ہوتے ہیں۔ میں نے تمہیں ایک ایسی زندگی بخش دی ہے جو تم ساری دنیا کی دولت خرچ کر کے بھی نہیں حاصل کر سکتے تھے۔ اور تم میرے لئے ایسے جملے استعمال کر رہے ہو۔ کیا تم حق بجانب ہو؟"

"لیکن اپسرا میں بہت پریشان ہوں۔"

"ہر پریشانی ذہن سے نکال دو جب تک اپسرا کے غلام رہو گے عیش کرو گے۔ ہاں اس بات کو نوٹ کر لو اگر تم نے کبھی میری دسترس سے باہر رہنے کی کوشش کی یا مجھے دھوکا دینے کی کوشش کی تو وہ دن تمہاری زندگی کا بدترین دن ہوگا۔ اس دن سے تم اپنے لئے مصیبتوں کا آغاز کر لو گے۔"

"تو پھر میں کوریتا کا کیا کروں؟"

"بس وہ ایک عورت ہے اور اس سے زیادہ میں کچھ نہیں کہنا چاہتی۔" اس کی آواز بند ہو گئی۔ اور میں کوریتا کے بارے میں سوچنے لگا۔

واقعی ٹھیک تو کہا جب میں نے یہ زندگی اپنائی ہے تو پھر ان فضول ہنگاموں میں کیوں الجھ رہا ہوں۔ دل نہیں چاہتا تھا لیکن حالات مجبور کر رہے تھے میں برائیوں کی انتہا کی جانب قدم بڑھا دوں جو بہر طور شرافت اور انسانیت کے منافی ہو۔

لیکن تقدیر نے مجھے حالات کے ایک ایسے بھنور میں پھنسا دیا تھا کہ میں نکل ہی تو نہیں سکتا تھا۔ ایک معصوم [illegible] قتل ہو چکا تھا اس کے بعد کہنا تو خود [illegible] ہوں۔ ہاں میں قاتل تھا میں قاتل بن چکا تھا۔ اپنے ذہن کے گوشوں کو اچھی طرح [illegible] کی کوشش کر رہا تو یہ خود فریبی کے علاوہ کچھ نہ تھا۔ مجھے [illegible] بچی نہیں [illegible] کوشش کر رہا تھا لیکن [illegible] ہو سکتا تھا۔

اپسرا ایک دوست ہے [illegible]

اس کے بعد کوئی مشکل نہ رہے گی [illegible] نہیں کیوں مجھے [illegible] سکون کا احساس ہو [illegible] جاری رہی۔ اس [illegible] کوشل [illegible]

میں آیا۔ لیکن میں نے ذہن جھٹک دیا وہ خود ہی آئے گا تو دیکھا جائے گا۔"

ایک شام کورینا آئی تو اس کے چہرے پر ایک عجیب سی کیفیت چھائی ہوئی تھی۔ اس نے میری آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔

"ہنگامہ شروع ہو چکا ہے۔"

"کیا مطلب؟" میں نے چونک کر پوچھا۔

"کوشل نے آپ کا نام لے دیا ہے۔ میرے گھر میں اس نے کھل کر کہہ دیا ہے کہ میں ایک مسلمان آدمی کے جال میں پھنس گئی ہوں اس نے آپ کا پتہ وغیرہ سب بتا دیا ہے بابر جی اور میرے ماتا پتا اس سلسلے میں خاصے برافروختہ ہیں۔ انھوں نے مجھ سے بڑی سختی سے آپ کے بارے میں پوچھا اور میں نے ٹال مٹول کرکے ٹال دیا اس وقت میں بڑی مشکل سے آئی ہوں بہتر یہ ہے کہ ہم یہ جگہ چھوڑ دیں اور کوئی ایسی جگہ اپنا لیں جہاں ہم اور آپ رہ سکیں۔"

"مگر کورینا فوری طور پر اتنی جلدی یہ سب کیسے ممکن ہے؟"

"سب کچھ ممکن ہے باندرا ہل پر میری ایک سہیلی کا فلیٹ ہے وہ ان دنوں یورپ گئی ہوئی ہے۔ فلیٹ کی چابی میرے پاس ہے کسی کو اس بارے میں کچھ پتہ نہیں ہے کہ اس فلیٹ سے میرا کچھ تعلق ہو سکتا ہے ہم وہیں چل کر رہیں گے۔"

میں بے بسی سے اس کی صورت دیکھتا رہا تب کورینا نے جھلاتے ہوئے لہجے میں کہا۔

"دیکھو بابر داد خان میں اپنا سب کچھ چھوڑ کر تمہارے پاس آگئی ہوں اگر تم نے اس میں حیل و حجت کی تو اچھا نہیں ہوگا۔ جانتے ہو اس کے بعد میں تمہاری دوست نہیں دشمن بن جاؤں گی۔ میں نے اپنی زندگی داؤ پر لگا دی ہے اور تم مجھ سے اپنے میں حیل و حجت سے کام لے رہے ہو۔"

"یہ بات نہیں کورینا بس میں۔۔"

"بس کچھ نہیں یہاں سے چلو فوراً چلو، جا ہو تو اپنا ضروری بہت سامان سمیٹ لو" اس وقت اس کے علاوہ اور کوئی چارہ

دہلی کا واقعہ

محمد اعظم نے T.V خریدا جس کی گارنٹی ایک سال کی تھی جب بھی T.V بگڑا محمد اعظم نے کمپنی کو فون کیا، مکینک آیا اور درست کر گیا۔ ایک سال بعد خراب ہوا تو اپنے علاقے کے مکینک سے چیک کرایا۔ مکینک نے تیس روپے فیس چیک کرائی، شام کو آیا T.V دیکھا، اینٹینا گھمایا اور چلا گیا۔ T.V کام کرنے لگا۔ ہر مہینے میں ایک دو بار ایسا ہوتا۔ ایک روز محمد اعظم نے ایک دوکان پر "T.V گائیڈ" نامی کتاب بکتی دیکھی ۱۲۵ روپے میں خرید لی۔ پڑھی تو معلوم ہوا کہ ۷۵ فیصد T.V کی خرابی صرف اینٹینا کی خرابی سے ہوتی ہے۔ آخر میں کتاب والا کا چھپا ہوا کلر T.V گائیڈ کا بھی اشتہار دیکھا، محمد اعظم نے "کلر T.V گائیڈ" بھی ۱۵۰ روپے میں خرید لی اور اسے پوری توجہ سے کئی کئی بار پڑھا۔ بہت سی باتیں معلوم ہوئیں تو محمد اعظم نے بہت کم وقت کا سامان جو T.V کو چیک کرنے میں مدد دیتا ہے ستر روپے میں خرید لیا۔ اپنے T.V پر ہی پہلا کام کیا اور کامیاب رہے۔ ہمت بڑھی۔ پڑوس کے لوگوں کے ٹی وی بھی درست کئے اور تین مہینے میں خود پر بھروسہ کرنے لگے۔ ایک دن دیکھا ——

محمد اعظم کے گھر پر بورڈ لگا تھا:

"کلر اور بلیک اینڈ وائٹ T.V ریپیئر ہاؤس" ملنے کا وقت: صبح ۸ سے ۹ بجے تک، شام چھ بجے کے بعد

اس طرح محمد اعظم نے اپنے لئے پارٹ ٹائم ورک حاصل کرکے اپنی آمدنی بھی بڑھائی اور اپنے T.V کی مرمت فیس سے بھی بچ گیا۔ ہر وہ انسان جو اردو پڑھنا جانتا ہو اور T.V سے دلچسپی رکھتا ہو T.V گائیڈ اور کلر T.V گائیڈ پڑھ کر اچھا میکینک بن سکتا ہے —— رام کرشن اگروال

نہیں تھا کہ میں کورینا کے کہنے پر عمل کروں۔ مجھ پر تو دونوں ہی طرف سے دباؤ تھا۔ چنانچہ میں نے چند جوڑی کپڑے ایک سوٹ کیس میں رکھے، ملازم کو ہدایت دی اور کہا کہ میں باہر جا رہا ہوں اور اس کے بعد میں کورینا کے ساتھ وہاں سے نکل آیا۔

ہم دونوں باندرا ہل کے اس فلیٹ میں پہنچ گئے جس کی چابی کورینا کے پاس تھی بڑا خوبصورت اور سجا سجایا فلیٹ تھا۔

کورینا نے کہا تھا کہ یہ اس کی سہیلی کا فلیٹ ہے اور سہیلی اس وقت ملک سے باہر ہے اس لئے یہاں کوئی دقت نہیں تھی ویسے بھی دور دراز اور الگ تھلگ علاقہ تھا۔ لوگ ہمیں تلاش کرتے ہوئے یہاں نہیں پہنچ سکتے تھے۔ فلیٹ میں آنے کے بعد کورینا بہت خوش نظر آ رہی تھی۔ اس نے کہا۔

"ہم تھوڑی سی کوشش کرکے ایک ملازم رکھ لیں گے جو ہمارے لئے کھانا وغیرہ بنائے گا باہر سے سودا سلف لائے گا اور ہم یہاں مزے کی زندگی گزاریں گے۔ کچھ دن ہنگامہ ہوگا اس کے بعد جب حالات پرسکون ہو جائیں گے تو ہم یہاں سے دور کہیں لکھنؤ نکل چلیں گے وہاں ہم اپنی نئی زندگی کا آغاز کریں گے تم اپنا کاروبار سمیٹ لو۔"

"اوہ کورینا اتنا طویل پروگرام۔"

"محبت کے لئے تو لوگوں نے بادشاہت چھوڑی ہے تم اپنا چھوٹا سا کاروبار نہیں چھوڑ سکتے۔ اور پھر میں جو ہوں تمہارے ساتھ سب ٹھیک ہو جائے گا بابر جی سب ٹھیک ہو جائے گا۔"

میں نے کوئی جواب نہیں دیا اپنے ذہن کو میں نے آزاد چھوڑ دیا تھا۔ الجھنیں پالنے سے کوئی فائدہ نہیں تھا چنانچہ میں کورینا کی ہدایت پر عمل کرنے لگا وہ بڑی جذباتی لڑکی تھی میرے لئے دیوانی ہو رہی تھی اور میں بھی اس کی دیوانگی کا شکار ہو گیا ہمیں فلیٹ میں رہتے ہوئے تقریباً ایک ہفتہ گزر گیا تھا۔ اور یہ ایک ہفتہ میرے لئے بڑی اذیتوں کا باعث تھا میں نہیں چاہتا تھا کہ کورینا مجھ سے روٹھ جائے لیکن حالات کے ہاتھوں میں بے بس ہو گیا تھا۔

آٹھواں دن گزر رہا تھا ایک دن کورینا باتھ روم میں غسل کر رہی تھی اور میں اپنے کمرے کی کھڑکی سے باہر کے مناظر دیکھ رہا تھا کہ دفعتاً مجھے اپنے کانوں میں اپسرا کی آواز سنائی دی۔

"بابر داد خان اس لڑکی سے دل بھر گیا تمھارا؟"

"کک... کیا مطلب؟"

"میرا مطلب ہے اب تو یہ تمہارے لئے باعث کشش نہیں رہی ہوگی؟"

"مجھ سے تم کیا کہنا چاہتی ہو؟"

"جو کچھ میں کہنا چاہتی ہوں اسے غور سے سن لو میں نے تمہاری ہر خواہش کی تکمیل کر دی ہے اب وہ لڑکی تمہارے لئے ایک عام سی لڑکی ہو کر رہ گئی ہے اس لئے اب اس کا تمہاری زندگی میں دخل ضروری نہیں ہے۔"

"کک... کک... کیا مطلب؟"

"میں نے تمھارا کام کیا اب تم میرا بھی تو کام کرو۔ اندازہ ہے کتنے دن ہو گئے مجھے۔"

"میں کچھ نہیں سمجھا اپسرا براہ کرم مجھے کھل کر بتاؤ۔"

"کورینا کو قتل کر دو۔" اپسرا کی آواز میرے کانوں میں گونجی اور میرا پورا بدن پتھر میں تبدیل ہو گیا۔ در حقیقت میں اپنی مرضی سے ہاتھ پاؤں بھی نہیں ہلا سکتا تھا۔

"کیوں چپ کیوں ہو گئے؟"

"کک... کیا کہہ رہی ہو اپسرا؟"

"ہاں۔ مجھے اس کے خون سے غسل کی ضرورت ہے کیونکہ بابر داد خان اسی لئے میں نے بہت عرصے تک یہ مشکل کوشش کی تھی مجھے اس کا خون درکار ہے اور تمہیں وہی کرنا ہے جو میں کہہ رہی ہوں۔"

"خدا کے لئے، خدا کے لئے اپسرا مجھ سے اتنا بڑا امتحان نہ لو۔"

"تم غداری کرنے کی کوشش کر رہے ہو بابر داد خان مجھے تمہاری اس بات سے سخت نفرت ہے۔ میں تمہارے مقاصد کی تکمیل کے لئے ہر قدم اٹھانے کو تیار ہوں اور تم جب یہاں تک کسی چھوٹے موٹے کام کے لئے کہتی ہوں تم اسی طرح حیل و حجت کرتے ہو یہ تم میرے مقابلے کو داؤ دے رہے ہو جانتے ہو اگر تم نے میری ہدایت پر عمل نہیں کیا تو کیا ہوگا؟"

"اپسرا اپسرا کورینا میرے ہاتھوں قتل ہو جائے گی میں یہ نہیں کر سکوں گا۔"

"اچھی بات ہے اگر تم یہ نہ کر سکے تو پھر میں ہی کر لیتی ہوں۔" اس نے کہا اور میں لرز گیا۔

"سنو تو، سنو میری بات تو سنو اپسرا۔"

"کل شام کو اسے سمندر کے کنارے لے جاؤ اور وہیں سب کچھ کر دو جو تم کر سکتے ہو سمجھے یہ میرا آخری فیصلہ ہے اور اس میں ترمیم ممکن نہیں ہے۔" اس نے کہا اور اس کی آواز معدوم ہو گئی میں چند لمحات کے لئے ہوش و حواس سے عاری ہو گیا تھا۔

ہاتھ دہشت زدہ انداز میں پھیل گئے۔ میں نے مجسمے کے پیروں کے نزدیک رکھا ہوا طشت اٹھایا اور اس کی گردن اس پر جھکا دی کوبنا کے حسین بدن کا سارا خون گردن سے نکل کر اس طشت میں جمع ہو رہا تھا۔ اس کا بدن ہولے ہولے پھڑک رہا تھا۔ نرخرہ کٹ جانے کی وجہ سے اب اس کی آواز بھی نہیں نکل رہی تھی اور کوئی ہچکی سی چیخ بھی نہیں نکل سکی تھی اس کے منہ سے ہاں نرخرے کی خرخراہٹ طشت میں سے بلند ہو رہی تھی۔

میں وحشیانہ انداز میں آنکھیں پھاڑے اس ابلتے ہوئے خون کو دیکھتا رہا اور چند لمحات کے بعد طشت میں اچھا خاصا خون جمع ہو گیا تب میں نے اپنا دوسرا فرض پورا کیا خون کا طشت اٹھایا اور مجسمے کے سر پر انڈیل دیا مجھے یوں محسوس ہوا تھا جیسے مجسمے کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی ہو پھر اس نے آہستہ سے کہا۔

"شکریہ بابر داد خان تمہارا بہت بہت شکریہ بس اب واپس چلے جاؤ ہاں اگر کچھ خوف محسوس کر رہے ہو تو اس لاش کو اٹھا کر پانی میں پھینک دو۔ میں نے اس کے اس حکم پر بھی عمل کیا اور پھر وہاں سے واپس چل پڑا۔ ٹیکسی جا چکی تھی میں دنیا و مافیہا سے بے خبر پاگلوں کی طرح سمندر سے دور بھاگا چلا جا رہا تھا۔!

میرا سانس پھول رہا تھا حالت عجیب ہو گئی تھی میں نے کوشش کی تھی کہ کوبنا کے خون کے چھینٹے مجھ پر نہ پڑنے پائیں اور میں اس میں کامیاب رہا تھا چنانچہ میرے لباس پر خون کا کوئی دھبہ نہیں تھا معصوم کوبنا زندگی چھوڑ کر موت کی آغوش میں جا سوئی تھی۔ تھوڑی دیر بعد میں اس جگہ پہنچ گیا جہاں سے مجھے ٹیکسی مل سکتی تھی لیکن مجھے خطرہ تھا کہ کہیں ٹیکسی والا میری اس حالت کو دیکھ کر مشکوک نہ ہو جائے۔ چنانچہ اس کے باوجود میں کافی دور تک پیدل چلتا رہا پھر جب میری سانس اعتدال پر آ گئی اور حواس کسی قدر بحال ہو گئے تو ایک سینما ہاؤس کے سامنے سے میں نے ایک ٹیکسی لی اور اپنے اس فلیٹ کی جانب چل پڑا جو کوبنا نے میرے لئے مخصوص کیا تھا۔

میری کچھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کیا کروں کوئی بات جو کچھ میں آ رہی ہو۔ کوبنا کے فلیٹ میں داخل ہوا تو وحشت نے چاروں طرف سے گھیر لیا۔ دل کی حالت ایسی عجیب تھی کہ بیان نہیں کر سکتا۔ یہاں ایک لمحے کو دل نہ چاہا ہر گوشے سے کوبنا کی آواز ابھر رہی تھی۔

چنانچہ میں نے یہی بہتر سمجھا کہ اپنے ہی مکان پر پہنچ جاؤں ایک بار پھر میں ٹیکسی کر کے اپنے مکان کی جانب جا رہا تھا ملازم گھر پر موجود تھے۔ گھر کے سارے معاملات حسب معمول تھے کوئی تبدیلی نہیں ہوئی تھی۔ میں نے اپنے آپ کو بالکل درست کر لیا تھا۔ پھر میں نے ملازم سے پوچھا۔

"اس دوران کوئی آیا تو نہیں" "آپ اتنے عرصے کے لئے کہاں چلے گئے تھے۔"

"پونا گیا تھا۔" میں نے جواب دیا اور وہ خاموش ہو گیا ظاہر ہے وہ ملازم تھا اس سے زیادہ گفت و شنید نہیں کر سکتا تھا۔ اپنے کمرے میں جا کر پھوٹ پھوٹ کر رو پڑا میری آنکھوں سے آنسوؤں کے دھارے پھوٹ رہے تھے۔ کوبنا یاد آ رہی تھی جس کے ساتھ حسین لمحات گزارے تھے میں نے اس کے ساتھ، لیکن اب وہ میرے ہی بے رحم ہاتھوں موت کا شکار ہو چکی تھی کیا کروں؟ کیا کرنا چاہئے کیسے اس بلا سے چھٹکارا حاصل کرنا چاہئے کس طرح اپنی زندگی بچاؤں اس سے۔ لعنت ہے اس کمبخت پر، کس عذاب میں گرفتار ہو گیا۔ بہت کچھ یاد آ رہا تھا۔ ماما، ڈنگا، سلمان، ستارہ شمائیل۔ آہ میں نے ستارہ شمائیل کی ہم شکل کو ایک بار پھر خود سے جدا کر دیا تھا۔ کالی ویران رات طرح گزر گئی نیند کا کوئی پتہ نہیں تھا میں نے غراتے ہوئے لہجے میں اسے پکارا۔

"اپسرا۔" میرے حلق سے وحشت زدہ سی آواز ابھری اور اس کی کھنکتی ہوئی سی ہنسی میرے کانوں میں ابھر آئی۔

"دیکھ رہی ہوں اتنی دیر سے تمہیں دیکھ رہی ہوں کچی

خلیفہ کی قیمت

ایک دن ہارون رشید بہلول کے ساتھ حمام میں گیا۔ خلیفہ نے بہلول سے مذاق میں پوچھا۔ "اگر میں غلام ہوتا تو اس حالت میں میری قیمت کیا لگتی.....؟"

بہلول نے جواب دیا۔ "پچاس دینار۔"

خلیفہ غصے ہو کر بولا۔ "پگلے! صرف یہ تہمد جو میں نے باندھ رکھا ہے، پچاس دینار کا ہے۔"

بہلول نے جواب دیا۔ "میں نے صرف تہمد ہی کی قیمت لگائی ہے ورنہ خلیفہ کی کوئی قیمت نہیں ہے۔"

محمد ابراہیم جمالی۔ نیو کراچی

طرح دیکھ رہی ہوں بڑے عجیب ہو تم بابر داد خان دنیا کی ساری آسائشیں میں نے تمہارے قدموں میں ڈال دی ہیں اور تم میرے اس چھوٹے سے کام سے اس طرح گھبراتے ہو۔"

"چھوٹا سا کام، تو نے مجھے کہیں کا نہ رکھا اپسرا۔ میں تجھ سے نفرت کرتا ہوں۔ بے پناہ نفرت۔"

"اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا بعض اوقات کچھ دوست ایسے بھی ہوتے ہیں جو نفرتوں کے درمیان دوستی کو پروان چڑھاتے ہیں۔"

"میں ایسی دوستی پر لعنت بھیجتا ہوں۔"

"بھیجتے رہو مجھ پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔"

"میرا پیچھا چھوڑ دے اپسرا میرا پیچھا چھوڑ دے۔ میں اب تیرے لئے کچھ نہیں کر سکتا میں یہ گھناؤنا کام انجام نہیں دے سکتا تو نے دو ایسی ہستیوں کو مجھ سے قتل کرایا جو میرے لئے بڑی محترم تھیں جن سے مجھے دلی لگاؤ ہو گیا تھا۔"

"یہ تو تمہاری بھول ہے بابر جی میرا کیا قصور تم نے دل لگایا ان سے حالانکہ تم جانتے ہو کہ میں نے تمہیں اپنے کام کے لئے مخصوص کر رکھا ہے اور ابھی کہا ہے مجھے اکتیس انسانوں کے خون سے نہانا ہے جو کچھ تم مجھ سے چھین چکے ہو وہ مجھے دوبارہ حاصل کرنا ہے کچھ تم بابر جی، تم اکتیس زندہ انسان میری بھینٹ چڑھاؤ گے ابھی تو ان میں سے دو ہوئے ہیں انتیس باقی ہیں۔"

"میں اب تیرے لئے کچھ نہیں کروں گا۔ مجھے یہ سب کچھ نہیں چاہئے۔ میں فقیری کی زندگی بھی بسر کر لوں گا کسی مزار پر جا پڑوں گا کسی مسجد میں موذن بن کر اپنی زندگی گزار دوں گا لیکن ایسا گھناؤنا کام اب نہیں کروں گا۔"

"میں تمہیں چھوڑ دوں گی جب نا۔" اپسرا نے جواب دیا۔

"تجھے چھوڑنا ہوگا مجھے۔ میں اب تیرے احکامات کی پیروی نہیں کر سکتا۔"

"دیکھو بابر داد خان مجھے غصہ مت دلاؤ میں نے تمہارا انتخاب بلاوجہ نہیں کیا تم ہی وہ ہو جو سلمان کو تیار کر کے مجھ تک لائے تھے، تم ہی وہ ہو جس نے مجھے دھوکا دے کر مجھ سے میرا سب کچھ چھین لیا، تم نے مجھ سے میری ہزاروں سال کی زندگی چھین لی مجھے تباہ کیا اس کے جواب میں، میں تمہیں محبت دوں گی، پیار دوں گی لیکن اس کے باوجود میں نے تمہیں وہ زندگی دی جو اچھے اچھوں کو حاصل نہیں ہے اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ میں نے تمہیں ایک طویل زندگی مہیا کر دی ہے اس میں اضافہ بھی ہو سکتا ہے لیکن اس وقت جب میں اپنی پوری عمر پا لوں ہاں۔ بابر داد خان تم سن لو مجھے اکتیس انسانوں کے خون کے غسل کی ضرورت ہے، یہ خون میرے مسامات سے گزر کر میرے بدن میں اتر جائے گا اور میرا بدن جب بے پناہ قوت حاصل کرے گا تو میں ایک آتش کدہ بناؤں گی۔ اس آتش کدہ میں مجھے اکتیس دن تک آگ کا غسل کرنا ہوگا اور جب میں آگ کے اس غسل سے نکلوں گی تو میں پھر وہی اپسرا بن چکی ہوں گی ہاں میری قوتیں میرے پاس موجود ہیں لیکن میں اپنا بدن حاصل نہیں کر سکتی۔ میں وہ قوت حاصل نہیں کر سکتی جو مجھے حاصل تھی۔"

"اس کے حصول کے لئے مجھے اس عمل سے گزرنا ہوگا۔ یہی میرا گمان ہے یہی میری قوت ہے اور تمہیں میرا آلۂ کار بننا ہوگا جس طرح بھی ہو سکے گا تم میرے لئے کام کرتے رہو گے۔"

"میں نہیں کروں گا تو جہنم میں جا مجھے اب تجھ سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔"

"اچھی بات ہے تم میرے غصہ کو آواز دے رہے ہو تو اس کا نتیجہ بھی بھگت لینا۔"

"ہاں ہاں بھگت لوں گا اب کچھ بھی ہو جائے مجھے اس کی پرواہ نہیں ہے۔" میں نے کہا اور خاموش ہو گیا۔ اپسرا کی آواز بھی معدوم ہو گئی تھی۔

رات بھر میں جاگتا رہا میرے ذہن میں لاتعداد منصوبے جنم لے رہے تھے پھر میں نے یہی سوچا کہ بمبئی سے بھاگ جاؤں کہیں اور چلا جاؤں کسی ایسی جگہ جہاں اپسرا کا وجود مجھ تک نہ پہنچ سکے۔ یہ فیصلہ کرنے کے بعد میں نے تیاریاں شروع کر دیں تھوڑا سا سامان ایک بیگ میں رکھا اور کچھ رقم جو نقدی کی شکل میں میرے پاس موجود تھی لے کر چل پڑا۔

میرا رخ ریلوے اسٹیشن کی طرف تھا۔ رات کے تقریباً چار بجے تھے میں جب ریلوے اسٹیشن پہنچ گیا۔ ریلوے شیڈول دیکھا تو کوئی ٹرین اس وقت کہیں نہیں جاتی تھی۔ صبح سات بجے پہلی ٹرین جانا تھی۔

یہ وقت میں نے ویٹنگ روم میں ہی گزارنا مناسب سمجھا۔ دل میں طرح طرح کے وسوسے آ رہے تھے۔ طرح طرح کے خیالات ذہن میں گونج رہے تھے۔ پھر صبح کا اجالا پھوٹنے لگا۔ میں تھکا ہارا اپنی جگہ بیٹھا تھا حالت بہت زیادہ خراب ہو رہی تھی بہتر طور جب ساڑھے چھ بجے تو میں ریلوے [illegible] ساڑھے سات بجے والی ٹرین کے بارے میں مجھے اندازہ ہو گیا تھا کہ وہ [illegible] جاتی ہے۔

چنانچہ میں نے ٹکٹ خریدا اور انتظار کرنے لگا۔ تھوڑی دیر
کے بعد میں ریلوے کمپارٹمنٹ میں داخل ہو گیا۔ کمپارٹمنٹ میں بہت
سے لوگ تھے۔ ٹرین کہیں دور سے آ رہی تھی اس لئے مسافر سوئے
ہوئے تھے۔ اکا دکا افراد ہی جاگ رہے تھے میں اپنے لئے جگہ ڈھونڈ
کر بیٹھ گیا۔ میں نے جان بوجھ کر ریلوے کے تھرڈ کلاس کا ٹکٹ لیا
تھا تاکہ مجھے کسی قسم کی کوئی الجھن نہ پیش آئے اور انسانوں
کے درمیان رہ کر میں اپنے آپ کو پرسکون کر سکوں۔ یہاں ٹرین
تقریباً آدھے گھنٹے رکی تھی۔ آدھے گھنٹے بعد جب ٹرین چلی تو ایک
آدمی کمپارٹمنٹ میں چڑھ آیا۔ میں نے اس کی طرف توجہ نہیں
دی تھی لیکن اتفاق سے اس کی سیٹ میرے برابر کی تھی چنانچہ
وہ بیٹھ گیا۔

تھوڑی دیر اسی طرح خاموشی سے گزر گئی۔ میں نے محسوس
کیا تھا کہ ایک نیا مسافر بھی میرے پاس آ کر بیٹھا ہے لیکن میں نے
اس کی طرف توجہ نہیں دی تھی۔ پھر جب میں نے اس کی طرف دیکھا
تو میرے ہوش و حواس ہی رخصت ہو گئے۔

یہ واحد تھا' ہاں یہ واحد ہی تھا جو مسکراتی نگاہوں سے
مجھے دیکھ رہا تھا۔

"ہیلو بابر داد خان بڑی گہری سوچ میں گم ہو' کیا سوچ
رہے تھے؟"

"تم۔ تم۔"؟

"ہاں۔ میں۔ میں دہلی جا رہا ہوں' تمہارا کہاں کا ارادہ ہے؟"
واحد نے کہا۔

"کہیں بھی۔ بس میرا دل اب یہاں نہیں لگ رہا۔"

"اوہو' اپنا کاروبار' اپنی جائیداد سب کچھ چھوڑ رہے ہو
تم۔"

"ہاں واحد تم اگر چاہو تو اسے حاصل کر سکتے ہو۔ میں تمہیں
اس کا مالک بنا دوں گا۔"

"نہیں بابر داد خان مجھے تمہاری جائیداد کی ضرورت
نہیں تھی جو کچھ مجھے درکار تھا وہ تو تم نے مجھے دیا ہی نہیں اور
جو کچھ تم کر کے آئے ہو وہ بھی میرے لئے حیرت انگیز ہے لاکھ
یقین کرنے کی کوشش کرتا ہوں لیکن دل نہیں مانتا یہ تمہیں
کیا ہو گیا تھا تمہیں؟"

"کیا مطلب؟" میں نے خوفزدہ لہجے میں پوچھا۔

"تم نے رانا جہانگیر کی ساری دولت ٹھکرا دی' رانا
مسعود کا سب کچھ چھوڑ دیا۔ ایک حسین عورت ٹھکرا دی۔ ایک
معصوم بچے کو قتل کر کے فرار ہو گئے آخر اس نے کیا بگاڑا
تھا تمہارا۔"

"بکواس... کیا بکواس کر رہے ہو میں نے کسی کو قتل نہیں
کیا' میں نے کوئی خون نہیں کیا۔"

"بابر داد خان تمہارے کچھ ہمدرد وہاں موجود ہیں
خاص طور سے بیگم جہانگیر اگر وہ عورت تمہارا بچاؤ نہ کرتی تو
اب تک تمہارا نہ جانے کیا ہو گیا ہوتا اور اگر میں تم سے مایوس
ہو گیا ہوتا تو بھی تم مصیبتوں کا شکار ہو گئے ہوتے مجھے بابر
داد خان۔ میں نے یہی سوچا کہ جلد بازی کرنے کے بجائے ذرا
صبر کروں' اطمینان سے تمہارے پاس آؤں اور تم سے حالات
معلوم کروں' لیکن تم تو یہاں سے فرار ہو رہے تھے۔ کیا بیٹا
ہے کیا دل کے چور نے چین نہیں لینے دیا۔" واحد مسکراتا
ہوا بولا۔

"تم فضول بکواس مت کرو' ورنہ مجھ سے برا کوئی نہ ہو گا۔"
میں نے غصیلے لہجے میں کہا۔

"تم سے برا تو واقعی کوئی نہیں ہے جو شخص اس درندگی
سے ایک معصوم بچے کو موت کے گھاٹ اتار دے وہ واقعی برا
انسان ہو سکتا ہے۔" واحد نے کہا۔

"میں کہتا ہوں' میں نے اسے نہیں مارا۔"

"ارے ارے یہ ٹرین ہے چیخنے کی کوشش نہ کرو لوگ
جاگ جائیں گے اور پھر یہیں اسی جگہ تمہارا کریا کرم ہو جائے گا
سمجھے۔" واحد نے کہا اور میں سہم کر خاموش ہو گیا۔

"آرام سے بیٹھو اس وقت بھی تمہیں مجھ سے کوئی خطرہ
نہیں ہے۔ میں ٹھنڈا کر کے کھانے کا عادی ہوں تم سے گفتگو کروں
گا حالات معلوم کروں گا بات چیت کروں گا اور اس کے بعد ہم
کوئی فیصلہ کر لیں گے ایسی کون سی مشکل بات ہے بلکہ میں تمہیں
ایک مشورہ دوں بابر داد خان۔"

"کیسا مشورہ۔"؟

"اگلے اسٹیشن پر اتر جائیں واپس بمبئی چلتے ہیں۔"
تمہارے بارے میں کسی کو بھی یہ پتہ نہیں ہے کہ دراصل تم
کون تھے۔ رانا مسعود کا مسئلہ بے شک وہاں الجھا ہوا ہے بلکہ پولیس
بھی کافی تگ و دو کر رہی ہے لیکن ان میں سے کسی کو یہ نہیں معلوم
کہ رانا مسعود اصلی نہیں تھا اور کوئی نقلی یعنی بابر داد خان نامی
آدمی تھا یہ بات صرف واحد فرد واحد کو معلوم ہے اور واحد
بھلا تمہارے خلاف عمل کیوں کرے گا کوئی ایسی ترکیب کر لیں
گے جس سے تمہارا راز بھی نہ کھلے اور ہمارا کام بھی بن جائے میں
ایک بار پھر تمہیں سنجیدگی سے سوچنے کی دعوت دیتا ہوں۔"

میں واقعی سنجیدگی سے سوچنے لگا۔

واحد جانے بے درماں کی طرح میرے گلے آ پڑا تھا اور
ایسے نازک وقت میں آ پڑا تھا جبکہ میں دوہرے قتل کا مجرم بن
گیا تھا۔ درحقیقت یہ شخص اگر میرے خلاف گواہی دے دے تو
میرے بارے میں ثبوت مہیا ہونے میں پولیس کو کوئی دقت
نہ ہو گی۔

میں بہر طور رانا مسعود کا ہمشکل تھا اور بابر داد خان
کے نام سے یہاں کے حلقوں میں جانا پہچانا جاتا تھا۔ اگر میری
شناخت کرائی جاتی تو کوٹھی کے تمام افراد یہ کہہ دیتے کہ وہ میں
ہی تھا جس نے اس بچے کو اپنے ساتھ کہیں لے جا کر قتل کر دیا
لیکن یہ بات یہیں تک محدود نہیں تھی۔ رانا محل میں تو مجھے اور
بھی لوگ جانتے تھے۔ سارے کے سارے میرے واقف کار تھے
اس طرح اب مجھے کیا کرنا چاہئے چنانچہ میں نے صبر و سکون سے سوچنا
ضروری سمجھا اور پھر میں واحد سے بولا۔

"تم دہلی کیوں جا رہے تھے؟"

"بس کچھ کام تھا تھوڑے دن میں واپس آ جاؤں گا یہاں
بمبئی۔"

"تو پھر یوں کرتے ہیں کہ میں تمہارے ساتھ دہلی ہی چلتا
ہوں' وہاں تم اپنا کام کرنا میں سکون کے کچھ لمحات گزاروں گا
وہیں بیٹھ کر ہم آئندہ کے لئے معاملات طے کر لیں گے کہ ہمیں کیا
کرنا چاہئے اور پھر اگر ضرورت پیش آئی تو واپس بمبئی آ جاؤں گا۔"
میں نے کہا۔

"دہلی میں تم بھاگنے کی کوشش تو نہیں کرو گے؟ بابر داد
خان۔"

"تم جس طرح چاہو اطمینان کر لینا۔"

"میرے ہاتھ بہت لمبے ہیں واحد کو تم نے غلط سمجھا تھا وہ
اتنا مختصر نہیں ہے۔" واحد نے جواب دیا۔

"ٹھیک ہے ٹھیک ہے اب فضول باتوں سے گریز کرو میرا
ذہن پریشان ہے۔"

"مثلاً اتنا عرصہ بمبئی میں رہنے کے بعد تم دہلی کیوں جا رہے تھے؟"

"بس دلی اضطراب چھپائے نہ چھپ رہا تھا لیکن تم نے
اس بچے کے قتل کی کیا بات کر دی؟"

"دیکھو بھئی اب مجھ سے بننے کی کوشش مت کرو حیران
تو میں بھی اتنا ہی ہوں کوئی بات سمجھ میں نہیں آئی ہے آخر اس معصوم
کو قتل کر کے تمہیں کیا مل گیا لیکن اتنا میں جانتا ہوں کہ بچے کو قتل
تم نے ہی کیا ہے۔"

"اگر تم نے یہ بکواس جاری رکھی واحد تو میں تمہیں زندہ
نہیں چھوڑوں گا اس بات کو ذہن میں رکھ لو۔ میں نے کسی کو
قتل نہیں کیا میں تو وہاں سے صرف خوفزدہ ہو کر بھاگ آیا۔
اس خوف سے کہ کہیں حالات میرے خلاف نہ ہو جائیں۔ وہ
لوگ مجھے پہچان نہ جائیں میں بھلا تمہیں تمہاری مطلوبہ زمین کیسے
دے سکتا تھا میری اپنی حقیقت ہی کیا تھی اس خاندان کو دھوکا
دیتے ہوئے مجھے دکھ ہو رہا تھا۔

"ہرگز نہیں' ساری معلومات میں حاصل کر چکا ہوں
پولیس بھی تمہاری لاشوں پر سوچ رہی تھی بلکہ سچ بات یہ ہے
کہ پولیس کو تمہاری تلاش بھی ہے۔ وہ رانا مسعود کو تلاش کرتی
پھر رہی ہے۔ ہاں اگر اسے یہ شبہ ہو جاتا کہ بابر داد خان نامی
ایک شخص ایک جگہ چھپا بیٹھا ہے تو پھر یقیناً وہ تم تک پہنچ جاتی
بچے کو تم اپنے ساتھ لے گئے تھے اور پھر بہت دور کھنڈرات میں
اس کی لاش پائی گئی تمہارے علاوہ وہ کسی اور کے ساتھ باہر
نہیں جا سکتا تھا۔ چنانچہ سارے حالات تمہارے ہی خلاف ہیں
البتہ پولیس یہ سوچ رہی ہے کہ رانا مسعود رانا جابر کی طرح بچے
کو راستے سے ہٹانے کا خواہشمند تھا تاکہ دولت پر اس کا قبضہ
ہو سکے۔ وہ لوگ انتظار کر رہے ہیں کہ رانا مسعود کسی ذریعے
سے اس دولت کے حصول کی کوشش کرے تو وہ رانا مسعود کو
جا پکڑیں اسی سلسلے میں انہوں نے جگہ جگہ فون بھی کئے ہیں
میں ساری معلومات حاصل کرتا رہا ہوں۔"

کمال ہے اس بچے کو کس نے قتل کر دیا۔ وہ میرے
ساتھ گیا ضرور تھا۔ لیکن پھر میں نے واپس کوٹھی پہنچا دیا تھا۔
اور اس کے بعد اس رات میں خاموشی سے نکل آیا۔"

"ہرگز نہیں تم بچے کو لے کر گئے تھے اور پھر واپس کوٹھی
نہیں پہنچے۔" واحد نے کہا اور میں خاموش ہو گیا۔

میں نے اپنی سیٹ کی پشت سے ٹیک لگا کر آنکھیں بند
کر لی تھیں۔ دل و دماغ کا وہ عالم تھا کہ بیان سے باہر ہے واقعی
واحد سب کچھ سمجھ چکا تھا اور سب کچھ جانتا تھا' اب اس کے علاوہ
اور کوئی چارہ کار نہیں تھا کہ میں واحد کو بھی قتل کر دوں۔ ہاں
جب دو قتل کر چکا ہوں تو اس تیسرے قتل سے مجھے کیا عار ہو سکتا
ہے۔ میں قاتل بن گیا تھا۔

زندگی میں اتنی الجھنیں پیدا ہو گئی تھیں کہ بعض اوقات
تو زندہ رہنے کو جی نہیں چاہتا تھا۔ کیا کروں گا اس طرح زندگی
گزار چکا ہوں لوگ تو اس عمر میں بوڑھے ہو جاتے ہیں بڑے بزرگ
ہو جاتے ہیں۔ مجھ پر پھر سے جوانی آئی تھی اور اس جوانی کے

تو اسے بھی کچھ ہو جاتا ویسے ہی ہو گئے تھے اگر وہ ہوتے تو میں کسی
قیمت پر بے چاری کوثر کو اس طرح حاصل کر کے تباہ و برباد نہ
کر جاتا۔ میں شیطانی چکر میں پھنس گیا تھا۔
یہ شیطانی چکر تو اسی وقت شروع ہو گیا تھا جب سلمان
نے اپنے باپ کا صندوق کھلوایا تھا۔ آہ میں تنہا رہ گیا وہ سب تو
موت کے گھاٹ اتر گئے اسپر کا کیا مجبور سلمان کے بارے میں
سچ کہہ رہی تھی یا جھوٹ میرے سامنے ہی سب کچھ ہوا تھا لیکن
میں۔ میں زندہ بچ گیا تھا۔ اور ایک شیطانی چکر میں پھنس گیا
تھا۔ اس شیطانی چکر نے مجھے کہاں کہاں پریشان کیا۔ یہاں
میرے خاندان کے کچھ افراد موجود ہوں گے ممکن ہے میرے
بھائی بھی زندہ ہوں۔ اگر میں کوشش کر کے ان تک ہی جا
پہنچتا تو ممکن تھا کہ حالات بدل جاتے۔ اور میری بقیہ زندگی سکون
سے گزر جاتی۔ لیکن یہ پتہ کیسے چلے مجھے تو یہاں لانے والی بھی یہی
کوثر تھی۔ کچھ بھی ہو جائے اسپر کے بارے میں اب شک نہیں
کروں گا۔

"اس بچے کی موت ہی کیا کم تھی میرے لئے کہ اب کوثر بھی
میرے ہاتھوں ماری گئی اور اب نہ جانے کیا ہوگا" نہیں واحد
میں تجھے زندہ نہیں چھوڑوں گا۔ تو میرا واحد راز دار ہے۔ اگر تجھ
سے نجات مل گئی تو ممکن ہے میری باقی زندگی سکون سے گزر
جائے۔ میں یہی سوچ رہا تھا۔ اور واحد بار بار مسکرا رہا تھا۔ وہ
مجھے دیکھ لیتا تھا۔ وہ میری ذہنی واردات سے بے خبر شاید ابھی
سوچ میں غرق تھا کہ میں کشمکش کا شکار ہوں بالآخر اس نے
میرے شانے پر ہاتھ دھر کے کہا۔

"ڈیئر بابر داد خان بلا وجہ پریشان ہو رہے ہو۔ بھائی
اگر تمہارے دل میں رانا جہانگیر کی دولت حاصل کرنے کا خیال
تھا تو تم وہاں سے بھاگ کیوں آئے۔ تمہیں تو بڑی آسانیاں
حاصل تھیں۔ آرام سے رانا جہانگیر کی بیوی کے ساتھ شادی
کر لیتے کوئی ایسی ناجائز بات بھی نہ ہوتی اس کے بچے کی پرورش
کرتے اور تمام جائیداد دولت تمہارے ہاتھ لگ جاتی۔ اس
کے بعد میرا حصہ مجھے دے دیتے اور خود عیش سے زندگی گزارتے
رہتے۔ ساری زندگی کسی کو پتہ نہ چل پاتا کہ تم رانا مسعود نہیں ہو
لیکن پتہ نہیں تمہارے دماغ میں کیا سمائی کہ تم نے اس بچے
کو قتل کر دیا۔ اگر یہ بہتر تھا تو پھر وہاں سے
بھاگ کیوں آئے۔ اور میں کچھ سمجھتا ہوں تمہارے ذہن میں خوف
نے گھر کر لیا ہوگا۔ بزدلی تو انسان کو پتہ نہیں کہاں کہاں پر
ملاقات کراتی ہے۔ لیکن میرے دوست واحد کا دماغ بہت
کچھ سوچتا ہے۔ میں اب بھی حالات سنبھالنے کی حیثیت رکھتا ہوں۔"
"کیا مطلب ہوا"
"پولیس کو تمہاری تلاش ہے نا اور وہ یہی سوچ رہی
ہے کہ رانا مسعود نے اس بچے کو قتل کیا تھا۔"
"جب تم بتا رہے ہو ایسا ہی ہوگا۔"
"لیکن بڑی آسانیاں ہو سکتی ہیں رانا جہاندار راستے
سے ہٹ گئے ہیں۔ میں تمہیں ایک ترکیب بتا سکتا ہوں،
واپس چلو۔ بس تمہیں اپنے جسم پر خود اپنے زخم لگانے پڑیں گے
پھر اسی حالت میں پولیس اسٹیشن پہنچو جیسے تم بہت ہی
اذیتوں کا شکار رہے ہو اور پھر پولیس کو ایک کہانی سنا دو
ان سے کہو کہ کچھ لوگوں نے تمہیں اغوا کر لیا تھا اور کہیں لے
گئے تھے۔ وہ تم سے رانا جہاندار کا انتقام لینا چاہتے تھے۔ یقیناً وہ
رانا جہاندار کے آدمی تھے پھر انہوں نے تمہارے سامنے ہی بچے کو
قتل کر دیا اور تمہیں کہیں قید کر دیا۔ کسی بھی جگہ کا انتخاب کر لیں
گے۔ بلکہ وہ جگہ میں تمہیں منتخب کر کے دے دوں گا اور وہاں
ایسے نشانات بھی بنا دوں گا جن کے بارے میں پولیس اگر
تحقیقات کرے تو اسے صاف پتہ چل جائے کہ تم نے جو کچھ کہا
ہے سچ کہا ہے۔ اس طرح تمہیں تمہاری حیثیت واپس مل
سکتی ہے۔ ظاہر ہے پولیس تمہارے اوپر شبہ نہ کرے گی۔
اور اس کے بعد تم آرام سے زندگی گزار سکتے ہو۔ ایک خوبصورت
حسین عورت تمہاری تحویل میں ہوگی اور کروڑوں کی جائیداد
پھر تو کوئی مسئلہ تمہارے سامنے نہیں رہے گا جو کچھ تم کرنا چاہتے
تھے وہ بھی ہو جائے گا۔ اور تم بھی مصیبتوں سے بچ جاؤ گے۔"
کم بخت واحد کی ترکیب بڑی ہی خوفناک تھی۔ اس میں
کوئی شک نہیں تھا کہ اس پر عمل کر کے میں دوبارہ رانا مسعود
کی حیثیت حاصل کر سکتا تھا۔ بلاشبہ چند پریشانیوں سے گزرنا
پڑتا لیکن کوئی شبہ بھی نہیں کر سکتا تھا کہ میں رانا مسعود نہیں
ہوں۔ اس سلسلے میں واحد راز دار واحد تھا۔ اگر اس
کی مطلوبہ دولت دے دی جائے تو پھر کوئی مسئلہ نہیں رہتا۔ وہ
اپنی زبان بند رکھے گا۔ اور اگر اس کے بعد بھی اس کی طرف سے
کوئی مطالبہ ہوا تو اسے موت کے گھاٹ اتارا جا سکتا ہے۔ میں
یہ سب کچھ حاصل کر سکتا تھا۔ لیکن۔
اب واپس رانا محل جانے کو جی نہیں چاہتا تھا۔ واحد
کو اپنے راستے سے ہٹانے کے بعد زندگی گزارنے کا کوئی نیا ڈھنگ
سوچوں گا۔ کسی ایسی جگہ چلا جاؤں گا جہاں خاموشی سے زندگی
کا بقیہ وقت گزار دوں۔ یہ اسپرا کم بخت جہاں جہاں میرا پیچھا

کرے گی ذلیل جادوگرنی کہیں کی" میں نے دل ہی دل میں
اسے کوستے ہوئے کہا۔ واحد میری آنکھوں میں دیکھ رہا تھا پھر
اس نے کہا۔
"سوچ لو۔ سوچ لو ابھی تو بہت وقت ہے دہلی میں بھی
ہم دو چار دن گزاریں گے تمہیں وہاں بھی سوچنے کا موقع دیا جائے
گا اس سے بہتر تجویز کوئی اور نہیں ہو سکتی تم آسانی سے اپنی جان
بچا سکتے ہو۔" میں نے کوئی جواب نہیں دیا۔ دفعتاً کوئی خیال میرے
ذہن میں آ گیا تھا۔
اگر کبھی کسی وقت میرے بارے میں کسی کو شبہ ہو گیا تو
کیا مجھے کوثر کے قتل کے الزام میں گرفتار نہیں کیا جا سکتا اور
مصیبتیں ہی مصیبتیں تھیں زندگی میں پھر خود واحد تو ان سے کم
ہی تھا چنانچہ میں نے گردن ہلاتے ہوئے کہا۔
واحد مجھے واقعی سوچنے کی ضرورت ہے میں سوچنا چاہتا
ہوں میرا ذہن منتشر ہے ویسے تمہاری تجویز مجھے پسند آئی ہے
ممکن ہے میں اس سلسلے میں تم سے تعاون کرنے پر تیار ہو جاؤں۔"
"تیار ہو جانا چاہئے تمہیں اسی میں تمہاری بقا ہے"
واحد نے کہا۔ اور خاموش ہو گیا۔ اس کے بعد ہم نے راستے بھر کوئی
گفتگو نہیں کی تھی۔ ٹرین دہلی پہنچی تھی ہم ویٹ اسٹیشن پر اتر گئے
واحد نے ایک ہوٹل کا رخ کیا تھا۔ میں بھی اس کے ساتھ ساتھ تھا
واحد مجھے نگاہوں سے اوجھل نہیں ہونے دینا چاہتا تھا ویسے
چالاک آدمی تھا اور مجھ پر پوری پوری نگاہ رکھ رہا تھا۔ مجھے یقین تھا
کہ اس سے نمٹنا آسان کام نہیں ہوگا۔ ہوٹل میں بھی ہم نے دو
کمرے حاصل کئے تھے۔ کمرے برابر برابر کے تھے۔ میں اپنے کمرے میں
منتقل ہوا تو واحد نے مجھ سے کہا۔
"دیکھو بابر داد خان میں تم سے کہہ چکا ہوں کہ میرے ہاتھ
بہت لمبے ہیں۔ میں یہاں دہلی میں بھی بہت کچھ کر سکتا ہوں
یہاں سے غائب ہونے کی کوشش مت کرنا مجھے دھوکا دینا بے کار
ہے میں بہر طور سود مند ثابت نہیں ہوگا۔ پورا ہندوستان میری
دسترس میں ہے جہاں جاؤ گے میں تمہیں تلاش کر لوں گا۔"
"تم بار بار مجھے دھمکیاں دینے کی کوشش کرو اور میں اتنا
بزدل بھی نہیں ہوں کہ تمہاری دھمکیوں سے خوفزدہ ہو جاؤں
ہاں باقی رہی تمہاری تجویز تو وہ میرے لئے دلچسپی کا باعث ہے
بس ذرا اس کے اہم پہلوؤں پر سوچنے دو اس کے بعد میں
تمہیں اپنے فیصلے سے آگاہ کر دوں گا۔"
"بہت مناسب بات ہے آرام کرو" واحد نے کہا اور
اپنے کمرے میں چلا گیا میں اپنے کمرے میں آ گیا خاصا کشادہ
کمرہ تھا۔ دہلی کے اچھے ہوٹلوں میں اس ہوٹل کا شمار ہوتا تھا۔
کمرے میں پہنچ کر میں نے سب سے پہلے غسل کیا۔ اور پھر ایک
آرام کرسی پر دراز ہو کر کھڑکی کے باہر کے ماحول کو دیکھنے لگا تاحد
نگاہ مکانات بکھرے ہوئے تھے۔
لیکن میرے دل میں ایک عجیب سی ویرانی تھی مجھے یہ
نہیں معلوم تھا کہ کیا کرنا چاہئے کس طرح زندگی کے یہ راستے
منتخب کروں۔ اب جتنی زندگی مل گئی ہے اسے تو گزارنا ہی ہے
جو صورت حال ہے اسی میں گزارنا ہے دیکھوں حالات مجھے کہاں
لے جاتے ہیں تقدیر کیا چاہتی ہے مجھ سے۔ بہت دیر تک اسی طرح
بیٹھا سوچتا رہا۔ تھوڑی دیر بعد ویٹر نے دروازے پر دستک دی۔
"کوئی چیز چاہئے صاحب۔" اس نے اندر آ کر پوچھا۔
"اگر کافی مل جائے تو لے آؤ۔"
"بہت اچھا۔" ویٹر باہر چلا گیا تھوڑی دیر کے بعد میں
کافی کی چسکیاں لے رہا تھا اسی دوران میرا ذہن مختلف فیصلے کر
رہا تھا۔ واحد کو راستے سے ہٹانے کی کیا ترکیب ہو سکتی ہے آہستہ
آہستہ میں نے خود کو پرسکون کیا اور اس سلسلے میں ایک تجویز میرے
ذہن میں آ ہی گئی چنانچہ اس پر عمل کرنے کے لئے تیار ہو
گیا۔ شام ہو چکی تھی تقریباً ساڑھے چھ بجے میں اپنے کمرے سے
نکلا اور واحد کے دروازے پر پہنچ گیا۔ واحد اپنے کمرے میں موجود
تھا مجھے دیکھ کر مسکرانے لگا۔
"میں نے سوچا کہ شاید تم سو گئے ہو گے ایک آدھ بار تمہارے
کمرے کے دروازے کو میں نے دیکھا جب نہیں کھلا تو پھر میں نے
سوچا کہ تمہیں آرام کرنے دیا جائے تھک گئے ہو گے اور خاص طور
سے ذہنی تھکن کا شکار ہو گے۔ اس کے علاوہ یہ بھی تھا کہ تم فیصلے
کر رہے ہو میں تمہیں فیصلہ کرنے کا پورا پورا موقع بھی دینا چاہتا تھا۔"
"شام کی چائے پی تم نے۔"
"ہاں پی چکا ہوں اور تم نے۔"
"میں نے بھی کافی وغیرہ پی لی تھی اب کسی چیز کی حاجت
نہیں محسوس ہو رہی۔"
"تو پھر اب کیا پروگرام ہے۔"
"یار واحد ذہن بڑا تھکا ہوا ہے یہاں کوئی تفریح نہیں
ہو سکتی۔"
"کیوں نہیں ہو سکتی جس طرح کی چاہو۔" واحد نے مسکرا
کر کہا۔
"تو پھر ایسا کرتے ہیں گانا سنیں گے کہیں۔"
"واہ۔ دل کی بات کہہ دی یار واحد بھی اس کا شوقین ہے۔"

اور پھر یہاں دہلی میں تو بڑی گنجائش ہے۔ یہاں بمبئی کی طرح
کچرا نہیں بکھرا بلکہ بعض جگہیں تو آج بھی مغلیہ دور کی یاد دلاتی
ہیں۔

"تو بس کسی ایسی ہی جگہ کا انتخاب کرو۔" میں نے کہا۔ اور
واحد مسکرانے لگا۔

"یہ تم واحد پر چھوڑ دو۔" اس نے کہا اور میں نے بھی مسکراتے
ہوئے گردن ہلادی۔

شام کو تقریباً سات بجے ہم لوگ تیار ہو کر چل پڑے۔ میں
نے بھی ایک عمدہ لباس پہنا ہوا تھا۔ واحد بھی ایک اچھے لباس میں
ملبوس تھا۔ جس جگہ ہم جا رہے تھے وہاں کے کچھ تیاریاں کر کے
چلتے پیسے وغیرہ میرے پاس بھی اچھے خاصے موجود تھے اور شاید
واحد بھی قلاش نہیں تھا۔

ہم اس بازار میں پہنچ گئے۔ چاروں طرف سے طبلے کی تھاپ
گھنگھروؤں کی جھنکار اور ہارمونیم کی آوازیں ابھر رہی تھیں۔ ایک
عجیب ماحول ایک عجیب سماں تھا جو اس سے قبل میں نے کبھی
نہیں دیکھا تھا۔ صرف قصے کہانیوں میں اس بازار کی داستانیں
پڑھی تھیں۔ واحد کو یہاں لانے میں میرے ذہن کے ان ارادوں
کا دخل تھا جو میں نے ترتیب دے رکھے تھے۔ میں ایک ایسا ماحول پیدا
کرنا چاہتا تھا جو میرے لئے کارآمد ہو۔ واحد ایک پان کی
دکان پر رک گیا اور اس سے اس بازار کے بارے میں معلومات
حاصل کرنے لگا۔ غالباً اسے خود بھی یہاں کے بارے میں
تفصیلات معلوم نہیں تھیں، پنواڑی نے ہمیں دو پان بنا کر دیئے
اور واحد نے پانوں کی خریداری کے ساتھ ساتھ ہی پنواڑی سے
اپنے کام کی بات بھی معلوم کرلی۔ چنانچہ وہ گردن ہلاتا ہوا میرا
ہاتھ پکڑ کر دوستانہ انداز میں ایک طرف بڑھا اور پھر ہم ایک
بالاخانے کی سیڑھیاں طے کرنے لگے۔ بالاخانے کے دروازے سے
اندر داخل ہو کر میں نے زندگی میں پہلی بار اس ماحول کو دیکھا۔
ایک بڑا سا کمرہ تھا جس کے فرش پر [illegible] اور گاؤ تکیے لگے
ہوئے تھے۔ محفل شباب پر تھی۔ تماشبین دیواروں سے ٹیک
لگائے گاؤ تکیوں کے سہارے بیٹھے ہوئے تھے جبکہ درمیان میں
[illegible] ایک خوبصورت لڑکی تماش بینوں کے درمیان
گا رہی تھی۔ اس کی عمر بہت کم معلوم ہوتی تھی۔ میں دروازے
میں ٹھٹک گیا۔ دروازے کے قریب ہی کھڑی ہوئی عورت نے
ہمیں راستہ دیا اور ایک سمت بتادی۔ جب ہم گاؤ تکیے کا سہارا
لے کر بیٹھے تو گانے والی لڑکی نے پلکیں اٹھا کر ایک نظر ہم دونوں
کو دیکھا اور پھر اس پستہ قد تنومند شخص کی جانب متوجہ ہوگئی جو
وہاں سب لوگوں سے نمایاں تھا۔ اس نے ہماری آمد پر برا سا
منہ بنایا اور کسمسا کر اپنے ساتھیوں سے ناگواری کا اظہار کیا۔

دروازے پر کھڑی عورت نے جلدی سے اس کی طرف
رخ کیا تھا اس شخص کے اشارے پر جلدی سے وہ اس کے پاس
جا بیٹھی اور اس کی بات سننے لگی۔ پھر اس نے احترام سے گردن
ہلائی اور اپنی جگہ سے ہٹ گئی۔ میں سرسری نگاہوں سے محفل
کا رنگ دیکھ رہا تھا۔ سامنے ہی ایک درمیانی عمر کی عورت پاندان
کھولے گلوریاں بنانے میں مصروف تھی۔

گانے والی گاناگا رہی تھی پستہ قامت جیب سے نوٹ
نکال نکال کر گانے والی کو دے رہا تھا اور وہ اس کے سامنے
ہی بیٹھی بیٹھی غزل کے بول سنائے جا رہی تھی۔ واحد
کی کھوپڑی گھوم گئی اس نے اپنے جیب سے نوٹوں کی گڈی نکال
کر اپنے سامنے رکھ لی اور پھر ایک نوٹ میرے شانے پر رکھ کر
گانے والی کو دکھایا۔

پستہ قامت نے برا سا منہ بنا کر نوٹوں کی دو تین گڈیاں
اور نکال لی تھیں۔

"یہ کیا ہو رہا ہے۔؟" میں نے واحد سے پوچھا۔

"تمہارا سے نیچا دکھانا ہے۔"

"اوہ۔ واحد گانا سنو یہاں کچھ دیر رکو اور اس کے
بعد نکل چلو میں کسی قسم کے جھگڑے میں دلچسپی نہیں لوں گا۔"
میں نے کہا۔

"کمال ہے یار یہاں تم ایک انوکھی شخصیت کے مالک
نظر آتے ہو جو کسی چھوٹے بچے کو بھی قتل کرنے سے دریغ نہیں
کرتے بلکہ یہاں اب اس قسم کی باتیں کر رہے ہو۔"

"اور یہ جگہ تمہاری اس بکواس کے لئے موزوں ہے۔"
میں نے دانت پیس کر کہا۔

"ارے نہیں نہیں ہماری باتیں کون سن رہا ہے۔"
واحد نے جواب دیا اور پھر گانے والی کی طرف متوجہ ہوگیا۔

"غضب کی لڑکی ہے۔" اس نے مسکراتے ہوئے کہا۔ مجھے
اس جگہ سے الجھن ہونے لگی تھی، میں محسوس کر رہا تھا کہ پستہ قامت
اور اس کے ساتھی تمسخرانہ نگاہوں سے ہماری طرف دیکھ رہے
ہیں۔ محفل میں اور بھی تماش بین موجود تھے لیکن یوں لگتا تھا
جیسے وہ سب پستہ قامت کے چمچے ہوں اور صرف ایک ہم ہی
یہاں بیٹھے ہوں یا ممکن ہے اس کے اپنے ہی آدمی ہوں۔

تھوڑی دیر تک ہم اپنی گڈیاں لئے بیٹھے رہے پان بنانے
والی معمر عورت کی نگاہیں ہماری طرف اٹھ رہی تھیں۔

اس نے ایک طرف مڑ کے دیکھا اور کسی کو کچھ اشارہ کیا چند ہی
لمحات کے بعد ایک [illegible] نازک سے اخلاق ہوئی اندر سے برآمد
ہوئی اور ہمارے نزدیک آکر بیٹھ گئی۔ اس نے مشرقی انداز میں
ہمیں سلام کیا تھا۔

"حضور اس کوٹھے پر پہلی بار تشریف لائے ہیں شاید۔"
وہ آہستہ سے بولی۔

"ہاں۔ لیکن یہاں کے آداب دیکھ کر طبیعت مکدر ہوگئی۔"
واحد نے جواب دیا۔

"حضور تھوڑا سا توقف کریں، بس ہم لوگوں کو ہر طرح
کے آدمیوں سے نمٹنا ہوتا ہے۔ یہ ایک مقامی غنڈہ ہے اس
سے بھڑنا اچھی بات نہ ہوگی۔ ورنہ ہم ابھی نازنین سے کہتے کہ
وہ وہاں سے اٹھ کر آپ کے سامنے آبیٹھے۔"

"ٹھیک ہے ٹھیک ہے ہمیں نہیں معلوم تھا کہ یہ کوٹھا
غنڈوں کا اکھاڑہ ہے۔ ہم جا رہے ہیں۔"

"بیٹھئے نا حضور، میں کچھ اور خدمت کر سکتی ہوں۔"

"نہیں۔ بس گانا سننے آئے تھے۔ گانا سن کر چلے جاتے لیکن
یہ جگہ پسند نہیں آئی۔"

"مجبوری ہے سرکار، پھر کبھی تشریف لائیے گا۔" لڑکی نے
مہذب لہجے میں کہا۔ میں تعجب سے اسے دیکھتا رہ گیا تھا، ایک دو
بار اس کی نگاہیں مجھ سے بھی ملیں میں نے ان میں ایک عجیب
سی چمک محسوس کی۔ دیکھنے میں خاصی اچھی تھی لیکن وہ جو گا رہی
تھی اس سے خاصی حسین تھی، اور ایسی پرکشش اور موہ لینے
والی شخصیت کہ دل اس کی جانب کھنچتا چلا جائے۔

لیکن اس بازار میں ایسی ہی ساحرائیں ہوا کرتی ہیں
مجھے ان کے بارے میں تجربہ تو نہیں تھا لیکن سن بہت کچھ رکھا تھا
اس لئے میں نے زیادہ توجہ نہیں دی۔ تھوڑی دیر کے بعد ہم
وہاں سے اٹھ گئے۔ نوٹوں کی گڈیاں ہم نے واپس جیب میں
رکھ لی تھیں۔ پان بنانے والی عورت کے چہرے پر ناگواری کے
تاثرات تھے۔ اس نے دانت پیستے ہوئے پستہ قامت کی طرف دیکھا
لیکن منہ سے کچھ نہ بول سکی۔ اور ہم وہاں سے اتر آئے۔

"یہ جگہ ہوتی ہی جھگڑوں کا گڑھ ہے۔ بس ایسے ہی طبیعت
گھبرائی تھی تو میں نے سوچا یہاں چلا آؤں۔"

"چلو کوئی بات نہیں۔ سارے بالاخانے اس جیسے
کیسے نہیں ہوں گے۔ آؤ کسی دوسری جگہ دیکھتے ہیں" ہم ایک
اور بالاخانے پر پہنچ گئے۔

یہاں بھی رقص و موسیقی جاری تھی اور پھر بات یہ تھی کہ
یہاں کوئی ایسی شخصیت نظر نہیں آئی جو تکدر کا باعث ہوتی
ہاں جو رقاصائیں یہاں رقص کر رہی تھیں وہ اس قدر حسین
نہ تھیں اور نہ ہی یہاں اتنی نفاست و تہذیب تھی جو پہلے
والے کوٹھے پر دیکھی تھی۔ واحد میرے کان کی طرف جھک کر
بولا۔

"دراصل وہ مانا ہوا کوٹھا ہے وہاں جو طوائفیں ہیں
ان کا تعلق لکھنؤ سے ہے اور لکھنؤ کی طوائفوں کی تہذیب کے
بارے میں یقیناً تم نے کچھ نہ کچھ ضرور سنا ہوگا۔"

"بھائی بمبئی میں رہنے والا لکھنؤ کی تہذیب کے بارے
میں زیادہ واقفیت نہیں رکھتا۔" میں نے کہا۔

"خیر ایسی بات بھی نہیں ہے ویسے بابر داد خان میں
نے یہ بات تم سے کبھی نہیں پوچھی تمہارا تعلق غالباً بمبئی
سے ہے۔"

"گانا سنو یار کیوں فضول باتوں میں الجھے ہوئے ہو۔"
میں نے ہاتھ اٹھا کر کہا اور واحد خاموش ہوگیا۔ خاصی رات
گئے تک ہم اس کوٹھے پر گانا سنتے رہے تھے پھر اس کے بعد جب
وقت ہی ختم ہوا تو ہم اپنی جگہ سے اٹھ گئے۔

واحد بہت مسرور تھا۔ میری طرف سے خاطر خواہ مطمئن
ہو چکا تھا اس دوران وہ یقیناً میری کیفیات پڑھنے کی کوشش
کرتا رہا ہوگا اور میں نے اس سلسلے میں خاصی ذہانت سے کام
لیا تھا کہ اپنی فطرت سے اسے آگاہ نہیں ہونے دیا تھا ہم کوٹھے
سے اتر کر پیدل چل پڑے۔

دوسرے کوٹھے بھی خالی ہو چکے تھے۔ پولیس والوں کی
سیٹیاں سنائی دے رہی تھیں ہم وہاں سے آگے بڑھ گئے۔

"اب کیا خیال ہے چلیں۔" میں نے پوچھا۔

"یار بابر داد خان ایک بات بتاؤ صرف اسی حد تک دلچسپی
رکھتے ہو یا کوئی اور بھی۔"

"کچھ اور سے تمہاری کیا مراد ہے۔؟"

"میرا مطلب ہے کچھ پینے پلانے کی بات یہاں کا ماحول
تو اتنا سازگار نہیں تھا کہ ہم یہاں بیٹھ کر پیتے۔ اس کے علاوہ بھی
یہاں تو بہت کچھ ہوتا ہے۔"

"نہیں، اس بہت کچھ سے مجھے دلچسپی نہیں ہے ویسے
اگر تم پینا چاہو تو مجھے کوئی اعتراض نہ ہوگا۔"

"اور تم۔؟"

"میں نہیں پیتا۔" میں نے جواب دیا۔

"پھر کیا مزہ آئے گا۔ ایک آدمی بیکار بیٹھا رہے گا اور دوسرا

"نہیں واحد میں تمہیں اس سے نہیں روکوں گا ویسے اگر ہوٹل میں طلب کرو تو وہاں بھی مل سکتی ہے۔"

"وہ تو ٹھیک ہے لیکن بس دل چاہ رہا ہے۔" واحد نے کہا۔ میں دل ہی دل میں مسرور ہوئے بغیر نہ رہ سکا۔ اس کا دل چاہنا میرے لئے فائدہ مند بات تھی۔ چنانچہ میں نے آگے ہو کر ... اور ... ہم ایک بار میں داخل ہو گئے۔

بار میں کافی "بھیڑ" بھری ہوئی تھی لیکن ہمیں ایک خالی میز مل گئی اور واحد نے اپنے لئے شراب اور میرے لئے ایک مشروب طلب کر لیا۔

شراب کے چار یا پانچ پیگ پینے کے بعد واحد بہکنے لگا۔ اس کی آنکھوں میں مستی چھلک رہی تھی۔ میں نے اس کا ہاتھ روکتے ہوئے کہا۔

"اب بس کرو واحد ورنہ آؤٹ ہو جاؤ گے۔"

"ہاں یار۔ میں بھی یہی محسوس کر رہا ہوں۔ اعتبار کا سہارا ہے اس لئے بے فکر ہوں۔"

"ٹھیک ہے۔ لیکن اب اس سے زیادہ مناسب نہ ہو گی ہمیں ہوٹل بھی جانا ہے۔"

"چلو تمہارا کہا مان لیتا ہوں۔" واحد نے بل ادا کیا اور ہم باہر نکل آئے۔ باہر ٹھنڈی ہوا لگی تو واحد کا نشہ کچھ اور بڑھ گیا۔

"بابر داد خان۔ تم عظیم انسان ہو۔ لیکن میرے ذہن میں یہ بات نہیں آئی کہ تم نے اس معصوم بچے کو کیوں قتل کر دیا؟"

"تمہاری سمجھ میں بہت سی باتیں نہیں آئیں گی۔ اس وقت سوچنے سمجھنے سے گریز کرو۔" میں نے کہا۔

"کوئی سواری بھی نہیں ہے یار۔ اب تھکن محسوس ہو رہی ہے۔" واحد نے کہا اور میں نے گردن ہلا دی۔

"چلتے رہو سواری بھی مل ہی جائے گی۔" میں اسے پیدل لے چلتا رہا۔ میرے ذہن میں خوفناک ارادے جنم لے رہے تھے اس وقت کوئی ہتھیار میرے پاس نہیں تھا جو واحد کے لئے کارآمد ثابت ہو۔

لیکن نشے میں ہونے کے بعد میرا کام کچھ اور آسان ہو گیا تھا۔ اب میں اپنے مضبوط ہاتھوں کے آہنی شکنجے ہی سے واحد کو فنا کر سکتا تھا۔ اپنے اندر ہمت پیدا کرتا رہا۔ ہم بہت سی سڑکوں سے گزرتے ہوئے ایک ایسی جگہ نکل آئے جو کافی سنسان تھی۔ نزدیک ہی ایک پارک نظر آ رہا تھا۔ میں نے واحد کو پارک کی طرف متوجہ کرتے ہوئے کہا۔

"وہاں کا ماحول کافی خوشگوار ہے واحد کیا خیال ہے کچھ دیر چل کر بیٹھیں۔"

"اس وقت تو مناسب نہیں ہے تم سواری کیوں نہیں پکڑ رہے۔ میں بڑی تھکن محسوس کر رہا ہوں یوں لگ رہا ہے جیسے تھوڑی دیر کے بعد میں چل بھی نہیں سکوں گا۔"

"تھوڑی دیر آرام کر لو۔ اس کے بعد ہم کوئی سواری لے کر ہوٹل چلیں گے۔" میں نے کہا۔ اور واحد نے گردن ہلا دی۔ میں اسے سہارا دیتے ہوئے پارک میں لے آیا۔ پارک میں اندھیرا پھیلا ہوا تھا۔ اور دور تک کسی انسان کا وجود نہیں تھا۔ میں نے واحد کو پارک کی ایک بنچ پر بٹھا دیا۔ ہوا اس کا نشہ گہرے سے گہرا کئے جا رہی تھی اور وہ بہکی ہوئی گفتگو کر رہا تھا۔

"بابر داد خان اگر تم میری بات مان لو تو ہم ساری زندگی عیش کریں گے۔ دنیا کی ہر آسائش ہمارے قدموں میں ہو گی میں بھی تو ٹوٹا ہوا آدمی ہوں میرے پاس پہلے بہت کچھ تھا۔ لیکن ریس کے شوق نے مجھے پامال کر دیا۔ میں اپنا بہت کچھ ہار گیا۔ میرے ذہن میں ان الفاظ سے کچھ عجیب سے احساسات جاگ اٹھے۔ ریس یاد آ گئی تھی۔ ریس یاد آئی تو کوشل بھی یاد آ گیا۔ اور کوشل کے ساتھ ساتھ کوبتا بھی ذہن میں ابھر آئی۔ میں نے دانت بھینچ لئے۔ کوبتا کو میں کبھی ہلاک نہ کرتا۔ اس نے تو مجھے بہت سہارا دیا تھا۔ اس کی محبت میرے لئے خوشیوں کا باعث بن گئی تھی۔ سچی بات یہ ہے کہ کملا شنگھل کی ... سے میں واقعی دلی طور پر متاثر ہو گیا تھا۔ لیکن منحوس اپسرا وہ کمینی عورت۔ وہ ذلیل جادوگرنی میرے لئے عذاب بن گئی تھی۔ میں اس سے چھٹکارا حاصل کرنے کے لئے اب ہر کام کر سکتا تھا۔ کوئی بھی ایسی کوشش جس سے اس سے چھٹکارا حاصل ہو جائے۔

بہت کچھ سوچتا رہا اور پھر واحد کی آواز ابھری۔

"بس اب چلو یہاں سے مجھے نیند آ رہی ہے۔"

"تم سونا چاہتے ہو واحد۔" میں نے پوچھا۔

"ہاں بڑی مشکل سے میں اپنے آپ پر قابو پائے ہوئے ہوں۔ میں سونا چاہتا ہوں۔" اس کی غنودہ سی آواز سنائی دی تھی۔

"میں تمہیں ایسی پرسکون نیند دوں گا میرے دوست کہ تم زندگی بھر سوتے رہو گے۔"

"ہاں۔ میں سونا چاہتا ہوں۔" اس نے کہا اور میں اس پر

بد عروج پر تھے۔ اور دور تک کسی انسان کا وجود نہیں تھا ہم بھی اس وقت ساکت تھے۔ درختوں کے پتے تک نہیں ہل رہے تھے تب میں واحد کی طرف متوجہ ہو گیا۔

"مجھے افسوس ہے واحد میں تمہیں صرف اپنی ذات کے لئے قتل کر رہا ہوں۔ ہاں تمہاری زندگی میرے لئے موت کا باعث بن سکتی ہے۔" میرے ہاتھ اس کی گردن تک پہنچ گئے۔ واحد کو کسی چیز کا کوئی احساس نہیں تھا۔ اس نے میرے ہاتھوں کو اپنی گردن سے اٹھانے کی کوشش نہیں کی لیکن دوسرے لمحے اس کے ہاتھ شکنجے کی طرز میں پھیلتے گئے۔

میرے انگوٹھے اس کے نرخرے پر جم گئے تھے اور میں پوری قوت سے انہیں دبا رہا تھا۔ واحد کی زبان باہر نکل آئی وہ بری طرح تڑپنے لگا۔ لیکن اس کی مدافعت بالکل ہی بے جان تھی۔ مجھے کوئی دقت نہ ہوئی اور چند لمحات کے بعد اس کی مدافعت بند ہو گئی۔

میں نے اس کی گردن سے اپنے ہاتھوں کی گرفت بالکل ڈھیلی کر دی اور اس کی لاش کو دیکھنے لگا۔ واحد کی آنکھیں بری طرح پھٹی ہوئی تھیں زبان باہر نکل آئی تھی وہ موت کی آغوش میں جا چکا تھا۔ اس کو موت کی نیند سلانے کے بعد میں نے دونوں ہاتھ جھاڑے پھر مجھے کچھ خیال آیا اور میں نے جیب سے رومال نکال کر اس کی گردن کو خوب اچھی طرح سے رگڑ دیا تاکہ اس پر سے میری انگلیوں کے نشانات بھی ختم ہو جائیں۔

واحد کا بدن ساکت و جامد تھا۔ اسے قتل کرنے کے بعد بڑا سکون محسوس کر رہا تھا۔ پھر میں تیزی سے وہاں سے چل پڑا۔ کافی دور تک میں پیدل چلتا رہا۔ اس کے بعد ایک ٹیکسی کی اور ہوٹل روانہ ہو گیا۔ ہوٹل کے کمرے میں پہنچ کر میں نے ایک گہری سانس لی۔

جرم کا بوجھ میرے سینے پر ضرور تھا لیکن اس سے بڑا خوف یہ تھا کہ واحد میرے لئے ایک خطرناک حیثیت اختیار کر گیا تھا۔ وہ فرد واحد تھا جو میری شخصیت سے واقف تھا اور مجھے دوسرے جہان پہنچا سکتا تھا۔

کم از کم اس طرح میں نے اپنی زندگی محفوظ کر لی تھی۔ میں نے دل میں سوچا کہ کل یہ ہوٹل چھوڑ دوں گا کسی اور شہر چلا جاؤں گا۔ میں اپنے آپ کو کسی ایسے ویرانے میں گم کر دینا چاہتا تھا۔ جہاں میرے قرب و جوار میں کوئی موجود نہ ہو تھوڑا عرصہ میں بالکل سکون کی زندگی گزارنا چاہتا تھا۔

خدا کرے کسی طرح اب میرا پیچھا اس کمبخت جادوگرنی سے چھوٹ جائے۔ دیر تک سونے کی کوشش کرتا رہا لیکن نیند آنکھوں سے دور تھی۔ کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کیا کروں سونا چاہتا تھا لیکن ذہن میں طرح طرح کے خیالات آ رہے تھے۔ تین آدمیوں کا قاتل بن چکا تھا۔ میں اگر گرفتار ہو جاتا تو پولیس یقینی طور پر آسانی سے مجھے پھانسی تک پہنچا دیتی۔

میں مرنا نہیں چاہتا تھا۔ ہاں میں مرنا نہیں چاہتا تھا۔ رات تھی ہوئی تھی کوئی اور بات بھی سمجھ میں نہیں آ رہی تھی دفعتاً میرے ذہن میں ایک خیال آیا کیوں نہ شراب کا سہارا لیا جائے۔ ممکن ہے نیند لانے کے لئے مددگار ثابت ہو۔ میں نے ویٹر کو بلانے کے لئے گھنٹی بجا دی اور تھوڑی دیر بعد ویٹر میرے پاس پہنچ گیا۔

"جی صاحب۔"

"ویٹر مجھے شراب چاہئے۔"

"ابھی لا دیتا ہوں صاحب یہ کونسا مشکل کام ہے۔" اس نے مسکراتے ہوئے کہا۔ میں نے جیب سے ایک نوٹ نکال کر ویٹر کے ہاتھ میں تھما دیا اور اس نے سلام کرتے ہوئے نوٹ رکھ لیا تھا۔

تھوڑی دیر کے بعد اس نے مجھے بوتل گلاس اور سوڈا وغیرہ لا کر دے دیا تھا۔ میں نے زندگی میں پہلی بار شراب پی اور پھر مجھے ایسا محسوس ہوا کہ کئی پیگ پینے کے بعد شراب چڑھ گئی ذہن کو بڑے سکون کا احساس ہوا۔ میں اس وقت تک پیتا رہا جب تک بوتل میں شراب باقی رہی۔ بوتل خالی ہو گئی تو میں نے اسے ایک طرف رکھا اور پھر آنکھیں بند کر کے مسہری پر لیٹ گیا۔

پھر تو ایسی نیند آئی کہ تن بدن کا ہوش نہ رہا۔ دروازہ بھی کھلا ہوا تھا اور میں گہری نیند سو رہا تھا۔ اس وقت دن کے تقریباً ساڑھے گیارہ بجے تھے جب کسی نے مجھے جھنجھوڑ کر جگایا اور میں نے آنکھیں کھول دیں لیکن جو کوئی میرے نزدیک موجود تھا اسے دیکھ کر میرے اوسان خطا ہو گئے۔ پولیس کی وردی میں ملبوس انسپکٹر اور سپاہیوں کو دیکھ کر میں آسانی سے پہچان گیا تھا۔

"اٹھو۔" انسپکٹر نے سخت لہجے میں مجھ سے کہا اور میں اٹھ گیا۔

"کیا نام ہے تمہارا" انسپکٹر نے سوال کیا۔

"بابر داد خان۔" پھر انہوں نے مجھے جیپ میں بٹھایا۔

میرا خیال تھا کہ یہ سب کچھ پولیس اسٹیشن جانے کی لیکن میں
نے جوں ہی گورنمنٹ ہسپتال کے گیٹ سے داخل ہوتے ہوئے
دیکھا اور سیدھا وہ بتا رہا کہ اب اس بات میں کوئی شک و شبہ
نہیں رہا تھا کہ واحد زندہ بچ گیا ہے۔ واحد کے زندہ بچ جانے کا
مقصد میری موت تھا۔

واحد مر گیا ہوتا تو شاید مجھے اپنی عمر خالی ہاتھ
زیادہ شکایت نہیں ہوتی، میں کسی نہ کسی طرح کوشش کر کے اپنے
اوپر سے الزام ہٹا سکتا تھا۔ لیکن واحد تو میرا واحد گواہ تھا۔

انسپکٹر مجھے اپنی تحویل میں لیتے ہوئے ہسپتال کے ایک کمرے
کے دروازے پر پہنچ گیا جہاں ایک پولیس والا اسٹول پر بیٹھا تھا۔
انسپکٹر کو دیکھ کر اسٹول پر بیٹھا ہوا کانسٹیبل جلدی سے کھڑا ہوا
اور اس کی ایڑیاں بج اٹھیں۔ انسپکٹر نے ہاتھ سے دروازہ دھکیلا
اور مجھے بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ اب کوئی شک و شبہ نہیں رہا تھا
سامنے ہی مسہری پر واحد موجود تھا۔ ایک نرس اس کا ٹمپریچر لے رہی
تھی۔ واحد کا چہرہ بیماری کی طرح زرد ہو رہا تھا لیکن وہ ہوش میں تھا۔ اس
کی آنکھیں کھلی ہوئی تھیں۔ اس کی گردن پر پٹی بندھی ہوئی تھی۔

کچھ گھنٹے گزر گئے، بیڈ پر سے سیٹ کھڑی ہو گئی تھی۔ انسپکٹر
نے جا کر اسٹول سے ہو کے واحد کے پاس پہنچ گیا اور واحد کے قریب
ٹھیک کر ڈالا۔

"کیا یہی شخص باہر والا ہے؟" انسپکٹر نے واحد سے سوال کیا اور
واحد نے آنکھیں بند کر کے گردن ہلا دی۔

"تمہیں یقین ہے کہ تمہاری آنکھوں کو دھوکا نہیں ہو رہا؟"
انسپکٹر نے جرح سے پوچھا اور واحد نے اپنی پہلی بات کی تصدیق
کر دی۔ شاید اس کی آواز بند ہو چکی تھی۔ وہ میری طرف دیکھنے لگا، پھر
بولا۔

"کیا اب بھی تم اس آدمی کو قتل کرنے کی کوشش سے انحراف
کرو گے؟"

"میں اسے نہیں جانتا۔ کون ہے؟"

"خیر یہ سب کچھ تو عدالت میں ہی ثابت ہو گا۔ صرف اس آدمی
سے تمہاری تصدیق کرانی تھی۔" انسپکٹر نے کہا اور اپنے پیچھے کھڑے
ہوئے کانسٹیبلوں سے بولا۔

"اسے ہاتھوں میں ہتھکڑیاں ڈالو۔" جلدی ہی ملاقات کے
بعد سے ہاتھوں میں ہتھکڑی ... کسی قسم کی ترمیم ...
... بات بھی ... میرے خلاف ...
... خاموشی ... انسپکٹر مجھے ساتھ لے کر
وہاں سے نکلا ... مجھے

لاک اپ میں بند کر دیا گیا تھا۔

زندگی کا بدترین دور شروع ہو چکا تھا جو کچھ نہیں دیکھا تھا وہ
سب دیکھ رہا تھا۔ یہ فریب زندگی ہو گئی تھی۔ اپنے آپ پر مجھ
کو اتنا دل خون ہونے لگا تھا کہ یہ شور و غل کے ساتھ زندگی گزارنے
کے جو مواقع میسر تھے وہ انہیں ضائع ... ایک دکان اور ایک
فلیٹ پیدا کر دی گئی اور اس کی موت کے بعد بھی جو عزت گزر رہا تھا وہ
بڑا پر سکون اور باعزت گزر رہا تھا۔

عمر میں مجھے ایک خاص مقام حاصل تھا لوگ عزت سے سلام
کرتے تھے۔ سلام کا جواب وغیرہ ٹھیک ٹھاک چل رہا تھا۔ شہر کی بیماری
سے سب لوگ اس کا یہ دیکھ بھال کر رہا تھا اور کبھی کسی کو کوئی
شکایت نہیں ہوئی تھی اس کے علاوہ اس کے بعد کی زندگی بھی تو عام سی
بہتر تھی۔

لیکن اب جو نئے حالات پیدا ہوئے تھے ان میں میری شخصیت
مسخ ہو کر رہ گئی تھی مجھے یہی جاننے کی یہ جو اب تک زندگی میں تو
اپنے طور پر سکون کی آخری سانس لینا چاہتا تھا اور اس کے بعد عمر کا
آخری دور بھی عزت سے گزار دینا چاہتا تھا۔

لیکن اب یہ سب کچھ چھن گیا تھا۔ میں ایسے جال میں پھنس
گیا تھا وہ خوفناک صورت وہ فرانی کہ مجھے انگلیوں پر نچا رہی تھی اس
واقعے میں اس کی دسترس سے باہر نہیں نکل سکا تھا۔ جس نے دو خون
کیے تھے میرا خون کرنے کی کوشش کی تھی۔ میں جیسا خوفناک تھا
یہ سب کچھ ... یہ سب کچھ اسی کی وجہ سے ہوا تھا اور اس کمبخت
نے یہی کیا تھا کہ اس کے ... انسانوں کا خون بہا ڈالا ہے اور
یہ انسانوں کے ہاتھوں قتل ہوں گے۔

نہیں میرے معبود نہیں میں انسانوں کی زندگی سے کھیلنا نہیں
چاہتا۔ میں خود تکلیف اٹھا لوں گا ہر قسم کی مصیبت برداشت کر لوں گا لیکن
اب میں انسانوں کو اپنے ہاتھوں سے قتل نہیں کروں گا۔ اس نے مجھے دھوکہ دیا
اس نے مجھ پر زبردستی کی کوشش وہ مجھے ... گرفتار ... پناہ لینے
دیتا میں اب کچھ نہیں چاہتا تھا سوائے ... کی طرح زندگی گزار
کر اپنی آخری سانسیں پوری کر لینا چاہتا تھا لیکن... لیکن اب میں
اس لاک اپ میں بند تھا۔ لاک اپ میں میرے علاوہ چار قیدی
اور بھی تھے ان پر مختلف الزامات تھے ... میں خاموش بیٹھا
رہا لیکن اس کے بعد میری ان قیدیوں سے شناسائی ہو گئی جن سے
گفتگو کرنے کے بعد وہ مختلف الزامات میں آئے تھے ان میں سے دو عادی
مجرم تھے ایک غریب بندے کا ... جرم ... تھا۔ بیچارہ بھوکا
تھا۔

ایک معصوم سی شکل ... کا ... دیکھ کر خود خوف ... میں

رہے اور جیسی کے حالات پیدا ہوتے تھے مجبوری عادی مجرم بھی اس
لڑکے میں خاص دلچسپی کا اظہار کر رہے تھے زیادہ سے زیادہ
اس کی عمر بیس بائیس سال تھی میں نے بھی اس سے دوسروں کے ہی
انداز میں سوال کیا۔

"تم یہاں کیسے آ پھنسے؟"

"بخشی بابا ... خدا کے بعد اب اس بارے میں کچھ
نہ پوچھو۔"

"نہیں نہیں بتاؤ آخر بات کیا ہے؟"

"بس جناب بدنصیبی کہیے برائیوں کے خلاف مہم سر کرنے
نکلا تھا اپنی عمر اور اپنے وسائل کا احساس نہیں تھا پھنس گیا۔"

"کیا مطلب۔۔؟"

"ایک ایسے شخص کے یہاں ملازمت کرتا تھا جو ... کے
نیچے ... کو بری طرح لوٹتا ہے اور گمراہ ان میں سے
کوئی قرض کرتا ہے تو انہیں موت کے گھاٹ اتار دیا جاتا ہے۔ بھی
... کر چکا ہے وہ میں کافی دنوں سے اس کے یہاں ملازمت کر رہا تھا
اور اس سے بہت کچھ دیکھ رہا تھا لیکن جب میری رگ غیرت
پھڑکی تو میں پولیس اسٹیشن پہنچ گیا میں نے ... پولیس کے اعلیٰ
عہدیداروں کو بتانے کی کوشش کی کہ وہ شخص کس قسم کا شیطان کا ایک
ہے پولیس انسپکٹر نے مجھے روک لیا اور پھر مجھے لاک اپ میں بند کر دیا گیا
کچھ نہیں آیا تھا کہ مجھے کیوں بند کیا گیا ہے لیکن اب مجھے سب کچھ پتہ چل
گیا ہے۔ ... انسپکٹر ... آدمی کا شناسا تھا اور اس سے اس کی دوستی
تھی ... وہ کسی ایسے آدمی کو کیوں برداشت کر سکتا تھا جو اس کی مخبری
کرے میرے خلاف ... کیس بنا دیا گیا اور اس کیس کے الزام میں مجھے
لاک اپ میں بند کر دیا گیا ہے۔"

"اوہ..." میں نے ... افسوس ... داستان سن کر کہا۔

"تمہارے والدین ... خاندان بھی ہوں گے۔"

"جی ہاں ایک ماں ہے دو چھوٹی چھوٹی بہنیں ہیں ایک بڑا بھائی
ہے جو شادی کرنے کے بعد الگ ہو گیا ہے اور اب ہم لوگوں سے کسی
قسم کا رشتہ نہیں رکھنا چاہتا۔" ... نوجوان نے جواب دیا۔

"خدا تمہاری مدد کرے کاش میں تمہاری کچھ مدد کر سکتا۔"

"بس جناب یہ دنیا ... ہی نہیں ہے ... اس کے لیے ...
اور ... غور کیا ہے؟"

"ہاں تم ٹھیک کہتے ہو۔ قدم قدم پر ... موجود ہیں کوئی
شخص کسی کو ... سب اپنے اپنے مصائب اور
مسائل میں گرفتار ہیں۔"

میں ... اس ... سے ... بندے ... چند ...

یہ ریڈیو پاکستان ہے

پچیس سال پہلے کا ذکر ہے۔ زیڈ اے بخاری ریڈیو پاکستان
کراچی کے سربراہ تھے۔ ایک بار صبح ساڑھے آٹھ بجے کلاسیکی
موسیقی کا پروگرام نشر ہو رہا تھا۔ بخاری صاحب کے ایک جاننے
والے نے انھیں فون کیا کہ "موسیقی بہت خراب ہے۔ یہ آپ
کیا بجا رہے ہیں؟"

"ہم دراصل ساڑھے آٹھ سے نو بجا رہے ہیں۔" بخاری
صاحب نے وضاحت کی۔

☆☆

خاتون نیوز ریڈر خبریں پڑھ رہی تھیں۔ انھوں نے چینی وفد
کے دورۂ پاکستان کی خبر پڑھنی شروع کی "چین کے ایک اعلا
سطحی وفد نے آج ایوانِ صدر میں صدر مملکت سے ملاقات کی۔
وفد میں چو این لائی، چیو چنگ شانگ، چیو چان شونگ اور
چانگ شو شال تھے۔"

اس کے بعد نیوز ریڈر بولیں "یہ خبریں آپ ریڈیو پاکستان
سے سن رہے ہیں۔"

ریڈیو کے چینل دو سے کلاسیکی موسیقی کا پروگرام نشر ہو رہا تھا
ریڈیو کے ایک افسر گھر پر پروگرام سن رہے تھے۔ پروگرام کی کوالٹی
کے بارے میں انھوں نے فوراً اپنے ماتحت ڈیوٹی افسر کو فون
کیا اور کہا "آپ سن نہیں رہے ہیں کہ طبلہ کس قدر زور سے
بجایا جا رہا ہے؟"

"آئی ایم سوری سر! میں ابھی جا کر دیکھتا ہوں، آپ ہولڈ
کیجیے۔" ذرا دیر بعد ڈیوٹی افسر اسٹوڈیو سے واپس آئے اور فون
اٹھا کر بولے "سر! آپ صحیح کہہ رہے تھے۔ طبلچی دراصل دو
طبلے بجا رہا تھا۔ میں نے ایک رکوا دیا ہے۔"

وہ کرنل تھا۔ اس کی آنکھیں گہری سرخ ہو رہی تھیں۔ پپوٹے سوجے ہوئے تھے۔ یوں لگتا تھا جیسے اس نے رونے کے سوا کچھ نہ کیا ہو۔ تمام نفرت بھری نگاہوں کا مرکز میری ذات تھی اور کوئی مجھے غیظ آلود نگاہوں سے دیکھ رہا تھا۔

"کیا یہی ہے وہ؟"

"ہاں انسپکٹر صاحب! یہی وہ پاپی راکشش ہے جس نے میری کویتا کو موت بخشی۔ یہی ہے وہ جانور، بھگوان اس کا ناس کرے۔" کرنل ہڈ... پھوٹ پھوٹ کر رو پڑا۔

"آپ اس کے خلاف کوئی ثبوت پیش کر سکیں گے؟"

"درجنوں ثبوت۔ میں اسے سزا دلوانے کے لیے ہر وہ قدم اٹھاؤں گا جس سے اس کی اصلیت کھل جائے۔"

"ٹھیک ہے اسے حوالات میں بند کر دو۔" انسپکٹر نے کہا۔ اور وہ لوگ چلے گئے۔ لاک اپ کی کوٹھری میں داخل ہو کر میں صورت حال پر غور کرنے لگا۔ حالات بگڑ گئے تھے میں نے جاوا کو کئی بار انہیں سنبھالنے کی کوشش کی تھی۔ لیکن کوئی تدبیر کارگر نہیں ہو رہی تھی۔ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کیا کروں۔ کرنل ابھی تک کویتا کو اپنی بیٹی سمجھ رہا تھا۔ کرنل صاحب بے پناہ چاہتا تھا۔ اور کویتا کو میں نے قتل کیا۔ تھا۔ دوسری طرف دلاور تھا۔ انسپکٹر میری طرف سے پہلے ہی مشکوک ہو گیا تھا۔ اس لیے اب چاروں طرف تاریکی کے سوا کچھ نہ تھا۔ اب تو صرف انجام کا انتظار تھا۔

کئی گھنٹے تک کوئی کارروائی نہیں ہوئی پھر رات کو مجھے ایک بڑے پولیس افسر کے سامنے پیش کیا گیا۔

"کیا نام ہے تمہارا؟"

"بارداد خان!"

"کہاں کے رہنے والے ہو؟"

"کیا کریں گے پوچھ کر ایس پی صاحب؟"

"اداکاری مت کرو۔ جو پوچھا جا رہا ہے اس کا جواب دو۔" ایس پی غرا کر بولا۔

"ٹھیک ہے۔ میرا تعلق مصر سے ہے۔"

"کیا؟" ایس پی نے پچھاڑ کھانے والے انداز میں پوچھا۔ میرے ہونٹوں پر پھیکی سی مسکراہٹ پھیل گئی۔

"ہاں، میرا تعلق مصر سے ہے۔"

"لیکن شکل و صورت سے تم مقامی معلوم ہوتے ہو۔"

"کبھی تھا۔ لیکن زندگی کا طویل عرصہ مصر میں گزارا ہے۔"

"پاسپورٹ وغیرہ ہے تمہارے پاس؟"

"اب تو کچھ نہیں ہے۔"

"بہت چالاک معلوم ہوتا ہے یہ شخص۔ اس کا دماغ درست کرنا پڑے گا۔"

"جو دل چاہے کرو ایس پی۔ اگر دل چاہے تو مصری سفارت خانے سے میرے بارے میں معلومات حاصل کر لو۔ میں قاہرہ کی ایک متمول شخصیت ہوں۔ اگر یہ بات جھوٹ نکلے تو بے دریغ گولی مار دینا۔"

ایس پی پریشان نگاہوں سے مجھے دیکھنے لگا پھر بولا۔ "کویتا کو تم نے قتل کیا ہے؟"

"نہیں ایس پی صاحب!"

"لیکن سارے ثبوت تمہارے خلاف ہیں۔ اس کے علاوہ تم پر رانا مسعود کے بچے کے قتل کا الزام بھی ہے۔ یہاں تم نے واحد نامی ایک شخص کو قتل کرنے کی کوشش بھی کی ہے۔ یہ کیا راز ہے؟"

"اگر اس راز سے پردہ اٹھاؤں تب بھی تمہیں یقین نہیں آئے گا۔"

"تم کیا کہنا چاہتے ہو؟"

"یہ سب کچھ میں نے ایک ایسی پراسرار قوت کے زیر اثر کیا ہے جس کی بات تم لوگ نہ سمجھ سکو گے۔"

"کون ہے وہ قوت؟"

"سرزمین افریقہ کی ایک ساحرہ اپسرا۔ جو ہزاروں سال سے زندہ ہے۔"

"بکواس مت کرو۔ سیدھی طرح اقرار جرم کر لو۔ ورنہ پھر دوسرے طریقے شروع ہو جائیں گے اور تم سب کچھ اگل دو گے۔"

"ایک ایک بات سچ ہے ایس پی! ایک ایک بات سچ ہے۔ لیکن افسوس تم اس پر یقین نہیں کرو گے۔"

"انسپکٹر! اسے تھرڈ ڈگری کی ضرورت ہے۔ ایسے زبان نہیں کھولے گا۔" ایس پی نے سرد لہجے میں کہا۔ اور انسپکٹر مجھے دیکھ کر گردن ہلانے لگا پھر اس نے دو آدمیوں کو اشارہ کیا اور کہا۔

"اسے جاؤ اسے تھرڈ ڈگری سیکشن میں پہنچا دو۔" اور پھر دو آدمی مجھے وہاں سے پکڑ کر لے گئے۔ ایس پی نے میری قتل والی بات پر کوئی توجہ نہیں دی تھی۔ ظاہر ہے توجہ دے بھی نہیں سکتا تھا۔ وہ یہی سمجھ رہا ہے کہ یہ سب کچھ فراڈ ہے۔ جب میں تھرڈ ڈگری والے کمرے میں پہنچا تو وہاں ایک آدمی بیٹھا ہوا گھور رہا تھا۔ اس نے نگاہ اٹھا کر مجھے دیکھا اور پھر اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ بڑی خونخوار سی شکل کا آدمی تھا۔ وہ اپنی جگہ سے اٹھ کھڑا ہوا۔

"کیا بات ہے؟"

"ابھی انسپکٹر صاحب آتے ہیں وہ تمہیں ہدایات دیں گے اس بارے میں۔" مجھے لانے والوں میں سے ایک نے کہا۔

"ٹھیک ہے کس دوں؟"

"ہاں۔"

اور میں نے اس کس دینے کا مطلب سمجھ لیا تھا۔ وہاں ایک ٹکٹکی بندھی ہوئی تھی۔ تینوں نے مل کر مجھے اس ٹکٹکی سے باندھ دیا۔ یہ ٹکٹکی گھومنے والی تھی اور یہ ایک بڑے سے فریم میں لگی ہوئی تھی۔ تھوڑی دیر کے بعد انسپکٹر وہاں پہنچ گیا۔ اس کے چہرے پر سختی کے آثار نظر آ رہے تھے۔ اس نے مجھے گھورتے ہوئے کہا۔

"دیکھو بارداد خان! حقیقت بتا دو تمہیں کیا فائدہ۔ صورت و شکل سے تم اچھے خاصے آدمی معلوم ہوتے ہو۔ لیکن بہرطور قتل کا الزام ہے تم پر۔ تمہارے بارے میں جو شواہد ملے ہیں۔ وہ عجیب و غریب ہیں۔ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ تم آخر ہو کیا چیز۔ لیکن اگر تم نے زبان نہ کھولی تو پھر تمہارے ساتھ غیر انسانی سلوک کرنا پڑے گا۔"

"انسپکٹر! تم جو سلوک میرے ساتھ کرو۔ یقین کرو۔ صورت حال کچھ ایسی ہے کہ میں اپنے آپ میں الجھ گیا ہوں۔"

"میں تمہیں اچھی طرح سلجھا دوں گا۔ فکر مت کرو۔" انسپکٹر نے تمسخرانہ انداز میں کہا۔ اور پھر اس جلاد نما آدمی کو اشارہ کیا۔ اس نے اپنی کمر سے ایک چوڑی بیلٹ کھولی۔ چمڑے کی بیلٹ بہت خطرناک نظر آ رہی تھی۔ اس میں کئی زبانیں تھیں۔ اس نے بیلٹ کو فضا میں جھٹکا اور ایک زوردار تڑاک کی آواز آئی۔ مجھے اپنے بدن پر چیونٹیاں سی رینگتی ہوئی محسوس ہوئیں۔

"تمہارے اوپر الزام ہے بارداد خان کہ بمبئی سے کچھ فاصلے پر تم نے ایک کوٹھی میں رانا مسعود بن کر داخل ہونے کی کوشش کی اور پھر وہاں ایک معصوم بچے کو قتل کر دیا۔ اس کے بعد تم بمبئی آ گئے۔ پونا ریس کورس میں تم نے عجیب و غریب طریقے سے فری بڑی رقمیں جیتیں۔ اور کوشل کو اپنا دوست بنا لیا۔ پھر کوشل کی بھتیجی کویتا پر تم نے جال ڈالا اور بالآخر اسے بھی قتل کر دیا۔ اس کے بعد تم نے واحد نامی آدمی کو یہاں دہلی میں قتل کرنے کی کوشش کی۔ بمبئی سے تم بھاگ آئے تھے۔

مجھے بتاؤ کیا تم نے رعنا مسعود بن کر اس عمارت میں داخل ہونے کی کوشش کی تھی؟"

"نہیں۔" میں نے جواب دیا۔

"کیا پونا ریس کورس میں تم ریس کھیلتے تھے؟"

"ہاں کھیلتا تھا۔"

"بمبئی میں تمہاری قیام گاہ تھی؟"

"ہاں تھی۔"

"پھر تم دہلی کیوں آ گئے؟"

"بس ایسے ہی سیر و سیاحت کی غرض سے۔"

"تمہارے خاندان میں اور کوئی نہیں ہے؟"

"نہیں۔"

"سفر کے بارے میں جو تم نے ذکر کیا ہے اس میں کہاں تک صداقت ہے؟"

"یہ حقیقت اگر تم لوگ معلوم کرنے کی کوشش کرو تو تمہارا جسم حیرت سے پھیل جائیں۔ میں نے جو کچھ کہا غلط نہیں کہا ہے۔ بہتر طریقہ تم اسے معلوم کرنے کی کوشش کرو۔"

"ہم فضول جھگڑوں میں نہیں پڑیں گے۔ تم اس طرح کچھ وقت لینا چاہتے ہو۔ واحد نے زبان تو نہیں کھولی کیونکہ اس کی زبان تم کھول چکے ہو، لیکن اس نے اپنے جرائم کا اعتراف کر لیا ہے۔ اس نے کہا ہے کہ تم رعنا مسعود بن کر وہاں گئے اور وہاں تم نے اس بچے کو قتل کیا۔ اس کے بعد تم بمبئی میں آ گئے۔ بمبئی میں تم نے ایک جرم کیا اور پھر تم یہاں دہلی پہنچ گئے۔ واحد سے تمہارے کیا تعلقات ہیں، یہ میں نہیں جانتا۔ کانفرنس کی وہ گولی تم نے نکل لی تھی۔ یقیناً کوئی اہمیت رکھتی تھی۔ بہر طور واحد کو اس سلسلے میں چھوڑا نہیں جائے گا۔ ہم اس کے صحت یاب ہونے کا انتظار کر رہے ہیں۔ لیکن اس دوران تم نے اگر زبان نہ کھولی تو مارے جاؤ گے۔"

"بس میں اس سے زیادہ کچھ نہیں کہہ سکتا کہ یہ سب کچھ میں نے خود نہیں کیا۔ ایک پُراسرار قوت کے زیر اثر میں کام کرتا رہا ہوں اور وہ پُراسرار قوت افریقہ سے میرے پیچھے لگی ہوئی ہے۔ وہ جو کچھ ہے اگر تم اس کے بارے میں جان لو گے تو تمہیں کبھی یقین نہیں آئے گا، اس لیے میں کچھ بتانے کی زحمت نہیں گوارہ کرتا۔"

"مگر تمہیں زبان کھولنا پڑے گی دوست! اقرار جرم کر لو۔"

"نہیں۔" میں نے کوئی قتل وتل نہیں کیا۔ یہ سب فضول

بکواس ہے۔" میں نے کہا۔ اور انسپکٹر نے جلاد کو اشارہ کیا اور جلاد میرے بدن پر کوڑے برسانے لگا۔ پورے بدن میں ایک آگ سی بھرتی جا رہی تھی۔ میں نے آنکھیں بند کر لی تھیں اور اپنے ذہن کو آزاد چھوڑ دیا۔ شدید تکلیف کے احساس نے میری جان نکال دی تھی۔ لیکن میں نے ہونٹ بھینچ لیے۔ میں یہ محسوس کر رہا تھا کہ یہ کوڑے میرے بدن پر پڑ رہی نہیں ہے بلکہ ان کا مرکز کوئی اور ہے اور نہ جانے کیوں اس احساس سے مجھے کسی قدر سکون کا احساس ہوا۔ میں نے واقعی یہ محسوس کیا کہ کوڑے میرے بدن پر نہیں پڑ رہے۔ حالانکہ جب بھی اپنے آپ پر غور کرتا تو پورے بدن میں آگ کی لکیریں دوڑتی ہوئی محسوس ہوتی تھیں، لیکن میری دوسری کیفیت مجھے سنبھالا دے رہی تھی۔ پھر نہ جانے کب میں بے ہوش ہو گیا۔

ہوش آیا تو ذہن اپنے آپ ہی میں تھا۔ اذیت سے میری چیخیں نکل گئی تھیں۔ میں ایک فرش پر پڑا ہوا تھا۔ میرے نیچے چٹائی بچھی ہوئی تھی۔ میرے زخموں میں سے ٹیسیں اٹھ رہی تھیں۔

"آہ!" میں کربناک چیخیں نہ روک سکا۔ برابر لیٹے ہوئے ایک قیدی نے ہمدردی سے میرے سر پہ ہاتھ رکھ کر کہا۔

"تمہیں تو شدید بخار ہے۔ کس جرم کی سزا دی جا رہی ہے۔ کیا کہلوانا چاہتے ہیں وہ؟"

"سو جاؤ آرام سے سو جاؤ۔ کچھ نہیں کہلوانا چاہتے۔ بس تم سو جاؤ۔" میں نے درد و کرب سے کہا اور قیدی خاموش ہو گیا۔ یہاں کسی کی کوئی مدد نہیں کر سکتا تھا۔ پتہ نہیں کس طرح انہوں نے عدالت سے میرا ریمانڈ حاصل کر لیا تھا۔ مجھے عدالت میں لے جانے کی ضرورت نہیں پیش آئی تھی۔ اس سلسلے میں یقیناً انہوں نے کوئی خاص ہی کارروائی کی تھی۔ یا پھر یہ بھی ممکن ہے کہ کوشش اور اس کے ہمراہ آنے جانے والے کوتا کے رشتہ داروں نے عدالت میں اپنا کوئی تعلق لگا لیا ہو۔

بہرطور مجھے چار دن تک تھانے میں رکھا گیا۔ میں نے اپنے بیان میں کوئی تبدیلی پیدا نہیں کی تھی۔ میں نے ان لوگوں سے یہی کہا کہ قتل میں نے نہیں کیا۔

پانچویں دن مجھے تھانے سے جیل میں منتقل کر دیا گیا اور میرا جیل ریمانڈ لے لیا گیا۔ جیل میں ایک کوٹھری میں مجھے قید کر دیا گیا۔ میرے اوپر سنگین پہرہ لگا ہوا تھا۔ یہاں اس کوٹھری میں میرے ساتھ کوئی نہیں تھا۔ بس تاریکی اور خاموشی یا پھر ان زخموں کی اذیت جن پر اب مرہم لگا دیا گیا تھا۔ لیکن میرے زخم برابر تکلیف دے رہے تھے۔ چھٹی اور ساتویں رات میں مجھے قدرے سکون محسوس ہونے لگا۔ اس رات میں نے اپنے آپ پر غور کیا۔ اور ایک بار پھر میرا ذہن ڈانوا ڈول ہونے لگا۔ اسپرا میرے ذریعے جو جرائم کرا رہی ہے اس میں مجھے کیا عار ہو سکتا ہے۔ مجھے اس کی مرضی کے مطابق کام کرتے رہنا چاہیے۔ اس میں کیا حرج ہے۔ ویسے بھی تو زندگی جا رہی ہے اور اب میں اپنی دنیا میں کبھی واپس نہیں لوٹ سکتا۔ سلطان اور دوسرے لوگ نہ جانے کہاں رہ گئے تھے۔ کوئی میری مدد کو نہیں آ سکتا اس لیے اب ان تمام مسئلوں میں پڑنا بے کار ہے۔

اسپرا کی بات جب تک مان رہا تھا۔ واقعی مجھے کوئی تکلیف نہیں تھی۔ لیکن میری اپنی ضد نے مجھے کہیں کا نہیں رکھا تھا۔ اور میں جانتا تھا کہ مجھے بالآخر ایک نہ ایک دن پھانسی پر چڑھنا ہو گا۔ "ذلیل عورت، کہاں مر گئی تو۔ خدا تجھے غارت کرے۔" میں نے کراہتے ہوئے کہا۔ اور دفعتاً میرے کانوں میں اسپرا کی ہنسی ابھری۔ یہ ہنسی مجھے کوٹھری کے ایک کونے میں سنائی دی تھی۔

"اوہ! تو تم یہاں موجود ہو۔"

"میں کہاں جاؤں گی جان من! تم سے دور کہاں جاؤں گی۔ تمہارے بارے میں تو مجھے مکمل معلومات رکھنا ہوتی ہیں۔ میں موجود ہوں، کہو کیا بات ہے؟"

"مجھے اس کرب سے نجات دلا دے۔ مجھے اس اذیت سے نجات دلا دے۔ میں تیری ہر ہدایت پر عمل کروں گا۔ میں تیرے لیے سب کچھ کرنے کو تیار ہوں۔ آہ مجھے اس عذاب سے نجات دلا دے۔"

"کیا واقعی سچ کہہ رہے ہو تم؟"

"ہاں میں ٹھیک کہہ رہا ہوں۔ میں اب تیرے لیے سب کچھ کرنے کو تیار ہوں۔"

"سوچ لو بابر داد خان!"

"سوچ لیا میں نے اسپرا! میں نے سوچ لیا ہے۔ میں جانتا ہوں کہ میں تیرے چنگل سے کبھی نہیں نکل سکتا۔"

"تمہیں نے تو میری دنیا برباد کی تھی بابر داد خان! اب تم ہی میری دنیا آباد کرو گے۔ بہرحال ٹھیک ہے آزاد ہو جاؤ گے۔ فکر مت کرو اور سنو اب تمہاری اس زندگی میں کچھ تبدیلیاں رونما ہوں گی۔ تم ایک مفرور مجرم ہو گے۔ تمہیں زمانے کی نگاہوں سے چھپنا ہو گا لیکن اس سلسلے میں، میں تمہیں ایک ترکیب بتا سکتی ہوں۔ میں تمہیں ایسے لوگوں کے پاس پہنچا

دوں گی جو تمہیں ایک نئے نام سے یاد کریں گے اور تمہاری
زندگی میں کچھ دوسرے مسائل بھی شامل ہو جائیں گے لیکن ان کے
ساتھ تم عیش کرو گے مجھے: عیش کرو گے تم۔"
"کون لوگ ہیں وہ اور میں یہاں سے کیسے نکل سکوں گا؟"
"یہ تمہیں کل معلوم ہو جائے گا کہ وہ کون لوگ ہیں اور
تم کیسے نکلو گے لیکن میری ایک بات سنو۔ تمہارا نام اب بابر
داد خان نہیں بلکہ تم شیرو ہو۔ شیرو کی حیثیت سے تمہیں نئے
نئے کردار ملیں گے۔ میں تمہیں ان کے بارے میں اطلاع دیتی
رہوں گی کہ کرنا کیا ہے۔ تم کسی سلسلے میں پریشان مت
ہونا۔ جو کچھ وقت کی ضرورت ہو گی۔ میں تمہارے کانوں میں
انڈیلتی رہوں گی۔ تم وہی سب کچھ بن جانا جو وہ لوگ چاہتے
ہیں۔ اور وہ جو کچھ بھی ہیں۔ تمہیں بہت سی جگہوں پر اداکاری
بھی کرنا ہو گی۔ اس اداکاری کے بغیر تمہاری زندگی ممکن نہیں ہے۔
اگر تم نے اپنے آپ کو شیرو ثابت کیا تو پھر تم شاید مصیبتوں میں
گرفتار ہو جاؤ۔ اس بار تم قتل کے جرم کے ساتھ ساتھ جیل سے
فرار کے مجرم بھی بن جاؤ گے۔ سمجھے۔"
"ٹھیک ہے تو میرا نیا نام شیرو ہو گا۔"
"ہاں، شیرو۔ اور شیرو کی حیثیت سے تمہیں بہت
سے نئے کردار ملیں گے۔ اپنے آپ کو الجھانے کی کوشش
مت کرنا۔ بس جس طرح حالات کہتے رہیں۔ ویسے ہی بن جانا۔
تمہارے دل اور دماغ میں سب کچھ آتا رہے گا۔ جو تمہاری ضرورت
ہو گی۔ میں اس سلسلے میں تمہاری مددگار رہوں گی۔"
"ٹھیک ہے ٹھیک ہے۔ میں تمہاری ہر ہدایت پر عمل
کروں گا۔"
"تو بس آج کی رات گزار لو کل دن میں کچھ نہ کچھ ہو جائے
گا۔" اپسرا نے کہا اور اس کے بعد آواز بند ہو گئی۔ میرے دل میں
خوشی کا کوئی جذبہ نہیں تھا۔ یہ سب کچھ تو میں نے بحالت مجبوری
کیا تھا۔ میں اس کم بخت کے لیے قتل و غارت گری نہیں کرنا
چاہتا تھا۔ لیکن اپنے بچاؤ کا اس کے سوا کوئی صورت نہیں تھی۔
یہ لوگ تو اذیت دے دے کر مجھے۔ مار ڈالیں گے۔ اور بالآخر
مجھے اس زندگی سے محروم ہونا پڑے گا۔ زندگی بڑی حسین شے
ہوتی ہے۔ کوئی بھی مرنا نہیں چاہتا۔ میں بھی مرنا نہیں چاہتا
تھا۔ حالانکہ میری زندگی میں اب بہت کچھ ایسا تھا۔ لیکن بار بار
میں جذباتی ہو جاتا تھا۔ اور جذباتی ہو جانے کے بعد میں اپنا
سب کچھ کھو بیٹھتا تھا۔ اگر اپسرا کی بات نہ مانتا رہتا تو شاید
یہیں جیل میں زندگی گزار رہا ہوتا۔ اور یہیں کی بری جگہ نہیں تھی۔

بہر طور رات کسی نہ کسی طرح گزاری۔ دوسرے دن
صبح کے ناشتے کے بعد بیٹھا ہی ہوا تھا کہ دفعتاً جیلر کا ایک
آدمی میرے پاس پہنچا اور مجھے کوٹھڑی سے نکال لیا گیا۔ تھوڑی
دیر کے بعد مجھے جیلر کے دفتر میں پہنچا دیا گیا۔ جیلر ایک ہنس مکھ
اور ملنسار قسم کا آدمی تھا۔ قد آور تھا۔ اور شکل و صورت سے
سیدھا سادا شریف آدمی نظر آتا تھا۔ اس کے سامنے ایک بڑی مونچھوں
والا شخص بھی بیٹھا ہوا تھا جس کا بدن بھاری تھا۔ بائیں کنپٹی
سے لے کر ٹھوڑی تک زخم کا ایک گہرا نشان بنا ہوا تھا۔
گال بُری طرح پچکے ہوئے تھے۔ تن و توش میں خاصا زبردست
تھا۔ اس نے مجھے دیکھ کر مسکراتے ہوئے کہا تھا۔
"یہی ہے میرا شیرو یہی ہے۔"
"مگر جناب! یہ تو بابر داد خان کے نام سے یہاں آیا
ہوا ہے۔"
"بکتے ہیں۔ سب بکتے ہیں۔ جیلر جی! تم مجھے جانتے
ہو کہ میں کون ہوں۔ کیا میں غلط کہوں گا؟"
"نہیں خان! تم غلط نہیں کہہ سکتے۔ لیکن میں کیا جواب
دوں گا۔"
"جیلر! میرے سلسلے میں کوئی جواب دینے کی ضرورت
رہ جاتی ہے جو اس بارے میں پوچھے اس کے سامنے تم میرا
نام لے دینا۔"
"ٹھیک ہے خان بابا! تم اسے لے جا سکتے ہو۔"
میں حیران رہ گیا۔ یہ جو کچھ جتنی آسانی سے ہوا تھا۔ میں یہ
سوچ بھی نہیں سکتا تھا۔ میرے لیے تو بڑے بڑے منصوبے
بنائے گئے تھے۔ پولیس آفیسرز اور دوسرے لوگ میرے
لیے بچانے کیا کیا کچھ کر رہے تھے۔ بہر طور یہ شخص جو خان بابا کی
حیثیت سے آیا تھا اور جس نے مجھے شیرو کہہ کر مخاطب
کیا تھا یقیناً کوئی ایسا ہی آدمی تھا جس کی اطلاع مجھے دے
دی گئی تھی۔ چنانچہ میں نے بھی کوئی تعرض نہیں کیا۔
اس شخص نے مجھے گلے سے لگایا۔ میرے سر پر ہاتھ پھیرا۔
اور مجھ سے کہنے لگا۔
"جان کیسے پہنچ گئے تھے یہاں۔ شیرو تو اپنا کسی کے
قابو میں آنے والا نہیں تھا۔ چلو چلو بہت سے لوگ تمہارے
منتظر ہیں۔ ہم آج ہی یہاں سے روانہ ہو جائیں گے۔ بڑی مشکل
سے پتہ چلا تھا کہ تم یہاں جیل میں موجود ہو۔ میں نے کوئی جواب
نہیں دیا۔ اپسرا میرے کان میں کھسر پھسر کر رہی تھی۔ اور مجھے
تمام تر صورت حال بتا رہی تھی۔ اور اس صورت حال کو سن کر میں

دنگ رہ گیا تھا۔
میری تو واقعی شخصیت ہی بدل گئی تھی۔ مجھے ایسے
ایسے کردار ادا کرنے تھے کہ خود میرے لیے ممکن نہیں تھے۔
لیکن اپسرا کے زیر ہدایت مجھے وہی کچھ کرنا تھا جو وہ چاہتی
تھی اگر وہ نہ کرتا تو پھر جیل کے سلاخوں کے علاوہ میرے لیے کوئی
اور جگہ موجود نہ تھی۔ اب دیکھنا یہ تھا کہ نئی زندگی میرے
لیے کیسی ہو گی۔ خان بابا مجھے جیل سے باہر نکال لایا تھا۔
باہر نکل آنے کے بعد وہ بالکل سنجیدہ ہو گیا تھا۔ یوں
لگتا تھا جیسے اس کی شخصیت ہی بدل گئی ہو۔ باہر کی دنیا بدلی
بدلی محسوس ہو رہی تھی۔ یہاں نہ جیل کے سپاہی تھے نہ بیڑیاں۔
تھیں نہ پتھریلی دیواریں نہ لوہے کی سلاخیں۔ چوڑی سیاہ سڑکیں
بلند و بالا عمارتیں۔ جاگتے جیتے لوگ۔ دکانیں، ٹھیلے، گاڑیاں
یہ تمام منظر چند ہی دنوں میں مجھے عجیب سا لگنے لگا تھا۔
میرے قدم گویا زمین پر نہیں پڑ رہے تھے۔ ہاتھ پاؤں میں
ایک لرزش سی تھی۔ پتہ نہیں یہ خواب تھا یا حقیقت جو
کچھ پیچھے رہ گیا تھا وہ خواب تھا جو کچھ سامنے موجود ہے وہ
خواب ہے۔ اپسرا نے میری ساری ذہنی صلاحیتیں چھین
لی تھیں۔ مجھے خوف سا محسوس ہوا کہ کوئی مجھے نیند سے بیدار نہ
کر دے اور میں دوبارہ سلاخوں کے پیچھے نہ چلا جاؤں۔
خان میرے ساتھ ساتھ آگے بڑھ رہا تھا۔ اس کی
سنجیدگی مجھے حیرت انگیز لگ رہی تھی تھوڑی دیر چلنے کے بعد
وہ ایک ریسٹوران کے سامنے پہنچ گیا۔ چند لمحات کے بعد
ہم دونوں ایک میز پر بیٹھے ہوئے تھے۔ کھانوں کی مست
خوشبو چاروں طرف پھیلی ہوئی تھی۔ چائے کی پیالیاں کھنک
رہی تھیں۔ خان نے میری طرف دیکھا اور بولا۔
"کیا پیو گے؟"
"چائے۔" میں نے تھکے تھکے لہجے میں جواب دیا۔
اور اس نے چائے منگوالی۔ پھر بھاری بھاری لہجے میں بولا۔
"دیکھو۔ جیل میں۔ میں نے جو کچھ کیا جو کچھ کہا ضروری تھا۔
تمہیں بمبئی روانہ ہونا ہے۔ وہاں پہنچ کر بارلی میں اس جگہ
جانا ہے۔ جہاں سے تمہارے لیے دشمنی کا آغاز ہوا تھا۔
وہاں تمہیں بہت سے لوگ ملیں گے۔ شیرو! تم جانتے ہو
تمہیں کیا کرنا ہے۔ میں زیادہ دیر تک تمہارا ساتھ نہیں دے
سکوں گا۔ اس کے بعد حالات تمہیں خود سنبھالنے ہیں۔
چائے پیو اور یہاں سے اٹھ چلو۔ اس کے بعد میں تمہیں چھوڑ
دوں گا۔ اور ہاں رقم کی ضرورت ہو تو جتنی چاہو لے لو لیکن

کام وہی سب کچھ کرنا ہے جو تمہیں معلوم ہے۔"
"ٹھیک ہے خان!" میرے منہ سے بے اختیار نکلا۔
ان جملوں کی ادائیگی میں میری اپنی کوششوں کو دخل نہیں
تھا میں تو ایک سحر کے زیر اثر کام کر رہا تھا۔ اور یہ سحر مجھے
نجانے کہاں کہاں بھٹکانے لے جا رہا تھا۔ چائے پینے کے
بعد ہم وہاں سے اٹھ گئے۔ خان تھوڑی دور چلنے کے بعد مجھ
سے جدا ہو گیا۔ یہ کردار میری سمجھ میں نہیں آیا تھا۔ یوں لگتا
تھا۔ جیسے وہ کوئی مافوق الفطرت ہستی ہو جو اپسرا کی طرف
سے صرف میری رہائی کے لیے بھیجی گئی ہو۔ لیکن جیلر اس کے سامنے
اتنا نرم کس طرح ہو گیا تھا۔ یہ بات اس دن ہی نہیں بلکہ
اس دن سے آج تک میری سمجھ میں نہیں آ سکی۔
بہر طور میں تنہا رہ گیا تھا۔ چلتے وقت خان نے میری
جیب میں چھوٹے اور بڑے نوٹوں کی ایک دو گڈیاں ڈال
دی تھیں۔ جن کی تعداد بہت زیادہ تو نہیں تھی۔ لیکن کم از کم
اتنی ضرور تھی کہ میں کام چلا سکتا تھا۔
خان نے مجھ سے کہا تھا کہ میں دوبارہ بمبئی واپس چلا
جاؤں۔ بمبئی میں تو میں ایک شاندار زندگی گزار چکا تھا اور
اس کے بعد وہاں سے جس انداز میں بھاگا تھا۔ اسے میرا دل
ہی جانتا تھا۔ بڑی پریشانی کے عالم میں تھا۔ اس وقت اندر
سے میرا حال بڑا خراب تھا۔ وہی بے چینی مایوسی خوف ایسا
لگتا تھا۔ جیسے اس پوری دنیا میں کوئی میرا شناسا نہ ہو۔
میں بالکل تنہا تھا۔ خان کی نگاہوں سے اوجھل ہو جانے کے بعد
میں آگے بڑھتا رہا اور دونوں ہاتھ کے ساتھ ساتھ چلتا ہوا
بالآخر ایک کھمبے کے قریب پہنچ گیا۔ مجھ سے اب ایک قدم
بھی آگے نہیں بڑھایا جا رہا تھا۔ جی چاہ رہا تھا کہ اس کھمبے
سے سر ٹکرا ٹکرا کر جان دے دوں۔
پتہ نہیں کس مصیبت سے یہ وقت گزارا پھر میں نے
سوچا کہ اپسرا سے وعدہ تو کر ہی لیا ہے رجوع کروں جو اس نے
کہا ہے۔ چنانچہ اپنا رخ اسٹیشن کی طرف کر دیا۔ سارے شہر
میں روشنیاں ہی روشنیاں پھیلی ہوئی تھیں۔ روشنیوں
کوئی صحرا نظر آ رہا تھا۔ میرا بس چلتا تو میں اس شہر کو آگ
لگا دیتا۔ ان شہروں میں اس دنیا میں میرا کوئی نہیں ہے۔
اسٹیشن پر مسافروں کی بھیڑ زیادہ نہیں تھی۔ میں نے ایک
جگہ منتخب کی اور اپنا بازو سر کے نیچے رکھ کر نڈھال سا زمین پر
لیٹ گیا اور پھر آنکھیں بند کر لیں۔
اسٹیشن پر ہونے والے شور سے مجھے وحشت ہو رہی

تھی۔ بمبئی جانے والی گاڑی کے بارے میں معلومات حاصل کر لی تھیں۔ اور ٹکٹ بھی خرید لیا تھا۔ مجھے اس نیم بے ہوشی کی کیفیت میں پڑے پڑے ہوئے کوئی آدھا گھنٹہ گزرا ہوگا کہ میں نے اپنے قریب کسی کی سرسراہٹ محسوس کی۔ شاید کوئی مسافر ہوگا۔ یہ خیال کر کے میں کروٹ بدلے بغیر ایسے ہی پڑا رہا۔ لیکن دوسرے لمحے میں ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھا۔ ایک شخص کا ہاتھ میرے گریبان پر تھا۔ دوسرے کا جیب میں۔ میرے اچانک بیدار ہو جانے سے وہ گھبرا کر پیچھے ہٹے اور دوسرے ہی لمحے میں اچھل کر کھڑا ہو گیا۔ وہ بجائے اس کے کہ میرے جاگ جانے سے بھاگ جاتے مجھ پر حملہ آور ہو گئے۔ ایک نے ناک کے پاس ٹکر لگایا۔ دوسرے نے پیٹ میں گھونسا مارا اور میں دوہرا ہو گیا۔ جیب میں ہاتھ ڈالنے والے شخص نے فوراً میری جیب میں دوبارہ ہاتھ ڈالا اور دوسرے نے میرا گریبان پھاڑ دیا۔ میں نے اسی تکلیف کے عالم میں ایک بار اس کے سینے پر مارا اور وہ دھڑام سے پلیٹ فارم کی سخت زمین پر جا پڑا۔ اس اثنا میں جو شخص جیب سے روپے نکالنے کی کوشش کر رہا تھا۔ وہ سنبھل کر کھڑا ہو گیا۔

اس کے ہاتھ میں روپے نہیں آسکے تھے۔ یا اس نے اپنے ساتھی کا حشر دیکھ کر اپنا ارادہ ملتوی کر دیا تھا۔ اس نے جیب سے ہاتھ نکال کر مجھ پر وار کرنے کے لیے ہاتھ اٹھایا ہی تھا کہ میں نے اس کا ہاتھ جہاں تھا وہیں پکڑ لیا۔ اور پھر اس کے پیٹ میں اتنی زور سے مکا مارا کہ جتنی زور سے اس کے ساتھی نے مجھے مارا تھا۔ وہ کراہتا ہوا بنچ کے قریب ڈھیر ہو گیا۔ میں نے وہاں سے فوراً بھاگنے کا ارادہ کیا لیکن چند قدم آگے مجھے دو اور غنڈوں نے گھیر لیا۔ اسی دوران پٹنے والے غنڈے بھی آگئے۔ اور اب میں بری طرح ان کی گرفت میں تھا۔ انہوں نے مجھے چاروں طرف سے گھیر لیا تھا۔

پھر وہ میری تلاشی لینے لگے۔ میں اپنے آپ کو ان کے حوالے کر دیتا۔ لیکن میرے پاس جو روپے تھے وہ میرا آخری سہارا تھے۔ میں نے ان کی منت کی کہ مجھے چھوڑ دیں۔ میں ایک غریب اور بے گھر آدمی ہوں لیکن ان میں سے ایک نے میری جیب سے روپے نکال لیے۔ اس کی آنکھیں اچٹ سی گئی تھیں۔

"ابے باپ رے، یہ دیکھو بھائی! اس کی جیب میں تو بڑا مال ہے۔" اس نے اپنے ساتھی سے کہا۔

"اور دیکھو — اور دیکھو اور بھی کچھ ہوگا جلدی کرو!" دوسرے غنڈے نے کہا۔

"میرے روپے واپس کر دو۔ ورنہ اچھا نہیں ہوگا۔" میں نے سرد لہجے میں کہا۔

"مزدور، مزدور۔ ہم تجھے سو روپے ہفتے کے کمانے کے پیسے مزدوری دیں گے۔ بتا اور مال کدھر ہے؟"

"روپے واپس کر دو۔" میں نے چیخ کر کہا۔

"اسے چھوڑتا ہے بدمعاش۔" اس نے ایک الٹا ہاتھ میرے منہ پر مارا اور دوسرے لمحے میرا الٹا ہاتھ اس کے منہ پر جا پڑا۔ میرا ہاتھ اتنا زوردار تھا کہ ایک لمحے کے لیے وہ سن کھڑا رہ گیا۔ لیکن دوسرے لمحے اس نے چاقو نکال لیا تھا۔ وہ آہستہ آہستہ میرے قریب آتا جا رہا تھا۔ میں یونہی کھڑا ان دونوں کو گھورتا رہا۔

"یہ چاقو ابھی تیرے پیٹ میں اتر جائے گا۔ جان پیاری ہے تو باقی مال بھی میرے حوالے کر دو۔" میں نے ایک لمحے کے لیے کچھ سوچا اور دوسرے لمحے میں نے چاقو والے ہاتھ پر ہاتھ ڈال دیا۔ چاقو اس کے ہاتھ سے نکل کر میرے ہاتھ میں منتقل ہو گیا تھا۔ اور اس کے ساتھ ہی میں نے اس شخص کی گردن پکڑ لی۔ جس نے میرے روپے نکالے تھے۔

"نکالو روپے۔ ورنہ یہ چاقو تمہارے سینے میں پیوست ہو جائے گا۔" میں نے اس کی جیب میں ہاتھ ڈال کر دونوں گڈیاں نکال لیں۔ اور اپنی جیب میں منتقل کر لیا۔ اسی وقت دو تین سپاہیوں کے قدموں کی چاپ سنائی دی۔ وہ سامنے سے آتے نظر آرہے تھے۔ سپاہیوں کو دیکھ کر ان کے حلیے خراب ہو گئے۔ دوسرے ہی لمحے ان لوگوں نے دوڑ لگا دی تھی۔ اور میں اپنے پیسے سنبھال ہی رہا تھا کہ سپاہی میرے پاس پہنچ گئے۔ انہوں نے میرا حلیہ اور چاقو دیکھ کر —— معنی خیز انداز میں گردن ہلائی۔ اور اپنے ڈنڈے سنبھال کر کھڑے ہو گئے۔

"کون ہو تم؟" ان میں سے ایک نے پوچھا۔

"ایک مسافر ہوں۔" میں نے تھکی تھکی آواز میں جواب دیا۔ پولیس والا بولا۔

"یہاں کون تھا؟ ابھی یہ شور کیسا ہو رہا تھا؟"

"دو تین بدمعاش تھے۔ مجھے لوٹنا چاہتے تھے۔ انہوں نے یہ روپے میری جیب سے نکال لیے تھے۔ اور پھر چاقو میرے سینے پر رکھ کر مجھ سے مزید رقم کا مطالبہ کر رہے تھے کہ میں نے چاقو چھین لیا۔ آپ لوگوں کو دیکھ کر وہ لوگ بھاگ گئے۔"

"چاقو دیکھ کر بھاگ گئے یا ہمیں دیکھ کر؟" ان سے ایک

نے پوچھا۔

"جو کچھ بھی سمجھ لیجیے۔ قسمت نے آپ کو بھی وقت پر بھیج دیا ہے۔"

"جھوٹ بڑی کامیابی سے بول لیتے ہو استاد! سچ سچ بتا دو کیا معاملہ تھا؟"

"میں جو کچھ کہہ رہا ہوں۔ وہ حقیقت ہے۔ ان کا چاقو میرے پاس ہے۔ آپ نے انہیں بھاگتے ہوئے دیکھا ہوگا۔"

"یہ چاقو تمہارا بھی ہو سکتا ہے۔ کہاں رہتے ہو؟ اور کیا نام ہے تمہارا؟"

"میرا نام بابر دادخان ہے اور میں جیل سے رہا ہوا ہوں۔" میں نے کہا۔

"اوہ! تازہ تازہ رہا ہوئے ہو اور اس کے فوراً بعد ہی کارروائی شروع کر دی۔"

"دیکھیے صاحب! جو کچھ میں کہہ رہا ہوں اس میں ایک لفظ بھی غلط نہیں ہے۔"

"بکواس کرتے ہو۔ مجھے تم کوئی خطرناک آدمی معلوم ہوتے ہو۔ اس شہر میں تمہیں کوئی جانتا ہے؟"

"کوئی نہیں۔ کیا یہ ضروری ہے کہ ہر شہر میں کوئی نہ کوئی جاننے والا موجود ہو۔" میں نے اسے سمجھاتے ہوئے کہا۔

"یہ چاقو ادھر لاؤ۔" ان میں سے ایک بولا۔ اور میں نے چاقو اس کے حوالے کر دیا۔

"معاملہ کچھ گڑبڑ معلوم ہوتا ہے۔ شاید تمہارا ڈاکہ ڈالنے کا پروگرام تھا۔ تم نے اپنے ساتھیوں کو بھگا دیا۔"

"حوالدار صاحب! آپ کیسی باتیں کر رہے ہیں۔ دیکھیے میں زخمی ہوں۔ مجھے بخار ہے۔ اور اگر مجھے ڈاکہ ہی ڈالنا ہوتا تو میں بھی ان لوگوں کے ساتھ فرار ہو جاتا۔"

"تمہیں تھانے چلنا ہوگا۔"

"مگر میں نے کوئی جرم نہیں کیا۔"

"جرم؟" وہ چاقو لہراتے ہوئے بولا۔ "کیا یہ جرم نہیں ہے۔ رات کے وقت یہاں بیٹھنا، شور شرابہ کرنا کیا جرم نہیں ہے؟ باقی جرم تھانے دار صاحب عائد کریں گے اور وہ صبح سے پہلے تمہیں چھوڑیں گے۔ جب تک کہ انہیں اس علاقے میں آج رات صحیح سلامت گزرنے کا یقین نہیں ہوگا۔ چلو!"

"دیکھو تھانیدار صاحب! میں بمبئی جا رہا ہوں۔ میں نے بمبئی جانے کا ٹکٹ بھی لے رکھا ہے۔ اگر تم نے مجھے بمبئی نہ جانے دیا۔ تو یہ ٹکٹ بے کار ہو جائے گا۔" میں نے ٹکٹ ان کے سامنے کرتے ہوئے کہا۔ اور حوالدار نے ٹکٹ میرے ہاتھ سے چھین لیا۔

"یہ ساری باتیں میں اچھی طرح جانتا ہوں۔" اس نے فیصلہ کن لہجے میں جواب دیا۔ "چور ڈاکو اسی قسم کے بہانے کرتے رہتے ہیں۔ چلو، تمہیں چھوڑوں گا نہیں۔"

میں نے بہت منت سماجت کی ان لوگوں کی۔ شہر میں کوئی ایسا نہیں تھا جس سے میں تعلق کا حوالہ دیتا۔ اس وقت مجھے اندازہ ہوا کہ آدمی دنیا میں تنہا نہیں رہ سکتا۔ اس کی بنیاد ضرور ہونی چاہیے۔ کسی محلے، کسی گروہ اور کسی گھرانے سے اس کی وابستگی ضروری ہے۔ کیونکہ یہاں پولیس والے بھی رہتے ہیں۔ انہیں سب سے زیادہ ضرورت شناخت کی پڑتی ہے۔ اگر میں ان کے ساتھ جانے سے انکار کر دیتا۔ تو وہ اپنے گلے میں لٹکی ہوئی سیٹی بجاتے اور پھر اسی طرح اور بھی بہت سے پولیس والے بھی آجاتے اور اس کے بعد مجھے دوبارہ پھر جیل میں منتقل کر دیا جاتا۔ خان تو مجھے رہا کرانے کے بعد جا چکا تھا۔ وہ کون تھا؟ کیا تھا؟ کہاں سے آیا تھا؟ اس بارے میں مجھے کچھ علم نہیں تھا۔ دفعتاً مجھے اپسرا کا خیال آیا۔ جب اس نے مجھے جیل سے رہا کرایا ہے تو وہ باقی معاملات بھی سنبھالے گی۔ یہ سب کچھ میرا اپنا مسئلہ تو نہیں تھا۔ میں تو اس کی ہدایت پر عمل کرنے کے لیے اب جیل سے نکلا تھا۔ چنانچہ میں نے فیصلہ کن انداز میں جواب دیا۔

"سنو حوالدار جی! میں نے کوئی گناہ نہیں کیا ہے۔ آپ مجھے وہاں لے جا کر اپنا وقت ضائع کر رہے ہیں۔"

"سب مجرم ایسی ہی باتیں کرتے ہیں۔"

"آپ مجھے مجرم کیوں کہہ رہے ہیں؟"

"چلو ملزم سمجھ لو۔" حوالدار جی نے قانون چھانٹا۔

"میں نہیں جاؤں گا۔" میں نے برہم ہو کر کہا۔

"کیا؟" اس نے میرا چہرہ دیکھ کر ڈنڈا سنبھالا لیکن میں نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا اور دوسرے لمحے اس کو جھٹکا دیا۔ ڈنڈا دور جا گرا۔ حوالدار ایک دم مجھ پر حملہ آور ہو گیا۔ دوسرے حوالداروں نے مجھ پر حملہ کرنے کی کوشش کی۔ لیکن میں نے اب ان کی پٹائی شروع کر دی تھی۔ اس کے علاوہ اور کوئی چارہ کار نہیں تھا۔ میں نہیں جانتا تھا کہ میرے بدن میں کون سی قوتیں کام کر رہی ہیں۔ لیکن میرے مکے ان لوگوں کو چھٹی کا دودھ یاد دلا رہے تھے۔ میں نے ان لوگوں کی خوب مرمت کی اور پھر دوسرے لمحے ایک حوالدار اپنی سیٹی بجانے لگا۔ مجھے یقین تھا کہ

کہ اب اس کے بعد بہت سارے سپاہی آجائیں گے اور شاید
ان سب سے بچنا میرے لیے ممکن نہ ہو۔ سیٹیوں کی آوازیں چاروں
طرف ابھر رہی تھیں۔ ہیبت ناک آوازیں جو تیر کی طرح دل میں
اتر جاتی تھیں۔

میں بھوک اور بخار کی ناتوانی میں اس گلی سے اس گلی بھاگتا
رہا۔ سپاہیوں نے مجھے معاف نہیں کیا تھا۔ ایک طرف سیٹی بجتی
تو ہر طرف سیٹیاں بجنے لگتیں۔ تب مجھے خود کو ایک شکستہ دیوار
کی اوٹ میں چھپانا پڑا۔

وہاں مرغیاں بند تھیں۔ میری آہٹ پر مرغیوں میں
افراتفری پھیل گئی۔ وہ شور کرنے لگیں۔ میں چپ چاپ
ایک کونے میں بیٹھا رہا۔ یہ کسی گھر کا ٹوٹا ہوا حصہ تھا جو کبھی
مکان کے اندر شامل ہوگا۔ آدھی چھت سلامت تھی اور آدھی
کی گنی چنی اینٹیں ادھر ادھر بکھری پڑی ہوئی تھیں جو حصہ محفوظ
رہ گیا تھا اب اسی میں مکان تھا۔

مکان کے ایک چھوٹے سے حصے میں سے لرزتی ہوئی آواز
ابھری۔

"کون ہے؟" میں دم سادھے پڑا رہا۔ مرغیاں اب
بھی کڑکڑا رہی تھیں۔ ایک عورت نے لرزتے ہوئے ہاتھ
میں جلتی لالٹین باہر نکالی اور پھر لرزتی آواز میں بولی۔

"کون ہے؟" وہ چند قدم آگے بڑھی اور دوسرے ہی
لمحے کوئی چیز میری پشت پر آکر لگی۔ میری کراہ نکل گئی۔ اگر میں
اسی طرح پڑا رہتا تو وہ پتھر مار مار کر میرا حلیہ خراب کر دیتی۔
چنانچہ میں لڑکھڑا کر اپنی جگہ سے کھڑا ہو گیا۔

باہر سیٹیاں گونج رہی تھیں۔ میں کسی دوسری جگہ پناہ
بھی نہیں لے سکتا تھا۔ یہی خوف تھا کہ عورت کے گھر والے جاگ
کر شور نہ مچا دیں۔ میں نے آہستگی سے جواب دیا۔

"میں — میں ایک مظلوم انسان ہوں۔ یقین کرو میں
چور نہیں ہوں۔ بس ایک بے گناہ آدمی ہوں جس کے پیچھے
پولیس خواہ مخواہ لگ گئی ہے۔"

"بے گناہ!" عورت خوف زدہ لہجے میں بولی۔

"ہاں بہن! میں چور نہیں ہوں۔ تم یقین کرو میں چور
نہیں ہوں۔" میں نے کہا۔

"بہن!" وہ عجیب سی آواز میں بولی۔ اس آواز میں
محبت کا رس گھلا ہوا تھا۔ پھر اس نے آہستہ سے کہا۔ "یہاں
کیوں چھپے بیٹھے ہو؟"

"کچھ دیر میں چلا جاؤں گا۔ یقین کیجئے آپ کی کسی چیز
پر ہاتھ نہیں ڈالوں گا۔ آپ اطمینان سے سو جائیں۔"

"تم — مگر یہ پولیس آخر تمہارے پیچھے کیوں لگی ہوئی
ہے؟"

"براہ کرم ابھی یہ سوالات نہ کریں۔ پولیس والے قریب
آرہے ہیں۔ کچھ دیر کے لیے روشنی بند کر دیجئے اور خاموش ہو
جائیے۔" عورت نے ایک لمحے کے لیے سوچا۔ پھر اس نے میری
بات مان لی۔ اس نے لالٹین کی بتی مدھم کر دی تھی۔ اور اپنی
جگہ ساکت ہو گئی۔

مرغیاں بھی شاید اپنی مالکن کی آواز پہچان کر اب خاموش
ہو گئی تھیں۔ دیوار کے قریب دو سیٹیوں اور لاٹھیوں کی آوازیں
آئیں۔ پھر وہ آگے بڑھ گئے۔ میں نے سکون کی سانس لی۔ اس
عورت نے لالٹین پھر تیز کر لی تھی۔

"آپ کا شکریہ۔ خدا آپ کو اس کا اجر دے گا۔" یہ کہہ
کر میں شکستہ دیوار سے نکل کر باہر جانے لگا۔

"سنو!" اس نے مجھے جاتے دیکھ کر روکا۔ میں نے پیچھے
مڑ کر دیکھا تو وہ چند قدم آگے بڑھ آئی تھی پھر اس نے دروازہ
کھولا اور باہر برآمد ہو گئی۔ تیس بتیس سال کی ایک عورت
تھی۔ سفید لباس میں ملبوس۔

"تم نے مجھے بہن کہا ہے۔ بہن کا مان جانتے ہو؟" اس
نے سوال کیا۔

"نہیں، کچھ نہیں جانتا کچھ بھی نہیں جانتا۔" میں نے ٹوٹے
ہوئے لہجے میں کہا۔

"بہن ایک مقدس ہستی ہوتی ہے اور بھائی خواہ ماں
جائے نہ ہوں جب بہن کے گھر میں داخل ہوتے ہیں۔ تو اس
کے تقدس کا خیال رکھتے ہیں۔"

"تم کہنا کیا چاہتی ہو؟"

"اگر تمہارے پاس رات بسر کرنے کی کوئی جگہ نہیں ہے
تو تم یہاں ٹھہر سکتے ہو۔ مگر صبح ہونے سے پہلے چلے جانا۔"

"شکریہ، میں ٹرین میں سفر کرنے والا تھا۔ بمبئی جانے
کا ارادہ ہے۔ کچھ غنڈوں نے مجھے لوٹنے کی کوشش کی۔ غنڈے
تو بھاگ گئے لیکن پولیس والوں نے مجھے ہی مجرم سمجھ لیا اور
مجھے تھانے لے جانے لگے۔ لیکن میں تھانے نہیں جانا چاہتا۔"

"اندر آجاؤ۔ میں جانتی ہوں کہ بے گناہ ہی مصیبتوں کا
شکار ہوتے ہیں۔"

"نہیں، نہیں، نہیں۔" میں نے نرم لہجے میں کہا۔ "تمہیں
میری وجہ سے پریشانی ہوگی۔"

"کوئی حرج نہیں ہے آجاؤ۔" اس نے تحکمانہ لہجے میں
کہا۔ اور میں مجبور ہو گیا۔ پھر میں اس کے پیچھے پیچھے جھجکتا سا مکان
میں داخل ہو گیا۔ کسی زمانے میں یہ ایک چھوٹا سا خوبصورت
مکان ہوگا۔ لیکن اب کھنڈر نظر آرہا تھا۔ رات کو یہاں کی ویرانی
کچھ عجیب سی ہو گئی تھی۔ اس نے مجھے برآمدے کی چوکی پر بٹھا دیا۔
پھر خود اندر جا کر شاید بستر کا انتظام کرنے لگی۔ پھر وہ مجھے ایک
کمرے میں لے گئی۔ جہاں ایک چارپائی پر صاف ستھرا بستر بچھا دیا
گیا تھا۔ اس گھر میں اس کے علاوہ اور کوئی نہیں تھا۔ ایک اجنبی
کے لیے یہ ایثار بڑی حیرت کی بات تھی۔ اس نے نرم لہجے میں کہا۔

"یہاں آرام کرو۔ اگر کسی چیز کی ضرورت ہو تو مجھے بتا دو۔"

"نہیں۔ میری وجہ سے تمہیں بہت تکلیف ہوئی ہے۔
بہن! اس کے لیے معافی چاہتا ہوں۔"

"کوئی بات نہیں انسان ہی انسان کے کام آتا ہے۔"

"کیا تم یہاں تنہا رہتی ہو؟"

"ہاں۔ تمہارا خیال درست ہے۔ میرا شوہر مر چکا ہے اور
میں بیوہ ہوں۔ دو بچیاں ہیں میری۔ ایک میرے پاس ہے۔
دوسری کو میرے عزیز از راہ کرم لے گئے ہیں۔ اس لیے کہ میں
ان کی کفالت نہیں کر سکتی۔"

"اوہ!" میں نے آہستہ سے کہا اور پھر نجانے کیوں
میرے دل میں ایک خیال آیا۔ میں نے جیب میں ہاتھ ڈال کر
بٹوے سے نوٹوں کی ایک گڈی نکالی۔ اور اس میں سے کچھ نوٹ
کھینچ کر اس کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔

"بھائی کہا ہے آپ نے مجھے۔ بہن کے مان کا حوالہ
دیا ہے۔ میں ایک بدنصیب بھائی ہوں۔ بہن کے لیے اور
تو کچھ نہیں کر سکتا۔ یہ حقیر سی رقم رکھ لیجیے ایک بھائی کی طرف
سے۔" میں نے رقم بڑھاتے ہوئے کہا۔

"نہیں! مجھے ذلیل کرنا چاہتے ہو۔ اپنے اس رات کے
ٹھہرنے کی قیمت ادا کرنا چاہتے ہو۔ بھائی بہن کے گھر میں
قیمتیں ادا کر کے نہیں ٹھہرتے۔"

"دیکھو، جذباتی ہونے کی ضرورت نہیں۔ میں جو کچھ
کر رہا ہوں وہ میرے ضمیر کی آواز ہے۔ اگر تم نے مجھے ٹال دیا
تو شاید میں یہاں نہ رک سکوں۔"

"کیسی باتیں کر رہے ہو۔ یہ ساری باتیں فضول ہیں۔
دولت انسان کی ضرورت ضرور ہوتی ہے لیکن ہر جگہ نہیں۔"

"اس کے باوجود اسے رکھ لو ورنہ مجھے دکھ ہوگا۔"

"ٹھیک ہے تمہاری مرضی اگر تم اس ایک رات کی
کمائی میرے دل پر نقش کرنا چاہتے ہو تو پھر ٹھیک ہے لاؤ
دے دو۔ بتاؤ تمہارے لیے کھانے کو کچھ لاؤں۔"

"نہیں، مجھے بھوک نہیں ہے۔ صرف ایک گلاس پانی
پلا دو۔ شاید مجھے بخار ہے۔"

"توبہ۔ آج تو تم پہنچ گئے۔ مجھے خوشی ہو رہی ہے کہ ایک
شریف انسان میرا مہمان ہے۔ مگر تمہیں تو بخار ہے۔ لاؤ مجھے اپنا
ہاتھ دکھاؤ۔" اس نے اپنا ہاتھ بڑھا کر میری کلائی پکڑ لی۔ بڑا
نرم تھا۔ بڑا معزز تھا اور بڑا اعتماد تھا۔ اس ہاتھ کی گرفت میں۔
وہ آہستہ سے بولی۔

"ارے واقعی تمہیں تو سخت بخار ہے۔ بہر طور خدا کا
شکر ہے کہ میں تمہارے کسی کام آسکی۔ میں تمہارے لیے چائے
بناتی ہوں۔ چائے پی کر لیٹ جاؤ اور سونے کی کوشش کرو۔"

میں نے گردن ہلا دی۔ وہ تب اندر چلی گئی تھی تھوڑی
دیر کے بعد وہ ایک پیالی میں چائے لے آئی۔

میں نے خاموشی سے چائے پی۔ اس دوران وہ میرے
سامنے ہی کھڑی رہی تھی۔ پھر میں بستر پر لیٹ گیا۔ بستر پر لیٹتے
ہی جسم جیسے کسی نے بھٹی میں جھونک دیا ہو۔ کئی دن کی مسلسل
تھکن سے حالت پہلے ہی خراب تھی۔ اب بستر کے احساس نے
تمام طاقت چھین لی۔ یوں محسوس ہوا جیسے ہوش و حواس چھن
گئے ہوں۔ نجانے کب تک وہ بے چاری وہاں رکی رہی اور
نجانے — میں عالم بخار میں کیا کیا بکتا رہا۔ جب میں ہوش
میں آیا تو میں نے محسوس کیا کہ میرے بدن پر کئی لحاف پڑے
ہوئے ہیں۔ وہ میرے ماتھے پر بھیگا ہوا کپڑا رکھ رہی تھی۔ اور
قریب ہی اس کی بچی ایک تسلے میں کپڑا بھگو بھگو کر اسے دے رہی
تھی۔ میں نے بے چینی سے اٹھنے کی کوشش کی تو اس نے
میرے سینے پر ہاتھ رکھ کر کہا۔

"لیٹے رہو بھیا لیٹے رہو۔ خدا کا شکر ہے کہ تمہیں پسینہ
آگیا۔ ورنہ تمہاری حالت تو کافی خراب تھی۔"

"کیا وقت ہوا ہے؟" میں نے کمزور لہجے میں پوچھا۔

"صبح قریب ہے۔"

"تو مجھے چلنا چاہیے۔" میں نے اٹھنے کا ارادہ کیا تو میری
آنکھوں تلے اندھیرا سا چھا گیا۔ سارا کمرہ گھومنے لگا۔

"تم اس حالت میں کہیں نہیں جا سکتے۔"

"مگر میں یہاں رہ بھی تو نہیں سکتا۔"

"مگر تم جاؤ گے کیسے؟" وہ فکرمندی سے بولی۔

"کسی نہ کسی طرح اسٹیشن تک پہنچ ہی جاؤں گا۔ وہ

ٹرین تو نکل گئی جس سے مجھے سفر کرنا تھا۔ اب کسی دوسری ٹرین سے سفر کروں گا۔"

"ہوں، بہر طور اس وقت تک یہاں قیام کرو جب تک کہ تمہاری حالت بہتر نہ ہو جائے۔ اس حالت میں، میں تمہیں کہیں نہیں جانے دوں گی۔" اس کے لہجے میں ایک حکم سا تھا۔ مجھے ہنسی آ گئی۔ اس وقت جب کہ مجھے شناساؤں کی ضرورت تھی مجھے شناسا نہ ملا تھا اور اب یہ اجنبی شناسا سا گتی یگانگت کا اظہار کر رہی تھی۔ زمانہ بھی کیا چیز ہے۔ انسان کوئی بھی کام اپنی مرضی سے نہیں کر سکتا۔ ہر سلسلے میں وہ حالات اور وقت کا تابع ہے۔ میں خاموش ہو گیا۔

اس بے چاری نے دن بھر میری خدمت کی تھی اس کی چھوٹی سی معصوم سی بچی مجھے ماما، ماما کہہ کر پکار رہی تھی۔ اور نجانے کیوں میرے دل میں ان کے لئے گداز پیدا ہو گیا تھا۔ جی چاہ رہا تھا کہ دنیا کے جھگڑے چھوڑ کر یہیں رہ پڑوں۔ اس کی خدمت کر کے اپنا وقت گزاروں۔ بچی کو سچ مچ ماما کا پیار دوں اور ایک اچھے انسان کی حیثیت سے زندگی بسر کروں۔

اس وقت نجانے کیوں مجھے اپنا گھر یاد آ رہا تھا۔ اپنے عزیز و اقارب یاد آ رہے تھے۔ جی چاہ رہا تھا کہ انہیں تلاش کروں۔ کوئی نہ کوئی تو مل ہی جائے گا۔ جس طرح پونا میں مجھے اپنے ایک رشتہ دار مل گئے تھے۔ ممکن ہے میرے اہل خاندان اور بھی قرب و جوار میں موجود ہوں۔ ان میں سے کچھ منتشر ضرور ہو گئے ہوں گے۔ حویلی میں تبدیلیاں ضرور ہوئی ہوں گی۔ لیکن کہیں نہ کہیں سے ان کا پتہ مل جائے گا۔ آج تک میں نے کبھی ان کے بارے میں نہیں سوچا تھا۔ لیکن آج نجانے کیوں مجھے بار بار ان کی یاد آ رہی تھی۔

دوپہر کو عورت نے میرے لئے مرغی کا شوربا بنایا۔ مرغی تو اس کے گھر میں موجود تھی۔ اس نے ذبح کر لی ہو گی۔ شوربا پینے کے بعد بدن میں توانائی سی آ گئی تھی۔ بخار بھی اب اتر گیا تھا۔ شاید یہ کسی صحیح تیمارداری کی موجودگی کی وجہ سے وہ رک نہ سکا تھا۔ شام کو میری حالت بالکل بہتر ہو گئی اور میں مسکراتا ہوا اٹھ کھڑا ہو گیا۔

"بہن! میں تمہارے اس احسان کا زندگی بھر بدلہ نہ لوٹا سکوں گا۔ مجھے اب جانے کی اجازت دو۔"

"اگر مناسب سمجھو تو ایک آدھ دن اور رک جاؤ تم سے کچھ ایسی محبت ہو گئی ہے کہ جی نہیں چاہتا کہ تم یہاں سے چلے جاؤ۔"

"بہن! مجھے جانے دو۔ میری زندگی تمہارے لیے ہزاروں پریشانیوں کا باعث بنے گی۔ اس کے علاوہ اور کچھ نہیں ہوگا۔ بچی کا ساتھ ہے۔ میں اپنا منحوس سایہ تمہاری بچی پر نہیں پڑنے دینا چاہتا۔"

"نہیں بھیا! وہ نہیں، ماما کہہ رہی ہے۔ ماموں کبھی منحوس نہیں ہوسکتے۔"

"اس کے باوجود مجھے جانا ہے۔ تم مجھے روکنے کی کوشش نہ کرو۔ میرے حالات کچھ ایسے ہیں کہ میں تمہیں کچھ بتا بھی نہیں سکتا۔"

"میں پوچھوں گی بھی نہیں۔ لیکن زیادہ عرصے نہ سہی کچھ دن ہی رک جاؤ۔"

"نہیں بہن! اب میں بالکل ٹھیک ہوں مجھے اجازت دو۔" شام کے جھٹپٹے جب رات کی سیاہی میں تبدیل ہو گئے تو میں وہاں سے نکل آیا اور اسٹیشن کی طرف چل پڑا۔ اب میں اپنے اندر ایک نئی توانائی محسوس کر رہا تھا۔ پتہ نہیں یہ توانائی میرے اندر کہاں سے در آئی تھی۔

بہرطور میں نے بمبئی کا ٹکٹ لیا اور پھر وقت پر ٹرین میں سوار ہو کر بمبئی چل پڑا۔ سفر کے دوران میرے ذہن کی کیفیت کچھ عجیب سی رہی۔ نجانے کیا کیا ذہن میں آ رہا تھا لیکن سب کچھ بھول جانا چاہتا تھا۔ یادیں کیا دیتی ہیں سوائے تکلیف کے۔

آدھی رات کا وقت تھا ٹرین کے مسافر گہری نیند سو رہے تھے۔ باہر ریلوے کے سناٹے دوڑ رہے تھے اور میں خاموشی سے کھڑکی سے باہر رات کے سناٹوں پر نگاہیں جمائے نجانے کیا تلاش کر رہا تھا کہ دفعتاً میرے کانوں میں وہی سرگوشی گونجی۔

"بابر داد خان نیند نہیں آ رہی۔"

"اوہ۔ تم۔ تم۔"

"میں ہمیشہ تمہارے لہجے میں اپنے لئے نفرت محسوس کرتی ہوں بھلا اس سے کوئی غرض نہیں ہے کہ تم مجھ سے نفرت کرتے ہو۔ بالفرض مجھے تو صرف اپنے کام سے غرض ہے۔ بابر داد خان تم تو وہ شخصیت ہو جس نے مجھ سے میرا ماضی چھین لیا جس نے مجھ سے میری حکومت چھین لی ہاں۔ تم نے مجھ سے وہ سب کچھ چھین لیا جس پر میں نازاں تھی۔ صحرائے منظم میں میرا ہی طوطی بولتا تھا۔ لوگ میرا نام لے کر جاتے تھے اور میرا نام لیتے ہوئے سوچ جاتے تھے۔ تم نے مجھے کتنی چیزوں سے محروم کیا ہے بابر داد خان۔ اس کے بعد بھی اگر تم یہ سمجھو

کہ میں تم پر رحم کروں گی یا تمہارے لئے دل میں یگانگت کا کوئی تصور رکھوں گی تو یہ تمہاری حماقت کے علاوہ اور کچھ نہیں ہے۔"

"تم یہ فضول بکواس مجھ سے کیوں کرتی ہو۔ میں کب کہتا ہوں کہ تم میرے بارے میں کسی اچھے انداز میں سوچو۔"

"تم کچھ نہیں ہو لیکن تمہارے لہجے کی نفرت بار بار مجھے اس بات کا احساس دلاتی ہے۔"

"ہاں۔ میں تم سے نفرت کرتا ہوں۔ اسرا میں تم سے بے پناہ نفرت کرتا ہوں۔ مجھے تمہارے نام سے گھن آتی ہے۔"

"کوئی حرج نہیں ہے بابر داد خان یہی میری کامیابی کی دلیل ہے۔"

"کیا مطلب؟"

"مطلب تم نہیں سمجھو گے۔ فضول باتوں سے گریز کرو۔ میں نے تم سے محبت کرنے کے لئے تم کو مخاطب نہیں کیا ہے بلکہ میں تمہیں کچھ اور بتانا چاہتی ہوں۔"

"بتاؤ۔ ویسے پچھلی رات تم کہاں مر گئی تھیں جب وہ لوگ میرے ساتھ زیادتی کر رہے تھے۔"

"یہ تو زندگی کے معمولات ہیں تم کیا سمجھتے ہو کیا میں ہر لمحہ تمہارے ساتھ لگی رہوں گی۔ کیا میں تمہاری غلام ہوں جو ہر لمحہ تمہاری مدد کرتی رہوں گی۔ تم خود بھی مرد ہو انسان ہو اپنے لئے سب کچھ کر سکتے ہو۔ ہاں جہاں میں ضرورت محسوس کروں گی کہ میرے بغیر تم آگے نہیں بڑھ سکتے تو وہاں میں تمہاری مدد کروں گی۔ جو کچھ تمہیں بھی میری مدد کرنا ہے۔ تمہیں مجھے وہ مقام دینا ہے جو خود تمہارے ہاتھوں چھن گیا ہے۔"

"کاش میں تجھے فنا کر سکتا اسرا۔ کاش میں تجھے فنا کر سکتا۔"

"انسان جو کام نہ کر سکے اس کے بارے میں سوچنا بھی نہیں چاہئے۔"

"ٹھیک ہے اس وقت تو مجھ سے کیا چاہتی ہے؟"

"دیکھو بابر داد خان اس لہجے میں مجھ سے گفتگو نہ کرو۔ تم میری مخالفت مول لے کر نتائج دیکھ چکے ہو۔ بہت کم وقت باقی رہ گیا تھا تمہاری پھانسی میں۔ آج یا آج سے چند روز بعد تمہارا بدن بے جان ہوتا اور تم ایک رسی میں لٹکے پھڑک رہے ہوتے۔ کیا تمہیں وہ منظر پسند تھا۔"

"نہیں پسند تھا۔ اسی لئے تو تیرے احکامات پر عمل کرنے کا فیصلہ کر لیا ہے۔"

"پھر اپنے اندر ذرا سی نرمی اور حلاوت پیدا کرو۔ اب تم جس ماحول میں جا رہے ہو وہ بلاشبہ تمہارے لئے اجنبی ہے لیکن میں تمہیں تمہاری صحیح پوزیشن بتا دوں گی جیسا کہ اس شخص نے بتایا تھا جس کا نام خان تھا تو تمہارا نام بابر داد خان سے بدل کر اب شیرو کر دیا گیا ہے۔ شیرو کی حیثیت سے تمہیں بمبئی میں بائیکلہ کے علاقے میں پہنچنا ہے جہاں سنگھٹ نامی ایک شخص غنڈہ ہے تمہیں سنگھٹ سے اپنے حساب کتاب چکانے ہیں۔ تم بے فکر رہو ان غنڈوں سے مقابلہ کرتے وقت جو تمہاری حالت ہوئی تھی اب نہ ہو گی کیونکہ میری قوتیں تمہارے ساتھ ہیں۔ میں تمہیں جس حیثیت سے وہاں بھیج رہی ہوں اس کا اہل بھی بنا رہی ہوں۔ چاقو تمہارے ہاتھ میں ایک کھلونے کی طرح ہو گا اور تم اسے اس طرح استعمال کرو گے کہ کوئی تمہارا ثانی نہیں ہو گا۔ اس کے علاوہ بھی تمہارے بدن میں کچھ ایسی قوتیں ابھار دی ہیں جن سے تم اپنا مقام حاصل کر لو۔"

"لیکن آخر ان فضول حرکتوں سے تجھے کیا ملے گا؟" میں نے سوال کیا۔

"یہ سوال میرے لئے بے مقصد ہے اور میں اس کا جواب دینا پسند نہیں کرتی۔"

"پھر تو کیا پسند کرتی ہے؟"

"صرف یہ کہ تم میرے احکامات پر عمل کرتے رہو اپنے ذہن سے کچھ نہ سوچو اپنے ذہن کو میرے حوالے کر دو میں جو چاہوں گی تم سے کام لے لوں گی اور جب میرا مقصد پورا ہو جائے گا تو میں تمہیں چھوڑ دوں گی ہاں یہ میرا وعدہ ہے کہ میں اپنی اصل زندگی حاصل کرنے کے بعد تمہیں پریشان نہیں کروں گی۔"

"ٹھیک ہے مجھے کچھ اور تفصیل بتا۔" اپسرا تقریباً ایک گھنٹے تک مجھ سے گفتگو کرتی رہی۔ اسی دوران اس نے مجھے جو کچھ بتایا تھا وہ میرے لئے دلچسپ تھا۔ پہلے ہی وہ مجھے سب کچھ بتا چکی تھی اور میں اس پر غور کرتا رہا تھا لیکن اب جو اس نے مجھے تفصیل بتائی اس نے مجھے بہت کچھ سوچنے پر مجبور کر دیا تھا۔ اس کے بعد اس کی آواز بند ہو گئی اور ٹرین کے پہیوں کا شور بدستور جاری رہا۔ یہاں تک کہ صبح کی روشنی پھوٹنے لگی۔ بمبئی کا سفر اب بھی کافی تھا اور مجھے یہ وقت کرب کے عالم میں گزارنا تھا۔ ویسے میں یہ سمجھ چکا تھا کہ اپسرا چونکہ اب دوبارہ میری مدد کے لئے آمادہ ہو گئی ہے اس لئے مجھے اب کوئی دقت نہیں ہو گی اور اس نے جو میرے بدن کی توانائیوں کے بارے میں کہا تھا تو درحقیقت مجھے اس کا احساس ہو گیا تھا کہ پہلے سے بہت زیادہ توانا ہو گیا ہوں۔ بالآخر بمبئی بھی پہنچ گیا۔ بمبئی میرے لئے کوئی اجنبی جگہ نہیں تھی یہاں اپنی اصل حیثیت میں، میں نے بہت سارا وقت گزارا تھا۔ یہیں مجھے وہ بھجنت ملا تھا اور یہیں سے اس نے مجھے رضا مسعود کے بیٹے کے قتل پر آمادہ کیا تھا۔ اسی بمبئی میں، میں نے حسین کو یا کو قتل کیا تھا۔ یہ احساسات جب بھی میرے ذہن میں آتے، میرے ذہن میں انگارے سلگنے لگتے۔ لیکن میں جانتا تھا کہ یہ انگارے مجھے سونے چاندی کے اور کچھ نہیں دے سکیں گے۔ میں اپنی فطرت کو بدلنا چاہتا تھا۔ بالآخر میں نے ایک ہوٹل میں قیام کیا اور کچھ گھنٹے بسر کرنے کے بعد بمبئی کے اس علاقے میں داخل ہو گیا، جہاں سنگھٹ نامی شخص سے مجھے ملنا تھا۔

جب میں سنگھٹ کے اڈے پر پہنچا تو وہاں چند افراد اور بھی موجود تھے۔ سنگھٹ نے میری جانب دیکھا۔ میں نے ایک ہی نگاہ میں اس شخص کو پہچان لیا تھا۔ حالانکہ میں نے زندگی میں پہلی بار اسے دیکھا تھا لیکن میرے ذہن میں جو کچھ چھپا ہوا تھا اس کی بنا پر وہ شخص میرے لئے اجنبی نہیں تھا۔ سنگھٹ نے مجھے دیکھا اور حیرت و تعجب سے اچھل پڑا۔ اس کے چہرے پر عجیب و غریب تاثرات پھیل گئے تھے۔ جو لوگ وہ مجھے دیکھتے اپنی جگہ سے کھڑا ہو گیا۔ اس نے سارا حساب کتاب بند کر دیا تھا جو وہ کر رہا تھا۔ نوٹوں کی بہت سی گڈیاں اس کے سامنے تھیں۔ اس نے ساری گڈیاں ایک طرف سرکا دیں۔ اس کے چہرے پر حیرت کا بسیرا تھا پھر وہ چند قدم آگے بڑھ آیا۔ اس کی آنکھیں غصے سے سرخ ہو گئیں۔

"تو تم آ گئے۔۔۔؟"

"ہاں سنگھٹ۔ میں آ گیا ہوں۔"

"میں تمہیں ایک بات بتا دوں شیرو۔" اس نے سخت لہجے میں کہا۔

"ہاں کہو۔ کیا کہنا چاہتے ہو؟" میں نے بدستور سرد لہجے میں کہا۔

"مجھے حیرت ہوئی ہے۔"

"کیوں۔۔۔؟"

"میرے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ تم یہاں آنے کی جرأت کرو گے۔" سنگھٹ بولا۔

"سنگھٹ اگر یہ بات تمہارے وہم و گمان میں نہیں تھی تو اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ تم بے وقوف ہو۔" میں نے کہا۔

"ہوں۔ میں کیا ہوں اس کا اندازہ ابھی تمہیں ہو جائے گا لیکن تم کیا ہو اس کا اندازہ بھی میں کرنا چاہتا ہوں۔"

"اس کا اندازہ کرنے میں بھی تمہیں دیر نہیں لگے گی۔ سنگھٹ" میں نے مسکراتے ہوئے کہا اور سنگھٹ نے گردن ہلا دی پھر اس نے اپنے ہاتھ اوپر اٹھائے ایک دوسرے سے ملائے اور پھر دونوں سائڈ میں کھول دیئے۔ اس کے تھوڑے سے آدمی دو دو حصوں میں بٹ گئے تھے۔ انہوں نے قطاریں بنائی تھی۔ اب ان میں سے ہر شخص کے پاس چاقو نظر آ رہا تھا۔ میں ان کے درمیان آرام سے کھڑا ہوا تھا

"ہاں چیلے تو تیرا نام شیرو ہے۔۔؟"

"ہاں میں شیرو ہوں تم مجھے اچھی طرح جانتے ہو سنگھٹ۔"

"میرا خیال تھا کہ بادل کی حمایت حاصل کرنے کے بعد تو یہاں سے بھاگ کر نکل جائے گا۔ بادل نے میرے ساتھ اچھا نہیں کیا۔ اس نے میری کمائی اب اس کے ساتھ ہو گی۔ میں نے سوچا کہ ٹھیک ہے اگر وہ تیری حمایت کرتا ہے تو، تو نکل جائے گا۔ سنگھٹ جانتا ہے تو نکل سکتا تھا لیکن بادل نہیں نکل سکتا تھا۔ میں اپنا نقصان مع سود کے وصول کرتا ہوں۔ مجھے میرا نام سنگھٹ ہے۔"

"ہوں اور یہ تیرے کل پرزے ہیں۔ کیوں۔ بات اصل میں یہ ہے سنگھٹ کہ میں دوسروں کے بل پر نہیں اکڑتا۔ میرے اپنے بازو کافی مضبوط ہیں، آزماؤ گے؟"

"ضرور ضرور۔" سنگھٹ نے خونخوار انداز میں مسکراتے ہوئے کہا۔ اس کی مسکراہٹ بڑی عجیب تھی پھر اس نے کہا۔

"تیری باتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ تو اکیلا نہیں آیا۔ بادل کے اور بھی بہت سے تعلق آئے ہوں گے۔ تیرے ساتھ کتنے آدمی موجود ہیں باہر؟" اس نے سوال کیا اور میری مسکراہٹ کچھ اور گہری ہو گئی۔ اپسرا نے جو حالات مجھے بتائے تھے ان کے تحت بہت سے واقعات میرے علم میں آ چکے تھے۔ سنگھٹ کے خیال سے بادل میرا سرپرست تھا۔ بادل بھی یہاں کے علاقہ کا دادا تھا۔ ویسے میں نے کبھی اس سے پہلے اس کا نام نہیں سنا تھا۔

"اس کا اندازہ تو تم خود باہر نکل کر لگا لو سنگھٹ فی الحال تو یہاں میں تنہا ہوں۔"

"اور ہم دس آدمی ہیں۔" سنگھٹ ہنستے ہوئے بولا۔

"یہی تو مزے کی بات ہے۔ سنگھٹ میں یہی سوچ رہا ہوں کہ ان دس آدمیوں میں کتنے میرے حصے میں آئیں گے۔ تو اگر چاہے تو میں دروازہ کھول دوں کچھ اور آدمیوں کو اندر بلا لے۔ دروازہ بعد میں دوبارہ بند کر دیا جائے گا۔"

"ارے واہ میرے شیرو۔ تو گویا یہ آدمی تیری نگاہ میں بہت کم ہیں بہرحال کوئی بات نہیں اگر تم نے انہیں مار دیا تو اسی وقت میں اپنے دوسرے آدمیوں کو نہیں بلاؤں گا۔ لیکن ایک بات سنو۔"

"سناؤ۔ سناؤ ضرور سناؤ۔" میں نے کہا۔

"یہاں سے تم اپنی ٹانگوں پر واپس نہیں جاؤ گے۔ یہ سنگھٹ کا عہد ہے۔"

"تو۔ تم بھی سنو میں باتوں میں وقت ضائع نہیں کروں گا تم بھی ذمہ دار آدمی ہو اور میں بھی۔"

"اچھا یہ بتاؤ کہ تمہارے ساتھ کیا سلوک کیا جائے۔؟"

"میرے ساتھ۔" میں نے ہنستے ہوئے کہا۔ "جو تمہارا دل چاہے تم آزاد ہو"

"چلو بے شروع ہو جاؤ۔" سنگھٹ نے اپنے آدمیوں کو اشارہ کیا اس کے تمام تیار کھڑے تھے۔ وہ دو مختلف سمتوں میں ہو کر چند قدم پیچھے ہٹ گئے تاکہ آرام سے لڑ سکیں۔ سنگھٹ بڑی دلچسپ نگاہوں سے مجھے دیکھ رہا تھا۔" اس نے کہا۔

"چاہو تم جاؤ گے، تمہارے وقت پر آ لیتے ہیں سب مل کر حملہ کرو گے تو کیا مزے کی بات نہ ہو گی۔ ایک ایک کر کے لڑو، جاؤ کا اس کے پنجے چاقو کا ہاتھ اور ہاں سن، اسے صرف ٹانگوں پر رہنا۔ ٹانگوں سے اور مت مارنا بس زخمی کر کے ڈال دینا، یہ ہم کچھ بھی ہے، بے بہادر آدمی، کسی کے بل پر اکڑ رہا ہے۔ یہ بعد میں پتہ چلے گا۔" سنگھٹ نے کہا اور ایک قوی ہیکل آدمی اس گروہ سے علیحدہ ہو کر میرے سامنے آ گیا۔

وہ مجھ سے مقابلہ کرنے کے لئے تیار تھا اور یہ بہت ہی اچھی بات تھی مجھے بھی لطف آ رہا تھا مجھے صرف اسی سے مقابلہ کرنا تھا۔ بکریاں سمجھا جائے، نمونہ دکھانا تھا اور اس نمونے کے لئے میں پوری طرح تیار تھا۔ میں نے فیصلہ کر لیا تھا کہ پہلے ہی قطعے میں ان پر دہشت ڈال دوں گا تاکہ اس کے بعد ان کی آگے کی جرأت ختم ہو جائے چنانچہ میں تیار ہو گیا

قوی ہیکل نے اپنا لمبا چاقو ہاتھ میں لے لیا تھا جبکہ میں نہتا تھا ہم دونوں ایک دوسرے کے آمنے سامنے آ گئے اور قوی ہیکل آدمی نے جھکائیاں دینا شروع کیں لیکن میں نے اسے اس طرح سے نظر انداز کر دیا تھا جیسے اس کا چاقو میری نگاہ میں کوئی ناقص سی شے ہو جس سے مجھے کوئی نقصان نہیں پہنچایا جا سکتا تھا۔

اس شخص کو اس بات پر بہت غصہ آیا تھا۔ اس بار اس نے

ہاتھ سیدھا کر کے تنگ جھکایا۔ اس کے ہاتھ کے بارے میں مجھے علم ہو رہا تھا اندازہ
ہو رہا تھا کہ یہ وار کرنے والا ہاتھ نہیں بلکہ صرف جھکائی کا معاملہ ہے۔
اس تیسری بار جب اس نے ہاتھ آگے بڑھایا تو میں نے اس کے ہاتھ
پر ہاتھ ڈال دیا اور دوسرے لمحے میں نے ایسے جھٹکا دیا کہ اس کا ہاتھ
اکھڑ گیا۔ وہ اندازہ لگا رہا تھا کہ میں کیا کرنا چاہتا ہوں اور اسی
میں وہ مارا گیا۔

میں نے اس کے اکھڑے ہوئے بازو کو پکڑ کر اسے الٹ دیا اور
دوسرے لمحے وہ زمین پر گر پڑا۔ وہ انتہائی کرب کے عالم میں اٹھنے کی
کوشش کر رہا تھا۔ اس کے ساتھی بھی حیران تھے اور سراسیمگی سے
اپنے ساتھی کو دیکھ رہے تھے جو اٹھنے کی کوشش کرنے کے باوجود
اٹھ نہیں پا رہا تھا۔ اس کے ایک ہاتھ کا برا حال ہو گیا تھا۔ چاقو زمین
پر گر پڑا تھا۔ اگر میں چاہتا تو اس چاقو کو اٹھا کر باآسانی اس کے پیٹ
میں گھونپ سکتا تھا۔ لیکن میں نے ایسا نہیں کیا اور مسکراتے ہوئے
سنگھٹ کی طرف دیکھا۔ پھر ٹھوکر مار کر چاقو ایک طرف اچھال دیا۔

اس بار سنگھٹ کے دو آدمی آگے بڑھے تھے۔ گو اس نے تعداد بڑھا
دی تھی۔ وہ نہایت محتاط انداز میں آگے بڑھ رہے تھے اور میں پوری
طرح ہوشیار تھا۔ اس سے پہلے وہ میرے لڑنے کا انداز دیکھ چکے تھے۔
چنانچہ اس بار وہ دونوں محتاط تھے۔ چنانچہ میں نے ان کے ہاتھوں کے
رخ پہچان رکھے تھے۔ چنانچہ اپنی جگہ سے ہلے بغیر میں نے اپنے پیچھے کھڑا
ہوا میز پر ہاتھ ڈال دیئے اور گھوم کر ان میں سے ایک کے لات رسید
کی اور دوسرے کو گھٹنے کی ٹھوکر سے نیا دیا۔ میں نے انتہائی پھرتی سے
یہ کام کیا تھا۔ گرے ہوئے لوگوں کو اٹھنے کی مہلت دینا حماقت تھی
اور یہاں داؤ دکھانے والی بات بھی نہیں تھی۔

چنانچہ میں نے ان کو ٹھوکروں پر رکھ لیا۔ وہ چاقوؤں کے
ہاتھ گھما رہے تھے اور میں ٹھوکروں میں انہیں ٹھکانے لگا رہا تھا۔ صرف
چند منٹ لگے اور انہوں نے [illegible] ڈال دیں۔ اس کے بعد انتظار
فضول تھا۔

میں نے دونوں چاقو اٹھائے اور ان پر ٹوٹ پڑا۔ سنگھٹ
کو صورت حال کا اچھی طرح سے اندازہ ہو گیا تھا۔ کئی چیخیں فضا
میں ابھریں اور سنگھٹ کے حواس گم ہو گئے۔ وہ مجھے الجھا چھوڑ کر
دروازے کی جانب دوڑ پڑا۔ لیکن میں اس کی طرف سے غافل
نہیں تھا۔ میں بھی اپنی جگہ سے اچھلا اور میری زبردست ٹھوکر
سنگھٹ کے منہ پر پڑی۔ سنگھٹ کے دانتوں کی ولچ غائب ہو گئی
تھی۔ وہ منہ پکڑ کر بیٹھ گیا۔ اپنے باس کی یہ حالت دیکھ کر وہ
لوگ سہم گئے جن کی میں ٹھکائی کر رہا تھا اور پھر وہ پیچھے ہٹ کر
دیوار سے جا لگے۔

" بس دادا بس بس۔" [illegible] ان میں سے ایک
ہاتھ اٹھا کر بولا۔ اور میں نے چاقو والا ہاتھ روک لیا۔

" کیا خیال ہے اب تمہارا۔؟"

" خیال کیا دادا۔ بات ختم ہو گئی۔"

" بولو، تم میں سے کسی اور کو مقابلہ کرنا ہے۔؟" میں نے ان
سب کو گھورتے ہوئے پوچھا۔

" نہیں دادا نہیں۔ بولو سنگھٹ کیا بولتے ہو۔" انہی میں سے
ایک نے پوچھا جو خون تھوک رہا تھا۔

" مارو، زندہ مت چھوڑو اسے، زندہ مت چھوڑو۔" وہاں
سے سنگھٹ خون کی کلی کرتا ہوا اٹھ کر کھڑا ہو گیا لیکن کسی اور کو
کی ہمت ہی نہیں تھی اس میں۔ میں نے سنگھٹ کی گردن میں
ہاتھ ڈالا اور اس نے مجھ سے لپٹ جانے کی کوشش کی لیکن میں
نے اس کی بغلوں میں ہاتھ ڈال کر اسے اوپر اٹھایا اور نیچے
پھینک دیا۔ پھر میں نے دو ٹھوکریں اس کی پسلیوں پر رسید کیں
اور سنگھٹ بری طرح چیخ پڑا۔

دیوار سے لگے ہوئے لوگ اپنے باس کی پٹائی دیکھ رہے تھے
میں سنگھٹ کو بری طرح دھن رہا تھا اور سنگھٹ کے حواس
جواب دیتے جا رہے تھے۔

" بس کر۔ بس کر۔ مر جاؤں گا۔" اس نے کرب زدہ انداز
میں کہا۔

" تم تو ہمیں پر بھاری تھے دادا، بولو اب کیا کہتے ہو سنگھٹ"
کے ایک آدمی نے پوچھا۔

" بکواس مت کر، میں تیری گردن اتار دوں گا۔" سنگھٹ
غرا کر بولا۔

" ارے چھوڑو سنگھٹ دادا، گردن اتارنی ہی ہے تو اس
کی اتارو، ہم پر تم ہمیشہ ہی رعب مارتے رہے ہو۔"

" سنگھٹ اب کیا چاہتے ہو؟"

" چاہوں گا کیا شیرو، تو نے بالا مار لیا ہے۔ آج سے
علاقہ تیرا۔" اور دوسرے لمحے چاروں طرف سے شیرو دادا زندہ
باد، شیرو دادا زندہ باد کی آوازیں گونجنے لگیں۔ ان میں سے
ایک نے کہا۔

" دادا بہت دن سے تم جیسا کوئی نہیں دیکھا۔" میں نے سنگھٹ
کا گریبان پکڑ کر اسے کھڑا کر دیا تھا۔

" اب تو معاف کر دے دادا، اب کیا جھگڑا ہے۔" وہ بولا۔

" یہ سب کیا ہے؟" میں نے سنگھٹ سے پوچھا۔

" کچھ نہیں، یہ علاقہ اب تیرا ہے، یہ ان کا اصول ہے۔ طاقت کی
زبان سمجھتے ہیں اور اب تو یہاں کا دادا ہے۔ کوئی نہ مانے گا میری۔"

" اوہ یہ بات ہے۔" میں نے مسکرا کر کہا۔

" ہاں دادا یہی بات ہے۔ اب تم ہمارے دادا ہو۔" سنگھٹ بولا

" ... چکا ہے۔" ان لوگوں نے بیک وقت کہا۔

" اور اس کا کیا ہو گا۔" میں نے سنگھٹ کی طرف اشارہ کر کے پوچھا۔

" جو تمہاری مرضی دادا۔ اپنے ساتھ رکھنا چاہو تو رکھ لو، ورنہ
کہیں چلا جائے گا۔" ان میں سے ایک نے کہا۔ میں نے سنگھٹ کی جانب
دیکھا۔ وہ ایک کونے میں کھڑا ہوا تھا۔ اس کے منہ سے اب بھی خون
بہہ رہا تھا۔ پھر کچھ اور لوگ اندر گھس آئے۔ ان کی تعداد پندرہ بیس
سے کم نہیں تھی۔ انہوں نے سنگھٹ کو دیکھا اور پھر نیچے پڑے ہوئے
لوگوں پر نظریں ڈالیں جو ٹوٹ پھوٹ گئے تھے۔ پھر وہ مجھے
دیکھنے لگے۔

" شیرو دادا کون ہے؟" ان میں سے ایک نے پوچھا۔

" یہ سامنے جو کھڑا ہے۔" پٹنے والوں میں سے ایک نے میری
طرف اشارہ کر کے کہا۔

" کیا کہہ رہے ہو۔؟" آنے والوں نے حیرت سے پوچھا۔ "سنگھٹ
دادا تمہیں کیا ہوا؟"

" ٹھیک ہے۔ سنگھٹ اب ختم ہو گیا۔" سنگھٹ نے بمشکل
تمام کہا۔

پورے ہال میں اب شیرو دادا کے نعرے گونج رہے تھے۔
سنگھٹ کے چہرے پر خفت اور افسردگی تھی۔

" حکم کرو شیرو دادا کیا حکم ہے۔ میرا نام کالا ہے اور
میں سب آدمیوں کو کنٹرول کرتا ہوں۔" ایک لمبے چوڑے آدمی
نے کہا۔

" کالا تمہیں تو کوئی دکھ نہیں ہے۔؟"

" نہیں دادا۔ کالا اب تمہارا غلام ہے۔" کالا نے کہا۔

" تم بھی سنگھٹ۔"

" ہاں دادا۔"

" تب غور سے سنو۔ اس اڈے کی آمدنی کیا ہے؟"

" حساب دے دیں گے دادا۔"

" ہوں" میں نے گردن ہلائی اور سنگھٹ کو سہارا دے
کر کھڑا کر دیا۔

" سنگھٹ یہ علاقہ بدستور تمہارے پاس رہے گا۔ اڈہ بھی
تم ہی چلاؤ گے۔ لیکن حساب آدھا آدھا ہو گا۔ کیا سمجھے۔"

" شیرو دادا ٹھیک ہے۔ جو تم کہتے ہو ٹھیک ہے" سنگھٹ
نے کہا۔ "مگر اب اڈہ تمہارے نام ہی سے چلے گا۔ یہ اصول ہے اب
یہ شیرو کا اڈہ ہے اور ہم سب تمہارے چیلے۔"

" ٹھیک ہے۔" میں نے کہا اور پھر کالا کی طرف دیکھ کر بولا۔
" اس کی مرہم پٹی کرو۔ اس کے بعد حساب ہو گا۔" میرے حکم کی تعمیل کی
گئی تھی اور میں اپسرا کی ہدایت کے مطابق بمبئی میں میں نے
ایک نئے انداز سے قدم جما لیا۔ میں جانتا تھا کہ اپنے طور پر میں کچھ
بھی نہیں ہوں۔ صحرائے اعظم کی دشمنی ملا مجھ سے نہ جانے کیا چاہتی
تھی کہ کم بخت نے میری شخصیت ہی بدل کر رکھ دی تھی۔ کہاں
میں ایک شریف اور سیدھا سادا انسان جس نے ساری زندگی شرافت
سے گزاری تھی اور کہاں یہ بدمعاشوں کا اڈہ۔ لیکن مرتا کیا نہ کرتا
اس نے مجھے جس راہ پر لگایا تھا، مجھے اس پر ہی کام کرنا تھا ورنہ
موت تو مجھے چاروں طرف سے دبوچنے کے لیے آمادہ تھی۔ اپسرا
نے مجھے ہدایات دی تھیں اور کہا تھا کہ میں بمبئی جا کر اس طرح سے
اپنے قدم جماؤں۔ سچی بات تو یہ تھی کہ مجھے مار دھاڑ سے کوئی دلچسپی
نہیں تھی اور نہ ہی کبھی بدمعاشوں سے میرا واسطہ رہا تھا اور نہ
ہی میں ان کے اسرار و رموز جانتا تھا، لیکن اب مجھے محسوس ہو رہا

نیویارک کی ایک تحقیقی جماعت کا کہنا ہے کہ اگر آپ اپنے
ادارے کی کارکردگی میں اضافہ چاہتے ہیں تو اپنے دفاتر بھینی بھینی
خوشبو سے بھر دیجیے۔ تحقیقی جماعت نے تحقیق کے لیے ایک سو
بیس افراد کا انتخاب کیا۔ انھیں دفتر میں لکھنے پڑھنے کے عام کام
انجام دینے تھے۔ آدھے لوگ ایسی جگہ رکھے گئے جہاں پھولوں
کی ہلکی ہلکی خوشبو تھی۔ باقی لوگ عام جگہ بٹھائے گئے جو وہاں
خوشبو وغیرہ نہیں تھی۔ خوشبو والے افراد کی کارکردگی دوسروں
کے مقابلے میں بیس فی صد زیادہ رہی۔

◆

عام چیونگم یا چاکلیٹ سے دانت خراب ہو جاتے ہیں اس
لیے امریکا میں ایک چیونگم تیار کی گئی ہے جو دانتوں کو کیڑا لگنے سے محفوظ
رکھے گی۔ یہ چیونگم امریکا کی مینیسوٹا یونیورسٹی کے شعبۂ کیمیا نے
بنائی ہے۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ دانتوں میں معدنیاتی اجزا
کی کمی ہو جاتی ہے چنانچہ نئی چیونگم میں کیلشیم فاسفیٹ شامل
کیا گیا ہے جس سے یہ کمی پوری ہو جائے گی۔ یہ غیر موثر کیلشیم فاسفیٹ
منجن اور ٹوتھ پیسٹ میں بھی شامل کیا جا سکے گا۔

کیا حاصل ہوگا

"نہیں یہ بات نہیں ہے۔ میں یہ نہیں سوچتا ہوں کہ تم کو ان چیزوں کا کوئی تو حاصل ہوگا۔"

"ان کا حاصل زندگی ہے، ایک خوشگوار زندگی۔ تم نے دیکھا، مجھ سے بغاوت کرکے تمہیں کچھ نہ ملا۔ بلکہ تم موت سے قریب ہوتے گئے، چلو موت بھی دوسری چیز ہے لیکن جو اذیت تمہیں تھانے اور جیل میں اٹھانا پڑتی اس سے تم زندگی سے بھی پناہ مانگنے لگتے، خواہ مخواہ خود کو پریشان مت کرو، جو میں کہتی ہوں وہ کرو اور عیش کرتے رہو، جب مجھے تم سے کوئی کام لینا ہوگا میں تمہیں اس کے بارے میں بتا دوں گی۔ فی الحال تم یہی محسوس کرو کہ تم شیرو ہو اور شیرو کی حیثیت سے اپنی زندگی کو جس قدر دلچسپ بنا سکتے ہو بناؤ۔"

"ہوں۔ ٹھیک ہے جیسا تم پسند کرو، لیکن میں ضرور سوچتا رہوں گا کہ تمہیں ان چیزوں سے حاصل کیا ہوگا۔" میں نے کہا۔

"ہر شخص اپنے بارے میں سوچتا ہے۔ میں اپنے بارے میں سوچتی ہوں تم اپنے بارے میں سوچو۔ جو کچھ مجھے حاصل کرنا ہے وہ میں کر لوں گی۔ لیکن ابھی نہیں وقت آنے پر۔ اب میں جاؤں۔"

"تمہاری مرضی۔" میں نے جواب دیا اور اس کی آواز گم ہوگئی۔

دوسرے دن میں سنگھٹ کے اڈے پر پہنچا اور پھر ہم لوگ تیار ہوگئے۔ باہر آکر ہم نے ضروری انتظامات کئے، خاص طور سے سنگھٹ نے میرے لئے پستول وغیرہ فراہم کی تھیں اور اس کے لئے کوئی مشکل کام نہیں تھا۔ ہم نے تھوڑی سی شکلیں بھی تبدیل کیں اور پھر ہم رانا کے اڈے کی جانب چل پڑے۔

ان تمام اڈوں پر ایک ہی کام ہوتا تھا، منشیات کی فروخت، جوا، جیب تراشی اور ایسی ہی دوسری چیزیں۔ چنانچہ میں اور سنگھٹ بلا کسی مشکل کے رانا کے اڈے میں داخل ہوگئے۔

وہاں کا ماحول بھی دوسرے اڈوں سے مختلف نہیں تھا۔

ایک چھوٹا سا مکان تھا جس میں رانا کا اڈہ تھا۔

دادا کا پورا نام رانا کرپان سنگھ تھا۔ گھنی داڑھی اور مونچھوں کے درمیان ایک خاصی وجاہت کا آدمی، اس کی آنکھیں بے حد خوفناک تھیں۔ ہم اس کے سامنے پہنچے۔ ہم نے اس کے آدمیوں سے ہی کہا کہ ہم رانا کرپان سنگھ سے ملنا چاہتے ہیں۔

"کیوں ...؟" اس کے آدمیوں نے پوچھا تھا۔

"یہ ہماری ذاتی بات ہے۔" [illegible] نے جواب دیا اور اس کے ساتھیوں نے ہمیں اس کے سامنے پہنچا دیا تھا۔ وہ اس وقت ایک تخت پر بیٹھا ہوا تھا۔ سامنے ایک آدمی اس کی ٹانگیں دبا رہا تھا۔ باقی بہت سے لوگ اس کے اردگرد کھڑے ہوئے تھے۔ ہم نے لوگوں کی [illegible] کا

اندازہ لگایا اور پھر میں نے رانا کو مخاطب کیا۔

"رانا کرپان سنگھ، ہم تمہارے پاس فریاد لے کر آئے ہیں۔"

"کیا ہے۔" رانا کرپان سنگھ نے بھاری لہجے میں پوچھا۔

"ہم پردیسی ہیں رانا جی اور کانپور سے بمبئی سامان خریدنے آئے ہیں۔"

"تو پھر جاکر سامان خریدو، میرے اڈے پر کیوں آئے ہو۔" رانا نے ہمیں گھورتے ہوئے کہا۔

"مگر سامان کیسے خریدیں، تمہارے آدمیوں نے ہماری جیب کاٹ لی ہے۔ ہم تو صرف یہ کہنے آئے ہیں کہ ہمیں اتنی رقم ضرور دے دی جائے کہ واپس ہم اپنے بچوں کے لئے کچھ کر سکیں ورنہ وہ بھوکے مر جائیں گے۔"

"شکلوں سے تو تم اتنے غریب نظر نہیں آتے اور پھر تمہیں یہ بات کیسے معلوم ہوئی کہ تمہاری جیب رانا کے آدمیوں نے کاٹی ہے۔؟"

"بات دراصل یہ ہے کہ ہم خود بھی اس سلسلے میں تھوڑی بہت معلومات رکھتے ہیں۔ ہم نے بڑی مشکل سے آپ کے اڈے کا پتہ چلایا ہے اور یہ سوچ کر یہاں آئے ہیں کہ شاید آپ ایک بڑے آدمی کی حیثیت سے ہماری مدد کر سکیں اور ہمیں ہماری رقم واپس دلا دیں۔"

"بے وقوف ہو تم، اگر میرے آدمیوں نے تمہاری جیبیں کاٹی ہیں تو تمہیں پولیس کے پاس جانا چاہئے تھا کیونکہ ان کا پیشہ تو یہی ہے۔"

"رانا جی! ہمیں یہ معلوم تھا کہ پولیس تمہارا کچھ نہیں بگاڑ سکتی، اس لئے ہم تمہارے پاس آئے ہیں۔"

"بے کار ہے بھاگ جاؤ۔ اور آئندہ کبھی اس طرح کسی اڈے کا رخ مت کرنا۔ مجھے نہیں معلوم کہ تمہاری جیبیں کس نے کاٹی ہیں۔ لیکن اگر معلوم ہو بھی جاتا تب بھی میں تمہاری کوئی مدد نہیں کر سکتا تھا۔"

"مگر رانا ہم تو اپنے پیسے لینے کے لئے آئے ہیں۔" میں نے کسی قدر سخت لہجے میں کہا۔ اور رانا کے اردگرد کھڑے ہوئے لوگ چونک پڑے وہ کینہ توز نگاہوں سے مجھے دیکھنے لگے تھے۔

"پیسے واپس لینے آئے ہو۔"

"ہاں۔"

"اور ضرور لے کر جاؤ گے۔"

"ہاں ہاں۔" میں نے پر اعتماد لہجے میں کہا۔ گو میں رانا کا [illegible] لہجہ [illegible] مگر میں اس سے خوفزدہ نہیں تھا۔

"ہوں ٹھیک ہے۔" [illegible]

انداز میں کہا۔ اور پھر اپنے دو آدمیوں کی طرف اشارہ کرکے کہا۔

"سنو! اٹھا کر پھینک دو انہیں باہر، یہ اپنے پیسے لے کر ہی جائیں گے۔"

"چلو۔" دو آدمی آگے بڑھ آئے لیکن جونہی وہ ہمارے قریب پہنچے، ہمارے گھونسوں نے انہیں واپس رانا کے پاس بھیج دیا۔ رانا اچھل کر کھڑا ہوگیا تھا۔ دوسرے لمحے ہم نے پستول نکال لیں اور رانا کے دو آدمیوں کی طرف رخ کر دیا۔

"پورے بیس ہزار روپے تھے دادا۔ پورے بیس ہزار روپے۔" میں نے کہا۔

رانا پراسرار انداز میں منہ پھاڑے ہمیں دیکھ رہا تھا۔ پھر اس نے [illegible] لہجے میں کہا۔

"کیا سمجھتے ہو تم لوگ۔ بچ کر نکل جاؤ گے یہاں سے پوری بمبئی کو جہنم بنا دوں گا، میرا نام کرپان سنگھ ہے، رانا کرپان سنگھ۔"

"اگر تم بمبئی کو جہنم بنانا جانتے ہو دادا تو ہم اس اڈے کو جہنم بنانا جانتے ہیں۔ ہاں یہ الگ بات ہے کہ جب تک تم بمبئی کو جہنم بناؤ گے ہم کہاں پہنچ چکے ہوں گے۔ اس لئے ہمیں اس بات کی پروا نہیں ہے۔ تم ہمارے بیس ہزار روپے نکال کر رکھ دو۔"

"تم شاید پاگل ہوگئے ہو۔ جاؤ پہلے تم باہر جاکر رانا کے بارے میں معلومات حاصل کرکے آؤ۔ اگر تم نے پستول کے زور پر یہاں کوئی ہنگامہ کیا تو اس کے بعد تم اور تمہارے بچے زندہ نہ رہ سکیں گے۔"

"دھمکیاں مت دو دادا، بیس ہزار روپے نکال کر میرے سامنے رکھ دو۔"

اس وقت رانا کے ایک آدمی نے مجھے دبوچنے کی کوشش کی لیکن سنگھٹ نے مجھے ہوشیار کر دیا اور دوسرے لمحے میں نے اس آدمی پر فائر کر دیا۔ طویل چیخ کے علاوہ کچھ بھی سنائی نہیں دیا تھا۔ ہم نے پلٹ کر بھی نہیں دیکھا تھا۔

رانا ہماری کیفیت کو نوٹ کر رہا تھا، وہ سمجھ چکا تھا کہ سامنے والے اس کی عمر کی چیز ہیں، تب اس نے اپنے آدمیوں سے کہا۔

"[illegible] نہیں رہے ان کے پاس پستول ہے پستول۔"

"بیس ہزار دو دادا جلدی سے بیس ہزار۔"

"تم کیوں جا رہے ہو؟ یہ تو پتہ چلے کہ جیب کس نے کاٹی ہے۔" رانا صلیبت پر آگیا اور ہمارے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ تب میں نے کہا۔

"ہم انتظار نہیں کر سکتے دادا، بیس ہزار روپے ادا کر دو۔ ورنہ ہم تمہارے اس اڈے کو جہنم بنا دیں گے۔"

"بیس ہزار کہاں سے دوں گا۔ میرے پاس کیا رکھا ہے۔" رانا جھلا کر بولا۔

"اوہ دادا ہزاروں روز کماتے ہو، بیس ہزار نہیں دے سکتے۔"

"بیس ہزار کے بغیر تم لوگ باز نہیں آؤ گے۔" دادا نے جھنجھلاہٹ سے کہا اور پھر اس نے اپنے تخت پر بچھی ہوئی چادر کا کونا اٹھایا۔ تخت میں شاید خلا نے بنے ہوئے تھے۔ اس نے ایک خانے میں ہاتھ ڈالا اور نوٹوں کی گڈیاں نکال لیں، پھر اس نے پورے بیس ہزار روپے گن کر گڈی ہمارے سامنے اچھال دی تھی۔

"لو مرو۔ لیکن یاد رکھو تمہاری جیب اگر میرے آدمی نے نہ کاٹی اور کسی دوسرے نے کاٹی ہوگی، تو کس لئے پیسے میں تم سے واپس لے لوں گا۔"

"اوہ دادا یہ پیسے واپس لے لو گے۔!"

"ہاں ہاں واپس لے لوں گا۔"

"کس طرح دادا۔ ؟" میں نے مسکرا کر پوچھا۔

"یہ میرا کام ہے میں جانتا ہوں۔" کرپان سنگھ نے کہا اور میرے منہ سے ہنسی نکل گئی۔ پھر میں نے بیس ہزار روپے رانا کی طرف اچھال دیئے اور بولا۔

"چلو ٹھیک ہے دادا، میں یہ پیسے تم سے نہیں لیتا مگر ایک بات بتا دو۔"

"کیا مطلب ہے؟" رانا کرپان سنگھ نوٹوں کو دیکھتا ہوا بولا۔

"میرا نام شیرو ہے۔" میں نے کہا اور قریب کھڑے ہوئے تمام لوگ چونک پڑے۔

"کون شیرو دادا جو سنگھٹ کے اڈے کا مالک بن گیا ہے۔"

"ہاں دادا وہی شیرو۔"

"تو تم شیرو ہو۔"

"ہاں دادا، میں دیکھنا چاہتا تھا کہ تمہارے اندر کتنا دم خم ہے اور تب سے دم خم کا مجھے اندازہ ہوگیا۔ صرف دو آدمی تمہارے اڈے پر ہنگامہ کر گئے اور تم سے بیس ہزار روپے نکلوا لئے گئے۔ یہ بات سارے اڈوں پر پھیل جائے گی اور تم اس کی تردید نہیں کر سکو گے۔"

"کیا کہنا چاہتے ہو تم؟" کرپان سنگھ غرایا۔

"ہاں دادا۔ تیرے آدمیوں نے تو میرے آدمیوں کو زخمی [illegible] کیا تم نے ہمارے تین آدمیوں کو زخمی کیا ہے اور ہم تیرے تین آدمیوں

کو قتل کریں گے۔ یہ بات ذہن میں رکھو دادا۔ یہ بات تم سے
شیرو کہہ رہا ہے۔"
"ہاں ہاں سن رہا ہوں، دیکھ رکھا ہے میں نے شیرو کو۔ یہ پستول
اپنی جیب میں رکھو اور پھر اپنی قسمت آزماؤ شیرو۔ آگے یہ کھلونے
تو اچھے اچھوں کو نیچا دکھا دیتے ہیں۔"
"رانا کرپان سنگھ آگے یہ کھلونے بے شک طاقت آزمائی کے
سلسلے میں ناکارہ ہوتے ہیں، لیکن ان کی حیثیت سے کوئی انکار نہیں
کرسکتا۔ اگر تمہیں اس کا موقع مل جاتا تو کیا تم اسے استعمال نہ کرتے۔"
"وہ ٹھیک ہے۔ لیکن اگر تم خود کو واقعی کچھ سمجھتے ہو تو کرپان
سنگھ سے خود لڑو اور فیصلہ کرو۔"
"مجھے تمہاری یہ شرط منظور ہے۔ میں تم سے مقابلہ کرنے کے
لئے تیار ہوں۔" میں نے کہا۔
"ٹھیک ہے شیرو، اگر تم نے مجھ پر فتح حاصل کرلی تو میں تمہارے
ہر حکم کی تعمیل کروں گا، کرپان سنگھ تمہارا غلام ہوگا۔"
"ٹھیک ہے دادا۔" میں نے کہا اور اپنا پستول سنگھ کے
حوالے کردیا۔ کرپان سنگھ اپنی جگہ سے اٹھ کر کھڑا ہو گیا تھا۔ میں
اس سے بالکل مرعوب نہیں تھا۔ تب اس نے اپنے آدمیوں سے کہا۔
"سنو سب، میں نے زبان دی ہے۔ اگر میں مر بھی جاؤں
تو تم میں سے کوئی کچھ نہیں بولے گا۔"
"ٹھیک ہے دادا۔ ہم تمہارے حکم کی تعمیل کریں گے۔" اس کے
آدمیوں نے جواب دیا اور کرپان سنگھ تخت سے نیچے اتر آیا۔
جگہ بہت بڑی نہیں تھی لیکن بہرحال مقابلہ تو ہونا ہی تھا۔
میرے ذہن میں اس کے علاوہ اور کوئی بات نہیں تھی کہ میرا مقابل
میرے سامنے ہے اور مجھے اس سے ہر طریقے سے نمٹنا ہے۔ بہرطور
میں کرپان سنگھ کے مقابل آ گیا۔ وہ خونخوار نگاہوں سے مجھے
گھور رہا تھا۔ اس کے چہرے پر بے پناہ درندگی تھی۔ چند لمحات
ہم دونوں ایک دوسرے کو گھورتے رہے۔ پھر کرپان سنگھ نے
اپنے حلق سے ایک خوفناک آواز نکالی اور مجھ پر حملہ کردیا۔
کرپان سنگھ مجھ پر تابڑ توڑ حملے کر رہا تھا اور میں اس کے
حملوں کا جواب دے رہا تھا۔ پھر کرپان سنگھ نے میرے سینے
پر لات ماری لیکن میں نے اسے زبردست جھکائی دی اور دوسری
جھکائی دیتے ہی میں نے اس کے سینے پر ٹکر ماری۔ کرپان سنگھ
بھی سمجھا تھا کہ یہ بھی جھکائی ہے لیکن میری اس ٹکر نے اس کے
سینے کو خاصا شدید نقصان پہنچایا تھا۔ وہ کئی قدم پیچھے
ہٹ گیا تھا اور بمشکل تمام خود کو سنبھال سکا تھا۔ پھر اس نے
دوسری طرف سے مجھ پر حملہ کرنے کی کوشش کی۔ اس بار میں
نے اس کی کلائی پر ہاتھ ڈال دیا تھا۔ میں نے اس کی کلائی کو ایک
زوردار جھٹکا دیا۔ کرپان سنگھ ایک بار پھر لڑکھڑا گیا تھا۔ اس کے
بعد میری لات اس کی کمر پر پڑی اور وہ دھم سے زمین پر گر پڑا۔
لیکن اس نے اٹھنے میں زیادہ دیر نہیں لگائی تھی۔ پھر میں نے اپنی
بے پناہ قوت سے اس کے سر کو دونوں ہاتھوں میں دبوچ لیا اور
پوری طاقت سے اس کے سر کو بل دیا۔ کرپان سنگھ کی گردن ٹیڑھی
ہوگئی اور دوسرے لمحے میں نے اسے گھسیٹ لیا تھا۔ کرپان سنگھ چاروں
شانے چت ہوگیا۔ میں نے اس کے سینے پر پاؤں مارنے کی کوشش
کی لیکن وہ تیزی سے پلٹ گیا اور اسی ایک لمحے میں اس نے اپنے
دونوں ہاتھوں سے میری ٹانگ پکڑ لی لیکن میرا ایک پاؤں آزاد
تھا اور یہی اس کے لئے مصیبت بن گیا۔ میں نے ایک زوردار لات
اس کے سر پر رسید کی اور کرپان سنگھ کے حلق سے ایک کراہ نکل
گئی۔ اب وہ قطعی طور پر میرے رحم و کرم پر تھا۔
میں نے ایک لمحے کے لئے سوچا اور پیچھے ہٹ گیا۔ پھر میں نے
کہا۔ "کرپان سنگھ، یہ تمہاری شکست ہے۔" اس نے مجھے دیکھا۔ اس
کی آنکھوں سے خون ٹپک رہا تھا۔ پھر اس نے اپنی جیب سے
چاقو نکالا اور میری طرف اچھال دیا۔ دوسرا چاقو اس نے اپنے
ساتھیوں سے لے کر اپنے ہاتھ میں لے لیا تھا۔
اور اس کے بعد چاقو کی لڑائی شروع ہوگئی۔ دفعتاً میں
نے اپنا چاقو والا ہاتھ آگے بڑھایا اور کرپان سنگھ اچھل کر پیچھے
ہٹ گیا۔ لیکن پیچھے ہٹتے ہوئے اس نے اپنے آپ کو سنبھالا
نہیں تھا۔ میں نے دوسرا وار کیا اور میرا چاقو اس کے بازو کو
کاٹتا ہوا نکل گیا۔ اس کے بعد کرپان سنگھ برداشت نہ کرسکا
وہ پے درپے مجھ پر حملے کرنے لگا۔ لیکن اس کا کوئی حملہ کامیاب
نہیں ہوا تھا۔ میں نے چاقو کا وار اب اس کے شانے پر کیا تھا اور
اس کے شانے سے خون بہنے لگا تھا لیکن کرپان سنگھ نے خون
کی طرف نہیں دیکھا تھا۔ وہ مجھ پر تابڑ توڑ حملے کر رہا تھا۔ پھر
میں نے زور سے ہانک لگائی۔
"سنبھلو کرپان سنگھ" اور اس کے ساتھ ہی میں نے چاقو
دائیں ہاتھ میں لے کر اس کی ران کی طرف بڑھایا۔ کرپان سنگھ نے
اپنے آپ کو بچانے کی کوشش کی لیکن یہی میری چالاکی تھی۔ میں
نے چاقو بائیں ہاتھ میں لیا اور اس کے گلے پر کاری ضرب لگادی
کرپان سنگھ کے حلق سے دھاڑ نکل پڑی تھی۔ وہ لڑکھڑا کر پیچھے
ہٹنے لگا۔ اب اس کی ران خون سے تربتر ہورہی تھی اس نے
اپنے زخم کو محسوس کیا اور چاقو اپنے ہاتھ سے پھینک دیا۔
"ٹھیک ہے شیرو دادا، تو کامیاب رہا۔" اس نے آہستہ

سے کہا اور میں نے چاقو اس کے پاس پھینک دیا۔
"کرپان سنگھ میں نے پہلے ہی تجھ سے کہہ دیا تھا لیکن بہرطور
مجھے افسوس ہے۔"
"ارے نہیں شیرو دادا افسوس کی کیا بات ہے یہ تو فیصلہ
تھا جو ہوگیا۔" اس نے مسکراتے ہوئے کہا۔ ایک ہاتھ سے اس نے
اپنا زخم دبا رکھا تھا اور اب اسے شاید شانے کے زخم بھی یاد آرہے تھے۔
ایک بار اس کے قدم لڑکھڑائے اور اس نے ادھر ادھر ہاتھ پھیلا
دیئے۔ پھر دہاڑا۔
"دیکھتے کیا ہو۔ مجھے سنبھالو۔"
"نہیں کرپان سنگھ۔ اب ہم تمہارے پابند نہیں رہے۔"
ان میں سے کچھ لوگوں نے کہا۔ اور کرپان سنگھ حیرت سے انہیں دیکھنے
لگا۔ پھر اس نے گردن ہلا کر کہا۔
"ارے ہاں۔ میں بھول گیا تھا۔ ہاں ٹھیک تو کہتے ہو۔"
اس نے کہا اور میری طرف دیکھ کر بولا۔ "کیا تم مجھے مرہم پٹی کی
اجازت دوگے واحد، یا میری موت تمہیں پسند ہوگی۔" اس کی آواز
میں بے چارگی تھی۔
"ارے چلو۔ واحد کی مرہم پٹی کرو۔" میں نے ڈپٹ کر کہا۔
اور وہ سب دوڑ پڑے۔ اچھا اصول تھا ان لوگوں کا ایک منٹ میں
آنکھیں بدل جاتی تھیں۔
کرپان سنگھ کا اڈہ بھی میرے قبضے میں آگیا۔ یہاں بھی میں
نے شکست والے اصول کو اپنایا تھا۔ اڈہ میں نے کرپان سنگھ کے
حوالے کردیا اور اس کی آدھی آمدنی میری ہوگئی۔ اس کے بعد
میں نے دو تین اڈوں پر مزید اسی طرح قبضہ جمایا۔ اب میں بمبئی
کے خطرناک لوگوں میں شمار ہوتا تھا۔
ایک رات بعد اپسرا پھر میرے پاس آئی۔ مجھے اس کی خوشبو
محسوس ہوگئی تھی۔
"بابر داؤد خان۔" اس کی آواز ابھری۔
"ہاں کہو۔"
"کیسی گزر رہی ہے۔؟"
"تم جانتی ہو۔"
"خوش ہو۔؟"
"ہاں۔ خوش ہوں تمہارے راج میں۔"
"میں نے تو تمہیں بھی راج کرنے کا موقع دیا تھا۔ تم کیوں
راج نہیں کرتے، کیوں اس چھوٹے سے مکان میں پڑے ہوئے
ہو۔ کوئی خوبصورت سی کوٹھی خریدو اور دلرباؤں کو اپنے گرد جمع
کرلو۔ زندگی کا پورا لطف اٹھاؤ۔"
"ٹھیک ہے اپسرا۔ لیکن تم بہت دن سے خاموش ہو۔"
"اس کی ایک وجہ ہے بابر۔"
"کیا۔؟"
"میرا شکار تمہارے پاس نہیں پہنچا ابھی تک۔ میں انتظار
کررہی ہوں۔ ویسے تمہارے لئے ایک خوشخبری ہے۔"
"وہ کیا۔؟"
"ممکن ہے اب تمہاری یہ مہم طویل نہ ہو۔ مجھے میرے مقصد
کے حصول میں کچھ آسانیاں فراہم ہوگئی ہیں۔ ممکن ہے کچھ عرصے
بعد میں تمہارا پیچھا چھوڑ دوں۔"
"یہ کیسے ہوا۔؟"
"میری کوششوں سے۔" اس نے جواب دیا پھر میں
خاموش ہوگیا۔ پراسرار اپسرا کی کوئی بات سمجھ لینا آسان کام نہیں
تھا۔ وہ میری تقدیر کی مالک بن گئی تھی۔ کاش اس سے پیچھا
چھوٹ جائے۔ کاش۔ میں حسرت سے سوچ رہا تھا لیکن ساری
خواہشیں کہاں پوری ہوتی ہیں۔ میں اتنا خوش نصیب نہیں
تھا۔
"کیا سوچنے لگے بابر داؤد خان۔؟" اس نے سوال کیا۔
"کوئی خاص بات نہیں۔"
"پھر بھی۔ کچھ تو۔!"
"بہت سے خیالات ہیں ذہن میں۔"
"مجھے بتاؤ۔ میں تمہاری تشفی کرنے کی کوشش کروں گی۔"
"کیا تم صحرائے اعظم افریقہ واپس چلی جاؤ گی۔"
"ہاں۔ صدیوں سے وہ میرا وطن ہے۔ اس سرزمین پر
میری نمود ہوئی۔ مجھے اس سے پیار ہے۔ صحرا کے وحشی میرے بہترین
دوست ہیں۔ کچھ بدفطرت جادوگروں نے انہیں بہکا دیا تھا۔
لیکن میں جانتی ہوں وہ معصوم انسان آج مجھے یاد کرکے روتے
ہوں گے۔"
"اور تمہارے دشمن۔؟"
"یوں تو ہزاروں دشمن ہیں میرے، لیکن ایک بدترین
دشمن تھا۔ وہ مارا گیا۔ اور اسی کی وجہ سے میں تم سے یہ بات کہہ
رہی ہوں کہ میرا کام بہت مختصر رہ گیا ہے۔ جب تک وہ زندہ تھا
میرے لئے مشکلات ہی مشکلات تھیں اور میں اپنا مقصد حاصل
کرنے میں کامیاب نہیں ہوسکتی تھی لیکن اس کی موت کے بعد بہت
سکون محسوس ہوا ہے مجھے۔ تم تصور نہیں کرسکتے بابر داؤد خان کہ
میں آج کتنی مسرور ہوں۔"
"لیکن، لیکن تمہارا وہ خاص دشمن تو مالا زرنگا تھا؟"
"ہاں وہی ذلیل انسان، وہی جادوگر جس نے تھوڑا بہت
فن سیکھنے کے بعد مجھے چیلنج کردیا تھا لیکن اس نے دیکھا وہ کس
طرح موت کی آغوش میں جا سویا۔"

"لیکن ماکا زونگا تو بہت عرصے پہلے مر چکا تھا۔"
"نہیں وہ انتہائی سخت جان تھا کر سمندر کی موجیں اسے نگل گئی تھیں۔"
"اور سلطان؟"
"وہ بھی بچ گیا تھا۔ وہ بھی بچ گیا تھا بابر داد خان۔ اور میں اب ان دونوں کو پا چکی ہوں۔"
"آہ۔ کیا تم مجھے ان سے نہیں ملاؤ گی اپسرا۔ وہ کہاں ہیں بس ایک بار میں ان سے ملنا چاہتا ہوں۔"
"نہیں۔ ماکا زونگا اب اس دنیا میں نہیں ہے اور سلطان تو وہ اب اس قابل نہیں رہا کہ مجھ سے اپنا انتقام بھی لے سکے۔" "کیا مطلب؟"
"مطلب میں تمہیں نہیں بتا سکتی۔"
"لیکن ماکا زونگا کی موت کس طرح ہوئی؟"
"اپنے ہی جادو کا شکار ہو گیا وہ اپنی ہی آگ میں بھسم ہو گیا۔"
"تمہیں یہ کیسے معلوم ہوا؟"
"میں اس کی طرف سے بے خبر تو نہیں تھی۔"
"ہوں۔ مجھے افسوس ہے۔ بہرطور اب میں تمہاری کیا خدمت کر سکتا ہوں؟"
"ابھی نہیں بس تھوڑے دن اور رک جاؤ ممکن ہے تمہیں میرے لیے ایک آخری قتل کرنا پڑے۔"
"ایک بات بتاؤ اپسرا تم تو کہتی تھیں کہ ابھی تمہیں بہت سے انسانی خون کی ضرورت ہے۔"
"مجھے نہیں تھی دراصل ماکا زونگا کی زندگی میں مجھے اپنے پروگرام میں تبدیلی کرنا پڑی تھی۔ میں آگ میں غسل کر کے ابدی ابدی زندگی نہیں حاصل کر سکتی تھی بلکہ اس کے لیے اب مجھے کچھ بدلیوں کی ضرورت تھی۔ اس میں آگ کے تمام ایسے خیالات پر قبضہ کر لیا تھا جہاں میں غسل کر کے اپنی ابدی زندگی بحال کر سکتی اس لیے میں نے خون کا سہارا لیا تھا۔ یہ جادو کی باتیں ہیں بابر داد خان تمہاری سمجھ میں نہیں آ سکیں گی تم دوسری دنیا کے سیدھے سچے انسان ہو بہر طور میں تمہیں یہ قصہ بھی سناتی ہوں بہتی ندی تمہیں جو کچھ حاصل ہو گیا ہے وہ اتنا ہے کہ اب اگر تم چاہو تو اسے جمع کر کے یہاں سے فرار ہو سکتے ہو کسی پر سکون گوشے کو اپنا سکتے ہو اور اگر یہ بھی نا پسند کرو تو یہیں اپنی حیثیت قائم رکھ سکتے ہو۔ ایک بار تمہیں جو کچھ مل چکا ہے وہ تم سے کبھی چھینا نہیں جائے گا تم اپنی اس زندگی میں سالہا سال تک قائم رہ سکتے ہو جو اتنے عرصے تک تم تصور بھی نہیں کر سکے۔ عیش کیجئے جاؤ یہ لوگ تمہاری عزت کرتے ہیں۔ ان سے پورا پورا فائدہ اٹھاؤ۔"

"ٹھیک ہے مجھے کیا کرنا ہے یہ میں جانتا ہوں بہر طور میں منتظر ہوں گا کہ تمہیں تمہاری آخری منزل تک پہنچا دوں۔"
"آخری منزل سے تمہاری کیا مراد ہے؟"
"میرا مطلب ہے جب تک تمہارا کام مکمل نہ ہو جائے میں اپنے آپ کو تمہارا قیدی سمجھتا ہوں۔"
"قیدی نہیں بلکہ دوست، قیدی تو تم نے خود کو تصور کر لیا تھا۔ اچھا اب میں چلتی ہوں۔" اس نے کہا اور چند لمحات کے بعد اس کی آواز معدوم ہو گئی۔ اپسرا کی اس اطلاع نے مجھے حیران کر دیا تھا۔

سلطان زندہ تھا۔ ماکا زونگا بھی زندہ تھا کسی اور سے تو مجھے کوئی دلچسپی نہیں تھی لیکن سلطان کی زندگی واقعی مجھے بے حد عزیز تھی۔ اور نہ جانے کیوں دل کے گوشوں سے مسرت کے جذبات ابھر رہے تھے۔ ماکا زونگا مارا گیا تھا یہ بھی بہت ہی افسوسناک بات تھی۔ کاش سلطان مجھے مل جائے۔ اگر ممکن ہو سکا تو میں اپسرا ہی سے درخواست کروں گا کہ وہ مجھے کسی نہ کسی طرح سلطان سے ملا دے۔ ممکن ہے اپنا کام مکمل کرنے کے بعد وہ میری اس بات کو مان لے۔

بہر حال میں انتظار کرتا رہا۔ جنگل کے اس خوبصورت علاقے میں میں نے ایک کوٹھی خریدی تھی۔ اور اس کوٹھی میں بڑی شان سے رہتا تھا کوئی الجھن ابھی تک پیش نہیں آئی تھی میں باقاعدہ اپنے اڈے پر جاتا ان کی دیکھ بھال کرتا اور ان کے مسائل نپٹاتا شہر بھر میں چلنے والے جرائم ہوتے ان کی اطلاعات بھی مل جایا کرتی تھیں میری زندگی ایک خاص ڈگر پر آ گئی تھی۔ لیکن میں مطمئن نہ تھا اکثر میرے ذہن میں خیال آتا تھا کیا یہی زندگی ہے کیا زندگی اسی جگہ ختم ہو جاتی ہے۔ دولت ابھی خاصی آ گئی تھی لیکن ظاہر ہے زیادہ فراغت نہیں تھی باقی تفریحات بھی ہوتی رہتی تھیں۔ اس کے بعد میں نے ان علاقوں کا رخ نہیں کیا تھا جہاں میں پہلے جاتا تھا کیونکہ اب مشاغل دوسرے ہو گئے تھے لڑکیاں بھی آتی تھیں لیکن مختلف اور بدلے ہوئے انداز میں۔ میں اپنے معمولات کے مطابق کام کر رہا تھا۔

پھر ایک دن جب فضا میں بادل چھائے ہوئے تھے اور موسم خاصا دلکش ہو رہا تھا میں اپنی کوٹھی کے لان میں بیٹھا ہوا تھا میں کسی قدر کوفت کا شکار تھا بہت کچھ یاد آ جاتا تھا خاص طور سے سلطان کی یاد اب مجھے بار بار ستانے لگی تھی۔ پتہ نہیں وہ کہاں ہے وہ کس حال میں ہے۔ اس سے مجھے اپنی اولادوں کی طرح ہی محبت تھی۔ اگر سلطان مجھے دیکھے گا تو کیا پہچان لے گا۔ اس دن میں نے پہلی

بار سوچی ہیں کہ مجھے بمبئی ہی میں رہنا ہے تو پھر اس طرح رہنا مناسب نہیں ہو گا بہتر یہ ہے کہ میں کوئی اور مشغلہ بھی اختیار کروں اپنا کام تو جاری ہی رکھوں اور اس کے علاوہ کوئی ایسا کاروبار شروع کر دوں جس سے میری حیثیت مستحکم ہو جائے۔

چنانچہ دوسرے دن میں نے باقی معاملات کے بعد جو وقت ملا اس میں مناسب جگہ کی تلاش کے لیے کوششیں شروع کر دیں چند دن بعد مجھے ایک اور جگہ پسند آئی اور میں نے وہاں ایک بہت بڑا شو روم کھولنے کا پروگرام بنا لیا۔ میں نے کچھ غیر ملکی اشیا درآمد کرنے کا پروگرام بنایا تھا۔ چنانچہ اس سلسلے میں امپورٹ ایکسپورٹ کی بہت بڑی فرم سے رابطہ قائم کیا گیا اور اس کے مشورے سے میں نے شو روم کی تیاریاں شروع کروا دیں اس فرم کو میں نے بہت بڑا آرڈر دیا تھا اور اس کے لیے رقم پیشگی بھی ادا کر دی تھی۔

چنانچہ ایک بڑی پارٹی کی حیثیت سے اس فرم نے میرے لیے کام شروع کر دیا۔ اور یوں باقاعدگی سے کام شروع ہو گیا شو روم میرے شوق کی تکمیل تھا چنانچہ میں نے اسے خوب سے خوب تر بنانے کی کوشش کی اور یہ ایک اچھا مشغلہ میرے ہاتھ آ گیا تھا۔ شو روم کے بنانے کا کام بھی تیز رفتاری سے ہو رہا تھا پھر ایک دن ایک مختلف قسم کا واقعہ پیش آیا۔ دو آدمیوں کو قتل کر دیا گیا تھا اور پولیس قاتلوں کی تلاش میں تھی۔ جانے یہ سلسلہ کس طرح مجھ تک پہنچ گیا۔ میں اس وقت اپنی کوٹھی کے لان میں بیٹھا چائے پی رہا تھا کہ پولیس کی جیپ میری کوٹھی کے پاس آ کر رکی اور میں چونک کر اسے دیکھنے لگا۔ تھوڑی دیر کے بعد ایک پولیس انسپکٹر میرے پاس پہنچ گیا۔ دراصل کوئی خاص بات نہیں تھی میرے ذہن میں وسوسے جاگ اٹھے تھے کہ میں پولیس کو مطلوب تھا۔ اگر پولیس اس چکر میں آئی ہے تو اس کا مطلب ہے میرے لیے اب مشکلات پیدا ہونے والی ہیں۔ لیکن اب میں ان چکروں سے گھبرانے کا عادی نہیں تھا۔

چنانچہ میں سکون سے انتظار کرتا رہا۔ چوکیدار انسپکٹر اور سپاہیوں کے ساتھ میرے پاس آ گیا تھا۔ انسپکٹر نے مجھے ادب سے سلام کیا۔ وہ نوجوان خوبصورت سا آدمی تھا اس نے اپنا تعارف کراتے ہوئے کہا۔

"میرا نام گھورو پرشاد ہے۔ ایک خاص سلسلے میں آپ کے پاس حاضر ہوا ہوں امید ہے کہ آپ پولیس کے ساتھ تعاون کریں گے۔"

"بیٹھئے گھورو پرشاد اور ہاں ان دونوں کو واپس بھیج دیں
میرا خیال ہے ان لوگوں کی موجودگی یہاں مناسب نہیں ہے" میں نے پولیس کانسٹیبلوں کی طرف اشارہ کر کے کہا۔ اور گھورو پرشاد ان کی طرف دیکھنے لگا۔ پھر اس نے اشارے سے کانسٹیبلوں کو واپس جانے کے لیے کہا اور وہ پولیس جیپ میں واپس چلے گئے گھورو پرشاد کرسی گھسیٹ کر میرے پاس بیٹھ گیا تھا۔

"میں آپ کا شکریہ ادا کرتا ہوں جناب۔ آپ شیرو دادا ہی ہیں نا؟"

"اوہ" میں نے گردن ہلاتے ہوئے کہا "کون شیرو؟ میں کسی شیرو کو نہیں جانتا۔"

"معاف کیجئے گا جناب۔ ہمیں باوثوق ذرائع سے اطلاع ملی ہے کہ آپ شیرو دادا ہیں۔"

"شیرو سے تمہاری کیا مراد ہے؟"

"یہ تو میں بھی نہیں بتا سکتا لیکن میں دادا شیرو کا ذکر کرنا چاہتا ہوں جس کے تحت بہت سے اڈے چل رہے ہیں۔"

"اگر میں تم سے یہ کہوں کہ میں شیرو ہوں تو پھر؟" میں نے پولیس آفیسر کو دیکھتے ہوئے کہا۔

"تو پھر کوئی خاص بات نہیں دادا سب سے پہلے آپ یہ اعتراف کریں کہ آپ شیرو ہیں۔"

"ٹھیک ہے آگے بڑھو" میں نے کہا۔

"تو ہمیں آپ سے تھوڑی سی مدد درکار ہے۔"

"مدد کیسی ...؟" میں نے تعجب سے پوچھا۔

"بس یہ حضرت دو آدمی قتل ہو گئے ہیں ان کا الزام لگایا جا رہا ہے۔ اور آپ کو علم ہے کہ بمبئی کی پولیس آپ لوگوں سے ناواقف نہیں ہے۔ ہم لاعلم نہیں ہیں آپ لوگوں کے بارے میں تھوڑی بہت معلومات ضرور رکھتے ہیں۔ یہ دوسری بات ہے کہ ہمارا اور آپ کا قانون چلتا ہے۔"

"ٹھیک ہے انسپکٹر اس قتل کے سلسلے میں تم مجھ سے کیا چاہتے ہو؟"

"ہمیں کچھ اطلاعات ایسی ملی ہیں جس سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ قتل آپ کے آدمیوں نے کئے ہیں۔"

"کون لوگ ہیں اور وہ خود کیا ہیں مجھے بتاؤ" میں نے کہا اور پولیس انسپکٹر مجھے تفصیلات بتانے لگا۔ میں غور سے اس کی باتیں سن رہا تھا۔ یہ بات میرے علم میں بھی آ گئی کہ ایسے شخص یا دو آدمی کو میرے گروہ کے لوگوں نے قتل نہیں کیا ہے لیکن پولیس انسپکٹر نے جو تفصیلات بتائی تھیں وہ دو شخصیات میرے آدمیوں کی طرف اشارہ کرتا تھا۔ چند شخص شاید بھی تھے جنھوں نے قتل ہوتے ہوئے دیکھا تھا

میں پولیس انسپکٹر کے تعاون پر تیار ہو گیا۔ میں نے کہا۔
"ٹھیک ہے انسپکٹر۔ میں تم سے ایک بات کہنا چاہتا ہوں کہ قتل میرے آدمیوں نے نہیں کیے۔ اس کے باوجود میں تمھیں مدد دینا چاہتا ہوں۔"
"ہم تمھارے شکر گزار ہیں دادا کیا تم ہماری مدد کر سکتے ہو؟"
"تم نے جن عینی شاہدوں کا ذکر کیا ہے کیا تم ان سے میرے آدمیوں کی شناخت کرانا پسند کرو گے۔"
"ہاں دادا۔ یہ بات طے ہو گئی۔"
"ٹھیک ہے لیکن اس سلسلے میں، میں پولیس اسٹیشن نہیں آؤں گا۔"
"اس کی ضرورت نہیں ہے دادا! آپ اپنی کوٹھی میں ان لوگوں کو بلوا لیں۔"
"نہیں انسپکٹر، میں یہ بھی نہیں چاہتا۔"
"کیوں دادا؟"
"اس لیے کہ میں ایک باعزت زندگی گزارنا چاہتا ہوں۔ یہ اڈے میری نگرانی میں ضرور چل رہے ہیں لیکن انھیں یہ علم نہیں کہ میری دوسری حیثیت کیا ہے۔ تم جس طرح یہاں پہنچے ہو اس کی تو میں داد دیتا ہوں اور یہ میں معلوم کرنا چاہتا ہوں کہ تمھیں یہاں کے بارے میں معلومات کیسے حاصل ہو گئیں۔"
"افسوس دادا یہ ہم نہیں بتا سکتے۔ ہاں اتنا ضرور کہہ سکتے ہیں کہ بمبئی کی پولیس نہ تو ان اڈوں کو ختم کرنے کی خواہشمند ہے نہ ہی ان جرائم میں تعاون کرنا چاہتی ہے۔ البتہ ایسے کام جو کہ قانونی طور پر بہت غلط ہیں ہم انھیں کرنے کی اجازت نہیں دے سکتے ہیں۔"
"ٹھیک ہے یہاں جو کچھ ہوتا ہے پولیس اس سے واقف نہیں ہے۔ میں سمجھتا ہوں پولیس اس سلسلے میں حصہ دار بھی ہے۔" میں نے کہا۔
"ٹھیک ہے دادا۔ یہ باتیں کرنے کی نہیں جو کچھ ہو رہا ہے ہم بھی جانتے ہیں اور تم بھی جانتے ہو۔ چنانچہ بہتر یہی ہے کہ تم ہمارے ساتھ تعاون کرو جس طرح ہم تمھارے ساتھ تعاون کرتے ہیں۔"
"میں تیار ہوں۔"
"تو پھر میں تمھارے لوگوں کا پریڈ کرا سکتا ہوں۔"
"جب تم چاہو عینی شاہدوں کو لے کر کسی ایسی جگہ کا انتخاب کرو جہاں ہمارے آدمیوں کی شناخت ہو سکے۔"
"ٹھیک ہے دادا! میں اس سلسلے میں جلد ہی آپ لوگوں کو اطلاع دے دوں گا۔"
"چائے پیو۔" میں نے کہا اور ملازم نے چائے کی ایک پیالی بنا کر پولیس آفیسر کے سامنے رکھ دی۔
گھرو پرشاد خوش اخلاق اور ملنسار طبیعت کا مالک تھا گو میں نیک نام حیثیت نہیں رکھتا تھا لیکن وہ مجھ سے اسی انداز میں پیش آیا تھا جیسے میں کوئی اہم آدمی ہوں۔ میرا بھی فرض تھا کہ میں اس سے تعاون کروں چنانچہ میں نے اس سے تعاون کیا۔ انسپکٹر گھرو پرشاد نے ان لوگوں کی شناخت کروائی پھر اس کے بعد اس نے کچھ نشانات بھی دیے جس سے اندازہ ہوتا تھا کہ کس شخص نے ہمارے بارے میں یہ نشاندہی کی ہے۔
چنانچہ میں نے پولیس آفیسر سے یہی بات کی کہ وہ شخص کون ہے اس کے بارے میں مجھے بتا دیا جائے۔
"نہیں دادا یہ مناسب نہیں رہے گا۔ ہم نہیں چاہتے کہ ہماری وجہ سے آپ کا کوئی جھگڑا ہو البتہ ہم اسے بھی دیکھیں گے جس نے آپ پر یہ الزام لگانے کی کوشش کی ہے ممکن ہے اس نے ایک تیر سے دو شکار کرنے چاہے ہوں۔"
"ٹھیک ہے گھرو پرشاد اگر مجھ سے تمھاری کوئی مدد ہو سکتی ہے تو میں انکار نہیں کروں گا۔ تم جب چاہو یہاں آ سکتے ہو۔" میں نے کہا۔
"شکریہ دادا۔" انسپکٹر چلا گیا۔ اس کے جانے کے بعد میں پُرخیال انداز میں سوچنے لگا۔ دشمنوں کی تعداد بہت زیادہ تھی اور ظاہر ہے اب ہماری سرگرمیاں اس قدر بڑھ گئی تھیں کہ ہم لوگوں کی نگاہ سے محفوظ بھی نہیں رہ سکتے تھے۔ ممکن ہے کسی اور بدمعاش نے ہماری نشاندہی کی ہو اور اس طرح ہمیں پھنسانے کی کوشش کی گئی ہو۔
گھرو پرشاد نے اس کے بعد مجھ سے ملاقات نہیں کی البتہ کبھی کبھی اس کا فون آ جاتا تھا اور وہ مجھ سے باتیں کر لیا کرتا تھا۔ چند دن بعد اس نے مجھے اطلاع دی کہ اصلی قاتل پکڑے گئے ہیں۔ اتفاق کی بات یہ ہے کہ ان کا تعلق ان ہی لوگوں سے تھا جنھوں نے ہماری نشاندہی کی تھی اور ہمیں پھنسانا چاہا تھا۔
میں نے بہت کوشش کی لیکن انسپکٹر نے معذرت کر لی کہ وہ ان لوگوں کا نام لینے سے قاصر ہے وجہ اس نے یہی بتائی تھی کہ کس طرح وقتی ایک دشمنی بن جائے گی اور وہ نہیں چاہتا تھا کہ [illegible] بہرحال میں نے خاموشی اختیار کر لی۔ اس دوران میری فرم نے کام کرنا شروع کر دیا تھا اور میں نے اعلیٰ پیمانے پر کاروبار کی داغ بیل ڈال دی تھی۔
یوں زندگی نے ایک اور رنگ بدلا۔ یہ اور یہ رنگ کافی

دلچسپ تھا میری فرم میں بہت سے ملازم تھے کچھ لڑکیاں بھی تھیں اور کچھ نوجوان تھے جنھیں میں معقول تنخواہ دیتا تھا۔ فرم کا کاروبار نہایت خاموشی اور سکون سے چل رہا تھا۔ اب میں یہاں اچھے کاروباری کی حیثیت سے مقام پیدا کرتا جا رہا تھا۔
دوسری جانب اڈوں کا کاروبار بھی چل رہا تھا اور میں نے خود کو پوشیدہ رکھنے کے لیے اور بھی انتظامات کیے تھے۔ جوں جوں وقت گزر رہا تھا میری سوچ میں تبدیلی پیدا ہوتی جا رہی تھی۔ اور بظاہر معاملات پُرسکون تھے۔ زندگی تو ہنگاموں کا نام ہے اگر زندگی میں نت نئی تبدیلیاں نہ ہوتی رہیں تو یکسانیت انسان کو موت کے قریب گھسیٹ لائے۔ میری بھی خواہشات یہی ہوتی تھیں کہ میں زندگی سے قریب تر رہوں۔ اور اس کے لیے میں نت نئے ہنگامے کرتا رہا۔ ابھی تک میری زندگی میں کوئی ایسا موقع نہیں آیا تھا جس کو بہت زیادہ عجیب و غریب کہا جا سکتا۔
پھر ایک رات میں اپنی کار میں واپس آ رہا تھا۔ ساڑھے بارہ بجے کا وقت تھا۔ بندرگاہ کے راستے سے گزرتے ہوئے مجھے ایک کار نظر آئی جو الٹ گئی تھی۔ قرب و جوار میں کوئی موجود نہیں تھا۔ کار میں بیٹھنے والا کون تھا میں نے دور سے اس کار کو دیکھا اور پھر بریک پر پاؤں کا دباؤ ڈال دیا۔ چند لمحات کے بعد میں نے اپنی کار اس الٹی ہوئی کار کے قریب روک دی۔ میں نیچے اتر آیا۔ کار زیادہ تیز نہیں تھی چنانچہ میں اس کے قریب پہنچ گیا۔ میں نے دیکھا کہ الٹی کار میں چند لوگ زخمی حالت میں پڑے ہوئے ہیں۔ ان میں دو لڑکیاں تھیں اور دو مرد۔ میں نے غور سے انھیں دیکھا اور پھر انھیں نکالنے کی کوشش کرنے لگا۔ بمشکل تمام کار کا دروازہ کھول کر میں نے ان چاروں کو باہر نکالا۔ ان میں سے کوئی بھی مرا نہیں تھا چنانچہ اب یہ میرا فرض تھا کہ انھیں اسپتال پہنچاؤں۔ وہ سب زندہ تھے البتہ ان کے جسموں سے خون کافی بہہ گیا تھا۔
چند لمحات میں سوچتا رہا اور پھر میں نے ایک فیصلہ کیا کہ ان لوگوں کو اسپتال لے جانے کے بجائے اپنی کوٹھی میں لے جاؤں اور وہاں ڈاکٹر کو طلب کروں چنانچہ میں انھیں اپنی کوٹھی میں لے آیا کار کو میں نے اسی طرح پڑے رہنے دیا تھا۔
پھر میں نے اپنے ایک شناسا ڈاکٹر کو فون کیا اور وہ میرے پاس آ گیا۔ ڈاکٹر نے ان زخمیوں کو دیکھا اور پھر گہری سانس لے کر بولا۔
"خوش قسمتی یہ ہے کہ کسی کا خون زیادہ نہیں بہا لیکن کیوں نہ پولیس کو اطلاع دے دی جائے۔"
"نہیں ڈاکٹر میں پولیس کے چکر میں پڑنا نہیں چاہتا اور اگر ٹھیک ہو جائیں تو خود ہی پولیس کو اطلاع دیتے پھریں گے۔" میں نے جواب دیا اور ڈاکٹر نے گردن ہلا دی۔ وہ میری مرضی کے خلاف پولیس کو اطلاع نہیں دے سکتا تھا کیونکہ وہ مجھے جانتا تھا۔ میں زخمیوں کے ہوش میں آنے کا انتظار کرنے لگا اور رات کے تقریباً چار بجے ان دونوں لڑکیوں کو ہوش آ گیا مرد ابھی تک بے ہوشی کے عالم میں تھے۔ انھوں نے ماحول دیکھا اور پھر مجھے دیکھ کر اچھل پڑیں۔
"نہیں نہیں بھگوان کے لیے نہیں۔ بھگوان کے لیے نہیں۔"
"کیا مطلب؟" میں نے ان دونوں کو دیکھتے ہوئے کہا۔
"اوہ۔" میں نے آہستہ سے گردن ہلائی اور پُرخیال انداز میں لڑکیوں کی طرف دیکھنے لگا۔ میری سمجھ میں کچھ نہیں آیا تھا پھر میں ان لڑکیوں کی طرف متوجہ ہو گیا۔
"کیا تمھیں یاد ہے کہ تمھاری کار کا ایکسیڈنٹ ہو گیا تھا؟"
"کار۔۔۔ ایکسیڈنٹ۔" ان میں سے ایک لڑکی نے آہستہ سے دہرایا اور پھر وہ میری طرف دیکھ کر چونک پڑی۔
"اوہ۔ اوہ۔ کیا تم ان میں سے نہیں ہو۔ کیا تم ان میں سے نہیں ہو۔ وہ بدمعاش وہ بدمعاش ہم دونوں کو اٹھا کر لے جا رہے تھے وہ ہمیں اغوا کر رہے تھے۔ میں نے ڈرائیور کو زخمی کر دیا تھا اور پھر کار الٹ گئی تھی۔" لڑکی نے کہا۔
"لیکن وہ کون تھے؟"
"ہم نہیں جانتے، ہم نہیں جانتے۔"
"تمھارا تعلق کہاں سے ہے؟"
"بمبئی کے رہنے والے ہیں۔ یہ بمبئی ہی ہے نا؟"
"ہاں بمبئی ہی ہے کیا نام ہے تمھارا؟"
"میرا نام کامنی ہے اور یہ سدھا ہے۔"
"میں تمھاری کیا مدد کر سکتا ہوں۔ مجھے اپنے گھر کا پتہ بتاؤ تاکہ میں تمھیں وہاں چھوڑ دوں۔"
"بھگوان کی سوگند تم ہمیں وہاں چھوڑ دو گے؟" انھوں نے عجیب سے انداز میں کہا۔
"ہاں کامنی ہاں سدھا میں تمھیں وہاں چھوڑ دوں گا۔"
لڑکیوں نے ایک پتا بتایا اور میں نے ان دونوں آدمیوں کی طرف دیکھا جن کے بارے میں مجھے یہ علم ہو گیا تھا کہ وہ بدمعاش ہیں۔ بہرحال ان لوگوں کا مسئلہ بعد میں نمٹا دیا جائے گا۔ میں نے ان دونوں لڑکیوں کو اپنے ڈرائیور کے ہاتھ ان کے گھر بھجوا دیا اور اس کام سے مجھے بڑا سکون ہوا تھا۔ اس کے بعد میں ان دونوں کے ہوش میں آنے کا انتظار کرتا رہا۔ وہ صبح کو ہوش میں آ گئے تھے۔ مجھے دیکھ کر

ان کے چہروں پر حیرت کے آثار نظر آنے لگے تھے پھر وہ چونک پڑے۔
"ہم کہاں ہیں؟ کون سی جگہ ہے؟ کیا ہسپتال ہے یہ؟"
"نہیں بیٹے ہسپتال نہیں ہے، پولیس سٹیشن ہے۔"
"پپ۔ پولیس۔ پولیس۔ ہم۔ ہم۔" ان کی آوازیں بند ہونے لگیں۔
"ہاں پولیس سٹیشن۔ لڑکیوں کو کہاں سے جا رہے تھے تم لوگ۔۔؟"
"وہ۔ وہ جی۔ وہ جی۔"
"ہاں ہاں کہو وہ کیا؟"
"ہمارا کوئی قصور نہیں تھا۔ دونوں لڑکیوں کا تعلق ایک فلم ڈائریکٹر سے تھا۔ وہ فلم ڈائریکٹر سے کافی روپیہ کھا چکی تھیں اور اب ہم ڈائریکٹر کی مرضی سے انہیں زبردستی اغوا کر کے جا رہے تھے۔"
"کون ہے وہ ڈائریکٹر، نام بتاؤ۔" وہ دونوں ایک دوسرے کی شکل دیکھنے لگے۔ پھر جب میں نے کڑک کر ان سے پوچھا تو انہوں نے ایک نام دہرا دیا۔
"ہوں ٹھیک ہے اس ڈائریکٹر سے بھی نمٹ لوں گا تم بتاؤ تمہارے ساتھ کیا سلوک کیا جائے؟"
"چھوڑ دیجیے سرکار ہمیں چھوڑ دیجیے ہمارا کوئی قصور نہیں ہے ہم تو حکم کے غلام ہیں ہمیں چھوڑ دیجیے۔"
"اچھا تم بھاگ جاؤ یہاں سے اور اس کے بعد اگر اس طرف سے گزرنے کی ہمت کرنا میں اس سے اچھی طرح نمٹ لوں گا۔" ان دونوں کو میں نے اسی حالت میں فرار کرا دیا بلاوجہ ایک مصیبت میں پھنسنے سے کیا واسطہ۔ بہرطور مجھے خوشی تھی کہ میں نے ان لڑکیوں کو ان کے چنگل سے بچا لیا۔ اب وہ جانیں اور ان کا کام۔

وقت یونہی گزرتا رہا۔ زندگی میں مختلف حادثے ہوتے رہتے ہیں۔ اسی طرح ایک اور لڑکی بھی مجھ سے آ ٹکرائی ایک نازک اندام سی لڑکی تھی۔ معصوم معصوم سے خدوخال کی مالک میرے دفتر میں ملازمت کے لیے آئی تھی۔ انٹرویو کے لیے میں نے ہی اسے اپنے پاس بلایا اور لڑکی کا معصوم چہرہ دیکھ کر مجھے اس پر ترس آ گیا۔ وہ ایک لفظ بھی نہ بول سکی تھی۔
"تم ملازمت کرو گی لیکن انٹرویو میں تو تم نے مجھے ایک لفظ بھی نہیں بتایا۔" دوسرے لمحے اس کی آنکھوں سے آنسو نکل پڑے۔
"جناب! جناب! میں بہت ستم رسیدہ ہوں۔ میں نے زندگی میں کبھی انٹرویو نہیں دیا۔ میں بہت گھبرا رہی ہوں۔ آپ سے، آپ مجھے ملازم رکھ لیجیے۔ ورنہ میرا گھرانہ موت کا شکار ہو جائے گا۔" وہ بولی۔
"اوہ! کیا نام ہے تمہارا؟" میں نے اس کی درخواست پر دیکھتے ہوئے کہا۔ درخواست پر اس کا نام شاہدہ لکھا ہوا تھا دوسرے لمحے وہ بھی بول پڑی۔
"جی شاہدہ۔"
"کہاں رہتی ہو؟"
"بہار کے روڈ پر۔"
"اچھا شاہدہ ٹھیک ہے۔ میں نے تمہارا اپوائنٹمنٹ کر لیا ہے کل سے تم ڈیوٹی پر آ جاؤ۔" شاہدہ ڈیوٹی پر آنے لگی۔ کچھ ایسی معصوم اور شریف لڑکی تھی کہ آہستہ آہستہ وہ میرے دل میں گھر کرنے لگی۔ حالانکہ میری عمر اس کی عمر سے میل نہیں کھاتی تھی۔ لیکن وہ میری توجہ کو محسوس کرنے لگی تھی۔ میں نے اس کے چہرے پر کچھ ایسے تاثرات دیکھے جیسے وہ میری جانب متوجہ ہو اور میں سنبھل گیا۔ میں اس بچاری کو بھٹکانا نہیں چاہتا تھا۔ عمر میں وہ میری بیٹی کے برابر ہوگی۔
چنانچہ میں نے اس کے ساتھ مشفقانہ سلوک کر دیا اور جب ایک دن وہ جذباتی ہو گئی تو میں نے اس کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا۔
"تم غلط سمجھیں شاہدہ! میرے دل میں تمہارے لیے کوئی غلط خیال نہیں ہے۔ تم تو مجھے بیٹیوں کی طرح عزیز ہو۔"
"جی۔" وہ بری طرح چونک پڑی۔
"ہاں شاہدہ بیٹی ہیں، جو بھی کچھ ہو، محبت کے تو مختلف روپ ہوتے ہیں۔ تم مجھ سے وہ توقع نہ رکھو جو ایک عورت مرد سے

اکبر الہ آبادی ایک بار دلی گئے۔ وہ خواجہ حسن نظامی کے ہاں ٹھہرے ہوئے تھے۔ ایک دن اکبر نے دیکھا کہ دو طوائفیں آئیں اور خواجہ صاحب سے تعویذ لے کر چلی گئیں۔ ان کے جاتے ہی اکبر نے کہا، حضرت! میں تو سمجھتا تھا اس گھر میں صرف فرشتے نازل ہوتے ہیں۔ آج تو حوریں بھی اتر آئیں۔ یہ کہہ کر انہوں نے فی البدیہہ کہا۔

فقیروں کے گھروں میں لطف کی راتیں بھی آتی ہیں
زیارت کے لیے اکثر مستورات بھی آتی ہیں

رکھتی ہے۔ تم میرے لیے قابل احترام ہو۔ میں تمہیں بے حد پسند کرتا ہوں۔" جواب میں شاہدہ کی آنکھوں سے آنسو امنڈ پڑے۔ وہ پھوٹ پھوٹ کر رو پڑی۔
"تمہیں افسوس ہوا ہے شاہدہ۔ میں نے ایک سچی بات کہی ہے۔ بھٹکانے والے تو بے شمار مل جاتے۔ تمہیں میں نے گندگی میں پڑنے سے نکال لیا ہے۔"
"یہ بات نہیں ہے سر! یہ بات نہیں۔"
"پھر کیا بات ہے؟"
"سر! سر! میں آپ کو سچ سچ بتا دوں۔ آپ برا تو نہیں مانیں گے؟"
"نہیں، مانوں گا بیٹے! جب میں تم سے کہہ چکا ہوں کہ میں ہر طرح سے تمہاری مدد کروں گا تو پھر تم اس سلسلے میں پریشان نہ ہو۔"
"سر! میرے دل میں بھی آپ کے لیے وہ احساس وہ جذبات نہیں تھے جو کسی لڑکی کے دل میں کسی مرد کے لیے ہوتے ہیں لیکن میں اپنی یہ ملازمت برقرار رکھنا چاہتی تھی میں نے اپنی دوستوں سے بات چیت کی۔ اپنے والدین سے میں نے کچھ بھی نہیں کہا۔ میری دوستوں نے کہا کہ یہ افسروں کے جو کان ہوتے ہیں وہ نوجوان اور خوبصورت لڑکی کو اس نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ سر! میں اس دن سے بہت پریشان تھی۔ ایک عجیب سی کشمکش میں مسلسل پریشان رہی تھی۔ بالآخر میں نے یہ فیصلہ کیا کہ اپنی یہ نوکری برقرار رکھنے کے لیے میں آپ سے وہی سب کچھ باتیں کروں گی جس سے آپ خوش رہ سکیں، آپ یقین کریں۔ میں نے اپنی شخصیت کو گرا کر اپنے والدین کو زندگی بخشنے کی کوشش کی تھی۔"
"افسوس شاہدہ مجھے بہت افسوس ہے لیکن تم بھی ٹھیک کہتی ہو۔ واقعی اس قسم کے لوگوں کی تعداد بہت زیادہ ہے۔ لیکن اب تو تم مجھ سے پہلے سے بھی زیادہ قریب رہ سکتی ہو ایک بھائی کی حیثیت سے یا ایک باپ کی حیثیت سے۔" شاہدہ میرے قدموں سے لپٹ گئی۔
"سر! آپ بہت عظیم ہیں۔ آپ بہت عظیم ہیں سر!"
اس کے بعد سے شاہدہ میری زندگی میں ایک خاص مقام حاصل کر گئی۔ میں اسے عام لڑکیوں سے مختلف سمجھتا تھا اور اس کی بڑی عزت کرتا تھا۔ میں نے اس کی تنخواہ میں بھی اضافہ کر دیا تھا۔ کئی بار اس کے گھر گیا تھا۔ ایک نیک اور شریف گھرانے کی لڑکی تھی۔ باپ معذور تھا۔ ماں بے چاری شدید بیمار تھی۔
بہرطور میں اس کی ہر ممکن مدد کرتا رہا۔ اب وہ میری کوٹھی پر بھی آ جاتی تھی اور بہت سے معاملات میں میرا ہاتھ بٹاتی تھی۔ میں نے بارہا اسے منع کیا کہ وہ اس طرح کوٹھی پر نہ آئے کہ یہ لوگ کسی غلط فہمی کا شکار نہ ہو جائیں تو اس نے کہا۔
"سر! آپ نے مجھے بہن کہا ہے نا۔ بہنیں تو بھائیوں کے گھر آتی جاتی رہتی ہیں۔ یہ میرا فرض ہے جو میں کر کے جاتی ہوں۔ کوئی کچھ کہتا ہے کہتا رہے۔"
شاہدہ میری زندگی میں بہت گہرائی میں اتر گئی تھی کہ ایک منحوس شام مجھے اسپرا کی آواز سنائی دی۔ اور میں اس کی آواز کو سن کر چونک پڑا۔
"بابر داد خان!"
"اوہ! اسپرا تم!"
"ہاں، میں۔"
"خیریت، کوئی خاص بات ہے۔ بہت دنوں کے بعد تم مجھ سے مخاطب ہوئیں۔"
"ہاں، تم صحیح راستے پر جا رہے تھے کوئی ایسی بات نہیں تھی جس کے لیے میں تمہیں پریشان کرتی۔ جب مجھے تمہاری ضرورت پڑی میں تمہارے پاس پہنچ گئی۔" اسپرا نے کہا۔ اور میرا دل ہول کر رہ گیا۔ اس کمبخت اسپرا کی فرمائشیں ایسی ہوتی تھیں۔ جو مجھے ذہنی طور پر شل کر دیتی تھیں۔ میں دھڑکتے دل سے اس کی آواز کا منتظر رہا۔ دیکھیں اب اس پر کیا مصیبت آ پڑی ہے۔
"کیا سوچنے لگے بابر داد خان؟"
"کچھ نہیں، تمہاری آواز کا منتظر ہوں۔"
"ہاں، تو میں تمہیں یہ بتا رہی تھی کہ جب مجھے تمہاری ضرورت پیش آئی میں تمہارے پاس آ گئی۔ تم نے مجھ سے وعدہ کیا تھا کہ جب بھی مجھے تم سے کوئی کام ہوگا تم اسے انجام دو گے۔"
"کیا کام ہے اسپرا؟ مجھے بتاؤ۔"
"خوشخبری میں تمہیں پہلے ہی سنا چکی ہوں۔ شاید یہ میرا آخری کام آخری ہی ثابت ہو اور میں اپنے مقصد کے حصول میں کامیاب ہو جاؤں۔ تمہیں ہمیشہ کی طرح اسی تندہی اور لگن سے میرا یہ کام کرنا ہوگا۔"
"مجھے بتاؤ تو سہی۔ براہ کرم الفاظ سے مت کھیلو۔" میں نے کہا۔
"ہوں، مجھے خون درکار ہے۔" اس نے کہا اور ایک لمحے کے لیے میرا دل لرز کر رہ گیا تھا۔ پتہ نہیں اب وہ کس

کا خون درکار ہے۔ تاہم میں نے اپنے ہونٹ بھینچ کر کے سوال کیا۔

"کون ہے وہ اپسرا ؟ کس کا خون چاہتی ہو ؟"

"تمہاری محبوب دوست شاہدہ کا۔" اس نے کہا اور ایک لمحے کے لیے مجھے زوردار چکر آ گیا۔ میں نے خود کو گرنے سے بچانے کے لیے سہارا لیا تھا۔ میرے پورے وجود میں آگ کی لہریں سی دوڑ گئیں۔ میرا وجود اس طرح سنسنا رہا تھا جیسے جلتے توے پر پانی ڈال دیا ہو۔ کافی دیر تک یہ سنسناہٹ میرے کانوں میں گونجتی رہی۔ میرا دماغ اس کیفیت کا شکار رہا پھر میں نے خود کو کسی قدر سنبھال کر کہا۔

"اپسرا ! اپسرا ! یہ کیا کہہ رہی ہو تم ؟"

"کیوں ؟ کیا بات ہے ؟"

"شاہدہ۔ معصوم شاہدہ نے تمہارا کیا بگاڑا ہے ؟"

میں نے کہا۔

"میں تم سے کہہ چکی ہوں بابرداد خان ! کہ یہ اس قسم کے سوالات تم مجھ سے نہیں کرو گے۔ میں تم سے جو کام لوں گی تم بس وہی کام کیے جاؤ گے۔ یہ تمہارا فرض ہے کوئی بھی تمہارے لیے کوئی بھی حیثیت رکھتا ہو تمہیں میرے لیے وہ سب کچھ کرنا ہوگا۔"

"آہ ! اپسرا ! تم مجھے قتل کر دو۔ لیکن مجھ سے ایسا برا ایک کام نہ لو۔ میں اس کے علاوہ کسی کو بھی کہو گی میں اسے قتل کر کے رکھ دوں گا۔ لیکن معصوم شاہدہ ۔ معصوم شاہدہ ۔ وہ ۔ وہ ۔" میری آواز لرز گئی۔

"بابرداد خان ! مجھے جس چیز کی ضرورت ہوتی ہے وہی مجھے درکار ہوتا ہے۔ تم اپنے طور پر کچھ بھی کہتے رہو۔ بہر طور تمہیں شاہدہ کو قتل کر کے حسب معمول اس کا خون مجھے فراہم کرنا ہے۔"

"میں یہ نہیں کر سکتا۔"

"کتنے ذلیل انسان ہو تم۔ ہر بار جھوٹ وعدہ کرتے ہو اور ہر بار وعدہ خلافی کرنے کی کوشش کرتے ہو۔ اگر تم نے یہ کام نہیں کرو گے تو جانتے ہو کیا ہوگا۔ بستی کے غنڈے اور بدمعاش تمہارے ٹکڑے ٹکڑے کروا لیں گے۔ تمہیں سڑکوں پر گھسیٹا جائے گا۔ پولیس تمہیں مفرور قاتل کی حیثیت سے پہچان لے گی۔ اور پھر تمہیں پھانسی کے پھندے پر لٹکا دیا جائے گا۔ تمہاری زبان ایک فٹ باہر نکل آئے گی اور آنکھیں اپنے حلقوں کو چھوڑ دیں گی۔ سمجھ رہے ہو تم۔ جو میں کہہ رہی ہوں وہی ہوگا۔ سمجھے بابرداد خان ! وہی ہوگا۔"

"اوہ اپسرا ! تم ۔ معصوم شاہدہ کی جان اس طرح نہ لو وہ مجھے بیٹیوں کی طرح عزیز ہے۔"

"مجھے اسی کا خون درکار ہے بابرداد خان ! پرسوں رات ساڑھے گیارہ بجے اسی ساحل پر جہاں ایک بار پہلے بھی تم مجھے خون کی بھینٹ دے چکے ہو۔" اپسرا نے کہا۔

"نہیں اپسرا نہیں۔"

"سوچ لو۔ فیصلہ کرنا تمہارا کام ہے۔ میں تمہیں اس مجسمے کی شکل میں ملوں گی۔ میرا کام اگر نہ ہوا تو دوسرے دن سے تم پر تباہی نازل ہونا شروع ہو جائے گی۔ اور اس بار بابرداد خان ! میرا یہ فیصلہ اٹل اور آخری ہوگا۔ تم ہر بار مجھ سے وعدہ خلافی کرنے کی کوشش کرتے ہو۔ میں بھی تمہاری ان حرکتوں سے اب تنگ آ چکی ہوں اور اب جبکہ تم میرا کام کرنے سے انکار کر رہے ہو تو میں نے بھی یہی فیصلہ کیا ہے کہ تمہیں موت کے گھاٹ اتار دیا جائے۔ تم سے کوئی کام لینا انتہائی مشکل ہوتا ہے میرے لیے اور میں مشکلات پسند نہیں ہوں۔"

اپسرا کی آواز میں غضب ناک سی کیفیت پیدا ہو گئی تھی۔ میں جانتا تھا کہ وہ کم بخت ناراض ہو گئی ہے اور وہ جو کچھ کہہ رہی ہے وہی کر دکھائے گی۔ سمجھ میں نہیں آتا تھا کیا کروں۔ شاہدہ کا تصور کرتا تو کلیجہ منہ کو آنے لگتا تھا۔ میں نے ایک بار پھر لجاجت آمیز لہجے میں اسے پکارا لیکن مجھے جواب نہیں ملا۔ میں سمجھ گیا کہ وہ جا چکی ہے اور مجھے آخری حکم دے چکی تھی۔ شاہدہ کی موت کا حکم۔ کیا میں شاہدہ کو قتل کر سکوں گا۔

"نہیں ہرگز نہیں۔ یہ میرے لیے ممکن نہیں ہے کوئی ایسی ترکیب ہونی چاہیے جس سے شاہدہ بچ جائے اور میرے ساتھ بھی یہ سب کچھ نہ ہو۔ اور اگر ہوتا ہی ہے تو پھر میں اپنی ذات پر سب کچھ برداشت کر لوں گا۔ لیکن شاہدہ کا قتل اب میرے ہاتھوں سے نہیں ہوگا۔ ہاں۔ میں شاہدہ کو اپنے ہاتھوں سے قتل نہیں کروں گا۔ میں نے فیصلہ کر لیا۔ اور میں اس کے بعد اس سوچ بچار میں مصروف ہو گیا کہ اب مجھے کیا کرنا چاہیے ! اپسرا سے بھاگ کر جانا تو ممکن نہیں تھا۔ وہ میرے وجود کی خوشبو سے واقف تھی۔ جہاں بھی جاتا وہ مجھ پر مسلط ہو جاتی اور پھر میرے سر پر مصیبتوں کے پہاڑ ٹوٹ پڑتے۔ ساری دولت میں جا گرتا۔

دوسری صبح مجھے بخار ہو گیا تھا۔ میں دفتر نہیں پہنچا تو شاہدہ نے مجھے گھر فون کیا۔ میری حالت کافی خراب تھی۔ میں نے نقلی آواز میں اس سے بات کی تو میری آواز سے اس نے اندازہ لگا لیا کہ میری کیفیت ٹھیک نہیں ہے۔

"کیا بات ہے بھیا ! خیریت تو ہے ؟ یہ آواز کیسی ہو رہی ہے اور دفتر کیوں نہیں آئے آپ ؟"

"شاہدہ ! بس ذرا طبیعت گڑبڑ ہے۔ میں آج دفتر نہیں آؤں گا۔ تم فکر نہ کرو۔ طبیعت ٹھیک ہو جائے گی تو پہنچ جاؤں گا۔" مجھے کوئی جواب دیے بغیر شاہدہ نے فون بند کر دیا۔ تقریباً ایک گھنٹے کے بعد وہ گھر پہنچ گئی۔ میں اسے دیکھ کر جیسے کچھ سا رہ گیا تھا۔ میری آنکھوں میں خون کے آثار ابھر آئے تھے۔

"شاہدہ، شاہدہ ؛ تم یہاں کیوں آ گئیں ؟"

"مجھ سے نہیں رکا گیا تھا بھیا ! مجھے اس کے لیے معاف کر دو۔ میں یقین کرو تمہاری وجہ سے کوئی ناجائز فائدہ اٹھانا نہیں چاہتی۔ لیکن بس میرے دل میں بھی تمہارے لیے وہی محبت پیدا ہو گئی ہے جو تم نے مجھے دی ہے۔"

"آہ شاہدہ ! میں تیرے لیے ساری دنیا سے ٹکرا جاؤں گا۔ میں تیرے لیے ہزار بار مرنے کو تیار ہوں۔ میں تیرے ساتھ کوئی ایسا وحشیانہ سلوک نہیں کروں گا۔ جو تجھے کسی طور نقصان پہنچائے۔"

"مجھے ؟" شاہدہ نے حیرت سے کہا اور میں نے زبان بند کر دی۔

"میں شاید بخار کے عالم میں کچھ کہہ گیا ہوں۔ شاہدہ ! محسوس مت کرنا۔ اب تم گھر جاؤ تیری بات ہے بیٹے ! میرے پاس زیادہ دیر رہنا ٹھیک نہیں ہے۔"

"پھر وہی بات کہی آپ نے بھیا ! میں آپ کی خدمت کروں گی۔ اور ۔ بس آپ خاموش ہو جائیے۔"

شام تک شاہدہ گھر پر رہی۔ پانچ بجے میں نے بمشکل تمام اسے رخصت کر دیا تھا۔ میری طبیعت بھی اب بہتر ہو گئی تھی۔ چنانچہ میں اسے کوٹھی کے گیٹ تک چھوڑنے آیا۔ کوٹھی کے گیٹ سے میں نے شاہدہ کو رخصت کیا اور اس وقت تک دیکھتا رہا جب تک وہ چلی نہ گئی۔ میں نے اس لڑکی کے لیے جان دینے کا فیصلہ کر لیا تھا۔

اپسرا اب میرے ساتھ جو کچھ بھی کرے میں اسے برداشت کروں گا۔ ابھی میں گیٹ سے پلٹ ہی رہا تھا کہ دفعتاً پہلے تک نئی ایک کار میرے گیٹ پر آ کر رکی اور کار کی اسٹیئرنگ سیٹ پر جو مجھے نظر آیا اسے دیکھ کر میری آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔ میرا دل یکبارگی اچھل کر حلق میں آ گیا تھا۔ نہیں، میں یقین نہیں کر سکتا۔ میں یقین نہیں کر سکتا کہ یہ سلمان ہے۔ ہاں۔ وہ سلمان ہی تھا۔ نیلے رنگ کے حسین سوٹ میں ملبوس آنکھوں پر سیاہ چشمہ لگائے۔ وہ کھڑکی سے گردن نکالے مجھے دیکھ رہا تھا۔ مجھے پہچان کر اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ میں پاگلوں کی طرح اس کی طرف دوڑا۔ سلمان بھی کار کا دروازہ کھول کر باہر نکل آیا۔ اور اس کے بعد ہم اس طرح لپٹ گئے جیسے برسوں کے بچھڑے ہوئے ہوں۔

"سلمان ! میرا بیٹا ! میرا بچہ ۔" میں اسے بھینچ بھینچ کر پیار کر رہا تھا۔ سلمان بھی جذباتی ہو رہا تھا۔ اس کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے۔ جو اس کے چشمے کے فریم کے نیچے سے گالوں پر ڈھلک آئے تھے۔ پھر اس نے چشمہ اتار کر جیب میں رکھا اور آنکھوں کو خشک کرنے لگا۔

"آؤ بیٹے ! آؤ اندر آ جاؤ۔ میرے سلمان ! میری زندگی ۔ میری روح ۔" میں نے کہا۔

"گاڑی اندر لے آؤں ؟" اس نے پوچھا۔

"اوہ ۔ ملازم لے آئے گا۔ تم میرے ساتھ آؤ۔" میں نے اس سے کہا۔ اور سلمان میرے ساتھ اندر داخل ہو گیا۔ چوکیدار سے میں نے کہا کہ وہ گاڑی کسی سے اندر منگوا لے۔ چوکیدار بے چارہ یہ منظر دیکھ کر شدید حیران ہو رہا تھا۔

میں سلمان کو لے کر اندر پہنچ گیا۔ ڈرائنگ روم کے بجائے میں اسے اپنی خوابگاہ میں لے آیا تھا۔ ایک بار پھر میں نے اسے بھینچ لیا۔ سلمان بھی مجھ سے بچوں کی طرح لپٹا بیٹھا رہا تھا۔ بچوں ہی کی طرح اس نے میری آغوش میں پرورش پائی تھی۔ لیکن میں نے اس کے چہرے پر عجیب سے تاثرات دیکھے تھے۔ مجھے احساس بھی ہو رہا تھا کہ میری اس وقت کی اور اب کی کیفیت میں بڑا فرق ہے۔ سلمان کے حیران ہونے سے میں نے متعجب ہو کر پوچھا۔

"کیا دیکھ رہے ہو بیٹے ؟"

"کچھ نہیں انکل ! میں دیکھ رہا ہوں کہ آپ میں کتنی بڑی تبدیلی پیدا ہو گئی ہے۔ پہلی نگاہ میں تو میں آپ کو پہچان ہی نہ سکا تھا۔" میں چونک پڑا تھا۔ اب مجھے احساس ہوا کہ میں نے واقعی سلمان پر اس حیثیت کا اظہار نہیں کیا تھا۔ سلمان نے مجھے پہچان ہی لیا۔ یہ کوشش کی بات تھی ورنہ مجھے دیکھنے والے اب مجھے اس شکل میں دیکھ کر تو پہچان بھی نہیں سکتے تھے۔ جب

سمندری طوفان نے ہم لوگوں کو کیسی کیسی مشکلات سے دوچار کر دیا تھا۔ وہ ماکا زونگا ہی تھا جو مجھے زندہ بچا لے آیا تھا۔ ورنہ ہماری زندگی ممکن ہی نہیں تھی۔"

"آہ! میں اس کا احسان مند ہوں۔ تمہیں دیکھ کر مجھے جس قدر مسرت ہوئی ہے سلمان! میں بیان نہیں کر سکتا۔ لیکن میں خوف زدہ ہوں۔ اگر تمہیں حالات کا اس قدر علم ہے تو تمہیں یہ بھی علم ہوگا کہ اپسرا نے کس طرح میری زندگی تلخ کر کے رکھ دی ہے۔ وہ مجھ سے کیسے کیسے کام کروا رہی ہے۔"

"سب کچھ معلوم ہے انکل! ہمیں سب کچھ معلوم ہو چکا ہے۔"

"تو کیا تمہیں یقین ہے کہ ماکا زونگا اس آخری کوشش میں کامیاب ہو جائے گا؟"

"ہاں انکل! ضروری تھی ابھی ہم آپ کے سامنے نہ آتے۔ میں اس کی موت کے بعد ہی آپ سے ملاقات کرتا۔ لیکن آپ نے جو فیصلہ کیا ہے اس کا علم ماکا زونگا کو ہے۔"

"کون سا فیصلہ؟"

"یہی کہ اس لڑکی کو آپ قتل نہیں کریں گے۔ اور اپنے آپ کو اپسرا کی بھینٹ چڑھا دیں گے۔"

"میرے بچو! یا ماکا زونگا کو میرے دل کا حال بھی معلوم ہے۔"

"دل کا حال نہیں۔ وہ ہر لمحہ آپ کے پیچھے لگا رہا ہے۔ اسے صورت حال کا اندازہ ہے۔ وہ جانتا تھا کہ آپ کبھی ایسا نہیں کریں گے۔ آپ کی اپنی فطرت ہی ایسی نہیں ہے۔ اور پھر شاہدہ جیسی لڑکی جسے آپ اس قدر چاہتے ہیں۔"

"سلمان! سلمان! تم مجھے پاگل کر دو گے۔ شاہدہ کے بارے میں اور میرے بارے میں اس قدر جان چکے ہو تم۔"

"ہاں انکل! یہ ہماری تمام کاوشوں کا نتیجہ ہے۔ ہم اپنی زندگی کا اہم ترین مقصد حاصل کرنے کے لیے ہر لمحہ آپ کے ساتھ لگے ہوئے ہیں۔"

"خیر اب بتاؤ کہ ماکا زونگا نے تمہیں میرے پاس کیوں بھیجا ہے؟"

"اس لیے انکل! آپ شاہدہ کو اپنے ساتھ لے کر جائیں گے۔ اپسرا کی ہدایت کے مطابق اس کے قریب پہنچیں گے اور اس کے اندر ہو کر وہ صرف آپ [illegible] رہیں گے۔ آپ بالکل اطمینان رکھیں۔ شاہدہ کو کوئی نقصان نہیں پہنچے گا۔ یہ میرا نہیں ماکا زونگا کا وعدہ ہے۔"

"کیا واقعی؟"

"ہاں واقعی انکل! بہت جلد اپسرا کا خاتمہ ہو جائے گا۔" سلمان نے جواب دیا اور میں شدت حیرت سے گنگ اس کی شکل دیکھتا ہی رہ گیا۔

سلمان رخصت ہو گیا لیکن میں نفسی کا شکار تھا۔ بہرحال اب سارے کام ہوشیاری سے کرنے تھے۔ شاہدہ کو میں نے کچھ نہیں بتایا۔ وہ مجھ پر اندھا اعتماد کرتی تھی۔

چنانچہ میں ___ دوسری رات اسے اپنے ساتھ لے کر ساحل پر پہنچ گیا۔ سمندر میں اپسرا کا مجسمہ ایستادہ نظر آ رہا تھا۔ وقت نزدیک آتا جا رہا تھا۔ میں گویا اپنا کام کرنے کے لیے تیار تھا۔ دفعتاً سمندر میں ہلچل پیدا ہوئی اور پھر اس میں سے دو انسان باہر نکلتے نظر آئے۔ سلمان کے ہاتھ میں تیشہ تھا دوسرا آدمی ___ ماکا زونگا تھا۔

دفعتاً فضا میں ایک بھیانک چیخ ابھری اور میرا دل دہل اٹھا۔ اپسرا کے مجسمے میں تحریک پیدا ہوئی لیکن اس سے قبل کہ وہ اگلے قدم بڑھائے۔ سلمان کا تیشہ اس کی گردن پر پڑا اور اس کی گردن الگ ہو گئی۔ آسمانوں پر شور بلند ہونے لگا تھا۔ عجیب و غریب آوازوں سے فضا ہولناک ہو گئی تھی۔ شاہدہ چیخ مار کر بے ہوش ہو گئی۔ سفید سفید دھوئیں کے مرغولے جادو کے گرد چکرا رہے تھے۔ اور فضا میں ایک عجیب سی خوشبو رچ گئی تھی۔

"میں نے اپنا وعدہ پورا کر دیا میرے بزرگو! جادوگر ملکہ اپنے انجام کو پہنچ گئی۔ اب اس کائنات میں دوبارہ اس کا وجود نہ ہوگا۔" سلمان کی آواز ابھری۔ اور پھر ایک آواز میرے کانوں نے سنی۔

"جیو میرے بچے! تو نے صدیوں کا قرض چکا لیا ہے۔ اب ہم پرسکون ہیں۔" آوازیں معدوم ہو گئیں اور اب سمندر کی لہروں کے علاوہ اور کوئی آواز نہیں تھی۔ بے ہوش شاہدہ کو اٹھا کر ہم واپس چل پڑے۔

ماکا زونگا سے بہت عرصے کے بعد ملاقات ہوئی تھی۔ سلمان کو میری اس نئی زندگی کے بارے میں معلوم کر کے بہت حیرت ہوئی۔ اور پھر ہم نے مستقبل کے فیصلے کیے۔ سلمان بضد تھا کہ میں [illegible] واپس چلوں۔ جہاں میرے لیے کوئی دلکشی نہیں تھی۔ چنانچہ چند روز کے اندر میں نے خاموشی سے کچھ کام کیے۔ اپنی دولت شاہدہ کے نام منتقل کر کے ایک رات ہم خاموشی سے سفر پر چل پڑے۔ ماکا زونگا اور سلمان میرے ساتھ تھے اور بہت خوش تھے کیونکہ سفر میں ہم ایک نئی اور پرسکون زندگی کا آغاز کرنے والے تھے۔

ہونٹوں پر ایک پھیکی سی مسکراہٹ پھیل گئی۔

"یہ ایک لمبی کہانی ہے سلمان! میں تمہیں بعد میں بتاؤں گا۔"

"آپ مجھے کیا بتائیں گے انکل! مجھے یہ ساری کہانی معلوم ہو چکی ہے۔"

"معلوم ہو چکی ہے؟"

"ہاں۔"

"کیسے؟"

"ماکا زونگا کی زبانی۔"

"کیا؟" میری آنکھیں حیرت زدہ انداز میں پھیل گئیں۔

"ہاں۔"

"ماکا زونگا کو سب بارے میں کیسے معلوم ہو گیا؟"

"انکل! ہم لوگ آپ سے غافل نہیں تھے۔ ماکا زونگا مسلسل آپ کے پیچھے لگا ہوا تھا۔ لیکن بہت عرصے کے بعد آپ اس کے ہاتھ لگے۔ اس وقت جب آپ جیل سے رہا ہوئے تھے۔"

"کیا! اس وقت ماکا زونگا کہاں تھا؟"

"آپ کے بالکل قریب۔ وہ آپ کی تلاش میں سرگرداں تھا۔ میری کہانی بہت لمبی ہے۔ میں آپ کو تفصیل سے سناؤں گا۔"

"یہ بتاؤ بمبئی میں کب آئے؟ کہاں رہتے ہو؟ اور یہاں تمہاری کیا حیثیت ہے؟"

"میں کہیں نہیں رہتا انکل۔ بس آپ ہی کے پاس آ رہا تھا۔ فی الوقت آپ ہی کے پاس رہوں گا۔ لیکن کچھ وقت بعد واپس چلا جاؤں گا۔"

"اوہ! مگر سلمان ___ سلمان! کیا تمہیں اس بات کا علم ہے کہ اپسرا ہماری زندگی سے واقف ہو گئی ہے اور دوسری بات مجھے یہ بتاؤ کہ ماکا زونگا زندہ ہے یا ___"

"ماکا زونگا!" سلمان نے ادھر ادھر دیکھ کر کہا پھر اپنے ہاتھ کے ناخن پر دیکھا پھر اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ "ہاں وہ زندہ ہے۔"

"یہ تم نے اپنے ہاتھ کے ناخنوں پر کیا دیکھا؟"

"یہ انکل! کہ اپسرا اس وقت آپ پر مسلط تو نہیں ہے۔" وہ بولا۔

"اوہ! تو ___ تو ان ناخنوں سے تیرا مطلب ہے۔"

"اگر اپسرا یہاں ہوتی تو میرے ناخنوں کا رنگ گہرا سیاہ ہو جاتا۔ یہ ماکا زونگا کا عطیہ ہے۔ اس نے اپسرا سے بچنے کے لیے بڑے بڑے شاندار کام کیے ہیں۔ ہم نے اپسرا کو [illegible] ناکام بنا دیا ہے۔ انکل! اسے ماکا زونگا کی لاش مل چکی ہے۔

لیکن دراصل وہ ماکا زونگا نہیں تھی۔ بلکہ ایک فقیر کی تھی جو سڑکوں پر ایڑیاں رگڑ رگڑ کر مر گیا تھا۔ ماکا زونگا نے اپسرا کو کامیاب دھوکا دیا ہے اور وہ یہی سمجھتی ہے کہ ماکا زونگا مر چکا ہے۔"

"اور تمہارے بارے میں؟"

"میری زندگی کے بارے میں اسے علم ہے۔ یہ بھی ماکا زونگا ہی کی کوششوں کا نتیجہ ہے۔ ماکا زونگا اسے یہ باور کرا کے کہ میں زندہ ہوں ایک خاص کام لینا چاہتا ہے۔"

"اوہ! کمال کی دنیا ہے یہ سلمان! کیا تمہیں عجیب نہیں معلوم ہوتی؟" میں نے پوچھا۔

"ہاں، انکل! بے حد عجیب۔ لیکن بس یوں سمجھ لیں کہ میں کامیابی کے بالکل نزدیک پہنچ چکا ہوں۔"

"کیا واقعی؟"

"ہاں انکل! اب ہماری کامیابی ہم سے صرف چند قدم دور ہے اور ہماری اس کامیابی کا سہرا آپ کے سر ہوگا انکل!"

"میرے سر؟"

"ہاں انکل!"

"وہ کیسے؟"

"آپ ہی تو وہ ہوں گے جو اپسرا کو میرے ہاتھوں ختم کرائیں گے۔ میں صدیوں پرانا انتقام اپسرا سے لینے والا ہوں۔ جانتے ہیں کب؟"

"کب؟" میں نے متحیرانہ انداز میں پوچھا۔

"کل رات اسی وقت جب آپ اس کے مجسمے کو خون سے غسل دیں گے۔"

میری آنکھیں شدید حیرت سے پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔ سلمان میرے بارے میں اتنا جانتا ہے۔ میں نے کبھی خواب میں بھی نہیں سوچا تھا۔ میں پاگلوں کی طرح اسے دیکھتا رہا اور سلمان نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"نہ حیران ہوں انکل! ماکا زونگا نے اپسرا کو زبردست شکست دی ہے۔ اس کی وجہ سے اپسرا کو ہزاروں سال پرانی حکومت چھوڑنی پڑی۔ وہ یہاں تک پہنچی۔ اس نے اپنی جوانی اور دلکشی ماکا زونگا کے ہاتھوں گنوائی اور اب اسے حاصل کرنے کے لیے کوشاں ہے۔ اس نے اپنا طریقہ زندگی بدل دیا۔ پہلے وہ آگ سے غسل کرتی تھی اور اب وہ خون سے غسل کرتی ہے۔ اور اپنے آپ کو تیار کر رہی ہے۔ ماکا زونگا نے [illegible] زندہ جاوداں بنا ہے۔ اور اس کا کامیاب جادو اپسرا کے جادو سے بڑھ کر ہے۔ آپ نہیں جانتے انکل! کہ